مِصباحُ التَّحقِیق
فِی أنَّ الإشارة
بِالسَّبّابة حقٌّ حقِیق

المعروف

مسئلہ اشارہ سبابہ کی تحقیق
اور
اس پر اعتراضات کے جوابات

مع ضمیمہ

إزالة الأوهامِ عن
سُنّةِ خیرِ الأنام



ڈاکٹر مولا بخش سکندری

کراچی
معلم پبلشر

بسم الله الرحمن الرحيم


الله لا إله إلا هو الحي القيوم

مِصباحُ التّحقيق

فی أنّ الإشارة

بالسّبّابة حقٌّ حقيق

المعروف

مسئلہ اشارہ سبابہ کی تحقیق

اور

اس پر اعتراضات کے جوابات

مع ضمیمہ

إزالةُ الأوهام عن سُنّةِ خيرِ الأنام

مصنف

ڈاکٹر مولا بخش سکندری

ناشر

معلم پبلشرز، کراچی

نام کتاب : مِصْبَاحُ التَّحْقِيقِ فِي أَنَّ الْإِشَارَةَ بِالسَّبَّابَةِ حَقٌّ حَقِيقٌ
مسئلہ اشارہ سبابہ کی تحقیق اور اس پر اعتراضات کا جواب
مع ضمیمہ إِزَالَةُ الْأَوْهَامِ عَنْ سُنَّةِ خَيْرِ الْأَنَامِ

نام مصنف : ڈاکٹر مولا بخش سکندری

کمپوزنگ : ڈاکٹر غلام قاسم چشتی 0300-3483696

اشاعت اول: محرم الحرام ۱۴۴۰ھ/اکتوبر 2018ء

تعداد : ۱۱۰۰

طابع : السعید پرنٹرز، اردو بازار کراچی۔ 0313-9228599

ناشر : معلم پبلشرز، کراچی۔ 0301-3688909

قیمت :

ملنے کا پتہ

۱۔ ایس۔ ایس پبلشرز، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
۲۔ مسلم کتاب گھر میٹرو ول، کراچی۔
۳۔ برکات المدینہ بہار شریعت مسجد بہادر آباد کراچی۔
۴۔ مکتبہ غوثیہ بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک، مین یونیورسٹی روڈ کراچی۔
۵۔ مکتبہ ممتاز الاسلام سیکٹر H-4 نزد مصطفیٰ مسجد بسم اللہ چوک بلدیہ ٹاؤن کراچی۔
۶۔ الحقائق فاؤنڈیشن B-1 لنک میکلوڈ روڈ پٹیالہ گراؤنڈ، لاہور۔
۷۔ دار الفیض گنج بخش 55 حکیم محمد موسیٰ روڈ ریلوے روڈ (گوالمنڈی) لاہور۔

صفحہ	فہرست مضامین	نمبر شمار

باب اول

(اعتراضات کے جوابات)

باب دوم

(احادیث مبارکہ کی روشنی میں اشارۂ سبابہ کا ثبوت)

باب سوم

(ثبوتِ اشارہ کے لیے فقہی عبارات)

ازالۃ الاوہام عن السنۃ علیہ السلام

ضمیمہ مصباح التحقیق ۳۳۱

انتساب

اس فرد فرید کے نام جو اپنی ذات میں انجمن تھا، جس نے پچپن سال دین اسلام کی تبلیغ اور ترویج علم میں صرف کی۔ تحفظ عقائد اہلِ سُنت، دفاع مقام مصطفیٰ، حُبِّ صحابہ واہل بیت واولیاء کرام کو مطمحِ نظر بنائے رکھا اور کئی غیر مسلموں کو ان کے دستِ حق پرست پر دولتِ ایمان نصیب ہوئی۔ جس نے تبلیغی اور تعلیمی مصروفیات کے باوصف عظیم الشان دار العلوم اور ہزاروں کتب اور صدہا نادر ونایاب قلمی نسخہ جات پر مشتمل لائبریری کے علاوہ مختلف مقامات پر گیارہ (۱۱) مدارس اور نو (۹) مساجد قائم کیں، نیز دوعدد عالم فرزندوں کے علاوہ ڈیڑھ درجن کتابیں یادگار چھوڑیں۔ سینکڑوں جدید تعلیم یافتہ افراد کے قلوب میں عشقِ مصطفیٰ کی شمع فروزاں کی، تمام عمر دینی و مذہبی امور اور بیانِ حق میں عدم مداہنت ان کا طرۂ امتیاز رہا۔

کئی اہل تقویٰ علماء وسادات کرام، صاحبانِ نظر کے ذریعے انہیں بارگاہِ رسالت سے قبولیت کی بشارات ملیں۔ اور برصغیر پاک وہند کی تین اہلِ علم اہل اللہ کے علاوہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم کی زیارت نصیب ہوئی، یہ اس لئے کہ ان کی کل پونجی یہی تھی:

گشت عشقت یا نبی سامانِ من

بامرادم گشت پُر دامانِ من

مجھ ایسے ہیچ مداں پر شفقت فرماتے ہوئے "مصباح التحقیق" اور "ازالۃ الاوہام" کو حرف بحرف پڑھ کر اس پر تقریظ سپردِ قلم کی۔

اس سے میری مراد ہے برادر اکبر، استاذ مکرم، مجاہد اسلام، مبلغ اہلسنت، سلطان الواعظین شیر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الحاج مفتی عبدالرحیم سکندری نور اللہ مرقدہ و برّد اللہ مضجعہ،

ولادت: ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ/ یکم ستمبر ۱۹۴۴ء بوقت صبح صادق بروز ہفتہ

وصال: ۱۱ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ/ ۲۹ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعرات صبح ۷:۴۵

تقریظ

استاذ العلماء، مناظر اسلام حضرت علامہ الحاج مفتی عبدالرحیم سکندری
شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ صبغۃ الہدیٰ شاہ پور چاکر، ضلع سانگھڑ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین. اما بعد:

علمائے امت ومحدثین، وفقہائے دین متین نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرنے کے لئے، اہتمام کے ساتھ، لاتعداد کتابیں تحریر فرمائی ہیں، کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، کہ رسول اللہ ﷺ ہی "صراط مستقیم" کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں، اس لئے حکم ہے کہ جو کچھ میرا رسول تمہیں عطا فرمائے وہ اس سے لے لو، اور جس سے منع فرمائے اس سے رک جاؤ۔ اس حکم کے تحت ہر مسلمان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے۔ خصوصاً نماز کے بارے میں ارشاد ہے: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ بخاری شریف میں حضرت مالک بن الحویرث سے روایت ہے: کہ، نماز اس طرح پڑھو، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ لہٰذا ہم پر آپ کی اطاعت واقتدیٰ کرنا لازم ٹھہرا اور آپ کی نماز کی کیفیت وصورت کو سیکھنا، وجاننا ضروری ہوا، تاکہ ہم آپ کی متابعت کے مطابق نماز ادا کریں۔

اس نکتہ کے پیشِ نظر علمائے اسلام نے، آپ ﷺ کی نماز کی صفت وکیفیت کو، تکبیر تحریمہ سے لے کر اختتام سلام تک، اہتمام کے ساتھ احادیث مبارکہ کی روشنی میں مکمل طور پر بیان فرمایا ہے۔

اس موضوع پر علماء کے مختلف مناہج سامنے آئے ہیں، کچھ علماء نے مستقل نماز کے تمام احکامات ومسائل کو، از اول تا آخر، اپنی تصنیف کی زینت بنایا ہے۔ اور کچھ علماء نے نماز کے چند ابواب کو، اپنی تصنیف کا حصہ بنایا، کچھ علماء نے نماز کے بعض مسائل کی تحقیق کو، اپنا موضوع منتخب فرمایا اس طرح رسول اللہ ﷺ کی نماز کی مکمل کیفیت وصورت کو علماء نے اپنی تصانیف میں مستند

ومعتبر احادیث کی روشنی میں جمع فرمایا ہے۔

نماز کے کچھ ایسے مسائل بھی ہیں، جن کو علماء نے علیحدہ موضوع کے طور پر، مستقل تصانیف میں ذکر فرمایا ہے۔ ان مسائل میں سے " الاشارۃ بالسبابہ " یعنی، تشہد میں، انگلی سے اشارہ کرنا بھی ہے۔ اس موضوع پر متقدمین علماء نے مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ یہ مسئلہ بھی دیگر بعض مسائل کی طرح، بعض علماء امت میں، مختلف فیہ رہا ہے اور متعدد کتب ورسائل اس مسئلہ پر پہلے بھی لکھے جا چکے ہیں۔ عربی زبان میں ایک رسالہ شیخ الاسلام حضرت علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا بنام " نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین " بھی ہے۔

زیر نظر کتاب بھی اس موضوع کا حصہ ہے۔ جس میں فاضل برادرم، علامہ ومولانا ڈاکٹر مولا بخش سکندری مدظلہ نے، تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کو، دلائل سے مشروع ہونا ثابت فرمایا ہے۔ دراصل یہ رسالہ، جناب مولانا سید احمد علی سیفی صاحب کے رسالہ " مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشھد فی الصلاۃ یعنی تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسئلہ " کا رد ہے۔

حضرت شاہ صاحب، تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے عمل کو ناجائز مانتے ہیں۔ برادرم محترم ڈاکٹر مولا بخش سکندری نے دلائل وبراہین سے ثابت کیا ہے، کہ رفع سبابہ کا مسئلہ، ثابت شدہ مسائل میں سے ایک ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ التحیات میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے، نیز چاروں فقہی مذاہب میں، تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا متفق علیہ ہے، فقہ امام ابوحنیفہ میں بطور خاص، معتمد علیہ مسئلہ ہے۔

اس میں فاضل مصنف نے کامل دیانتداری سے، معترض کے ہر اعتراض کا جواب، دلیل سے دیا ہے۔ اور رفع سبابہ کے ثبوت کے لیے احادیث، وفقہی عبارات سے استدلال فرمایا ہے۔ قاری کو یہ تمام باتیں کتاب کو غور سے پڑھنے سے سامنے آئیں گی۔ اس تناظر میں راقم الحروف کو بھی اپنی رائے کے لیے کہا گیا۔ فقیر راقم الحروف نے حضرت سید احمد علی شاہ سیفی صاحب کے رسالہ کا، از اول تا آخر غور سے مطالعہ کیا ہے، آپ تشہد میں اشارہ کرنے کو اس لیے ناجائز فرماتے ہیں:

(۱) اشارہ کرنے کے ثبوت کے لیے بقول ان کے، انکے علم میں ایک بھی صحیح حدیث مذکور نہیں۔

(۲) اشارہ اس لیے نہیں کرنا چاہئے، کہ اشارہ کے ثبوت والی تمام کی تمام احادیث مضطرب ہیں،

اور مضطرب حدیث ضعیف، نا قابل قبول ہوتی ہے۔

(۳) ابوداؤد شریف سے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں "مَن اشار اشارۃ فی الصلوٰۃ تفھم منھا فلیعدھا" اس حدیث سے اشارہ حرام ثابت ہوا۔

(۴) جامع رموز اور کفایہ کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں کہ اس لئے اشارہ کرنا منع ہے کہ یہ مسئلہ، ظاہر الروایۃ کتب میں سے، کسی کتاب میں مذکور نہیں، اس مسئلہ کے ذکر سے خاموشی، امام محمد کے اس قول کے منافی ہے، جو آپ کی طرف منسوب ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کی متابعت کرتے ہیں"۔

جوابات

اعتراض اول کا جواب یہ ہے، کہ اشارہ کے ثبوت کے لئے، اس رسالہ میں فاضل مصنف نے متعدد احادیث وروایات کو، باحوالہ لکھا ہے، متعلق باب میں ان احادیث وروایات کو بغور دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کے لئے، راقم کی طرف سے، یہ جواب نذر ہے۔ کہاوت ہے: خود گواہ، نہ صد گواہ۔ حضرت شاہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں: میں یہ مانتا ہوں کہ ایک حدیث، حضور معلم ومقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، امام محمد رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے، جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس جگہ فرمایا ہے: بِصَنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ، ھٰذا قولی وقول ابی حنیفۃ، کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرنے سے اس پر عمل کرتے ہیں، یہ میرا اور امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے۔ انتھیٰ بقولہ۔ مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ صفحہ ۷۔

کیا آپ کے اس اقرارِ بالا کے ہوتے ہوئے بھی کوئی ذی فہم انسان کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشارہ کا سنت ہونا منقول نہیں۔ اگر حضرت شاہ صاحب، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عربی عبارت کے اپنے ترجمے پر نظر فرمائیں، جو آپ نے لکھا ہے (ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرنے سے، اس پر عمل کرتے ہیں، یہ میرا اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے) تو اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ تشہد میں اشارہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے وہ سنت ہے اور یہ مسنون فعل حضور معلم ومقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے امام محمد رحمۃ اللہ ثابت فرماتے ہوئے کہتے ہیں: ہم (امام ابوحنیفہ، اور امام محمد) اس سنت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرنے سے عمل کرتے ہیں، یہ میرا اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔

رہا شاہ صاحب کا یہ اعتراض کہ چونکہ، یہ روایت، ظاہر الروایت میں مندرج نہیں

۔۔۔۔۔۔لہٰذا اس روایت پر فتویٰ نہیں۔صفحہ ۸۔

جواب: علامہ عبد الحیی لکھنوی علیہ الرحمۃ اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں: بل ذکر بعضهم انها مكروهة. والذی حملهم علی ذالک سکوت ایمتنا عن هٰذه المسألة فی ظاهر الرواية. ولم يعلموا انهٗ قد ثبت عنهم بروايات متعددة.ولا انهٗ ورد فی احاديث متكثرة فالحذر والحذر من الاعتماد علیٰ قولهم فی هٰذه المسألة مع كونه مخالفا لما ثبت عن النبی صلی الله عليه وسلم واصحابه بل وعن أيمتنا ايضاً. بل لو ثبت عن أيمتنا التصريح بالنفی. وثبت عن رسول الله صلی الله عليه وسلم واصحابه الاثبات. لكان فعل الرسول واصحابه احق والزم بالقبول. فكيف وقد قال به أيمتنا ايضاً۔(التعلیق الممجد علیٰ مؤطا محمد مع الموطا۔صفحہ ۱۰۹) بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ اشارہ مکروہ ہے، ان کو اِس بات کہنے پر ظاہر الروایۃ کتب میں اس مسئلہ کی بابت ہمارے ائمہ کی خاموشی نے اکسایا۔حالانکہ (اشارہ کو مکروہ لکھنے والوں نے) یہ نہیں جانا کہ یہ مسئلہ متعدد روایات سے ثابت ہے اور یہ بھی نہیں جانا کہ کثیر احادیث میں وارد ہے۔لہٰذا اس مسئلہ میں انکے قول پر اعتماد کرنے سے ڈرنا ضروری ہے۔ان کا یہ قول نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ امر کے خلاف ہے بلکہ (بالفرض) اگر ہمارے ائمہ سے اس اشارہ کرنے کی نفی کی تصریح بھی ثابت ہوجائے اور (اسکے بالمقابل) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہو تو یقیناً رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا عمل قبول کرنے کے لائق تر اور لازم تر ہوگا۔تو پھر اسے مکروہ کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ جبکہ ہمارے ائمہ نے بھی اس کو مسنون کہا ہے۔

علامہ لکھونی علیہ الرحمۃ کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ: کتب ظاہر الروایۃ میں یا تو مجتہد کا قول یا مجتہد کا فتویٰ مذکور ہوتا ہے لیکن حدیث میں تو رسول اللہ ﷺ کے عمل کا ذکر ہوتا ہے جس سے مجتہد اس عمل کو سنت ہونا قرار دیتا ہے جس طرح حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا: قال محمد وبِصَنِيْعِ رسول الله صلی الله عليه وسلم نأخذ. وهو قول ابی حنيفة۔(مؤطا امام محمد صفحہ ۱۰۹) یعنی حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے عمل شریف کی متابعت کرتے ہیں اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے صراحت سے، مؤطا شریف میں لکھا

ہے کہ: اشارہ کرنے کے ثبوت کے لیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول موجود ہے۔ اور امام محمد بن حسن الشیبانی کی معروف عادت ہے کہ وہ اپنی مؤطا میں ایسی کوئی بات امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل نہیں کرتے، وہ صرف اسی بات کو نقل کرتے ہیں جو امام اعظم علیہ الرحمۃ کا معتمد علیہ مذہب منصور ہوتا ہے۔ علامہ حافظ علاء الدین مغلطائی، حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) ابن ماجہ شریف کی شرح میں لکھتے ہیں: وھو معتمد ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ صفحہ ۱۵۷۷، جلد ۵ اشارہ بالسبابہ یعنی انگلی سے اشارہ کرنا حضرت امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا معتمد علیہ مذہب ہے۔

علامہ مغلطائی اور علامہ لکھنوی کے بقول مؤطا شریف و ابن ماجہ شریف والی حدیث سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے عمل سے اشارہ بالسبابہ کا ثبوت ملتا ہے جو قبول کرنے کے لائق تر عمل ہے۔ اس تصریح کے بعد حضرت شاہ صاحب کے اس ارشاد کی حیثیت تمام اہل علم حضرات کے سامنے عیاں ہے جس میں فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایک بھی صحیح حدیث اشارہ کرنے کے ثبوت میں مذکور نہیں۔ یا للعجب۔

اعتراض نمبر ۲ میں فرماتے ہیں: اشارہ اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ اشارہ کے ثبوت کی تمام احادیث مضطرب ہیں اور مضطرب حدیث ضعیف ناقابل عمل ہوتی ہے۔ اس کا تفصیلی وعلمی جواب تو رسالہ میں موجود ہے، جس کا جواب معترض کے پاس ہرگز نہیں۔ راقم صرف ایک قاعدہ عرض کرتا ہے جو حدیث کی حیثیت سے متعلق ہے۔

یہ بات طے ہے کہ مضطرب حدیث ضعیف حدیث کے زمرے میں آتی ہے۔ محدثین کرام ضعیف حدیث کے بارے میں ایک قاعدہ لکھتے ہیں۔ علامہ قاضی محمد اکرم نصر پوری، السندی نے شرح الفیہ کے حوالے سے لکھا ہے: اذ تلقت الامة الضعيف بالقبول. يعمل به على الصحيح. انه ينزل منزلة التواتر۔ (امعان النظر شرح نخب الفکر، صفحہ ۱۸۶) جب امت کے علماء ضعیف حدیث کو قبول کرلیں تو اس پر صحیح قول کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور وہ حکم، متواتر کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اس قاعدہ کی روشنی میں عرض ہے کہ چند احادیث میں مذکور ہے کہ تمام انگلیاں بند کرکے اشارہ کیا جائے کچھ میں مذکور ہے کہ دو انگلیاں بند کرکے حلقہ بنایا جائے وغیرہ۔ اس عمل سے حدیث میں اضطراب ثابت کیا جارہا ہے جو حقیقت کے برخلاف ہے۔ دراصل یہ عمل اس لیے مختلف نظر آرہا ہے کہ کچھ احادیث میں عمل کا اختلاف احناف کی بیان کردہ حلقہ کی کیفیت سے

متعلق ہے اور کچھ احادیث میں شوافع کی بیان کردہ حلقہ کی کیفیت سے متعلق ہے۔ نفس مسئلہ کا اختلاف احادیث میں اشارہ کی اثبات یا نفی کا ہرگز نہیں۔ احناف وشوافع کے نزدیک احادیث سے اشارہ کا اثبات متفق علیہ مسئلہ ہے جس کو احناف وشوافع (امت کے علماء) نے قبول کیا ہے۔ تو پھر اضطراب کیسے ہوا؟ بلکہ صحیح قول کے مطابق ان احادیث پر عمل کیا جائیگا۔

اعتراض نمبر ۳ میں فرماتے ہیں: ابوداؤد شریف میں حدیث ہے، من اشار اشارة فی الصلوٰة تفهم منها. فليعدها۔ اس حدیث سے اشارہ حرام ہوا۔

جواب: اس حدیث شریف میں تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے مسئلہ کا ذکر ہرگز نہیں بلکہ اس حدیث کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ اگر نمازی کلام یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دیگا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لیے اس حدیث کو امام ابوداؤد "باب الاشارة فی الصلاة" میں لائے ہیں، اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نمازی کلام سے یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب نہیں دے سکتا اگر کلام یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دیگا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے امام بدرالدین عینی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بهذا الحديث استدل اصحابنا. على ان المصلى لا يرد السلام. لا نطقاً ولا اشارة. حتٰى لو صافح بنية التسليم. تبطل صلاته۔ (شرح سنن ابی داؤد۔ للعینی، صفحہ ۲۱۱، جلد ۴) یعنی ہمارے اصحاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ کلام اور اشارہ سے سلام کا جواب نہ دے۔ اگر سلام کرنے کی نیت سے نمازی کسی سے مصافحہ کریگا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لیے کہ کلام سے اور ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینے سے اس حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

اس کی تائید علامہ ابن الھمام کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ ھدایہ شریف کی عبارت "لا يرد السلام بلسانه لانهٗ كلام ولا بيده لانهٗ سلام" کی شرح میں ابن الھمام فرماتے ہیں: قال شارح الكنز: انه بالاشارة مكروه. وبالمصافحة مفسد ـــ لنا حديث جيد اخرجهٗ ابو داؤد: عن ابی هريرة عنه صلى الله عليه وسلم قال من اشار فی الصلاة اشارة تفهم اوتفقه فقد قطع الصلاة۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۵۸، جلد اول) یعنی سلام کا جواب اشارہ سے دینا مکروہ ہے اور مصافحہ کرنا نماز کو توڑنے والا ہے۔۔۔ اس لیے کہ ہمارے پاس ایک معتبر حدیث ہے جس کو ابوداؤد حضرت

ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: جس نے نماز کے اندر ایسا اشارہ کیا جس سے اس کا مفہوم اور مدعی سمجھ میں آجائے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نماز میں کلام یا اشارہ سے سلام کا جواب دینا ناجائز ہے، مگر التحیات میں سبابہ سے اشارہ کرنے سے منع اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں۔ کیونکہ امام ابوداؤد نے التحیات میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کا علیحدہ باب میں ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد شریف، جلد اول صفحہ ۱۵۰ باب الاشارۃ فی التشھد۔ یعنی، التحیات میں اشارہ کرنے کا باب۔ اس باب میں انھوں نے پانچ روایات بیان کی ہیں جن میں اشارہ کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ حدیث نمبر ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱۔ علامہ بدرالدین عینی اس باب کی شرح، اس طرح فرماتے ہیں: ای: ھٰذا باب فی بیان الاشارۃ بالاصبع فی التشھد فی الصلاۃ (صفحہ ۲۷۱، جلد ۴) یعنی: یہ باب نماز میں التحیات پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کرنے کے بیان میں ہے۔ اس باب کی پہلی روایت کی شرح میں علامہ عینی فرماتے ہیں: وبھذا قال اکثر العلماء: الاشارۃ بالمسبحۃ مستحبۃ عند قول ''الا اللّٰہ'' من الشھادۃ، ویشیر بمسبحتہ الیمنی لا غیر. فلو کانت مقطوعۃ او علیلۃ لم یشر بغیرھا، لا من اصابع الیمنی ولا من اصابع الیسری۔ وقال فی المحیط: لا یشیر بالمسبحۃ عند قولہ: اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، و قد نص محمد علی انہ یشیر، فقال: حُدِّثنا عن رسول اللّٰہ انہ کان یفعل ذالک۔ ای: یشیر وقال نصنع بصنیع رسول اللّٰہ ﷺ و ھذا قول ابی حنیفۃ و قولنا۔ (شرح سنن ابی داود ص: ۲۷۲، ۲۷۳، جلد ۴) یعنی اکثر علماء کا قول ہے کہ شہادت کے قول ''الا اللہ'' کے وقت سبابہ سے اشارہ کرنا مستحب ہے نمازی سیدھے ہاتھ والی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، دوسری سے نہیں۔ اگرچہ سیدھے ہاتھ کی شہادت والی انگلی کٹی ہوئی ہو یا بیمار ہو (اشارہ کرنے کے قابل نہ ہو) تو بہرحال نمازی سیدھے ہاتھ کی کسی دوسری انگلی سے، اور نہ ہی الٹے ہاتھ کی کسی بھی انگلی سے اشارہ نہیں کرے گا۔ محیط میں ہے: ضعیف قول سے کہا گیا ہے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ حضرت امام محمد شیبانی علیہ الرحمۃ نے اشارہ کرنے کا واضح

ارشاد فرمایا ہے، فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور یہ حضرت امام ابو حنیفہ کا اور ہمارا قول ہے۔

آگے حضرت امام بدرالدین فرماتے ہیں: قلت: الذی ذکر فی ''منیة المغنی'' من کراھة الاشارة، غیر صحیح، و قال فی ''الفتاوی'': لا اشارة فی الصلاة اِلا عند الشھادة فی التشھد، و ھو حسن والحدیث: اخرجهٗ مسلم و نسائی صفحہ ۲۷۳، جلد ۴۔ میرا کہنا یہ ہے کہ جو کتاب "منیۃ المغنی" میں اشارہ کرنے کو مکروہ لکھا گیا ہے، وہ صحیح نہیں۔ کتب فتاویٰ میں ہے کہ نماز میں اشارہ نہیں مگر التحیات میں شہادت کے وقت اشارہ ہوتا ہے، اور یہ بہتر ہے۔ اشارہ کی حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے تخریج فرمایا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوداؤد شریف والی حدیث میں اس اشارے کا ذکر ہرگز نہیں جو "مابہ النزاع" ہے جو تشہد میں اشھدان لا الہ الا اللہ کہتے وقت دائیں ہاتھ کی "سبابہ" انگلی سے کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا اس حدیث کی رو سے اس اشارہ کو حرام کہنا حدیث پر تہمت لگانے، اور حضور اکرم ﷺ کی طرف، غلط قول کی نسبت کرنے کے مترادف ہے۔ العیاذ باللہ۔

اعتراض نمبر ۴: فرماتے ہیں: جامع رموز اور کفایہ میں ہے کہ اشارہ کرنا اس لیے منع ہے کہ یہ مسئلہ ظاہر الروایۃ کتب میں سے کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ ظاہر الروایۃ کتب کی اس مسئلہ سے خاموشی امام محمد کے اس قول کے منافی ہے جو آپ کی طرف منسوب ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے فعل کی متابعت کرتے ہیں۔

جواب: اشارہ کرنے کی حرمت کی وجہ کو اگر اس کا ظاہر الروایۃ کتب میں مذکور نہ ہونا قرار دیا جائے تو پھر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل جو ظاہر الروایۃ کتب میں مذکور نہیں، مثلاً تشہد میں ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھنا یا انہیں قبلہ رخ رکھنا وغیرہ، کو بھی اس علت کی بنا پر حرام قرار دینا پڑیگا جو حضرت شاہ صاحب کو بھی قبول نہ ہوگا۔

لہذا یہ اعتراض بالکل ضعیف اور نا قابل التفات ہے کیونکہ اشارے کا ثبوت ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے قول سے واضح ہے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں صراحت

فرمائی ہے۔

آخری گزارش

حضرت مولانا سید احمد علی شاہ صاحب دامت برکاتہ اپنے نام کے ساتھ "فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک" فخریہ تحریر فرماتے ہیں راقم ان کی مادرِ علمی دار العلوم اکوڑہ خٹک کی ایک فتویٰ نقل کرنے کی جسارت کرتا ہے، فتاویٰ حقانیہ میں ہے: تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

سوال: تشہد کی حالت میں سبابہ سے اشارہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ اس کی حرمت کے قائل ہیں جبکہ روایات اس کے ثبوت اور استحباب وسنت پر دال ہیں؟

الجواب: تشہد میں اشہد ان لاّ الہ الاّ اللہ کہتے وقت سبابہ (مسوا کی انگلی) سے اشارہ کرنا احادیث اور فقہی ذخائر سے ثابت ہے اس لیے نماز میں اشہد ان لاّ الہ الاّ اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا مسنون ہے۔ جو حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں ان کی رائے احادیثِ صریحہ کے مخالف ہے۔ عن عبدا للّٰہ بن الزبیر عن ابیہ. قال کان رسول اللّٰہ ﷺ. اذاقعد یدعو و ضع یدہ الیمنی علیٰ فخذہ الیمنی . و یدہ الیسریٰ علیٰ فخذہ الیسریٰ و اشار باصبعہ السبابۃ. و وضع ابہامہ علیٰ اصبعہ الوسطی. و یلقم کفہ الیسریٰ (الصحیح المسلم ج اول ص: ۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ)۔ فتاوی حقانیہ ص: ۸۹ جلد سوم

شیخ عبدالحق صاحب جو دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سرپرست اعلیٰ اور بانی ہیں اور حضرت سید احمد علی شاہ سیفی صاحب اس دار العلوم کے فاضل ہیں انھیں کم از کم اپنی "مادرِ علمی" کے فتویٰ سے انحراف نہیں کرنا چاہئے بلکہ فتاویٰ حقانیہ کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے جس میں ہے کہ، نماز میں اشہد ان لاّ الہ الاّ اللہ کہتے وقت، انگلی سے اشارہ کرنا مسنون ہے، جو حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں، انکی رائے احادیثِ صریحہ کے مخالف ہے۔ احادیثِ صریحہ کی مخالفت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس سے خود شاہ صاحب بخوبی واقف ہونگے۔ مزید یہ کہ شیخ عبدالحق اکوڑہ خٹک کی مادرِ علمی

"دار العلوم دیوبند" کا بھی فتویٰ ملاحظہ ہو:

تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے؟

(سوال نمبر ۳۰۲) تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے؟ علمائے احناف میں اختلاف ہے، بعض مستحب فرماتے ہیں۔ اور خلاصہ کیدانی میں حرام لکھا ہے، وہ معتبر ہے یا نہیں؟

(الجواب) معتبر فقہاء نے رفع سبابہ کو سنت لکھا ہے، اور مختار میں چند کتب کا حوالہ دے کر اس کو سنت ثابت کیا ہے اور عدم رفع کو خلافِ روایت لکھا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں مذہب امام اعظمؒ کا رفع سبابہ کا لکھا ہے۔ پس خلاصہ کیدانی وغیرہ کے حوالہ سے اس کو حرام کہنا غلط ہے اور تفصیل اس کی کتب فقہ میں موجود ہے۔ درمختار شامی فتح القدیر وغیرہ کو دیکھنا چاہئے۔ خلاصہ کیدانی کے قول کا اس بارے اعتبار نہ کیا جاوے اس نے صریح غلطی کی ہے کہ فعلِ سنت کو حرام لکھا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند مدلل ومکمل، ص: ۱۲۷، جلد دوم)

عزیزم و برادرم مولانا ڈاکٹر مولا بخش سکندری حفظہ اللہ نے زیرِ نظر رسالہ میں معتبر کتب کی عبارات اور دیگر حوالہ جات سے واضح طور پر ثابت کیا ہے کہ اشارے کی نفی ہمارے بعض مشائخ کا قول ہے، ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یا مذہب نہیں۔ ان کا قول و مذہب تو اشارے کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ اس پر امام محمد نے اپنی مؤطا وغیرہ میں صراحت فرمائی ہے۔ اس لیے مقلد کو امام کے قول کی پیروی کرنی چاہئے نہ کہ بعض مشائخ کی۔

فاضل محقق نے واضح اور کثیر احادیث وآثارِ صحابہ وتابعین اور فقہی حوالہ جات سے اشارہ کا سنت ہونا ثابت کیا ہے۔ راقم کو یقین ہے کہ مخالف اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث واثر تو کجا ضعیف حدیث واثر بھی پیش نہیں کرسکتا ہے، جو سنیتِ اشارہ کا رافع ہو۔ نیز ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ سے اشارہ کی سنیت بروایات معتبرہ ثابت ہے۔

راقم الحروف اس رسالہ کے تمام مندرجات ومسائل سے کلی طور پر اتفاق کرتا ہے اور اس کے خلاف عمل کو فقہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے انحراف تصور کرتا ہے۔

دعا ہے، باری تعالیٰ فاضل محقق کے علم وعمل میں مزید ترقی وپختگی ودیعت فرمائے (آمین)

الراقم الآثم

فقیر عبد الرحیم سکندری

تاریخ: 26-05-2015

تقریظ

استاذ العلماء حضرت علامہ سید مفتی محمد یوسف بندیالوی

شیخ الحدیث جامعہ رضویہ شمس العلوم، بلاک این نارتھ ناظم آباد، کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ حامدًا و مصليًا و مسلماً

نماز میں تشہد کے نفی، اثبات کے وقت اشارۂ بالسبابہ برائے تاکید فعلی سنت ہے اور فقہ حنفی میں بھی سنت ہے مگر ہندوستان میں کچھ مشائخ نے نیک نیتی سے احتیاط کی بناء پر اشارہ بالسبابہ ترک کیا جس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور اشارہ بالسبابہ کو بدعت اور فقہ حنفی میں ممنوع قرار دینے کی تحریری وتقریری کوشش کی گئی، حتی کہ اشارہ بالسبابہ کے منع کرنے میں شدت پیدا ہوگئی اور اشارہ بالسبابہ کرنا مشکل ہوگیا، اس لیے اشارہ بالسبابہ پر تحقیقی مقالہ برائے احیائے سنت و اثبات مذہب حنفی کی اشد ضرورت تھی جس کو ڈاکٹر علامہ مولا بخش سکندری نے (اپنی تصنیف "مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق" میں) سرانجام دے کر اہل علم ودانش پر احسان کیا اور شرعی فریضہ نبھایا۔ فاضل مصنف نے اپنی اس تحریر میں روایتی اور مشہور اعتراضات کا جواب دینے کے بعد متعدد احادیث، جن کے اسانید کی تعداد دو سو چار تک پہنچی ہوئی ہے اور فقہ حنفی کی مشہور کتابوں کی عبارات سے اشارۂ سبابہ کی اثبات فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی سعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ فاضل محقق مصنف کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

المؤید

مفتی محمد یوسف بندیالوی

شیخ الحدیث جامعہ رضویہ شمس العلوم

بلاک این نارتھ ناظم آباد، کراچی

تقریظ

علامہ سید محمد ممتاز اشرفی

دار العلوم اشرفیہ رضویہ، اورنگی، کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین!

فقہائے احناف کے نزدیک اشارہ بالسبابہ سنتِ مستحبہ ہے۔ دورِ حاضر میں جن لوگوں نے اس کے خلاف تحقیق کی ہے انھیں فقہائے کرام کی عبارتوں کی صحیح تفہیم نہ ہو سکی۔ اس لیے انھیں معذور ہی رکھا جائے تو زیادہ بہتر اور اسلم طریقہ ہے۔ البتہ اتنا جواب دینا صاحبانِ علم و فراست کے لیے ضروری و مجبوری ہے کہ جس سے عوامِ اہلسنت اپنا عمل و عقیدہ محفوظ و مامون رکھ سکیں۔
سو اس فرض و منصب کے بار کو اخی محترم جناب ڈاکٹر مولا بخش سکندری دامت برکاتہم العالیہ نے یمین و یسار کاندھے پر اٹھایا اور اپنے اکابرین و اعاظمین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جوابِ انیق و قولِ لئیق کے ذریعے تحقیقِ حقیق کا حق ادا کر دیا۔ دورانِ تثبیت ان کا قلم شائستہ و نفائستہ زبان کے ذریعے جوہر و گوہر کے قیمتی موتی بکھیرتا رہا، جو نہ صرف عوام کے لئے بلکہ خواص کے لئے بھی سرمایۂ ثبوت ہے۔ نفسِ مسئلہ پر استدلالی انداز میں کچھ پیوستِ قرطاس کرنا، میں اس لئے مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے ہر پہلو پر کافی و شافی کلام فرمایا ہے۔ جس کے بعد مزید قیل و قال کو کچھ نہیں رہتا۔ میں ان کے بیان کردہ تحقیقِ فئیق سے اتفاق کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیلِ سرکارِ دوعالم ﷺ ڈاکٹر صاحب کو مزید علمی جوہر آشکارا کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے، اور ان کے اس سعیٔ جمیل کو اپنی بارگاہِ بے پناہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

اسیرِ حبیب سید محمد ممتاز اشرفی
دار العلوم اشرفیہ رضویہ، اورنگی، کراچی

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ/15 نومبر 2014ء

تقریظ

مترجم تفسیر کبیر مفتی محمد خان قادری

بانی وسرپرست: جامعہ اسلامیہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریباً سن ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۷ء کی بات ہے، ہم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں طالب علم تھے اس وقت ہمارے قابل فخر ساتھیوں میں سندھ کے ایک علامہ مولا بخش سکندری بھی تھے پھر ان کے ساتھ رابطہ نہ رہا، کچھ عرصہ ہوا مولانا حافظ اللہ لوک سربراہ مدرسہ لاثانیہ نارووال تشریف لائے ان سے پرانی یادیں تازہ کیں انہوں نے بتایا کہ میرے پاس علامہ مولا بخش سکندری کا ٹیلی فون نمبر ہے جس سے دوبارہ رابطہ کافی عرصہ کے بعد بحال ہوا، ایک دن محترم سکندری صاحب نے فون کیا اور پوچھا آپ کے پاس "شرح وقایہ" پر چلپی کا حاشیہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہماری لائبریری میں موجود ہے کہنے لگے وہ نکال کر اس کا مقام تشہد دیکھیں اگر اس میں "مسئلہ رفع سبابہ" پر گفتگو ہے تو اس کی فوٹو کاپی مجھے ارسال کریں۔

بندہ نے لائبریری سے وہ حاشیہ نکال کر دیکھا تو اس میں زیرِ بحث مسئلہ پر کچھ بھی تحریر نہیں تھا، میں نے فون پر ہی اس کی اطلاع دی تو انہوں نے بتایا کہ میں مریض ہونے کے باوجود ''مسئلہ رفع سبابہ'' پر کام کر رہا ہوں کیونکہ کراچی میں ایک عالم مولانا سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی نے اس کے خلاف رسالہ "مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد فی الصلاۃ" یعنی تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسئلہ لکھا ہے اور میں نے اس کا جواب تحریر کیا ہے، میں چاہتا ہوں آپ کو بھجوا دوں تاکہ آپ اپنی رائے لکھ بھیجیں۔

میں نے محسوس کیا وہ مختصر کام ہوگا جسے میں پڑھ کر رائے دیدوں گا تو عرض کیا آپ بھیج دیں، جب ان کا ارسال فرمودہ مقالہ ملا تو وہ مختصر نہیں تھا بلکہ تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل پوری کتاب تھی۔ اس کے اکثر حصہ کو میں نے لفظ بالفظ پڑھا اور بعض حوالہ جات کو سرسری نظر سے گزارا تو اس کے بعد میں نے فون پر ہی عرض کیا کہ آپ نے زیرِ بحث مسئلہ پر اس قدر علمی اور تحقیقی مواد فراہم کر دیا ہے کہ شاید اس سے پہلے اس قدر مواد جمع نہ ہوا ہو۔ لیکن انہوں نے فرمایا آپ

مجھے اپنی رائے تحریری طور پر بھجوائیں۔

بندہ نے اسے قبول کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھی ہیں جو میرے لیے بھی باعث سعادت ہیں کہ موصوف بندہ کے زمانہ طالب علمی کے قابل فخر ساتھی بھی ہیں انہوں نے اپنے رسالہ "مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق" میں جناب سید احمد علی شاہ سیفی کے قائم کردہ تقریباً چالیس اعتراضات کے جوابات لکھ کر اپنا نکتہ نظر بیان کرتے ہوئے علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ زبان کی شستگی کو ملحوظ خاطر بھی رکھا ہے، جہاں وہ مخالف کے دلائل کا رد کرتے ہیں وہاں وہ ان کے ادب واحترام کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، مثلاً مخالف نے اپنے رسالہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے حوالہ جات دیئے تو اس پر علامہ موصوف نے دلائل کا رد کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا ہو کیونکہ وہ سنت کے اس قدر پابند تھے کہ ممکن ہی نہیں کہ انہوں نے دانستہ اس کی مخالفت کی ہو، پھر ان کے صاحبزادگان اور ان کے دیگر تلامذہ، خلفاء سے کثیر تعداد سے تصریحات بھی نقل کیں جو واضح کرتی ہیں کہ رفع سبابہ کا عمل سنت ہی ہے، اس کو حضرت مجدد صاحب کے کھاتے میں ڈالنا مناسب نہیں مثلاً صفحہ نمبر ۸۵ پر (بحوالہ جناب محمد اقبال مجددی) لکھتے ہیں: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اذا ثبت الحدیث فھو مذھبی و اتر کوا قولی بقول رسول اللہ ﷺ" (جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے، رسول اللہ ﷺ کے قول کی موجودگی میں میرا قول چھوڑ دو) اس لیے اُمید ہے کہ حضرت مجدد اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح احادیث سے اخذ کرنے پر ناراض نہیں ہوں گے، اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد کو اپنے وسیع علم کے باوجود یہ معلوم نہیں تھا کہ رفع سبابہ کا ثبوت ملتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے زمانہ مبارک تک ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل مشہور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ کی نظر مبارک سے نہیں گزرے، آپ نے ترک کر دیا ورنہ آپ رفع سبابہ ہرگز ترک نہ کرتے کیونکہ آپ اس امت کے اکابر میں سے سب سے زیادہ متبع سنت تھے۔

پھر یہ کتاب صرف "مسئلہ رفع سبابہ" کا ہی احاطہ نہیں کرتی اس میں دیگر علمی مباحث مثلاً حدیث کا مضطرب ہونا، اس کی شرائط کیا ہیں؟ اس میں اضطراب کب پایا جاتا ہے؟ اسی طرح حدیث کا تواتر، کتب کے درجات، کونسی ظاہر الروایۃ ہیں اور کونسی نہیں، اسی طرح فقہاء کے درجات اور طبقات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بہت سے اہل علم

کے ناموں کے اختلاط کو دور کر دیا ہے جس سے کسی آدمی کو بھی مغالطہ ہوسکتا ہے، بلکہ کئی مقامات پر نام سے لے کر وفات تک چیزیں واضح کر دیں کہ یہ ایک شخصیت نہیں بلکہ مختلف شخصیات ہیں۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ بڑی دیانتداری سے موضوع کو نبھایا تاکہ اہل علم اس سے خوب استفادہ کرسکیں، رسالہ کا دوسرا باب سولہ صحابہ کرام کی چوبیس مرفوع اور تین تابعین کی تین مرسل، کل ستائیس احادیث پر مشتمل ہے جس میں مصنف نے امہات کتب حدیث سے ان احادیث کی اسانید جمع کر دی ہیں جن کی تعداد دو سو چار ہے اور یہ اپنی جگہ بہت بڑا کام ہے، درمیان میں انھوں نے کئی مقامات پر راویوں کے حوالہ سے بھی بحث کی ہے۔ رسالہ کا تیسرا باب "مشاہیر فقہائے احناف" کی عبارات پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں دو شوافع اور ایک مالکی فقیہ کے حوالے بھی لکھے ہیں۔

اس رسالہ کی خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر مولا بخش سکندری نے ہر کتاب کی مکمل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے تاکہ عام قاری کے لیے بھی آسانی ہو۔

یہ مقالہ صرف ایک مسئلہ پر ہی نہیں بلکہ متعدد مسائل کی تحقیقات پر مشتمل ہے جو اہل علم کے لیے سوغات کا درجہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو صحت وتندرستی عطا فرمائے اور مزید اسلام کے خوبصورت موضوعات پر لکھنے کی توفیق نصیب کرے اور ہم سب کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا جوئی کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام کا ادنیٰ خادم

مفتی محمد خان قادری

جامعہ اسلامیہ لاہور

یکم اپریل ۲۰۱۵ء

تقریظ

مولانا مفتی محمد سرفراز قادری آف پنیالہ

مہتمم دارالعلوم قادریہ (عطاء العلوم)، تحصیل پہاڑپور ڈسٹرکٹ ڈیرہ اسماعیل خان

برادرانِ اسلام یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ نماز میں سبابہ کے ساتھ اشارہ کے جواز اور عدمِ جوز میں علمائے کرام کے مابین اختلاف ہے، عدمِ اشارہ کی ترجیح اور تصحیح جن کتب میں منقول ہے ان میں تنویر الابصار، ولوالجیہ، تجنیس، خلاصۃ الفتاویٰ، بزازیہ، واقعات، عمدۃ المفتی، منیۃ المفتی، تبیین الحقائق، کبریٰ، مضمرات، ہندیہ، مکتوبات شریف، فتاویٰ الغرائب وغیرہا شامل ہیں۔

جبکہ ہدایہ، کنزالدقائق اور مختصر القدوری میں سرے سے اشارۂ سبابہ کا ذکر تک نہیں ہے نہ نفیاً نہ اثباتاً اور جن کتابوں میں ثبوت ہے اُن کے نام یہ ہیں: محیط برہانی، بدائع الصنائع، ذخیرہ برہانیہ، النہایہ، الکفایہ، عنایہ، البنایہ فی شرح الہدایہ، نورالعین، امالی امام ابویوسف، جامع الرموز، رمز الحقائق شرح کنزالدقائق، فتح القدیر، الایضاح فی شرح الاصلاح، مواہب الرحمن (لابراہیم بن موسیٰ طرابلسی)، نورالایضاح، ملامسکین علی الکنز کا حاشیہ فتح المبین، دررالبحار، حافظ مغلطائی کی شرح سنن ابن ماجہ جلد پنجم، لمعات التنقیح، تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ لملاعلی قاری رحمہ الباری، حلبۃ المحلی شرح منیۃ المصلی (لابن امیر الحاج حلبی) فتاویٰ صوفیہ، رسائل الارکان (لبحر العلوم عبدالعلی لکھنوی) شرح الوقایہ، الجوہرۃ النیرۃ، حجۃ اللہ البالغہ، مختار النوازل لصاحب الہدایہ، شرح نقایہ للشمنی، بغیۃ المہتدی (چلپی) الفتاویٰ الرضویہ جلد ۶ ص: ۱۵۰، الطحطاوی علی المراقی، الدرالمختار، الردالمحتار وغیرہا۔

فقیر کے نزدیک جواز کا پہلو دلائل کی روشنی میں بہت غالب ہے، پہلی وجہ یہ کہ اس باب میں احادیث و آثار بکثرت وارد ہیں جبکہ عدمِ اشارہ کے بارے میں ایک حدیث بھی وارد نہیں ہے۔ (زیرِ نظر کتاب میں چوبیس مرفوع اور تین مرسل احادیث کا دوسو پچاس اسناد کے ساتھ تفصیلی ذکر موجود ہے، جن میں سے بقول مصنف چھیالیس اسانید ضعیف ہیں یا پھر وہ اشارۂ سبابہ

کے بجائے نماز کے دوران پیش آمدہ کسی ناگزیر امر کی صورت میں فوری جواب دینے کے لیے اشارہ سے متعلق ہیں) دوسری وجہ یہ کہ ثبوتِ اشارہ آپ ﷺ کے قول وفعل ہر دونوں سے ثابت ہے جبکہ نفی کے بارے میں نہ قول ہے نہ فعل، تیسری وجہ یہ کہ اشارہ کرنا چاروں مذاہب کے ائمہ سے منقول ہے اور نفی ایک امام سے بھی ثابت نہیں۔اور چوتھی وجہ یہ کہ ہمارے احناف کے تینوں ائمۂ کبار (امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ) سے منقول ہے اور نفی ایک سے بھی نہیں۔ اور جب یہ مسلم ہے کہ مقلد محض کے لیے اپنے امام کا مذہب اور قول وعمل کافی ہے تو ہر ناقل مفتی (جو کہ فقہاء کے طبقۂ سابعہ سے ہے) پر لازم ہے کہ سرِ تسلیم خم کرلے اور اپنے امام مجتہد فی الشرع کے قول کے سامنے چون وچرا سے کام نہ لے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اشارہ کے جواز کی بات متون وشروح کی کتب سے ثابت ہے جبکہ عدم اشارہ کا قول کتبِ فتاویٰ سے۔اور یہ تو مسلمات سے ہے کہ تعارض کے وقت متون کو شروح پر اور شروح کو کتبِ فتاویٰ پر ترجیح حاصل ہے، چنانچہ امامِ اہلِ سنت الشاہ احمد رضا خاں رحمہ اللہ فتاویٰ رضویہ جلد ۶ ص: ۱۵۰ میں صحیح مسلم، ابوداود، بیہقی، ابنِ حبان وغیرہ کی احادیث کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں: ہمارے محققین کا بھی یہی مذہب صحیح ومعتمد علیہ ہے صغیری میں ملتقط وشرح ہدایہ سے اس کی (اشارہ کرنے کی) تصحیح نقل کی اسی پر علامہ فہامہ محقق علی الاطلاق مولانا کمال الدین محمد بن الہمام وعلامہ ابن امیر الحاج حلبی وفاضل بہنسی وباقانی وملا خسرو وعلامہ شرنبلالی وفاضل ابراہیم طرابلسی وغیرہم اکابر نے اعتماد فرمایا اور انہی کا صاحب درمختار، فاضل مدقق علاء الدین حصکفی و فاضل اجل سید احمد طحطاوی وفاضل ابن عابدین شامی وغیرہم اجلہ نے اتباع کیا، علامہ بدر الدین عینی نے تحفہ سے اس کا استحباب نقل فرمایا اور صاحب محیط و ملا قہستانی نے سنت کہا. ففی الدرالمختار لكن المعتمد ما صححه الشراح ولا سيما المتاخرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني و شيخ الاسلام الجد و غيرهم انه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام و نسبوه لمحمد والامام بل فی متن دررالبحار و شرحه غررالاذكار المفتىٰ به عندنا انه يشير الخ و فی الشرنبلالية عن البرهان الصحيح انه يشير ــــــ واحترز بالصحيح عما قيل لا يشير لانه خلاف الدراية والرواية الخ و فی العينی عن التحفة الاصح انها مستحبة و فی المحيط سنة انتهٰی ملتقطاً۔۔۔

اور اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد۔ جس نے امام اعظم رحمہ اللہ سے اس میں عدم روایت یا روایتِ عدم کا زعم کیا محض ناواقفی یا خطائے بشری پر مبنی تھا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب المشیخۃ میں در بارۂ اشارہ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کر کے فرماتے ہیں: فنفعل ما فعل النبی ﷺ و نصنع ما صنعه وهو قول ابی حنیفة و قولنا. ذکره العلامة الحلبی فی الحلیة عن البدائع یعنی پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا اور عمل کرتے ہیں اُس پر جو حضور ﷺ کا فعل تھا اور وہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اور ہمارا۔ اس کو علامہ حلبی نے حلبہ میں بدائع سے نقل کیا ہے، حلبہ مذکورہ اور کبیری اور ردالمحتار میں اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کیا، یہاں تک کہ شامی نے اس حاشیہ میں تصریح کی ہے: هو منقول عن ائمتنا الثلاثة۔ اور اسی میں ہے هذا ما اعتمده المتاخرون لثبوته عن النبی ﷺ بالاحادیث الصحیحة ولصحة نقله عن ائمتنا الثلاثة فلذا قال فی الفتح ان الاول (یعنی عدم الاشارة) خلاف الدرایة والروایة و فیه عن القهستانی و عن اصحابنا جمیعاً انه سنة۔

چھٹی وجہ یہ ہوئی کہ یہ خلافِ درایت و روایت (عقل و نقل) ہے اور ساتویں وجہ یہ ہوئی کہ ہمارے جملہ اصحاب (احناف) نے اسے سنت قرار دیا ہے جیسے کہ فتاویٰ شامی (ردالمحتار) کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے اور آٹھویں وجہ ترجیح یہ ہے کہ متقدمین کے نزدیک اشارہ ثابت ہے اور عدمِ اشارہ کی بات صرف متاخرین نے کی ہے جو کہ اگرچہ فی نفسہ کثیرین ہیں نہ کہ بمقابلہ متقدمین، مگر آپ کو معلوم ہے کہ فتویٰ کے باب میں ترجیح قوۃ دلیل کو ہوتی ہے نہ کہ کثرتِ ادلہ کو یا کثرتِ افراد کو، چنانچہ درمختار جلد ۴ ص: ۴۹۰ میں ہے الترجیح عندنا بقوة الدلیل لا بکثرته نیز اسی درمختار جلد ۲ ص: ۴۳۸ میں ہے والاصح ان العبرة بقوة الدلیل، اسی طرح شرح الوقایہ جلد ۱ ص: ۲۲۴ میں ہے فان الترجیح عندنا بقوة الدلیل لا بکثرته بحرالرائق جلد ۷ ص: ۲۴۶ میں ہے الترجیح لا یقع بکثرة العلل جبکہ نورالانوار ص: ۱۹۳ میں ہے--- لانه یفضی الی الترجیح بکثرة الادلة و ذالک لایجوز. بالجملہ اشارہ مذکورہ کی خوبی میں کچھ شک نہیں، احادیثِ رسول اللہ ﷺ اور ہمارے مجتہدین کے اقوال اسی کو مفید۔ اب اگر اس کے بعد کتبِ متاخرین مثل تنویر، ولوالجیہ، تجنیس،

خلاصہ، بزازیہ، واقعات، عمدۃ المفتی ومنیۃ المفتی وتبیین وکبری ومضمرات وہندیہ وغیرہا عامہ فتاویٰ میں عدمِ اشارہ کی ترجیح وتصحیح منقول ہوتو بقول امام اہل سنت قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتی کیونکہ محققین علماء نے ان اقوال پر التفات نہ فرمایا بلکہ خلافِ عقل ونقل ٹھہرایا۔

خوب یادرہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ سے اشارہ کی جو روایت نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم وہی کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور ﷺ کا فعل تھا اور وہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ کا اور ہمارا۔ اس پر جن لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ظاہر الروایۃ میں موجود نہیں ہے اُن کی بات دووجہ سے مردود ہے ایک یہ کہ وہ حدیث کا حوالہ دیکر امام صاحب کے قول کی بات کررہے ہیں جو کہ نص ہے اور نص کو ظاہر الروایۃ اور عرف پر بھی ترجیح حاصل ہے جبکہ دوسری وجہ یہ ہے کہ عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم بھی نہیں ہوتا (نیز امام اہل سنت نے فتاویٰ رضویہ میں اس حدیث کے تحت قولِ ابوحنیفہ کا ترجمہ مذہب کے ساتھ کیا ہے) چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ا ص:۲۴۶ میں ہے عدمُ الوجدان لا یدلُّ علیٰ عدم الوجود (ایسے ہی فتاویٰ نوریہ جلد ا ص:۳۰۶ میں ہے) مجموعۃ الفتاویٰ لمولانا عبدالحئی میں ہے عدم النقل لا یدل علیٰ عدم الاستجاب فتح القدیر جلد ا ص:۲۰ میں ہے عدم النقل لا ینفی الوجود۔ فتح الباری جلد ا ص:۱۳۲ میں لا یلزم من عدم الذکر عدم الوقوع جبکہ اسی کتاب کی جلد ا ص:۴۱۶ میں ہے لا یلزم من عدم الوجدان عدم الوقوع جبکہ نور الانوار ص:۲۲۵ میں ہے ان عدم الوجدان لا یقتضی عدم کونہ فی الکتاب شرح الوقایہ جلد ۴ ص:۸۴ میں ہے لان عدم الدلیل لا یدل علی عدم المدلول خصوصاً اذا وُجد دلیل اُخر۔

مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق پر تبصرہ

حضرت علامہ ڈاکٹر مولا بخش سکندری صاحب کی یہ کتاب تقریظ کے لیے لائی گئی اگرچہ فقیر کو تعارف نہیں ہے مگر یہ ماننا ہوگا کہ علامہ موصوف کی تحقیق وتدقیقِ انیق بے مثل وبے مثال ہے نہ صرف بے مثال بلکہ واقعی یہ اسم بامسمّیٰ حقِ حقیق بھی ہے۔ علامہ صاحب نے تحقیق کے دریا بہائے ہیں مسئلہ کے ہر گوشہ پر خوب بے تحاشہ تحقیق کر کے اُسے نہ صرف ثابت کیا ہے بلکہ مقابل کی خامیوں کا قدم بقدم تعاقب کیا ہے اور امانت کا حق اِس طرح ادا کیا ہے کہ کسی حوالہ میں

صرف مطلب کے الفاظ نہیں لئے بلکہ بے لاگ جملہ عبارات کا ذکر کر کے تطبیق کی کوشش اور باطل کی سرکوبی کی ہے۔فقیر نے تقریباً ساری کتاب کا مطالعہ کیا ہے اگر عبارات کا تکرار نہ ہو (بعض مواقع پر) تو یہ کتاب مسئلہ مذکورہ پر ایک نادر تحفہ ہے۔

قبلہ استاذیم جامع المعقول والمنقول علامۃ الدہر بحر العلوم الحافظ عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ گولڑوی فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ انگلی اٹھانے کے متعدد طریقے ہیں لہذا عوام کو اشارہ نہیں کرنا چاہیے اور علماء، مفتی، قاضی چونکہ سب کچھ جانتے ہیں لہذا وہ اشارہ کریں گے، استاد صاحب خود بھی اشارہ کیا کرتے تھے۔

خداوند قدوس سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق دکھائے اور اس کی پیروی کی توفیق دے اور باطل کو باطل کر کے دکھائے اور اس سے اجتناب عطا کرے آمین۔

مولانا مفتی محمد سرفراز قادری آف پنیالہ

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مشیر وفاقی شرعی عدالت حکومت پاکستان ڈائیریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر جامعہ کراچی

مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق

زیرِ نظر کتاب سندھ کے ایک مایہ ناز عالم وادیب ڈاکٹر مولا بخش سکندری کی تازہ علمی کاوش ہے جس کا ایک غیر مطبوعہ نسخہ ہمیں موصول ہوا ہے۔ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔ ۔۔۔اس کتاب میں محقق نے جس مسئلہ پر تحقیق کی ہے وہ نمازوں میں تشہد کے دوران انگلی اٹھانے کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ یہ مسئلہ بھی دیگر بعض مسائل کی طرح امتِ مسلمہ کے فقہی حلقوں کے مابین مختلف فیہ رہا ہے۔اور متعدد کتب ورسائل اس مسئلہ پر پہلے بھی لکھی جا چکی ہیں انہی میں ایک شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ عربی میں ہے جس کا نام ہے نور العین فی اثباتِ الاشارۃ فی التشہد ین ۔۔۔۔۔ جناب مولانا مولا بخش سکندری صاحب اس رسالہ پر بھی تحقیقی کام کر چکے ہیں۔

کراچی میں سلسلہ سیفیہ کے ایک عالم جناب علامہ سید احمد علی شاہ صاحب بھی اس موضوع پر ایک رسالہ شائع فرما چکے ہیں۔۔۔۔۔ جو تشہد میں انگلی اٹھانے کے عمل کو ناجائز ثابت کرتا ہے۔ان کا رسالہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے۔۔۔۔۔

مولانا مولا بخش سکندری نے سید احمد علی شاہ صاحب کے اسی رسالہ کا علمی تعاقب کیا ہے اور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ رفع سبابہ کا مسئلہ ثابت شدہ مسائل میں سے ایک ہے، امت میں معمول بہا رہا ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔۔۔۔۔ تین سو صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کو سمیٹتے ہوئے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں،:۔۔۔۔۔ کتبِ حدیث، فقہ کے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ التحیات میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا نبی پاک ﷺ اور صحابہ کی سنت ہے۔اس پر عمل پیرا ہونا اسے ترک کرنے سے اولیٰ ہے۔ چاروں فقہی مذاہب میں التحیات میں انگلی سے اشارہ کرنا متفق علیہ ہے اور بطورِ خاص مذہبِ امام اعظم میں صحیح اور معتمد علیہ ہے۔

کتاب کا بابِ سوم ان فقہی عبارات سے عبارت ہے جن میں رفع سبابہ یا اشارہ سبابہ

سے متعلق ائمہ فقہ ومجتہدین کے اقوال ہیں۔ مولانا مولا بخش نے بڑی محنت کی ہے اور کتب کا ذخیرہ کھنگال کر ساٹھ سے زاید ایسی عبارات واقوال جمع کر دئے ہین جو اس مسئلہ میں مفصل بھی ہیں اور مدلل بھی۔ ان اقوال کے قائلین میں ایسی بڑی بڑی علمی شخصیتیں ہیں، کہ فقہی استدلال میں جن کا نام ہی کافی ہے۔۔۔ مثلاً ائمہ اربعہ کے علاوہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کاسانی، علامہ سغناقی، علامہ جلال الدین کرلانی خوارزمی۔ علامہ بابرتی، علامہ بدرالدین عینی، علام شمنّی، فقیہ ابو جعفر ہندوانی، علامہ کمال ابن کمال باشا، علامہ شمس الدین قہستانی، علامہ سراج الدین ابن نجیم، علامہ ابراہیم بن موسیٰ طرابلسی، علامہ شرنبلالی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔۔۔۔۔۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ ہم نے اختصار کے پیشِ نظر اس خروارِ علمی وفقہی سے صرف مشتے نمونہ پیش کی ہے۔۔۔۔۔۔

کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول در جوابِ اعتراضات بر رفع سبابہ،

باب دوم ثبوتِ اشارۂ سبابہ از احادیثِ مبارکہ اور

بابِ سوم فقہی عبارات دربارۂ رفع سبابہ

حقیقت یہ ہے کہ محقق نے احقاقِ حق کے لئے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ اس بحث میں پورے وثوق سے اترے ہیں اور علم کے بحرِ ذخار میں کامل اعتماد کے ساتھ غوطہ زن ہوئے اور علم کے نہایت بیش قیمت موتی نکال لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں کمال یہ کیا ہے کہ زور مخالف نقطہ نظر کو باطل ثابت کرنے پر صرف کرنے کی بجائے احقاقِ حق پر صرف کیا ہے اور مخالف نقطہ نظر کو خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہوئے جوابات لکھے ہیں اور ہر جواب دلیل سے دیا ہے اور ہر اعتراض کو دلیل ہی سے رفع کیا ہے۔۔۔۔۔۔

محقق موصوف نے تنقیح مسئلہ میں بڑی محنت کی ہے اللہ انہیں اس علمی کاوش پر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔۔۔!

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

تقریظ

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

فاضل علوم اسلامی، فاضل عربی، فاضل فارسی ایم اے۔ ایل ایل ایم۔ پی ایچ ڈی
ڈائریکٹر سیرت چیئر ،صدر شعبہ قرآن وسنۃ، وفاقی اردو یونیورسٹی عبدالحق کیمپس کراچی۔

الحمد للہ ربّ العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد الانبیاء والمرسلین و علی آلہ واصحابہ اجمعین نجوم الھدیٰ فی کلّ حین سعِد۔

اسلام کامل ومکمل دین اور ابدی ضابطۂ حیات ہے قرآن وسنت اس دینِ مبین کی میزان اور فقہ اسلامی شریعت اسلامی کا بنیادی منہج اور اس کی اساس ہے، جس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر رکھی گئی ہے۔ شریعتِ اسلامی کے بنیادی مصادر میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے، "فقہ اسلامی" اسلامی احکام اور اسلامی شریعت کا وہ منہاج اور وہ مثالی دستور ہے جسے ہر دور کے فقہاء نے کامل ایمان اور پورے ایقان کے ساتھ مرتب اور مدوّن کیا،" اسلامی فقہ" شریعت محمدی ﷺ کی وہ میزان اور منہاجِ عمل ہے جو ہر دور اور ہر بدلتے حالات میں مسلم اُمہ کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔

ائمہ اربعہ اور ان مسالک سے وابستہ فقہاء نے فقہی مسائل پر پوری شرح کے ساتھ مدلّل بحثیں کیں اور جملہ مسائل پر عمل کے لیے روشن راہیں ہموار کیں۔

یہ اختصاص اور امتیاز صرف اور صرف دینِ اسلام کو حاصل ہے کہ فقہاء نے شریعت کی تعبیر اور دینی مسائل کی تشریح وتوضیح اتنی جامع، مدلّل، مبسوط اور عام فہم انداز میں پیش کی کہ اُس سے ہر فرد ہر زمانے میں پورے طور پر استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ فقہاء ہی کی شان تھی کہ انہوں نے دین کی تعبیر وتشریح اور فقہی اُمور و معاملات میں مسائل کی جزئیات کو بھی موضوعِ بحث بنایا اور اس حوالے سے قابلِ عمل اور کامل راہنمائی فراہم کی۔

ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاقیات حُسنِ معاشرت، حقوق اللہ اور حُقوق العباد

خواہ ان مسائل کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو یا بندگی کے کسی گوشے سے، یہ صرف اور صرف دینِ اسلام اور اسلامی فقہ کا امتیاز ہے کہ یہاں رشد و ہدایت اور ہر شعبۂ زندگی میں راہ نمائی کا کامل سامان موجود ہے۔ بنیادی طور پر دین کے دو شعبے ہیں (۱) ایمانیات (۲) عبادات بعد ازاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔ عبادات میں "نماز" کو ہر سطح پر اوّلیت حاصل ہے۔ نماز سے متعلق فقہی مسئلہ "الاشارة بالسبابة فی لصلواة" ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر فقہاء نے اس کی جُزئیات تک تمام پہلوؤں پر مکمل شرح و بسط کے ساتھ پوری طرح بحث کی ہے۔

وادیِ مہران، باب الاسلام سندھ کے بلند پایہ محدث وفقیہ، ممتاز عالمِ دین، محقق و نقاد شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی علیہ الرحمہ دیارِ سندھ و ہند میں ان اجلہ علماء و فضلاء میں سے ہیں، جنہوں نے اس مسئلے پر "نور العین فی اثبات الاشارة فی التشہدین" کے نام سے عربی میں کتاب تالیف فرمائی، جس کی تحقیق، تخرج، تعلیق اور اسے علمی اسلوب پر ایڈٹ کرنے کا سہرا ہمارے محترم و مکرم، علم پرور اور علم دوست رفیقِ محترم ڈاکٹر مولانا مولا بخش سکندری کے ہاتھ آیا، جنہوں نے اسے ایڈٹ کر کے نہ صرف ایک اہم علمی و دینی فریضہ انجام دیا، بلکہ علامہ سکندری صاحب نے اسے اعلیٰ تعلیم و تحقیق کا موضوع بناتے ہوئے ڈاکٹریٹ پر پی ایچ ڈی (علومِ اسلامی) کا موضوع بنایا اور اس علمی و تحقیقی مقالے کی تکمیل کے بعد موصوفِ محترم کو سندھ یونورسٹی جامشورو کلیۃ ثقافتِ اسلامیہ وتقابلِ ادیان کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی گئی ہے، یہ تحقیقی مقالہ قاہرہ مصر سے اشاعت کے مراحل میں ہے۔

"مصباح التحقیق فی انّ الاشارة بالسبابة حقّ حقیق" المعروف: مسئلہ اشارہ سبابہ کی تحقیق اور اس پر اعتراضات کے جوابات، پیشِ نظر کتاب تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل مولانا ڈاکٹر مولا بخش سکندری کی وہ جامع تحقیق ہے، جسے محقق موصوف نے متعلقہ موضوع پر سیّد احمد علی شاہ نقشبندی سیفی کے مختصر رسالہ "مسئلة الاشارة بالسبابة فی التشہد فی الصلوة" (مطبوعہ جامعہ امامِ ربانی مجدد الف ثانی، کراچی) کے رد اور جواب میں لکھا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں "میں نے جب ان کا رسالہ "مسئلة الاشارة بالسبابة فی التشہد فی الصلوة" مطالعہ کیا تو بڑی مایوسی ہوئی، کیوں کہ شاہ صاحب نے مخالفین اشارۂ سبابہ کے روایتی انداز میں اسے ناجائز، مکروہ اور حرام قرار دیتے

ہوئے محض دعاوی پر اقتصار کیا ہے، کسی بھی دعوے کی تصدیق کے لیے حدیث وفقہ کا کوئی حوالہ درج نہیں کیا'' موصوفِ محترم مزید رقمطراز ہیں: "اس جواب لکھنے سے میری نیت نہ تو اظہارِ علم ہے اور نہ ہی جناب شاہ صاحب کی مخالفت کرنا محض احقاقِ حق مقصود ہے۔

"مصباح التحقیق" کے فاضل مؤلف ڈاکٹر مولانا مولا بخش سکندری باب الاسلام سندھ کے دینی علمی وادبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، کتب بینی اور مطالعۂ کتب کا علمی ذوق وشوق رکھتے ہیں، موصوفِ محترم کی اپنی ذاتی لائبریری مختلف ومتنوع علمی ودینی موضوعات پر نادر ونایاب کتب کے جامع ذخیرے پر مشتمل ہے، موصوف سے میری علمی دوستی پر مبنی تعلق ووابستگی تین عشروں سے زائد عرصے پر محیط ہے، ہمارے تعلق اور رفاقت کا بنیادی حوالہ وہ علمی تعلق ہے جس میں رواداری اور وضع داری کا خاص دخل ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کا تحفظ، عشقِ رسول ﷺ اور دینی حمیت ان کا بنیادی حوالہ ہے۔ موصوف نادر ونایاب کتب کی جستجو اور ان پر تحقیق وتعلیق کے کاموں میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ پیشِ نظر کتاب بھی اسی ذوق وشوق کی تکمیل اور علمی انہماک کی ایک کڑی ہے۔

"اشارۂ سبابہ" پر علامہ سکندری صاحب کی یہ تحقیقی کاوش جو بنیادی طور پر ۱۶۸ عناوین پر مشتمل ہے، متعلقہ مسئلے پر دائرہ معارف اور ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جسے قرآن وسنت، حدیث وتفسیر، فقہ ائمہ اربعہ، مختلف اسلامی علوم وفنون کی بنیادی کتب سے وسیع تر استفادہ کے بعد مکمل کیا گیا ہے۔

مؤلف موصوف نے "مصباح التحقیق فی انّ الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق" کو تین ابواب پر تقسیم کیا ہے، باب اول میں "مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد فی الصلوٰۃ" کے فاضل مصنف کے اُٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں، باب دوم میں اشارۂ سبابہ کی سترہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث اور ان کی اسانید بیان کی گئی ہیں۔ جبکہ تیسرے اور آخری باب میں مشاہیر فقہائے احناف ودیگر علماء کی عبارات، متعلقہ موضوع اور اس مسئلے پر درج ہیں۔

بنیادی طور پر یہ ایک علمی وتحقیقی کاوش ہے، جس میں فاضل مؤلف جناب ڈاکٹر مولا

بخش سکندری نے علمی اسلوب اپناتے ہوئے حدیث وفقہ بالخصوص فقہِ حنفی کی قدیم وجدید کتب سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے مسئلہ اشارہ بالسبابہ کی تحقیق اور اثبات میں عمیق اور وسیع تر مطالعے کے بعد اس گراں قدر علمی کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ ہر موضوع اور عنوان کے تحت متعلقہ موضوع پر محدثین اور فقہاء کے نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہوئے اس تحقیق کو مکمل کیا ہے۔ گو کہ یہ کتاب متعلقہ موضوع پر اعتراضات کے جوابات اور ناقدانہ جائزے پر مشتمل ہے، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کتاب میں خالصتاً علمی اسلوب اپناتے ہوئے محققِ محترم نے "مصباح التحقیق" میں تحقیق وتنقید کے بنیادی اصولوں اور اسالیب پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے موقف کے اظہار میں قدیم وجدید مصادر ومراجع سے استفادہ کرتے ہوئے مسئلہ کو دلائل وبراہین کی روشنی میں اور اسلاف کے علمی انداز میں ہی پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ عزوجلّ موصوف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، کراچی

۱۲ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ/ ۱۰ فروری ۲۰۱۷ء

تقریظ

پروفیسر محمد آصف خان علیمی قادری

گورنمنٹ سٹی کالج کراچی، شعبہ اسلامیات

و مہتمم اعلیٰ جامع مسجد نورانی و دار العلوم علیمیہ، ولیج مائی گاڑھی کراچی

الحمد للہ رب العالمین خالق السموات والارضین والصلوۃ والسلام علی اجمل الاجملین اکمل الاکملین سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و اھل بیتہ اجمعین

اما بعد:

محقق نبیل، استاذ العلماء المحققین حضرت علامہ ڈاکٹر مولا بخش سکندری دامت برکاتہم العالیہ کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ باب الاسلام سندھ کی سرزمین کے قابل فخر سپوت ہیں۔ آپ شاہ پور چاکر کے مشہور و معروف عالم دین مبلغ اسلام مفتی عبدالرحیم سکندری صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کی عمر تعلیم، تدریس، تحقیق و تخریج میں گزر رہی ہے۔ عمر کا بڑا حصہ بحیثیت معلم و مدرس گزار کر ریٹائرمنٹ لے کر تصنیف و تالیف میں مکمل مشغول ہو گئے ہیں۔

زیرِ مطالعہ کتاب "مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق" سترہ صحابۂ کرام سے مروی احادیث اور ان کی اسانید اور فقہائے احناف و علماء کرام کی عبارات سے مزین ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کی غرض و غایت مصنف کتاب نے اپنے مقدمہ میں ذکر کی ہے کہ ان کے ایک دیرانہ کرم فرما پیر طریقت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نے ایک رسالہ بنام ''مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد فی الصلوۃ'' پندرہ سال قبل تحریر کی۔ جس میں شاہ صاحب نے اشارہ سبابہ کو ناجائز، مکروہ اور حرام قرار دیا اور اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے تواتر کے ساتھ کتابوں کے نام لکھے، نیز اپنے مدعا کے اثبات کے لیے نامکمل عبارات تحریر کیں۔

فاضل محقق نے شاہ صاحب سے اسی وقت ان کے رسالہ کا جواب لکھنے کا اظہار کیا تھا مگر اپنی طویل علالت اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے تاخیر ہوتی چلی گئی۔ بالآخر اس کا جواب اس شاندار کتاب کی صورت میں تیار ہو گیا۔

اس عظیم الشان کتاب میں فاضل محقق نے سب سے پہلے شاہ صاحب کے اعتراضات کے جوابات اور پھر سترہ صحابہ کرام ؓ سے مروی احادیث اور ان کی اسانید کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد مشاہیر فقہائے احناف و دیگر علماء کرام کے ۶۳ حوالہ جات تحریر کیے ہیں۔ اور آخر میں عوام الناس کے لیے اشارۂ سبابہ کا طریقہ اور اس کے متعلق ضروری ہدایات بھی تحریر فرما دی ہیں۔

اس محققہ کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ کتب حدیث وفقہ سے ثابت ہے کہ التحیات میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے۔ چاروں فقہی مذاہب میں التحیات میں انگلی سے اشارہ کرنا متفق علیہ ہے، خاص طور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب میں صحیح اور معتمد علیہ ہے۔

اس رفیع الشان کتاب کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے دوران فاضل مصنف گاہِ بگاہِ راقم الحروف کو مشاورت میں شریک فرماتے رہے۔ اس دوران علم میں آیا کہ شاہ صاحب نے فاضل مصنف سے اس کتاب " مصباح التحقیق " کا مسودہ منگوا کر خیانتاً اس کا غیر معیاری جواب بھی تحریر کر کے شائع کروا دیا۔ راقم الحروف نے فاضل مصنف قبلہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ جواب الجواب کے بجائے شاہ صاحب کے افعال و کردار کو تحریر کر کے اس کتاب کے آخر میں ضمیمے کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ موصوف نے اس پر ضمیمہ " ازالۃ الاوہام عن السنۃ علیہ الصلوٰۃ السلام " کے نام سے آخر میں شامل فرما دیا ہے جو قارئین حضرات ضرور بالضرور مطالعہ فرمائیں۔

مولائے کریم اپنے حبیب رؤف و رحیم ﷺ کے صدقے فاضل مصنف و محقق کو اور ان کے اہلِ خانہ کو صحت و عافیت اور سلامتی ایمان کے ساتھ قیام و دوام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

پروفیسر محمد آصف خان علیمی قادری

گورنمنٹ سٹی کالج کراچی، شعبہ اسلامیات

مقدمہ

الحمدلله الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا الله والصلاۃ والسلام علیٰ من لو لم یکن مبعوثاً الینا لکنا ضالین مضلین، وعلیٰ آله واصحابه شموس الھدایة الذین اقتداء ھم الھدایة والسعادۃ فی الدارین اما بعد:

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی علیہ الرحمہ کے عربی رسالہ "نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین" کی تحقیق اور تخریج کر رہا تھا، ہمارے دیرینہ کرم فرما حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نے میرے اس تحقیقی کام کا موضوع دیکھ کر فرمایا کہ میں نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے؛ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ اس سے مجھے کچھ مدد مل جائے گی، مگر جب ان کا رسالہ "مسئلة الاشارۃ بالسبابة فی التشھد فی الصلاۃ یعنی تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسئلہ" مطالعہ کیا تو بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ جناب شاہ صاحب نے مخالفینِ اشارۂ سبابہ کے روایتی انداز میں اسے ناجائز، مکروہ اور حرام قرار دیتے ہوئے محض دعاوی پر اقتصار کیا ہے، کسی بھی دعویٰ کی تصدیق کے لیے حدیث وفقہ کا کوئی حوالہ درج نہیں کیا۔

احادیثِ اشارہ کے متعلق ان کے دو قسم کے دعوے ہیں، اول یہ کہ ان احادیث میں اضطراب ہے دوم یہ کہ وہ احادیث منسوخ ہیں۔ فقہی حوالہ جات کے حوالے سے ان کا دعویٰ ہے کہ چونکہ کتبِ متون میں اشارۂ سبابہ کا ذکر نہیں ہے اس لیے اس کا عدم ظاہر الروایہ اور ظاہر المذہب ہے۔ حضرت امام محمد کی مؤطا میں اشارۂ سبابہ کی روایت کے بارے میں ان کا مؤقف یہ ہے کہ چونکہ وہ کتبِ نوادر کی روایت ہے اس لیے اس کا مقابلہ روایت مع المذہب کا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ کا سنت ہونا امامِ اعظم سے منقول نہیں، قولاً اور نہ فعلاً۔ اس کے علاوہ کتبِ متاخرین بالخصوص کتبِ فتاویٰ مثلاً خلاصة الفتاوی، فتاوی غیاثیہ، فتاویٰ عتابیہ، فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ ولوالجیہ، فتاویٰ غرائب اور فتاویٰ ہندیہ

وغیرہ اوران کے بقول معتبر متون مثلاً خلاصۂ کیدانی اور تنویر الابصار میں اس سے منع کیا گیا ہے اس لیے اشارۂ سبابہ ممنوع، مکروہ بلکہ حرام ہے۔

میں نے ان کا رسالہ سرسری طور پر دیکھتے ہی ان سے عرض کیا کہ میں اس رسالے کا جواب ضرور لکھوں گا، لیکن کل امر مرھون باوقاتھا کے مصداق مجھے جواب لکھنے کی فرصت نہ ہوئی۔ تحقیقی کام سے فارغ ہوتے ہی میں شدید علیل بھی ہوگیا، رب ذوالجلال نے کرم فرمایا اور مجھے دوبارہ زندگی عطا فرمائی لیکن صحیح طرح سے لکھنے کرنے کا کام اب بھی مشکل تھا، درمیان میں دلائل الخیرات شریف کا سندھی ترجمہ اور مخدوم صاحب ہی کے رسالہ "القول الانور فی بیان حکم لبس الاحمر" کی تخریج اور ترجمہ کا کام بھی شروع کردیا تھا اس کے علاوہ اپنے تحقیقی عربی مقالہ کی اشاعت کے لیے اس پر نظرِ ثانی اور اس پر حواشی کا اضافہ بھی کرتا رہا، درمیان میں ایک آدھ مرتبہ شاہ صاحب نے مجھ سے اپنے رسالے کے جواب کے متعلق استفسار بھی فرمایا۔

تقریباً پندرہ سال کے بعد میں جناب شاہ صاحب کے ان اعتراضات کے جوابات لکھنے کے لیے مستعد ہوا اور اس کا جواب آپ کے سامنے حاضر ہے۔ شاہ صاحب نے کہیں پر بھی کسی عبارت کو نہیں لکھا صرف تواتر کے ساتھ کتابوں کے نام لکھنے پر ہی اکتفاء فرمائی ہے، ہاں! عبارات کے وہ ادھورے حصے انہوں نے ضرور لکھے ہیں جن سے ان کے مدعا ثابت ہونے میں مدد مل سکتی ہے لیکن وہ بھی ایسے جیسے کوئی شخص بغیر سیاق وسباق لا تقربوا الصلاۃ سے عدمِ صلاۃ پر استدلال کرے۔

اس جواب لکھنے سے میری نیت نہ تو اظہارِ علم ہے اور نہ ہی جناب شاہ صاحب کی مخالفت کرنا، محض احقاقِ حق مقصود ہے۔ میں اس مقصد میں کس قدر کامیاب رہا ہوں اس کا فیصلہ قارئینِ کرام فرمائیں گے۔ شاہ صاحب کے رسالے میں اعتراضات کی تکرار ہے یعنی فاضل مصنف نے الفاظ بدل کر ایک ہی اعتراض کو مختلف پیرایوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ لکھا ہے اس لیے جواب میں بھی کہیں تکرار اور کہیں طوالت ہوگئی ہے۔

میں نے اپنے اس رسالے کا نام مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ

حق حقیق رکھا ہے اور اسے تین ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب میں فاضل مصنف کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کے جوابات ہیں، دوسرے باب میں سولہ صحابہ کرام سے مروی اشارۂ سبابہ کی ۲۴ مرفوع احادیث اور ۳ تابعین سے مروی ۳ مرسل احادیث اوران کی ۲۲۸ اسانید بیان کی گئی ہیں اور تیسرے باب میں مشاہیر فقہائے احناف وغیرہم کی عبارات لکھی گئی ہیں، اس کے آخر میں اشارہ کرنے کا طریقہ اوراس کے متعلق ضروری ہدایات بھی لکھ دی ہیں تاکہ عوام الناس کو اشارہ کرنے میں آسانی ہو۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق بات صحیح طرح سمجھ کر اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلکی ومشربی تعصب سے محفوظ فرمائے

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

طالبِ دعا

ڈاکٹر مولا بخش سکندری

بدھ، ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

۱۰ جولائی ۲۰۱۴ء

باب اول

(اعتراضات کے جوابات)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

فرماتے ہیں: تو اے میرے بھائی ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تم پر واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے اور اسی بات کو مؤلف تفسیر احمدی لکھتے ہیں:

ولیس للمقلد ان ینازع المجتھد فی حکمہ الخ۔(۱)

عرض کرتا ہوں: تفسیرات احمدیہ کی اس بات سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجتہد کے قول سے انکار کون کر رہا ہے؟ خاص طور پر امام محمد کے اس ارشاد کے بعد کہ:

"ھذا قولی وقول ابی حنیفة"

فرماتے ہیں: لیکن امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولا اور نہ فعلا الخ۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:٦

عرض کرتا ہوں: کاش! فاضل مصنف اس بحث میں پڑنے سے پہلے مؤطا امام محمد بن حسن الشیبانی کو ہی دیکھ لیتے تو اس تمام تکلف کی زحمت سے بچ جاتے۔ فاضل مصنف کا یہ قول بڑے ہی دل گردے کی بات ہے کہ انھوں نے امام صاحب کی طرف اتنی بڑی بات منسوب کردی۔ مؤطا امام محمد میں بصراحت ہے کہ: "قال محمد وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وھو قول ابی حنیفة" مؤطا امام محمد بن الحسن ص:١٠٦

امام محمد تو یہ فرما رہے ہیں کہ: "وھو قول ابی حنیفة"۔ لیکن فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ امام اعظم سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولاً اور نہ فعلاً۔ گویا جو بات امام اعظم نے

---

(۱) دیکھیے فاضل مصنف کا رسالہ مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد فی الصلاۃ (یعنی نماز میں انگلی اٹھانے کا مسئلہ) ص:۵۔ آئندہ کتاب کا نام لکھنے کی بجائے صرف یہ لکھیں گے: دیکھیے ان کا رسالہ۔

نہیں فرمائی امام محمد نے اُسے ان کی طرف غلط منسوب کر دیا ہے، اس کے مقابلے میں فاضل مصنف زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ امام اعظم نے اشارۂ سبابہ کا قول نہیں فرمایا۔ ایسے میں مصنف کے نزدیک امام محمد کا کیا مقام رہ جاتا ہے اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے علاوہ فاضل مصنف اپنے اسی قول کی تردید آگے چل کر خود کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام محمد نے اس جگہ فرمایا ہے وبصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم ناخذ هذا قولي وقول ابي حنيفة۔ تو کیا اب بھی وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام اعظم کوفی سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولاً اور نہ فعلاً؟

امام ربانی نے لکھا ہے: وآنچہ امام محمد شیبانی گفتہ كان رسول الله يشير ونصنع كما يصنع النبي، ثم قال: هذا قولي وقول ابي حنيفة از روایات نوادر است نہ روایاتِ اصول۔ امام ربانی کو اس اعتراف کے باوجود تأمل صرف اس میں ہے کہ امام محمد کی یہ روایت کتبِ نوادر کی ہے، کتبِ اصول کی نہیں۔ مولانا نور احمد نقشبندی مجددی اس پر شیخ محمد مراد مکی کا یہ تبصرہ نقل کرتے ہیں: قولہ: نہ روایاتِ اصول، قلنا مسلم هو كذالك، ولكنها من روايات النوادر، كما اعترف به قدس سره، واما روايات عدم الاشارة ليست من روايات الاصول ولا روايات النواد ر بل من روايات الواقعات والفتاوىٰ والنوازل، مرتبتُها نازلة من مرتبة النوادر، ولهذا افتىٰ عامة المتأخرين بسنية الاشارة وهي الحق الذي لا يعدل عنه وخلافها خلافه. والله الهادي والحق احق بالاتباع۔ یعنی امام ربانی کا یہ اعتراض تسلیم ہے کہ امام محمد کا قول کتبِ اصول کا نہیں بلکہ کتبِ نوادر کا ہے، لیکن عدمِ اشارہ کی روایات بھی کتبِ اصول کی ہیں نہ ہی کتبِ نوادر کی بلکہ وہ تو واقعات، فتاویٰ اور نوازل کی روایات ہیں، جن کا مرتبہ نوادر کی روایت سے بھی کم ہے اس لیے عام متاخرین نے اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے، یہ مسئلہ ایسا برحق ہے کہ اس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی اور اس کے خلاف کرنا حق کے خلاف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہادی ہے اور حق پیروی کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔ دیکھیے مکتوبات امامِ ربانی مع حواشی وشرح، دفتر اول، حصہ پنجم مکتوب ۳۱۲ ص: ۱۶۳

فرماتے ہیں: جو روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہو تو وہ امام کے اس سے رجوع کی دلیل ہے تو اس کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ اس پر فتویٰ دے الخ۔

دیکھیے اُن کا رسالہ ص:۸ سطر،۶۔۸

عرض کرتا ہوں: یہاں بھی فاضل مصنف نے کمال بے احتیاطی اور کامل غیر دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام قاری کو یہ تاثر دینے کی سعی نامشکور فرمائی ہے کہ گویا اشارہ کی روایت واقعی ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے لہذا اسے ترک کرنا ہی افضل ہے۔ علامہ ابن عابدین کی اس عبارت سے عدم جواز اشارہ پر استدلال کرنا مصنف صاحب ہی کی شان ہے۔ بھلا دیگر علماء اس وصف میں ان کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں؟

ذرا الفاظ کو دوبارہ غور سے دیکھیں کہ ابن عابدین کیا کہہ رہے ہیں! وہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ: كل ما يخالف ظاهر الرواية فهو دليل برجوع الامام عنه۔ اسکا صاف اور سیدھا مفہوم یہ ہے کہ اگر غیر ظاہر الروایۃ کتب میں بیان کردہ مسئلہ کسی ظاہر الروایۃ کتاب میں بیان کردہ مسئلہ کے خلاف ہوگا تو وہ غیر ظاہر الروایۃ والا مسئلہ مرجوع عنہ تصور ہوگا۔ اب یہ فاضل مصنف کی علمی ذمہ داری ہے کہ وہ ظاہر الروایۃ کی کسی بھی ایک کتاب سے ایسی عبارت پیش کریں جو اس غیر ظاہر الروایۃ میں بیان کردہ مسئلہ کے خلاف ہو۔

تعارض تو تب ہی ثابت ہوگا جب اسکے مقابل مخالف عبارت موجود ہوگی ورنہ صرف کہہ دینے سے تعارض ثابت نہیں ہوگا۔ فاضل مصنف غیر ظاہر الروایۃ کتاب کی اس ثبوتِ اشارہ والی عبارت کے خلاف ظاہر الروایۃ کتب میں سے عبارت پیش کرنے کے لیے جتنی مہلت چاہیں لے لیں لیکن عبارت ضرور پیش کریں۔ خالی مفروضوں سے کام نہ چلائیں۔ چاہیں تو اس معاملے میں اپنے تمام متبعین اور اپنے اس رسالے کی تائید کنندگان اعلام الدہر حضرات سے مدد حاصل کر لیں شاید ان میں سے کسی خادم الاولیاء والعلماء حقانی، یا کسی خادم القرآن والحدیث، یا کسی مفتی اور مناظر اہلِ سنت یا ماہر اسرار شریعت پیر طریقت کے علم میں ایسی عبارت یا حوالہ موجود ہو اور فاضل مصنف کا دعویٰ بلا دلیل ہونے کے الزام سے بچ جائے۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔

میرا دعویٰ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ فاضل مصنف اس کوشش میں تا حیات کامیاب نہیں ہوں گے۔ البتہ یہاں ان کے اس استدلال سے ایک نیا اصول وضع ہوتا ہوا ضرور دکھائی دے رہا ہے۔ آج تک یہ اصول مسلم تھا کہ "عدمِ ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا" لیکن اب نئی تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ "عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم ہوتا ہے"۔ یعنی انکی نظر میں ظاہر الروایۃ کتب میں اشارے کا نفیاً اور اثباتاً ذکر نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ اشارے کا وجود ہی کتب فقہ میں نہیں

اور یہی ذکر نہ ہونا غیر ظاہر الروایۃ کتب کی عبارت کے معارض ہے۔ ہے نہ بات پتے اور تحقیق کی! شاید اسی وجہ سے فاضل مصنف فرمارہے ہیں کہ:"اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے"۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۱۸ سطر نمبر ۱۸۔

فرماتے ہیں: وہ کتابیں جن میں اشارہ سبابہ سے منع لکھا ہے وہ یہ ہیں شرح الیاس ج اص:۱۲۸، فتاویٰ قاضیخان سراجیہ ص:۱۱ نے مکروہ کہا ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۸۔۹

عرض کرتا ہوں: فاضل مصنف کا شرح الیاس سے اشارۂ سبابہ کی منع کا دعویٰ کرنا عجیب ہے کیونکہ ان کے رسالے پر تقریظ میں جناب پیر سیف الرحمن اخوندزادہ صاحب نے تو لکھا ہے کہ: شرح الیاس اور شرح وقایہ میں اشارہ کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۳۹

سوچنے کی بات یہ ہے کہ فاضل مصنف فرمارہے ہیں کہ شرح الیاس نے اشارۂ سبابہ سے منع کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شرح الیاس میں اشارۂ سبابہ کا ذکر موجود ہے، خواہ مصنف کے بقول نفیاً ہی سہی لیکن جناب پیر سیف الرحمن اخوندزادہ صاحب تو یہ دعویٰ فرمارہے ہیں کہ اس کا ذکر تک نہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کتابوں میں اشارے کا اثباتاً خواہ نفیاً سرے سے ذکر ہی نہیں۔ ان دونوں حضرات کے دعوی میں سے کس حضرت کا دعویٰ درست ہے؟ یہ تو حضرت فاضل مصنف ہی بتائیں گے۔ لیکن ہم یہاں بتائے دیتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں اشارۂ سبابہ کا اثباتاً ذکر موجود ہے، نہ کہ نفیاً جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان کے متعلق علماء کی گواہی آپ ص:۵۳ پر نیز باب سوم میں ص:۲۸۹ پر شاہ عبدالعزیز کی عبارت میں اور ص:۳۰۹ پر شرح الیاس کی عبارت دیکھیں گے۔

رہا ان کا "فتاویٰ قاضیخان سراجیہ ص:۱۱" سے اسے مکروہ کہنے کا قول نقل کرنا تو اس کے متعلق عرض ہے کہ فاضل مصنف نے نہایت ہوشیاری سے اپنے ہمنوا اور معتقد افراد پر اپنے مؤقف کی سچائی کی دھاک بٹھانے کے لیے دو مختلف کتابوں "فتاویٰ قاضیخان" اور "فتاویٰ سراجیہ" کے نام ایک ساتھ "فتاوی قاضیخان سراجیہ" لکھا ہے تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ فتاویٰ قاضیخان نے بھی اشارۂ سبابہ کو مکروہ لکھا ہے، حالانکہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے، فتاویٰ قاضیخان علماء کے نزدیک "فتاویٰ خانیہ" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ میں نے فتاویٰ قاضیخان کے تین مطبوعہ نسخے ایک نسخہ بیروت کا دو نسخے کوئٹہ کے کھنگال ڈالے ہیں لیکن تینوں نسخوں میں اشارۂ سبابہ کا اثباتاً خواہ نفیاً ذکر ہی نہیں ہے۔

فاضل مصنف نے دراصل فتاویٰ قاضیخان کے حاشیہ پر مطبوعہ فتاویٰ سراجیہ کا حوالہ دیا ہے۔فتاویٰ قاضیخان کا نام محض اپنے مطلب کی کتابوں کی تعداد بڑھانے کی خاطر لکھا ہے، فتاویٰ سراجیہ کے متعلق جواب ص:۲۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

علمی خیانت: ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ شیخ علی متقی ہندی نے فتاویٰ خانیہ سے اشارۂ سبابہ کا غیر اختلافی اور حسن ہونا نقل کیا ہے، لکھتے ہیں: و فی الخانیة الاشارة عند قول لا الٰہ الا اللہ لا خلاف فیه وهو حسن ۔دیکھیے رسالہ خواجہ علی متقی ہندی ص:۴

ملا علی قاری نے بھی بالکل اسی طرح فتائ خانیہ کے متعلق لکھا ہے۔دیکھیے تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص ۶۳، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علی متقی ہندی سے یونہی نقل کیا ہے، لکھتے ہیں: و در خانی گفتہ است کہ اشارت نزد قول لا الٰہ الا اللہ احسن است۔
دیکھیے شرح سفر سعادت ص:۸۱

موجودہ مطبوعہ فتاویٰ خانی میں اشارۂ سبابہ کا ذکر نہ پا کر ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے، وہ یہ کہ مذکورہ تینوں حضرات کے پاس فتاویٰ خانی کے جو نسخے موجود تھے ان میں اشارۂ سبابہ کا غیر اختلافی اور احسن ہونا لکھا ہوا تھا لیکن موجودہ مطبوعہ نسخوں میں اس کا مذکور نہ ہونا اس بات کی غمازی ہے کہ چھاپنے والے حضرات نے مخصوص ذہنیت کی وجہ سے اسے کتاب ہی سے نکال دیا ہے ورنہ شیخ علی متقی ہندی، ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف غلط مسئلہ لکھنے کا انتساب کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شیخ علی متقی ہندی وغیرہ کے پاس موجود قلمی نسخے میں اشارۂ سبابہ کا احسن وغیرہ ہونا لکھا ہوا ہوگا لیکن کتاب چھاپنے والے حضرات نے کسی ایسے قلمی نسخے سے اسے چھاپا جس میں اشارے کا ذکر نہیں تھا، اس کہنے سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے کہ فتاویٰ خانی میں اشارۂ سبابہ کا اثباتاً ذکر ہے، کیونکہ مختلف قلمی نسخوں کے تقابل کے وقت کسی نسخے میں اضافی لکھی ہوئی بات سے انکار کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، اور ایسے مواقع پر نسخوں کی قدامت یا زیادہ ذی علم علماء کے مطالعے میں رہنا اسے دیگر نسخوں کے مقابل زیادہ قابلِ اعتماد بنا دیتا ہے اس کے علاوہ موجود کو معدوم پر فوقیت بھی حاصل ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں: حدیث اشارہ خبر واحد ہے۔اور خبر واحد علماء اصول کے نزد مشروط ہے دس شرائط پر۔پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عام حادثہ سے مخالف نہ ہوگا اور اشارہ کے اثبات والی حدیث

عام حادثہ سے مخالف ہے پانچ وقت نماز کے لیے ہر وقت حاضر ہونا ضروری ہے اور دوسرے ساتھی بھی حاضر ہوتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کہتے اور صرف ایک صاحب کہتا ہے، یہی بات نبراس شرح العقائد نے لکھی ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۹، سطر ۸۔ ۱۲

عرض کرتا ہوں: پہلی بات تو یہ ہے کہ خبر واحد کی کوئی بھی قسم (مشہور، عزیز اور غریب) قوت اور ضعف کے اعتبار سے دو قسموں پر مشتمل ہوتی ہے اول: مقبول، دوم: مردود۔ اشارہ والی حدیث خبر واحد کی پہلی قسم میں سے ہے جسکا حکم ہے وجوب الاحتجاج والعمل بہ۔ یعنی اس سے استدلال اور اس کا مقتضی واجب العمل ہوتے ہیں۔ قوت وضعف کے اعتبار سے پہلی قسم مقبول کی مزید اقسام صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ سبھی خبر واحد ہی کی اقسام ہیں۔ فاضل مصنف کا یہ کہنا کہ دوسرے ساتھی تو کچھ نہیں کہتے اور صرف ایک صاحب کہتا ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ آپ کا تجاہل عارفانہ ہے۔ آپ جان بوجھ کر سادہ لوح قاری کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ اشارے کی حدیث تو صرف کسی ایک ہی صحابی سے مروی ہے۔ جیسا کہ آپ اس بحث کے آغاز میں، ص: ۷ پر بھی فرما چکے ہیں کہ: "میں یہ مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم و مقصود کائنات ﷺ سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فرمایا ہے: "وبصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم ناخذ هذا قولي وقول ابي حنيفة"۔

یہاں ضمناً عرض ہے کہ مؤطا امام محمد میں الفاظ یوں ہیں: "وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم ناخذ وهو قول ابي حنيفة"۔ دیکھیے مؤطا امام محمد بن الحسن، ص: ۱۰۶ یہاں آپ کا یہ فرمانا کہ ایک حدیث حضور معلم و مقصود کائنات ﷺ سے امام محمد الخ۔ آپ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ اشارۂ سابہ کے ثبوت میں حضرت ابن عمر سے مروی یہی ایک حدیث ہے۔ کسی اور صحابی سے حدیث اشارہ ثابت نہیں، یہی آپ کا تجاہل عارفانہ ہے۔ اور یہ آپ کی مجبوری بھی ہے، ورنہ بہت سارے اصحاب سے حدیث اشارہ کا اعتراف کرنے کے بعد کثیر تعداد اصحاب رسول کی روایت سے جان چھڑانا زیادہ مشکل ہو جاتا۔ اس لیے آپ دیگر اصحاب کے ذکر کو گول کر گئے اور ایک حدیث سے بھی یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ "لیکن یہ روایت ظاہر الروایۃ میں مندرج نہیں ہے تو ان کی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذہب کا ہے پس لازم ہے مفتی مقلد پر کہ وہ مذہب پر فتویٰ دے، نہ کہ روایت پر"۔

دیکھیے اُن کا رسالہ ص: ۷۔ ۸

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اول تو حدیثِ اشارہ ایک صحابی سے نہیں بلکہ کم از کم سولہ اصحاب کرام سے مروی ہے۔ اور وہ یہ حضرات ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر	۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر	۳۔ حضرت وائل بن حجر
۴۔ حضرت ابوحمید الساعدی	۵۔ حضرت نمیر خزاعی	۶۔ حضرت خفاف بن ایماء
۷۔ حضرت ابوقتادہ حارث بن ربعی		۸۔ حضرت ابوہریرہ
۹ حضرت سعد بن ابی وقاص	۱۰۔ حضرت شہاب بن مجنون	۱۱۔ حضرت معاذ بن جبل
۱۲۔ حضرت انس بن مالک	۱۳۔ حضرت عقبہ بن عامر	۱۴۔ حضرت اسماء بن حارثہ

۱۵۔ حضرت عبدالرحمن بن ابزی اور ۱۶۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان سولہ اصحاب سے ۲۴ متصل احادیثِ اشارہ مروی ہیں، اور تین تابعین کرام سے تین مرسل احادیث بھی اشارۂ سبابہ کے ثبوت میں موجود ہیں، اسکے علاوہ اشارۂ سبابہ سے متعلق پانچ صحابۂ کرام سے مروی آثار بھی کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے چار آثار حضرت عبد اللہ بن عمر کے اور دو آثار حضرت عبداللہ بن عباس کے اور ایک ایک اثر حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا اور ایک اثر اجمالاً صحابۂ کرام کا ہے۔ اسی طرح تابعین حضرات میں سے حضرت مجاہد حضرت محمد بن سیرین حضرت عروہ بن زبیر حضرت ابراہیم نخعی حضرت قیس بن سعد حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایک ایک اثر مروی ہے۔ صحابۂ کرام اور تابعین کے آثار کی اسانید بائیس ہیں، ان میں سے بہت ساری احادیث مسلم شریف میں مذکور ہیں اور بہت ساری مسلم شریف کی شرائط کے موافق ہیں اور بہت ساری دیگر محدثین کی شرائط پر پوری اترتی ہیں اور بہت ساری حسن احادیث ہیں، یعنی ۲۷ عدد متصل اور مرسل احادیث اور آثارِ صحابہ وتابعین کی کل اسانید ۲۵۰ ہیں۔

ان تمام احادیث وآثار کی اسانید کی کل تعداد ۲۵۰ میں سے ۴۶ اسانید ہماری تحقیق کے مطابق التحیات میں اشارۂ سبابہ کی بجائے نماز میں درپیش کسی ناگزیر صورتِ حال میں جواباً اشارہ کرنے سے متعلق ہیں، ان کا تعلق اشارہ سبابہ کے ثبوت کے ساتھ نہیں، اس طرح خالصتاً التحیات میں اشارۂ سبابہ کے ثبوت سے متعلق بیان کردہ احادیث وآثارِ صحابہ وتابعین کی کل صحیح اسانید ۲۰۴ ہے جسکی باحوالہ تفصیل نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین کی فصل اول اور دوم

میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ کے ثبوت میں کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ وارد ہیں اور یہ محدثین حضرات کے نزدیک مسلم اصول ہے کہ اگر ایک ہی حدیث کے الفاظ مختلف ہوں یا الفاظ تو متحد (ایک جیسے) ہوں لیکن صحابی الگ الگ ہو تو اسے دو حدیثیں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ امام بخاری و مسلم وغیرہما کے یہاں صحیحین میں پایا جاتا ہے۔ ہماری اس وضاحت سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ حدیثِ اشارہ چونکہ کم از کم سولہ صحابہ سے مروی ہے، اور اگر اس میں حضرت وائل کی حدیث کی روایت کے دوران موجود دس صحابہ کرام کو بھی شامل کیا جائے تو پھر اشارے کی حدیث کے راویوں کی کل تعداد چھبیس ہو جاتی ہے۔ ان دس صحابہ کو اس حدیث کے راویوں میں شامل کرنا قاضی ابو بکر بن العربی کے اس قول کی بناء پر ہے جس میں اس نے انما الاعمال بالنیات حدیث کو حضرت عمر کے دورانِ خطبہ صحابہ کے روبرو بیان کرنے اور صحابہ کے اس پر نکیر نہ کرنے سے استدلال کرتے ہوئے اس حدیث کو "عزیز" کہا ہے۔ اس لیے ہم بلا تردد کہتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ کی حدیث معنًا متواتر ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے بھی کہا ہے کہ: فهل يحل لمؤمن ان يحرم ما ثبت من فعله صلى الله عليه وسلم ما كاد نقله أن يكون متواترا۔ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ۔ ص:٦٦

دوم یہ کہ فاضل مصنف کا یہ کہنا کہ: لیکن یہ روایت ظاہر الروایۃ میں مندرج نہیں ہے تو ان کی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذہب کا ہے الخ۔ اس سے یہ بات تو ثابت ہوئی کہ فاضل مصنف کے نزدیک بھی اشارۂ سبابہ کا مسئلہ امام محمد کی غیر ظاہر الروایہ کتب میں موجود ہے البتہ وہ اسے ماننے میں اس لیے متردد ہیں کہ وہ ظاہر الروایہ کتب میں مذکور نہیں، ان کی نظر میں ظاہر الروایہ کتب میں اس مسئلہ کا مذکور نہ ہونا ظاہر الروایہ کتب کے ساتھ تعارض ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ فقہی کتب کے چار مراتب ہیں، پہلے درجے میں ظاہر الروایہ یعنی کتب اصول شامل ہیں، یعنی امام محمد کی جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، زیادات اور مبسوط۔ (انہی چھ کتب اصول کا امام حاکم شہید مروزی نے اختصار ترتیب دیا جو الکافی کے نام سے مشہور ہے) دوسرے درجے میں کتبِ نوادر ہیں، یہ وہ کتابیں ہیں جن کی نسبت امام محمد کی طرف تواتر سے ثابت نہیں اور انھیں کتب غیر ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے، موطا امام محمد بھی انہی کتب میں سے ہے۔ تیسرے درجے میں طبقۂ خامسہ تک کے فقہاء کی تصانیف شامل ہیں، اور چوتھے درجے

میں طبقۂ سادسہ کے فقہاء کی تصانیف شامل ہیں۔اب قاعدہ یہ ہے کہ اگر ظاہر الروایہ اور نوادر (غیر ظاہر الروایہ) میں تعارض ہوگا تو اس صورت میں ظاہر الروایہ کتب کو ترجیح دی جائیگی اور اسکے مقابل غیر ظاہر الروایہ کتب میں لکھے ہوئے کو ترک کر دیا جائیگا۔اور اگر کوئی مسئلہ سرے سے ظاہر الروایہ کتب میں لکھا ہوا ہی نہ ہو اور نوادر (یعنی غیر ظاہر الروایہ کتب) میں لکھا ہوا ہو اور بعد کے فقہاء یعنی تیسرے درجے یا چوتھے درجے کی کتب میں اس کے خلاف لکھا ہوا ہو تو اس صورت میں نوادر (یعنی غیر ظاہر الروایہ) کو ترجیح دی جائیگی اور بعد کے فقہا میں پھر ترتیب ہے سب سے پہلے مجتہدین فی المذہب اسکے بعد اصحابِ تخریج اسکے بعد اصحابِ ترجیح اور اسکے بعد اصحاب تمیز کا درجہ ہے۔دیکھیے شرح صحیح مسلم ۲/ ۱۶۹

فاضل مصنف کا اعتراض اس صورت میں درست ہوتا جب کتبِ اصول (یعنی ظاہر الروایہ) میں اشارۂ سبابہ کے خلاف لکھا ہوتا اور کتبِ غیر ظاہر الروایہ میں اس کا ثبوت ہوتا، حالانکہ کتبِ اصول میں اشارۂ سبابہ کا اثباتاً ذکر ہے اور نہ ہی نفیاً، یعنی مثبت خواہ منفی کسی بھی طور اسکا ان کتب میں ذکر ہی نہیں ہے تو پھر تعارض کہاں سے ثابت ہوا؟ یہ تو ایسے ہے جیسے مبارز کے بغیر ہی مبارزت مان لی جائے، کوئی لڑنے والا ہی نہ ہو لیکن پھر بھی لڑائی ثابت کی جائے۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ امام محمد کی غیر ظاہر الروایہ کتاب مؤطا امام محمد کے مقابلے میں طبقہ سادسہ کے فقہاء کی روایات وعبارات ضرور موجود ہیں۔یہی وہ فقہاء اور ان کی عباراتِ کتب ہیں جنھیں فاضل مصنف ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذہب کا مقابلہ قرار دے رہے ہیں۔لہذا ان کا یہ دعویٰ کہ اصول (یعنی ظاہر الروایہ) کے مقابلہ میں غیر اصول کتبِ نوادر یعنی (غیر ظاہر الروایہ) کا اعتبار نہیں کیا جائیگا؛ بالکل غلط ہے کیونکہ یہاں غیر ظاہر الروایہ کا ظاہر الروایہ کے ساتھ مقابلہ اور ٹکراؤ ہے ہی نہیں۔امام سرخسی فرماتے ہیں: ولا معارضة بین الساکت والناطق: اصول السرخسی اول ص: ۳۶۴ اور اگر فاضل مصنف کے نزدیک مطلقاً غیر ظاہر الروایہ کتب کی روایات نا قابل قبول ہیں تو پھر بتایا جائے کہ صاحبِ ہدایہ نے تیمم کے باب میں (و یستحب لعادم الماء وھو یرجوہ ان یؤخر الصلوٰۃ الیٰ آخر الوقتِ فان وجد الماء یتوضأ والا تیمم و صلیٰ) پر جو یہ فرمایا ہے کہ: لیقع الاداء باکمل الطہارتین فصار کالطامع فی الجماعة وعن ابی حنیفة وابی یوسف فی غیر روایة الاصول ان التاخیر حتم الخ۔

ہدایہ اولین ص: ۵۳ تو اسکی ان کے نزدیک کیا توجیہ ہے؟ کیا وہ ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک تاخیر کو ضروری سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر مانتے ہیں تو کس وجہ سے؟

فرماتے ہیں: اور اشارہ اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ تمام احادیث اشارہ کے اثبات والی وہ تمام کی تمام مضطرب ہیں بغیر امکان توفیق کے، اور مضطرب کے متعلق حکم یہ ہے کہ یہی احادیث موقوف العمل ہیں، تو ایسا ہوا کہ اس دنیا میں یہی احادیث موجود نہیں ہیں وان وقع فی اسناد اومتن اختلاف من الرواۃ بتقدیم و تاخیر او زیادۃ ونقصان او ابدال راو مکان راو آخر او متن مکان متن اوتصحیف فی اسماء السند اواجزاء المتن او باختصار اوحذف اومثل ذالک فالحدیث مضطرب الخ

مقدمۃ المشکوۃ لشیخ عبدالحق الدہلوی۔ص: ۲، دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۹

عرض کرتا ہوں: مقام شکر ہے کہ فاضل مصنف نے اتنا تو مان لیا کہ اشارے سے متعلق ایک سے زیادہ احادیث موجود ہیں جیسا کہ ان کے اس جملہ "تمام احادیث اشارہ کے اثبات والی وہ تمام کی تمام۔۔۔" سے ظاہر ہو رہا ہے، ورنہ وہ تو اب تک یہ فرما رہے تھے کہ "میں مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم ومقصود کائنات ﷺ سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے"۔

دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۷

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث میں اضطراب کے ثبوت کے لیے جتنی بھی شرائط لکھی ہیں ان میں سے کوئی بھی شرط احادیثِ اشارہ میں موجود ہی نہیں تو پھر ان کی عبارت کی آڑ لے کر ان احادیث کو مضطرب کہنا غلط ہے، حالانکہ شیخ صاحب نے احادیثِ اشارہ کو احادیثِ صحیحہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں: اعلم ان العقد والاشارۃ قد ورد فی الاحادیثِ الصحیحۃ. وقد أورد فی جامع الاصول الاحادیث من الکتب الستۃ. فی بعضھا ذکر العقد مع الاشارۃ وفی بعضھا ذُکِرت الاشارۃُ فقط. وعلیہ مذاھب الائمۃ من المحدثین والفقھاء و کثیر من الصحابۃ والتابعین؛ وقالوا: الحق ان مذ ھب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ ھکذا۔ لمعات التنقیح ۳/۱۷۹

بالفرض اگر اضطراب ثابت ہو تو اس کے الزام کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ جو حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ و قبض اصابعہ کلھا یعنی آپ نے ساری انگلیاں بند کیں اور

ابوداود کے پاس وائل بن حجر کی روایت میں ہے کہ وقبض ثنتین و حلق حلقة یعنی آپ نے دوانگلیاں بند کر کے حلقہ بنایا۔ ابن عمر کی روایت میں سب انگلیوں سے مراد شہادت کی انگلی کے علاوہ دیگر انگلیاں ہیں، کیونکہ اسکے فوراً بعد روایت میں یہ لفظ بھی ہیں واشار باصبعه التی تلی الابهام یعنی آپ نے انگوٹھے کے برابر والی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ حضرت ابن عمر سے مروی اس حدیث کی اکثر روایات میں "قبض" کا ذِکر بغیر بیان کیفیت یوں ہی اجمالاً آیا ہے لیکن حضرت ابن عمر ہی کی حدیث میں سفیان بن عیینہ نے اس کی کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے: فوضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی وعقد اصبعین وحلق الوسطی واشار بالتی تلی الابهام۔ یعنی آپ نے دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا اور دو انگلیاں بند فرمائیں اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنایا اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضرت ابن عمر کی یہ روایت احناف کی بیان کردہ حلقہ کی کیفیت کے موافق ہے نہ کہ شوافع کی بیان کردہ حلقہ کی کیفیت کے۔

فرماتے ہیں: تیسری وجہ ترپین کا عقد بنائے حدیث ابن عمر و مسلم ثم المشکوۃ ص:۷۷ چوتھی وجہ تئیس کا عقد بنائے حدیث ابن زبیر مسلم ثم المشکوۃ ص:۷۷ عقد ثلاثة وعشرین بالمعنی۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۱۰

عرض کرتا ہوں: فاضل مصنف کا یہ کہنا کہ: چوتھی وجہ تئیس کا عقد بنائے حدیث ابن زبیر مسلم ثم المشکوۃ ص:۷۷ عقد ثلاثة وعشرین بالمعنی۔ یہ حدیث مسلم شریف جلد اول ص:۲۱٦ پر باب صفة الجلوس فی الصلاۃ میں تین مختلف سندوں سے مروی ہے جن میں سے پہلی سند بواسطہ عثمان بن حکیم ہے اور دو سندیں بواسطہ ابن عجلان ہیں، اور کسی بھی سند میں تئیس کے عقد کا ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث کو نہ صرف مسلم نے روایت کیا ہے بلکہ صحیح ابن خزیمہ جزء اول کے باب ادخال القدم الیسری بین الفخذ الیمنی والساق فی الجلوس فی التشهد میں اور باب النظر الی السبابة عند الاشارة فی التشهد میں ص:۳۴۵، ۳۵۵ حدیث ٦۹٦، اور ۷۱۸ دو سندوں کے ساتھ مروی ہے جن میں سے پہلی سند بواسطہ عثمان بن حکیم اور دوسری سند بواسطہ ابن عجلان ہے، وہاں بھی تئیس کے عقد کا ذکر موجود نہیں۔ نیز یہ حدیث بیہقی کی معرفة السنن والآثار ۲ / ۲۹ پر حدیث نمبر ۱۸۱ کے آخر میں بھی موجود ہے اور اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند ۴ / ۳ پر بھی روایت کیا ہے، نیز یہ حدیث مسند ابوعوانہ جلد اول ص:

۲۲۱۔ ۲۲۲ پر صفۃ الجلوس میں اور ص: ۲۲۵ پر بیان التحامل بیدہ الیسری میں عثمان بن حکیم کے واسطہ سے مروی ہے۔ اسکے علاوہ یہ حدیث سنن ابی داود جزء اول ص: ۱۴۲ پر باب الاشارۃ فی التشھد میں عثمان بن حکیم کے واسطے سے اور سننِ نسائی جزء اول ص: ۱۷۳ پر باب الاشارۃ بالاصبع فی التشھد الاول میں مخرمہ بن بکیر کے واسطہ سے اور جزء اول ص: ۱۸۷ پر باب موضع البصر عند الاشارۃ و تحریك السبابة میں ابن عجلان کے واسطہ سے، اور سنن دارمی جلد اول ص: ۳۵۴ پر باب الاشارۃ فی التشھد حدیث نمبر ۱۳۳۸ میں ابن عجلان کے واسطہ سے، اور مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲، ص: ۴۸۵ فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخّص فیه میں ابن عجلان کے واسطہ سے۔ اور سنن دار قطنی جلد اول ص: ۳۴۹۔ ۳۵۰ پر باب صفۃ التشھد ووجوبه واختلاف الروایات فیه میں ابن عجلان کے واسطہ سے۔ اور بیہقی کی سنن الکبریٰ کے تین ابواب میں چھ سندوں کے ساتھ مروی ہے جن میں سے چار سندیں باب کیف یضع یدیه علی فخذیه والاشارۃ بالمسبحة میں ہیں، جن میں سے دو سندیں عثمان بن حکیم کے واسطہ سے اور دو سندیں ابن عجلان کے واسطے سے ہیں، اور اسکی پانچویں سند باب السنة فی ان لا یجاوز بصرہ اشارته میں اور چھٹی سند باب الدلیل علی ان ھذا سنة الیدین فی التشھدین جمیعا میں ابن عجلان اور مخرمہ بن بکیر کے واسطہ سے مروی ہے۔ دیکھیے سنن الکبریٰ جلد ۲، ص: ۱۳۰۔ ۱۳۱، ص: ۱۳۲۔ اس طرح اس حدیث کی چوبیس سندیں بنتی ہیں اور کسی بھی سند میں تیئس کے عقد کا ذکر تو درکنار اسکی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا البتہ یہ فاضل مصنف کا کمال تحقیق ہے کہ انھوں نے اس مفہوم کو ابن زبیر کی طرف منسوب کر دیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، انھوں نے اسے بالمعنی کہہ کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ گویا تیئس کے عقد کا ذکر ابن زبیر کی روایت سے مستنبط ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی کونسی سند کے وہ الفاظ ہیں جنھیں فاضل مصنف نے بالمعنی کہہ کر ابن زبیر سے منسوب کیا ہے۔

صحابیٔ رسول ﷺ کا ذرا تو خیال کیا ہوتا، اگر انھوں نے قیامت کے روز فاضل مصنف سے اس غلط بات کے انتساب کے بارے میں پوچھ لیا تو انھیں کیا جواب دیں گے؟ کیا یہی کہیں گے کہ میں نے فلاں صاحب کی فلاں کتاب میں دیکھ کر یہ کہا تھا۔ کیا ان سے یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ مشکوۃ شریف کا متعلقہ باب دیکھ لیتے یا مسلم شریف ہی کھول کر دیکھ لیتے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ تیئس کے عقد کی بات کسی بھی حدیث میں نہیں ہے۔ اگر کسی صاحب نے ایسی حدیث دیکھی ہے تو اسے چاہیے کہ اسے سند کے ساتھ با حوالہ پیش کرے، ممکن ہے کسی کچی پکی کتاب میں کسی بزرجمہر نے جعلی غیر مقبول سلسلۂ سند کے ساتھ یہ روایت وضع کر دی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔ دیکھیے کتاب معرفۃ علوم الحدیث ص:٦۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن سعید کو فرماتے ہوئے سنا کہ الاسناد من الدین ۔اور حضرت امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ماذھاب العلم الاذھاب الاسناد۔ دیکھیے التمہید جزءاول ص:٥٧

تیئس کے عقد کی بات حضرت ابن زبیر کی روایت کردہ حدیث کی طرف منسوب کرنا سراسر غلط ہے جو کہ کسی بھی مستند کتاب حدیث میں موجود نہیں، ہاں یہ بات بعض فقہاء مالکیہ نے ضرور لکھی ہے جیسا کہ علامہ محمد بن محمد الخطاب رعینی مالکی متوفی ٩٥٤ھ نے شیخ خلیل بن اسحاق جندی مالکی متوفی ٧٦٧ھ کی "المختصر" کی شرح مواھب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل میں لکھا ہے کہ بعض فقہاء مالکیہ نے تیئس کے عقد کی جو بات کہی ہے وہ حدیث شریف میں مذکور ترپن (٥٣) کے عقد کے خلاف ہے۔ لہذا اس قسم کی فقہی عبارت کا حدیث کے ساتھ کیا تعارض ہوسکتا ہے اور وہ حدیث میں اضطراب کا سبب کیونکر بن سکتی ہے۔ کیا کسی صحیح حدیث کے مقابلے میں کسی فقہی قول کی شنوائی ہوسکتی ہے؟ حاشا وکلا ایسا نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح امام غزالی نے بھی فرمایا ہے: الرکن السادس: التشھد: والتشھد الاول سنۃ.... الی ان قال.. ثم یضع الید الیسری علی طرف الرکبۃ منشورۃ مع التفریج المقتصد والید الیمنی یضعھا کذالک، لکن یقبض الخنصر والبنصر والوسطی و یرسل المسبحۃ. و فی الابھام أوجہ. قیل: یرسلھا، و قیل: یحلق الابھام والوسطی. و قیل: یضمھا الی الوسطی المقبوضۃ کالقابض ثلاثاً و عشرین، ثم یرفع مسبحتہ فی الشھادۃ عند قولہ الا اللہ. و فی تحریکھا عند الرفع خلاف۔ دیکھیے الوجیز فی فقہ مذھب الامام الشافعی ص:٦٠

ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جب کسی فعل کی روایات میں اختلاف ہو تو ایک مقلد پر لازم ہے کہ وہ اس روایت پر عمل کرے جسے اس کے امام نے اپنے اصول وقواعد کے مطابق معمول بہ قرار دیا ہو۔ ائمہ اربعہ میں سے ہر امام نے اشارۂ سبابہ کے بارے میں کسی ایک

روایت پر عمل کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ انگلی کس لفظ پر اٹھائی جائے اور اسے کب رکھا جائے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت کی انگلی کے سوا تمام انگلیاں مٹھی کے ساتھ بند کرے اور شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرے، شوافع اسے ترپین (۵۳) اور مالکی انتیس کا عقد کہتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھنگلیا اور اسکے ساتھ والی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اشھد ان لا الہ الّا اللہ میں "لا" پر انگلی اٹھائے اور "اِلّا" پر رکھ دے تا کہ نفی (لا) کے ساتھ رفع (یعنی انگلی اٹھانے) اور اثبات (اِلّا) کے ساتھ وضع (یعنی انگلی رکھنے) کی مناسبت ہو، حنبلیوں کے نزدیک لفظ "اللہ" پر انگلی اٹھائے اور امام شافعی کے نزدیک لفظ "اِلّا" پر انگلی اٹھائے تا کہ قول اور عمل سے توحید ظاہر ہو۔

فرماتے ہیں: پانچویں وجہ مدّ مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی، الحدیث، حدیث وائل بن حجر، ابوداود، دارمی، مشکوۃ ص: ۷۷ دائیں کف کو کھینچے دائیں ران پر، مزید لکھتے ہیں کہ: وضع کفه الایمن علی فخذه الیمنی الخ موطاء امام مالک ص: ۹۶ و موطاء امام محمد ص: ۱۰۸ دائیں کف کو دائیں ران پر رکھنا۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۰۔۱۱

عرض کرتا ہوں: پہلے ہم فاضل مصنف کی پیش کردہ حدیث ابوداود، دارمی اور موطا امام مالک سے نقل کرتے ہیں: حدثنا مسدد نا بشر بن المفضل عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال: قلت: لانظرن الی صلاة رسول الله ﷺ کیف یصلی، قال: فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فکبر فرفع یدیه حتی حاذتا اذنیه - الی ان قال - ثم جلس فافترش رجله الیسری ووضع یده الیسری علی فخذه الیسری وحدّ مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی وقبض ثنتین الخ سنن ابی داود جزء اول ص: ۱۰۵ "باب رفع الیدین" ایضاً۔ ص: ۱۳۸ "باب کیف الجلوس فی التشهد" حدثنا معاویة بن عمرو ثنا زائدة بن قدامة ثنا عاصم بن کلیب اخبرنی ابی ان وائل بن حجر اخبره قال: قلت: لانظرن الی صلاة رسول الله ﷺ کیف یصلی فنظرت الیه فقام فکبر فرفع یدیه حتی حاذتا باذنیه ووضع یده الیمنی علی ظهر کفه الیسریٰ - الیٰ ان قال - ثم قعد فافترش رجله الیسریٰ ووضع کفه الیسریٰ علی فخذه ورکبته الیسری وجعل مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی الخ سنن دارمی جلد اول ص: ۳۶۲ حدیث نمبر ۱۳۵۷

دراصل موطاء امام مالک ص:۷۰ پر "العمل فی الجلوس فی الصلاۃ" میں یہ حدیث یوں آئی ہے: مالک عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبد الرحمٰن المعادی انه قال: رانی عبد الله بن عمر وانا اعبث بالحصباء فی الصلاۃ فلما انصرفت نهانی وقال: اصنع کما کان رسول الله ﷺ یصنع فقلت: وکیف کان رسول الله ﷺ یصنع؟ قال: کان اذا جلس فی الصلاۃ وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی الخ۔ اور اسی سند اور انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موطاء امام محمد ص:۱۰۶ پر بھی ہے۔

فاضل مصنف نے دراصل مشکوۃ شریف میں حضرت وائل بن حجر کی روایت میں آئے ہوئے لفظ "مدّ مرفقه الیمنی علی فخذه الیمنی" اور موطاء امام مالک وموطاء امام محمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آئے ہوئے لفظ "وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی" کے درمیان اختلاف ثابت کرتے ہوئے حدیثوں میں اضطراب کا دعوی کیا ہے جیسا کہ انھوں نے ان دونوں جملوں کا ترجمہ لکھ کر ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ پہلے جملے کا انھوں نے ترجمہ کیا ہے "دائیں کف کو کھینچے دائیں ران پر" اور دوسرے جملے کا ترجمہ کیا ہے "دائیں کف کو دائیں ران پر رکھنا"۔ یعنی ان کے نزدیک اصل اختلاف "مدّ" اور "وضع" (کھینچنا اور رکھنا) کے درمیان ہے۔ صاحب مشکوۃ نے یہ حدیث سن ابی داود اور سنن دارمی سے نقل کی ہے۔ اور مشکوۃ والے نے اسے "مدّ" ہی لکھا ہے جبکہ ابوداود میں اصل لفظ "حدّ" اور دارمی میں "جعل" ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس حدیث کے اصل ماخذ ابوداود اور دارمی میں "مدّ" کا لفظ نہیں ہے بلکہ وہاں "حدّ" اور "جعل" ہے۔ اسکی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ مشکوۃ والے کے استاد اور مشکوۃ کے شارح امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی متوفی ۷۴۲ھ نے اپنی شرح مشکوۃ الکاشف عن حقائق السنن جلد دوم ص:۳۵۵ پر لفظ "حدّ" ہی لکھا اور اسکی شرح کی ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی اپنی شرح مشکوۃ "مرقاۃ المفاتیح" جلد دوم ص ۳۳۳ پر "حدّ" ہی لکھا اور اس کی شرح کی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشکوۃ میں آیا ہوا لفظ "مدّ" خلاف اصل ہے اور یہ کاتب کی کتابت کی غلطی ہے جس نے "حدّ" کو "مدّ" لکھ دیا ہے۔

اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ حدیث میں وارد لفظ "حدّ مرفقه الایمن" اور جعل مرفقه الایمن میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جسکی وجہ سے حدیث کی روایت میں

اضطراب کا دعویٰ کیا جا سکے۔ دراصل حضرت ابن عمر کی حدیث کی اکثر روایات میں انگلیاں بند کرنے کا اجمالاً ذکر آیا ہے، اسکی کیفیت مذکور نہیں ہے جبکہ ابن عمر کی اسی حدیث کو مسلم بن ابی مریم سے سفیان بن عیینہ نے روایت کرتے ہوئے اسکی کیفیت بھی بیان کی ہے۔

جہاں تک تعلق ہے "جعل مرفقه الايمن على فخذه اليمنى" کا تو اسکا معنی یہ ہے کہ "آپ ﷺ نے دائیں کلائی کو دائیں ران پر رکھا"۔ اور "حدّ مرفقه الايمن على فخذه اليمنى" کے معنی ہیں کہ "آپ ﷺ نے کلائی کو اپنی دائیں ران پر اس طرح رکھا کہ آپ کا بازو مبارک پہلو سے جدا تھا"۔ یعنی آپ نے اپنی ہتھیلی مبارک ران پر اسطرح رکھی کہ آپ کا بازو پہلو سے جدا تھا پیٹ کے اطراف سے لگا ہوا نہیں تھا بلکہ اس طرح تھا کہ کہنی ران سے کچھ اٹھی ہوئی اور کلائی اس سے جدا تھی۔ امام طیبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: "اى رفع مرفقه عن فخذه وجعل عظم مرفقه كانه رأس وتد. واقول: اصل الحد المنع والفصل بين الشيئين ومنه سمى حدود الله. والمعنى فصل بين مرفقه وجنبه ومنع ان يلتصقا فى حالة استعلائها على الفخذ" دیکھیے الکاشف عن حقائق السنن جلد ۲، ص: ۳۵۵، ملا علی قاری نے بھی امام طیبی سے اسی طرح نقل کیا ہے اور مزید فرماتے ہیں کہ:

وقال المظهر: اى رفع مرفقه عن فخذه وجعل عظم مرفقه كانه رأس وتد۔ دیکھیے مرقاۃ المفاتیح جلد ۲، ص: ۳۳۳

آپ دوبارہ غور سے دونوں جملوں "جعل مرفقه الايمن" اور "حدّ مرفقه الايمن" کو دیکھیں تو کہیں بھی دونوں میں تضاد اور اضطراب نظر نہیں آئیگا۔ ایک جملے میں اجمال ہے اور دوسرے میں اسکی تفصیل۔ پہلے جملے میں محض کلائی کو ران پر رکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے جملے میں رکھنے کی کیفیت کا بیان ہے، اسکے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ فاضل مصنف کا کمال ہے کہ انھوں نے اجمال اور تفصیل کے ذکر کو ایک دوسرے کے خلاف قرار دے ڈالا، یعنی بات کا بتنگڑ بنا کر خواہ مخواہ روایات میں اضطراب کا راگ آلاپنا شروع کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ کلائی کو ران پر رکھنے کی یہ کیفیت صرف دائیں کلائی اور دائیں ران کے ساتھ ہی خاص نہیں اور نہ ہی اس سے اس کیفیت کے ساتھ بائیں کلائی کو بائیں ران پر رکھنے کی نفی ثابت ہو رہی ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: اى وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ووضع طرف مرفقه اليمنى على فخذه اليمنى. وهذا اوفق

بحدیث صححه البیهقی فی ذالك وهوانه جعل مرفقه الیمنی علی فخذه الیمنی. انتھی، یعنی آپ ﷺ نے بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دائیں کلائی کا کنارہ دائیں ران پر رکھا، اور یہ (یعنی ایسا کرنا) اس بارے میں بیہقی کی صحیح قرار دی گئی حدیث کے زیادہ موافق ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے دائیں کلائی کو اپنی دائیں ران پر رکھا۔ دیکھیے لمعات التنقیح جلد ۳، ص: ۱۸۳

مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی نے ابن حجر ہیثمی کی شرح مشکوۃ سے نقل کیا ہے کہ: وهذا یعین ان المراد بحد المرفق آخره وان ذالك الآخر كان ملصقا فخذه۔ یعنی اس سے یہ متعین ہوتا ہے کہ "حد مرفقہ" سے مراد یہ ہے کہ اپنی دوسری (بائیں) کلائی کے آخر کو جدا کیا اور وہ کلائی کا پہلے والا حصہ ران سے ملا ہوا تھا۔ دیکھیے نور العین ص: ۶۸ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ ﷺ کا اپنی کلائی کو ران پر اسطرح رکھنا محض جواز کی تعلیم پر محمول ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کلائی کو ران پر رکھنے کو کسی نے بھی سنت نہیں کہا۔

فرماتے ہیں: چھٹی وجہ یہ ہے: وائل ہی کی حدیث میں ہے انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھنا۔ دیکھیے ان کا رسالہ، ص: ۱۱

عرض کرتا ہوں: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ الفاظ حدیثِ وائل بن حجر کی روایت میں نہیں ہیں اور نہ ہی ان الفاظ کے ساتھ ابن ماجہ میں وائل بن حجر کی روایت ہے اور نہ ہی مشکوۃ میں درج وائل بن حجر کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ فاضل مصنف نے حوالہ درج کرتے وقت ابن ماجہ اور مشکوۃ کو کھول کر دیکھا ہی نہیں، لگتا ہے کہ انھوں نے عالم خواب میں مشکوۃ میں درج وائل بن حجر کی روایت میں ابن ماجہ کے حوالے سے یہ الفاظ دیکھے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ حوالہ درست فرمالیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وائل بن حجر کی یہ حدیث مختلف کتبِ احادیث میں میری تحقیق کے مطابق انسٹھ (۵۹) سندوں کے ساتھ آئی ہے، جن میں سے صحیح ابن خزیمہ جزء اول ص: ۳۴۵-۳۴۶ پر باب وضع الفخذ الیمنی علی الفخذ الیسری فی الجلوس فی التشهد میں دو سندوں کے ساتھ حدیث نمبر ۶۹۷، ۶۹۸ اور ص: ۳۵۳-۳۵۴ پر باب التحلیق بالوسطی والابهام عند الاشارة بالسبابة فی التشهد میں چار سندوں کے ساتھ اور باب صفة وضع الیدین علی الرکبتین فی التشهد و تحریك السبابة عند الاشارة بها میں ایک سند کے ساتھ آئی ہے، دیکھیے حدیث نمبر ۷۱۳ اور ۷۱۴۔ نیز صحیح ابن حبان

جزء ثالث ص: ۱۶۷-۱۶۸ باب ذکر مایستحب للمصلی رفع الیدین عند ارادته الرکوع وعند رفع رأسه منه حدیث نمبر ۱۸۵۷ میں ایک سند کے ساتھ اورص: ۲۰۱ پر" باب ذکر العلة التی من اجلها کان یشیر المصطفیٰ بالسبابة فی الموضع الذی وصفناه" میں حدیث نمبر ۱۹۴۲ میں دوسری سند کے ساتھ مروی ہے۔ اور مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص: ۳۱۷-۳۱۸ پر دوسندوں کے ساتھ اور جلد ۴ ہی کے، ص: ۳۱۶ پر ایک سند کے ساتھ اور اسی جلد کے ص: ۲۱۶-۲۱۷ پر ایک سند کے ساتھ نیز اسی جلد کے، ص: ۳۱۹ پر ایک سند کے ساتھ اورص: ۳۱۸ پر ایک سند کے ساتھ اور چوتھی جلد ہی کے ص: ۳۱۸-۳۱۹ پر ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔ اسکے علاوہ یہ حدیث معجم کبیر جلد ۲۲ ص: ۳۳ پر حدیث ۷۸ میں ایک سند اور ص: ۳۶ پر حدیث ۸۵ میں دو، اورص: ۳۳-۳۴ پر حدیث ۷۹ میں ایک سند اورص: ۳۴ پر حدیث: ۸۰ میں ایک سند، اورص: ۳۴ پر حدیث: ۸۱ میں ایک سند، اورص: ۳۵ پر حدیث: ۸۲ میں دوسندیں، اورص: ۳۵ پر حدیث: ۸۳ میں دوسندیں، اورص: ۳۶ پر حدیث: ۸۴ میں ایک سند، اورص: ۳۷ پر حدیث ۸۸ میں ایک سند اور ص: ۳۷-۳۸ پر حدیث: ۸۹ میں دو سندیں، اورص: ۳۸ پر حدیث: ۹۰ میں دوسندیں، اورص: ۴۹-۵۱ پر حدیث نمبر ۱۱۸ میں ایک سند کے ساتھ، یعنی کل سترہ (۱۷) اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے علاوہ طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ باب ماجاء فی الاشارة بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد حدیث ۶۳۷ میں دوسندیں، اور ابن جارود کی المنتقی ۲/۸۱ حدیث ۲۰۸ میں ایک سند، اسکے علاوہ یہ حدیث مسند ابی داود طیالسی ص: ۱۳۷ پر حدیث: ۱۰۲۰ میں بھی ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث سفیان بن عیینہ کی کتاب الصلاة کے باب ما جاء فی الجلوس فی الصلاة میں ایک سند کے ساتھ مروی ہے، جسے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے نور العین فی اثبات الاشارة فی التشہد ین ص: ۲۴-۲۵ پر نقل کیا ہے۔ اور مصنف عبد الرزاق جلد ۲ ص: ۶۸-۶۹ پر باب تکبیرة الافتتاح ورفع الیدین میں ایک سند کے ساتھ اور سنن ابی داود جزء اول ص: ۱۰۵ پر باب رفع الیدین اور جزء اول ص: ۱۳۸ پر باب کیف الجلوس فی التشهد میں ایک سند کے ساتھ اور نسائی جزء اول ص: ۱۷۳ باب موضع الیدین عند الجلوس للتشهد الاول میں اور جزء اول ص: ۱۸۶ باب صفة الجلوس فی الرکعة التی یقضی فیها الصلاة میں اور ۱/۱۸۶ باب موضع الذ راعین میں اور ۱/۱۸۶ موضع

المرفقین میں اور ۱/۱۴۱ "باب موضع الیمین من الشمال فی الصلاۃ "۱/۱۸۷ اور "باب قبض الثنتین من اصابع الید الیمنی و عقد الوسطی والابہام منہا " میں کل پانچ اسانید کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے اور ابنِ ماجہ ص:٦٦ "باب الاشارۃ فی التشہد " میں ایک سند کے ساتھ اور سنن دارمی جلد اول ص: ۳٦۲ باب نمبر ۹۲ باب صفۃ صلاۃ رسول اللہ حدیث نمبر ۱۳۵۷ میں ایک سند اور شرح معانی الآثار جلد اول ص:۱۲٦ باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ کیف ھو میں دو سندوں کے ساتھ اور مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد:۲ ص:۴۸۵-۴۸٦ فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیہ میں ایک سند کے ساتھ اور سنن الکبری للبیہقی ۲/ ۷۲ باب رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الرأس منہ میں ایک سند اور ۲/۱۳۱ باب ماروی فی تحلیق الوسطی والابہام میں ایک سند اور ۲/۱۳۲ باب من روی انہ اشار بہا ولم یحرکہا میں تین سندیں، چوتھی اور پانچویں سند کے لیے دیکھیے معرفۃ السنن والآثار ۲/ ۲۸-۲۹ باب کیفیۃ الجلوس فی التشہد الاول والآخر حدیث ۸۷۹، ۸۸۰، مسند حمیدی ص: ۲۵۳ حدیث ۸۸۵ میں ایک سند، سنن دارقطنی جلد اول جزء اول ص:۲۹۰ حدیث ۱۲ ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔ ان تمام انسٹھ (۵۹) اسانید میں سے کسی بھی سند میں فاضل مصنف کے ذکر کردہ الفاظ نہیں ہیں، یہ ان کی اپنی اختراع ہے، ہاں یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ پہلی حدیث میں آئے ہیں جو کہ مختلف کتبِ حدیث میں پچیس (۲۵) اسانید کے ساتھ مروی ہے جن میں سے مسلم شریف جلد اول ص:۲۱٦ باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ میں تین سندیں اور سنن ابی داود جزء اول ص:۴۲ ۱ باب الاشارۃ فی التشہد میں ایک سند اور سنن نسائی جزء اول ص:۱۷۳ باب الاشارۃ بالاصبع فی التشہد الاول ایک اور جزء اول ص:۱۸۷ باب بسط الیسریٰ علی الرکبۃ اور باب موضع البصر عند الاشارۃ و تحریک السبابۃ میں دو سندوں کے ساتھ اور سنن دارمی جلد اول ص: ۳۵۴ باب الاشارۃ فی التشہد حدیث ۱۳۳۸ میں ایک سند کے ساتھ اور مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۸۵ فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیہ میں ایک سند اور سنن دارقطنی ۱/۳۴۹- ۳۵۰ باب صفۃ التشہد ووجوبہ واختلاف الروایات فیہ میں ایک سند اور بیہقی کی سنن الکبریٰ جلد ۲ ص: ۱۳۰-۱۳۱ باب کیف یضع یدیہ علی فخذیہ والاشارۃ بالمسبحۃ میں چار اور جلد ۲ ص: ۱۳۲ "باب السنۃ فی ان لایجاوز بصرہ اشارتہ " میں اور "باب الدلیل

علی ان ھذا سنۃ الیدین فی التشھدین جمیعا" میں دوسندوں کے ساتھ مروی ہے۔اس کے علاوہ یہ حدیث مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص: ۳ پر ایک سند کے ساتھ اور صحیح ابن خزیمہ جلد اول ص: ۳۵۵ باب النظر الی السبابۃ عند الاشارۃ فی التشھد میں اور جلد اول ص: ۳۴۵ باب ادخال القدم الیسری بین الفخذ الیمنی والساق فی الجلوس فی التشھد حدیث نمبر ۷۱۸ اور حدیث نمبر ۶۹۶ میں دوسندوں کے ساتھ اور مسند ابی عوانہ ۲ /۲۲۱-۲۲۲ باب" صفۃ الجلوس "اور ص: ۲۲۵ پر باب" بیان التحامل بیدہ الیسری "میں دوسندوں کے ساتھ اور طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۴ باب ماجاء فی الاشارۃ بالاصبع فی الدعاء بعد التشھد میں تین سندیں، ایک سند معجم اوسط ۶ /۴۷۵ حدیث ۹۴۵۶ میں۔ فاضل مصنف کے ذکر کردہ یہ الفاظ مسلم شریف کی دوسندوں اور مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک اور سنن الکبریٰ کی دوسندوں میں مذکور ہیں۔

اب ہم فاضل مصنف کے ذکر کردہ الفاظ کے معنی اور ان کے بیان کردہ اعتراض اور اس کے جواب کی طرف آتے ہیں۔" وضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطی "۔" انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے"۔ فاضل مصنف نے ان الفاظ کو بیان کر کے اصل اعتراض یہ کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ" عقد ثلاثا وخمسین واشار بالسبابۃ" "ترپن کا عقد بناتے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے" مسلم ۱ /۲۱۶ "باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ" جبکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ:" وضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطیٰ" "انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے"۔ مسلم شریف ۱ /۲۱۶، مصنف ابن ابی شیبہ جلد: ۲ /۴۸۵ اور سنن الکبریٰ ۲ /۱۳۰-۱۳۱، گویا ایک حدیث میں ترپن کے عقد بنانے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں انگوٹھے کو بیچ والی انگلی پر رکھنے کا ذکر ہے۔ان کے نزدیک یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں لہذا ان کی نظر میں یہاں اضطراب ہے۔

درحقیقت یہ دونوں روایتیں دو مختلف احوال پر محمول ہیں۔پہلی حالت یہ ہے کہ انگوٹھے اور درمیانی انگلی کو ملا کر ان کا حلقہ بناتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ ترپن کا عقد بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ امام نووی ان روایتوں کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:" ھاتان الروایتان محمولتان علی حالین ففعل فی وقت ھذا وفی وقت ھذا"۔ یعنی یہ دونوں روایتیں دو احوال پر محمول ہیں، ایک وقت میں اس طرح کرتے اور

دوسرے وقت میں اُس طرح کرتے۔ مزید فرماتے ہیں کہ: "وقد رام بعضهم الجمع بينهما بان يكون المراد بقوله على اصبعه الوسطى اى وضعها قريبا من اسفل الوسطى وحينئذ يكون بمعنى العقد ثلاثة وخمسين"۔ یعنی بعض اصحاب نے ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ وضع ابهامه على اصبعه الوسطى (انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے) کا مطلب یہ ہے کہ انگوٹھے کو بیچ کی انگلی کے قریب اس کے نیچے رکھتے، اس صورت میں یہ ترپین ہی کا عقد ہو جاتا ہے۔ مسلم شریف مع شرح امام نووی جلد اول ص ۲۱۶۔

اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ یہ دونوں کیفیتیں صحیح، ثابت اور مشہور احادیث میں مختلف طریقوں سے مروی ہیں۔ بعد میں علماء کا ان دونوں کیفیتوں میں اختلاف ہوا جسکی وجہ سے بعض حضرات نے یہ کہا کہ حقیقت میں یہ دو مختلف کیفیتیں ہیں، پھر بعض حضرات نے ان دونوں کیفیتوں میں سے ایک کیفیت کو دوسری کیفیت پر ترجیح دینے کی بات کی۔ اور بعض حضرات نے ان دونوں کیفیتوں کو باہم جمع کرنے کی بات کی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ایک کیفیت کو دوسری کیفیت پر ترجیح دینے والوں میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: "ان الحنيفة رجحوا رواية قبض البنصر والخنصر وتحليق الابهام مع الوسطى. والشافعية رجحوا عقد ثلاثة وخمسين. انتهى - لمعات التنقيح جلد ۳ ص: ۱۷۹ یعنی احناف نے چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرنے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے ساتھ ملا کر حلقہ بنانے کو ترجیح دی ہے، جبکہ شوافع نے ترپین کے عقد کو ترجیح دی ہے۔

ان دونوں کیفیتوں کو باہم جمع کرنے والوں میں سے امام نووی کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہ دوسری جگہ پر یوں فرماتے ہیں: "قال اصحابنا و كيف فعل من هذه الهيئات فقد اتى بالسنة. وانما الخلاف فى الافضل"۔ یعنی ہمارے اصحاب (شوافع) کا کہنا ہے کہ ان صورتوں میں سے کسی بھی صورت کے ساتھ اشارہ کیا تو اس نے سنت پر عمل کیا، البتہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ ان صورتوں میں سے افضل صورت کونسی ہے۔ دیکھیے المجموع شرح المهذب جلد: ۳ ص: ۴۵۴۔ اور احناف میں سے حافظ بدر الدین عینی اور علامہ ابن امیر الحاج بھی اسی مسلک کے ہیں۔ حافظ عینی ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں: ان هذا الاخبار تدل على ان فعله ﷺ كان يختلف فكيف مافعل أجزءه. انتهى - یعنی یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ فعل مبارک مختلف صورتوں سے ہوتا تھا، لہذا جس بھی صورت

سے اشارہ کیا وہ اس کیلیے کافی ہے۔ دیکھیے البنایہ جلد ۲ ص:۳۱۶۔ اور علامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں کہ: انه لعل هذا كان منه فى وقت وما تقدم كان فى وقت آخر فكل منهما جائز حسن. انتهى ۔یعنی کبھی آپ ﷺ اِس طرح کرتے، اور کبھی آپ اُس طرح کرتے، پس دونوں جائز اور عمدہ ہیں۔ دیکھیے حلبۃ المجلی شرح منیۃ المصلی جزءدوم ص: ۲۶۴ ملا علی قاری بھی اسی مسلک کے ہیں، وہ مذکورہ دونوں کیفیتوں کوذکرکرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:" وهو يفيد التخيير بين نوعى الاشارات الثابتتين عن رسول الله ﷺ وهو قول حسن وجمع مستحسن فينبغى للسالك ان ياتى باحدهما مرة وبالآخر مرة. فانه بالتحرى احرى "۔یعنی کیفیات کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ اشارے کی دونوں نوع کے درمیان اختیار کا فائدہ دے رہا ہے، یہی بہترین قول اور جمع کرنے کا عمدہ طریقہ ہے، اس لیے سالک کو چاہیے کہ کبھی اس کیفیت کو اختیار کرے اور کبھی دوسری کیفیت کو، یہی استعمال میں زیادہ مناسب اور لائق طریقہ ہے۔ دیکھیے تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص:۶۶

علامہ بحر العلوم لکھنوی فرماتے ہیں: والظاهر أن رسول الله ﷺ تارة يفعل كذا وتارة يحلق ويشير. فايهما فعل فقد أتى السنة وأيهما اختار جاز والله اعلم باحكامه۔ دیکھیے رسائل الارکان ص: ۸۲، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی فرماتے ہیں کہ: أقول: ووجه ذالك هو ان المطلوب من الاشارة هو الدلالة على توحيد الله سبحانه وتعالىٰ وهو يحصل بكل كيفية من الكيفيتين الواردتين عن النبى ﷺ فيحسن الاتيان بكل واحدة منهما احيانا متابعة له ﷺ فتدبر. وذهبت طائفة الى ان الكيفيتين معاليستا بمختلفتين بل هما امر واحد صرح بذالك النووى فى شرح مسلم ولفظه هكذا: وقد رام بعضهم الجمع بينهما بان يكون المراد بقوله "وضع الابهام على اصبعه الوسطى" أى وضعها قريبا من أسفل الوسطى وحينئذ تكون هى بمعنى العقد ثلاثة وخمسين. انتهى ۔یعنی اسکی وجہ یہ ہے کہ اشارے سے اصل مطلوب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنا ہے، اور وہ نبی پاک ﷺ سے وارد دونوں کیفیتوں میں سے کسی بھی ایک کیفیت سے حاصل ہوجاتا ہے لہذا آپ ﷺ کی متابعت کرتے ہوئے کبھی کبھار دونوں کیفیتوں پر عمل کرنا عمدہ ہے، اس بات کو ذرا سمجھیں، اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے (یعنی اسکا کہنا ہے) کہ دونوں کیفیتیں درحقیقت ایک ہی چیز ہیں مختلف نہیں ہیں۔ امام نووی نے مسلم کی

شرح میں اسکی صراحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض اصحاب نے ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ وضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطی (انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے) کا مطلب یہ ہے کہ انگوٹھے کو بیچ کی انگلی کے قریب اس کے نیچے رکھتے، اس صورت میں یہ ترپین ہی کا عقد ہو جاتا ہے۔

دیکھیے نور العینین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۱۰۷

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں اشارہ کرنے کی دو مختلف کیفیتوں کا ذکر ہے، یعنی آپ ﷺ کبھی ایک کیفیت سے اشارہ کرتے اور کبھی دوسری کیفیت سے، اسمیں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے کیونکہ کسی کام کی روایتوں میں اختلاف ہونے کی صورت میں مقلد اپنے امام کی اختیار کردہ روایت پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک انگشت شہادت کے سوا تمام انگلیوں کے ساتھ مٹھی بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے، یہ ترپین کا عقد ہے، اگر چہ ان دونوں کے نزدیک انگوٹھے رکھنے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک خنصر اور بنصر کو بند کر کے درمیانی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب کسی کام کی روایتوں میں اختلاف کی وجہ سے اسمیں اضطراب ہو گیا تو پھر کیوں نہ اس کام ہی کو ترک کر دینا چاہیے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس طرح نہ صرف اشارۂ سبابہ کو ترک کرنا پڑیگا بلکہ اس کے علاوہ بھی نماز کے کئی افعال میں روایات مختلف ہونے کی وجہ سے ان کاموں کو بھی ترک کرنا پڑیگا، مثلاً رفع یدین کس طرح کی جائے اور کتنی بار کی جائے اسمیں بھی روایات کے اندر اختلاف ہے۔ ازانسواء ہاتھ باندھنے کی کیفیت میں اختلافِ روایات ہے اور آمین بالسر والجہر کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف ہے، تشہد کے الفاظ کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں تین مختلف الالفاظ تشہد کتبِ احادیث میں مروی ہیں۔ جلوس یعنی التحیات میں بیٹھنے سے متعلق بھی روایات میں اختلاف ہے، بعض احادیث میں افتراش (الٹے پاؤں کو زمین پر بچھانے) کا ذکر ہے اور بعض میں تورّک (سُرین پر سہارا لے کر بیٹھنے) کا۔ نیز سورۂ فاتحہ کے واجب یا فرض ہونے کے بارے میں احادیث میں اختلاف ہے، وتر کی تعداد میں اختلافِ روایات ہے، بعض روایتوں میں ایک رکعت وتر ہونا اور بعض روایتوں میں تین رکعات وتر ہونا مذکور ہے۔ دعاءِ قنوت کب پڑھی جائے، رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ سجدۂ سہو کی کیفیت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ نماز

سبحانك اللهم سے شروع ہو یا سورۂ فاتحہ سے؟ اس باب میں بھی روایات میں اختلاف ہے۔ لفظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے ساتھ نماز سے باہر آنا فرض ہے یا واجب؟ اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں، یہاں تک کہ سلام کے طریقے میں بھی روایات میں اختلاف ہے کہ دونوں طرف منہہ پھیر کر سلام کہا جائے یا صرف سامنے کی جانب منہ کرتے ہوئے (قبلہ رخ رہ کر) سلام کہا جائے، اس سلسلے میں مسلم شریف میں مختلف احادیث ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اوقاتِ نماز کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ اگر کسی معترض صاحب کے استدلال کے پیش نظر ان تمام امور سے متعلق روایات میں اضطراب مانا جائے تو پھر ان تمام امور کو بھی ترک ہی کر دینا چاہیے تاکہ اختلافِ روایات کی وجہ سے احادیث میں اضطراب کا قلع قمع کیا جا سکے۔ دیکھا آپ نے معترض حضرات کے اس اصول نے نماز کے تمام اعمال ہی سے آپ کو چھٹکارا دلا دیا بلکہ اوقاتِ صلاۃ کے بارے میں اختلافِ روایات نے تو سرے سے نماز ہی سے ہاتھ اٹھوا دیا۔ اس کو کہتے ہیں "بہت زیادہ تحقیق" اور اعلیٰ درجے کی تحقیق۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بات اتنی سی ہے کہ اس قسم کی صورت حال میں ہر مقلد کو اپنے اپنے امام کی اختیار کردہ احادیث پر عمل کرنے کی وسعت حاصل ہے اور ایسے مختلف فیہ امور میں کسی ایک امر کو اختیار کرنے کی سہولت حاصل ہے۔ ویسے تو فاضل مصنف نے اپنے رسالے کے ابتدائی ساڑھے چار صفحات میں مختلف علماء اسلام کے حوالہ جات سے صرف اس بات پر زور دیا اور ثابت کیا ہے کہ مقلد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۔۶ لیکن وہ دوسری سانس میں امام اعظم کے اشارۂ سبابہ کے قول کو یہ کہہ کر رد فرما رہے ہیں کہ: "دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے" وھو قول ابی حنیفۃ "اس لئے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۰ سطر ۱۱۔ ۱۳۔

کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے؟ جب ضرورت محسوس ہوئی تو "مجتہد کے قول میں جھگڑے کو نا جائز" کہہ کر اپنا مدعیٰ ثابت کیا، اور جب فریق مخالف مجتہد کا قول پیش کرے تو پھر یہ خود ساختہ اصول اختیار کیا جائے کہ "قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔ ماشاءاللہ!

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ موطاء امام محمد اور کتاب الآثار جو کہ اس قسم کے اقوال سے بھری پڑی ہیں کہ "ھذا قولی وقول ابی حنیفۃ" یا "وھو قول ابی حنیفۃ" وغیرہ تو حضرت

فاضل مصنف کے نقطۂ نظر سے وہ تمام اقوال اور روایات مذہب کے مقابل ہیں۔

فرماتے ہیں: ساتویں وجہ یہ ہے یحر کھا (حدیث وائل بن حجر ابو داود، دارمی مشکوۃ) کہ اس سبابہ انگلی کو ہلائے۔ اس میں اثبات دوام تجددی حرکت ہے۔ لا یحر کھا (ابن زبیر ابو داود، نسائی مشکوۃ ص: ۷۷) کہ اس انگلی کو نہ ہلائے۔ اس حدیث میں نفی دوام تجددی حرکت ہے اور ان وجوہات کی بناء پر ان روایات کی موافقت ممکن نہیں ہے۔ مجدد الف ثانی سرہندی نے حکم کیا ہے کہ اشارہ سبابہ کی تمام احادیث مضطرب ہیں۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۱

عرض کرتا ہوں: سب سے پہلے ہم اضطراب کے معنی اور مضطرب حدیث کی تعریف پیش کرتے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ اضطراب کے معنی ہیں کسی کام میں خلل واقع ہونا اور اس کے سلسلۂ انتظام میں بگاڑ پیدا ہونا۔ اور مضطرب اسی اضطراب کا اسم فاعل ہے، یعنی خلل اور انتظام میں بگاڑ پیدا کرنے والا۔ سمندر کی موجوں میں جب ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو اسے اضطراب الموج کہا جاتا ہے کیونکہ انکی حرکت بڑھ جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں مضطرب حدیث کی تعریف یوں کی گئی ہے: المضطرب من الحديث هو الذى تختلف الرواية فيه فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه آخر مخالف له. وانما نسميه مضطربا اذا تساوت الروايتان .أما اذا ترجحت احدا هما بحيث لا تقا ومها الاخرى بان يكون راويها أحفظ أو اكثر صحبة للمروى عنه أو غير ذالك من وجوه الترجيحات المعتمدة فالحكم للراجحة ولا يطلق عليه حينئذ وصف المضطرب ولا له حكمه۔ یعنی حدیثِ مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں جسکی روایت مختلف سندوں سے ہو، بعض اسے ایک طریقے سے روایت کریں اور بعض اسکے مخالف دوسرے طریقے سے۔ ہم اسے مضطرب تب کہیں گے جب دونوں روایتیں صحت اور قوت کے اعتبار سے مساوی ہوں، اور اگر ان میں سے ایک روایت دوسری روایت کے مقابلے کی نہ ہو؛ مثلاً اسکا راوی دوسری روایت کے راوی سے حافظہ میں زیادہ پختہ ہو یا اپنے شیخ (جس سے اس نے روایت کی ہے) کے ساتھ زیادہ عرصہ رہا ہو یا اور کوئی قابلِ اعتماد وجہ ترجیح اس میں ہو تو ان میں سے راجح کے مطابق حکم لگایا جائیگا اور اس پر مضطرب کے وصف کا اطلاق نہیں کیا جائیگا، نہ ہی اس پر اس کا حکم لاگو ہوگا۔ دیکھیے مقدمۂ ابن الصلاح ص: ۷ ۱۳ نیز تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ا / ۲۶۲ نیز رسالہ فی اصول الحدیث للجرجانی ص: ۹۱۔ ۹۲ نیز المختصر فی علم الاثر للکافیجی ص: ۱۴۰

شیخ محمود الطحان اسکی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں: ماروی علی اوجه مختلفة متساوية فی القوة۔ یعنی جو روایت مختلف طریقوں سے مروی ہو اور وہ مختلف طریقے قوت میں یکساں بھی ہوں۔ اسکے بعد اس تعریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ای هو الحديث الذی یروی علی أشكال متعارضة متدافعة بحيث لا يمكن التوفيق بينهما ابدا، وتكون جميع تلك الروايات متساوية فی القوة من جميع الوجوه بحيث لا يمكن ترجيح احداهما علی الاخری بوجه من وجوه الترجيح۔ یعنی حدیثِ مضطرب وہ حدیث ہے جو مختلف صورتوں سے مروی ہو اور وہ مختلف صورتیں ایک دوسرے کے خلاف اور ایک دوسرے کا رد کرنے والی ہوں کہ انھیں آپس میں موافقت دلانا (ان میں برابری ثابت کرنا) ممکن نہ ہو اور وہ روایتیں ہر اعتبار سے قوت میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں کہ ان میں سے کسی بھی روایت کو دوسری روایت پر ترجیح کی کسی بھی وجہ سے راجح قرار دینا ممکن نہ ہو۔
دیکھیے تیسیر مصطلح الحدیث ص: ۱۱۱

اس بیان سے یہ بات واضح ہوئی کہ جب تک یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تب تک کوئی حدیث مضطرب قرار نہیں پائیگی، اول یہ کہ حدیث کی مختلف روایات میں ایسا اختلاف ہو کہ انھیں باہم جمع کرنا ممکن نہ ہو، دوم یہ کہ حدیث کی مختلف روایات قوت میں ایک دوسرے کے مساوی بھی ہوں جسکی وجہ سے ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب دو مختلف روایتوں کو باہم جمع کرنا یا ایک دوسرے پر ترجیح دینا ناممکن ہو تو وہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے اور اگر دونوں روایتوں کو باہم جمع کرنا مقبول صورت میں ممکن ہو تو اس حدیث سے اضطراب کی صفت ختم ہو جائیگی اور امکانِ جمع کی صورت میں تمام روایتوں پر عمل کیا جائیگا یا ترجیح کی صورت میں راجح روایت پر عمل کیا جائیگا۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ میں حرکت سے متعلق صرف دو حدیثیں آئی ہیں۔ جن میں سے پہلی حدیث حضرت ابن عمر کی ہے جسے بیہقی نے سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۲ پر ایک سند کے ساتھ اور حافظ ابو بکر محمد بن ہارون رویانی متوفی ۳۰۸ھ نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ گویا یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اب ذرا اس حدیث کی دونوں سندیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی سند: اخبرنا ابو عبد الله الحافظ أنبا أبو بكر محمد بن ابراهيم الشافعي ببغداد ثنا محمد بن الفرج ثنا الواقدی ثنا كثير بن زيد عن نافع عن ابن عمر ان النبی ﷺ

قال: تحريك الاصبع في الصلاة مذعرة للشيطن - یعنی ہمیں ابوعبداللہ الحافظ نے، اس نے ابوبکر محمد بن ابراہیم شافعی سے بغداد میں، اس نے محمد بن الفرج سے، اس نے واقدی سے، اس نے کثیر بن زید سے، اس نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے ہمیں بتایا کہ بیشک نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نماز میں انگلی کو حرکت دینا شیطان کو ڈرانا ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں: تفرّد به محمد بن عمر الواقدي وليس بالقويّ - یعنی اسے روایت کرنے میں محمد بن عمر واقدی اکیلا ہے اور وہ مضبوط راوی نہیں ہے۔ دیکھیے سنن الکبریٰ جلد دوم ص: ۱۳۲ امام نووی فرماتے ہیں: فليس بصحيح قال البيهقي تفرد به الواقدي وهو ضعيف - یعنی یہ صحیح نہیں ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اسے روایت کرنے میں واقدی اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ المجموع شرح المہذب ۳/ ۴۵۴-۴۵۵،

دوسری سند: اخبرنا محمد بن اسحق نا محمد بن عمر نا كثير بن زيد عن نافع عن ان عمر عن النبي قال: تحريك الاصبع في الصلاة مذعرة للشيطن - یعنی محمد بن اسحاق نے محمد بن عمر (واقدی) سے، اس نے کثیر بن زید سے، اس نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے اور اس نے نبی پاک ﷺ سے خبر دی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نماز میں انگلی کو حرکت دینا شیطان کو ڈرانا ہے۔ دیکھیے مسند رویانی ۲/ ۲۹۰ حدیث نمبر ۱۴۳۹۔

حضرت ابن عمر کی اس حدیث کی دونوں سندوں میں کثیر بن زید سے روایت کرنے والا محمد بن عمر واقدی ہے۔ اب ذرا حدیث روایت کرنے کے معاملے میں محمد بن عمر واقدی کے مقام و مرتبہ کے متعلق ائمۂ حدیث کے اقوال و آراء ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حجر عسقلانی واقدی کے متعلق امام بخاری سے نقل کرتے ہیں: متروك الحديث تركه احمد بن المبارك. وابن نمير واسماعيل بن زكريا. وقال في موضع آخر كذّبه احمد - یعنی محمد بن عمر واقدی متروک الحدیث ہے اسے احمد بن مبارک، ابن نمیر اور اسماعیل بن زکریا نے ترک کر دیا تھا، امام بخاری نے دوسری جگہ پر فرمایا ہے کہ اسے امام احمد نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن حجر عسقلانی مزید لکھتے ہیں: وقال معاوية بن صالح: قال لي احمد بن حنبل: الواقدي كذاب - یعنی معاویہ بن صالح نے بتایا کہ مجھے احمد بن حنبل نے کہا کہ واقدی جھوٹا شخص ہے۔ اور امام نسائی کی "کتاب الضعفاء" سے یوں نقل کرتے ہیں کہ: الكذابون المعروفون بالكذب على رسول الله اربعة :الواقدي بالمدينة ومقاتل

بخراسان ومحمد بن سعيد المصلوب بالشام وذكر الرابع۔ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے مشہور جھوٹے چار ہیں، مدینہ میں واقدی، خراسان میں مقاتل (بن سلیمان بن بشیر ازدی ابوالحسن بلخی صاحبِ تفسیر)، شام میں محمد بن سعید (بن حسان بن قیس اسدی شامی) مصلوب (پھانسی چڑھا گیا)، اور امام نسائی نے چوتھے کا بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھیے تہذیب التہذیب ۶ / ۴۱۳، ۴۱۵ یہی ابن حجر عسقلانی لسان المیزان ۷ / ۵۲۱ پر فرماتے ہیں متروك مع سعة علمه: یعنی وہ وسیع علم کے باوجود متروک ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اتفق المحدثون على ترك حديثه وهو خزانة العلم ومع ذالك غير محفوظ في الحديث۔ یعنی محدثین کا اسے ترک کردینے پر اجماع ہے، وہ علم کا خزانہ ہونے کے باوجود بھی حدیث میں غیر محفوظ ہے۔ دیکھیے تذکرۃ الحفاظ ۱ / ۲۶۷ تذکرہ نمبر ۳۳۴

امام بیہقی اور امام نووی کی اس تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ انگلی کی حرکت کو صرف واقدی نے ذکر کیا ہے، دوسرا کوئی اسے روایت کرنے میں اسکا ہم نوا نہیں ہے۔ اسکا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لہذا یہ حدیث حضرت ابن زبیر کی تحریک سے نفی والی حدیث کے ساتھ برابری نہیں کرسکتی۔ حضرت ابن زبیر کی تحریک سے نفی کی صراحت کرنے والی حدیث نسائی شریف جزء اول ص: ۱۸۷ پر باب بسط اليسرى على الركبة میں یوں مروی ہے: اخبر نا أيوب بن محمد الوزان حد ثنا حجاج قال: قال ابن جريج: اخبر نى زياد عن محمد بن عجلان عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن عبد الله بن الزبير ان النبى ﷺ كان يشير باصبعه اذا دعا ولا يحر كها۔ یعنی ہمیں ایوب بن محمد الوزان نے حجاج سے خبر دی اس نے، بتایا کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے زیاد نے محمد بن عجلان سے اور اس نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر سے اور اس نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ بیشک نبی پاک ﷺ جب تشہد پڑھتے تھے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور انگلی کو حرکت نہیں دلاتے تھے۔ نسائی کے علاوہ اس حدیث کو مصنف عبد الرزاق ۲ / ۲۴۹ باب رفع اليدين فى الدعاء میں اور بیہقی سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۱۔ ۱۳۲ باب من روى انه اشاربها ولم يحر كها میں اور بغوی نے شرح السنۃ ۳ / ۱۷۸ باب كيفية وضع اليدين فى التشهدين میں دو سندوں کے ساتھ اور ۲ / ۲۲۶۔ ۲۲۸ بيان الاشارة بالسبابة الى القبلة میں اور امام طبرانی نے اپنی کتاب الدعاء ۲۰۳۔ ۲۰۴ باب ماجاء فى الاشارة

بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد حدیث نمبر ۹۳۸ میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن جزء اول ص: ۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشهد میں روایت کیا ہے اور ان تمام اسانید میں حضرت ابن زبیر کی یہ صراحت موجود ہے "لایحرکها" یعنی آپ ﷺ انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔

ان اسانید کے علاوہ ابوداود کے مذکورہ باب میں یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ بھی مروی ہے جس میں "لا یُجاوز بصرُہ اشارته" کا بھی جملہ موجود ہے۔ نیز بغوی کی شرح السنة کے مذکورہ بالا باب میں ایک اور سند کے ساتھ بھی یہ حدیث مروی ہے، اور مسند بزار ۶ / ۱۶۴ پر حدیث نمبر ۲۲۰۴ اور ۶ / ۱۶۴۔ ۱۶۵ پر حدیث نمبر ۲۲۰۵ اور ۶ / ۱۶۵ پر حدیث نمبر ۲۲۰۶ اور ۶ / ۱۶۶ پر حدیث نمبر ۲۲۰۷ میں چار سندوں کے ساتھ اور مسند ابی عوانہ کے مذکورہ بالا باب میں ایک اور سند کے ساتھ اور مسند حمیدی ص: ۲۵۰ حدیث نمبر ۸۷۹ میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن ان میں سے بھی کسی سند میں حرکت کا ذکر نہیں ہے۔

اس تمام بیان سے یہ ثابت ہوا کہ اشارے کے وقت حرکت سے متعلق حضرت ابن عمر کی بیہقی اور مسند رویانی میں ذکر کردہ حدیث کی سند میں محمد بن عمر واقدی متروک الحدیث، کذاب، المعروف بالکذب علی رسول الله، غیر محفوظ فی الحدیث. وھو ضعیف، متروک مع سعة علمه اور اتفق المحدثون علی ترک حدیثه کی اوصاف کا حامل ضعیف اور متروک شخص موجود ہے، جبکہ اس کے مقابل حضرت ابن زبیر کی "لایحرکها" کی صراحت والی کثیر اسانید کے ساتھ مروی صحیح حدیث موجود ہے۔ اس صورت میں واقدی کے واسطے سے اثبات حرکت والی ابن عمر کی حدیث مردود خبر کی بھی وہ قسم ہے جسے راوی میں طعن (عیب) کی وجہ سے مردود قرار دیا جاتا ہے۔ اور راوی میں طعن (عیب) کے اسباب دس ہیں جن میں سے پانچ اسباب اسکی عدالت (عادل ہونا اور گواہی دینے کا اہل ہونا) سے متعلق ہوتے ہیں جو یہ ہیں ۱۔ جھوٹ ۲۔ جھوٹ کی تہمت ۳۔ فسق ۴۔ بدعت اور ۵۔ جہالت۔ اسی طرح پانچ اسباب اسکے ضبط (اچھی طرح یاد رکھنے) سے متعلق ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں ۱۔ فاحش غلطی کرنا (یعنی غلطی میں حد سے گزر جانا) ۲۔ برا حافظہ ۳۔ غفلت ۴۔ کثرتِ اوہام اور ۵۔ ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا۔ جب راوی میں طعن اسکی عدالت کے حوالے سے ہو، یعنی وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے میں معروف ہو تو ایسی حدیث کو "موضوع حدیث" (گھڑی ہوئی) کہا جاتا ہے، اور یہ ضعیف حدیث کی تمام اقسام میں سے بدترین حدیث کہلاتی ہے۔ ایسی حدیث کے متعلق

علماء کا متفق علیہ حکم ہے کہ جو شخص اسے جس طرح بھی جانتا ہے جب تک اسکے من گھڑت ہونے کو بیان نہ کرے تب تک اسے کسی بھی حال میں روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس بھی کتابِ حدیث میں ایسی حدیث آتی ہے تو صاحبِ کتاب اس کے راوی کے اس طعن کو ذکر کردیتا ہے تا کہ قاری اسکی حیثیت سے آگاہ رہے۔ یہاں پر ایک ضعیف راوی دیگر ثقہ راویوں کے خلاف روایت کررہا ہے اس اعتبار سے یہ حدیث منکر حدیث بھی کہی جاسکتی ہے جو بذاتِ خود ضعیف حدیث ہی کی قسم ہے۔ بہر حال یہ ضعیف اور متروک حدیث ہے جو حکم کے اعتبار سے موضوع حدیث کے بعد دوسرے درجے کی ضعیف حدیث ہوتی ہے، اسکے بعد منکر، معلل، مدرج، مقلوب اور مضطرب احادیث ترتیب وار ضعیف ہوتی ہیں۔

اب آخری گزارش یہ ہے کہ اشارۂ سبابہ میں حرکت کے اثبات والی اس پہلی حدیث کی فنی حیثیت خوب واضح ہوجانے کے بعد بھی اگر فاضل مصنف اسے قابل استشہاد سمجھ کر بطور ہتھیار اور اعتراض اپنا مدعا ثابت کرنے کیلئے دلیل بناتے ہیں تو پھر ان کی علمی وجاہت کے سامنے صرف انا للہ وانا الیہ راجعون ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اب ہم آتے ہیں فاضل مصنف کی پیش کردہ اثباتِ حرکت والی حضرت وائل بن حجر کی حدیث کی طرف جو کہ اس بارے میں دوسری حدیث ہے۔

واضح رہے کہ حضرت وائل بن حجر کی "فرأيته يحركها يدعوبها" والی حدیث حضرت وائل سے دو افراد نے روایت کی ہے۔ ۱۔ کلیب بن شہاب بن المجنون نے اور ۲۔ ام یحیٰ، وائل بن حجر کی بیوی نے، پھر کلیب سے ان کے بیٹے عاصم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور عاصم سے اس حدیث کو متعدد لوگوں نے روایت کیا ہے، ان متعدد لوگوں کی روایت کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ سفیان بن عیینہ: اپنی کتاب الصلوۃ کے باب ماجاء فی الجلوس فی الصلاۃ میں ایک سند، اور مسند حمیدی ص ۲۵۳۔ ۲۵۴ پر حدیث: ۸۸۵ میں ایک سند اور سنن دار قطنی ۱/ ۲۹۰۔ ۲۹۱ پر باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منه وقدر ذالك واختلاف الروایات میں ایک سند اور مسند احمد بن حنبل ۴/ ۳۱۷۔ ۳۱۸ پر دو سندیں اور معجم کبیر ۲۲/ ۳۳، ۳۶ حدیث، ۸۷، ۸۵ میں تین سندیں اور نسائی ۱/ ۱۷۳ باب موضع الیدین عند الجلوس للتشهد الاول میں ایک سند، نیز ۱/ ۱۸۶ پر باب صفة الجلوس فی الرکعة التی یقضی فیها الصلاة، اور باب موضع الذراعین میں دو سندیں

مروی ہیں۔یعنی سفیان بن عیینہ کے واسطے سے اس کی کل گیارہ اسانید مروی ہیں۔

۲۔ سفیان ثوری: مصنف عبدالرزاق ۲/ ۶۸۔۶۹ پر باب تکبیرۃ الافتتاح ورفع الیدین میں ایک سند، اور معجم کبیر ۲۲ / ۳۴ حدیث نمبر ۸۱ میں ، نیز امام طبرانی ہی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ پر حدیث نمبر ۶۳۷ میں ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔یعنی ثوری کے واسطے سے اس حدیث کی کل دو سندیں مروی ہیں۔

۳۔ بشر بن المفضل: سنن ابی داود ۱/ ۱۰۵ باب رفع الیدین، نیز ۱/ ۱۳۸ باب کیف الجلوس فی التشهد میں ایک سند اور سنن نسائی ۱/ ۱۸۶ موضع المرفقین میں ایک سند اور معرفة السنن والآثار ۲/ ۲۸۔۲۹ پر باب کیفیة الجلوس فی التشهد الاول والآخر حدیث نمبر ۸۸۰ میں ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔یعنی بشر بن المفضل سے اس حدیث کی کل تین سندیں مروی ہیں۔

۴۔ عبد اللہ بن ادریس: صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۳ پر باب التحلیق بالوسطی والابهام عند الاشارة بالسبابة فی التشهد حدیث نمبر ۷۱۳ میں دو سندیں اور صحیح ابن حبان ۳/ ۲۰۱ "ذکر العلة التی من اجلها کان یشیر المصطفیٰ بالسبابة فی الموضع الذی وصفناه" حدیث نمبر ۱۹۴۲ میں ایک سند اور سنن ابن ماجہ ص: ۶۶ پر باب الاشارة فی التشهد میں ایک سند اور مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۸۵۔۴۸۶ فی الدعاء فی الصلاة باصبع من رخص فیه میں ایک سند کے ساتھ مروی ہے،یعنی عبداللہ بن ادریس سے اس حدیث کی کل پانچ سندیں مروی ہیں۔

۵۔ ابوالاحوص سلام بن سلیم: معجم کبیر ۲۲ / ۳۴ پر حدیث نمبر ۸۰ کی ایک سند اور مسند طیالسی ص: ۱۳۷ پر حدیث نمبر ۱۰۲۰ کی ایک سند اور شرح معانی الآثار ۱/ ۱۲۶ پر باب صفة الجلوس فی الصلاة کیف هو میں ایک سند،ابوالاحوص سے کل تین سندیں مروی ہیں۔

۶۔ خالد بن عبد اللہ الطحان: شرح معانی الآثار ۱/ ۱۲۶ پر باب صفة الجلوس فی الصلاة کیف هو میں ایک سند اور سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۱ پر باب ماروی فی تحلیق الوسطی بالابهام میں ایک سند کے ساتھ مروی ہے،یعنی خالد بن عبداللہ الطحان سے اس حدیث کی کل دو سندیں مروی ہیں۔

۷۔ عبدالواحد بن زیاد: سنن الکبریٰ ۲/ ۷۲ پر باب رفع الیدین عند الرکوع

وعند رفع الرأس منه میں ایک سند اور مسند احمد بن حنبل ۴/ ۳۱۶ پر ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔ یعنی عبدالواحد بن زیاد سے اس حدیث کی کل دو سندیں مروی ہیں۔

۸۔ شعبۃ بن الحجاج: صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۴۵۔۳۴۶ پر باب وضع الفخذ الیمنی علی الفخذ الیسری فی الجلوس فی التشہد میں حدیث نمبر ۶۹۷، ۶۹۸ میں دو سندیں اور مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۱۶۔ ۲۱۷، ۳۱۹ پر دو سندیں اور معجم کبیر ۲۲/ ۳۵ پر حدیث نمبر ۸۳ میں دو سندیں مروی ہیں۔ یعنی شعبۃ بن الحجاج سے اس حدیث کی کل چھ سندیں مروی ہیں۔

۹۔ ابن فضیل، محمد بن فضیل بن غزوان بن جریر الضبی: صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۳ پر باب التحلیق بالوسطی والابہام عند الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد میں حدیث نمبر ۷۱۳ کی ایک سند مروی ہے۔

۱۰۔ زہیر بن معاویہ: مسند احمد بن حنبل ۴/ ۳۱۸۔۳۱۹ پر ایک سند اور معجم کبیر ۲۲/ ۳۶ پر حدیث نمبر ۸۴ کی ایک سند، یعنی یہ حدیث زہیر بن معاویہ کی دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

۱۱۔ قیس بن الربیع: معجم کبیر ۲۲/ ۳۳۔ ۳۴ پر حدیث نمبر ۷۹ کی ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔

۱۲۔ موسیٰ بن ابی کثیر: معجم کبیر ۲۲/ ۳۷۔۳۸ پر حدیث نمبر ۸۹ کی دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

۱۳۔ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم: معجم کبیر ۲۲/ ۳۸ پر حدیث نمبر ۹۰ کی دو سندیں اور معرفۃ السنن والآثار ۲/ ۲۸ پر باب کیفیۃ الجلوس فی التشہد الاول والآخر میں حدیث نمبر ۸۷۹ کی ایک سند کے ساتھ، یعنی اس حدیث کی ابوعوانہ سے تین سندیں مروی ہیں۔

۱۴۔ غیلان بن جامع: معجم کبیر ۲۲/ ۳۷ حدیث نمبر ۸۸ میں ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔

۱۵۔ موسیٰ بن ابی عائشۃ مخزومی ہمدانی: طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ باب ماجاء فی الاشارۃ بالاصبع فی الدعاء بعد التشہد حدیث نمبر ۶۳۷ ایک سند کے ساتھ مروی ہے۔

۱۶۔ خلاد الصفار، خلاد بن عیسیٰ وقیل ابن مسلم العبدی ابومسلم الکوفی الصفار: طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ پر مذکورہ بالا حدیث نمبر ۶۳۷ ہی میں ایک اور سند کے ساتھ مروی ہے۔

۱۷۔ ام یحیٰ، وائل بن حجر کی گھر والی: معجم کبیر ۲۲/ ۴۹۔۵۱ حدیث ۱۱۸ کی ایک سند مروی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سترہ حضرات میں سے کسی بھی راوی نے "یحر کھا" کا لفظ روایت نہیں کیا بلکہ ان کے برعکس حضرت زائدہ بن قدامہ نے ہی یہ لفظ روایت کیا ہے۔ ذیل میں حضرت زائدہ بن قدامہ سے روایت کردہ اسانید کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸۔ زائدة بن قدامہ: صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۴ پر باب صفة وضع اليدين على الركبتين في التشهد وتحريك السبابة عند الاشارة بها میں حدیث نمبر ۷۱۴ کی ایک سند اور صحیح ابن حبان ۳/ ۱۶۷۔۱۶۸ پر ذکر ما يستحب للمصلي رفع اليدين عند ارادته الركوع وعند رفع راسه منه میں حدیث نمبر ۱۸۵۷ کی ایک سند اور سنن نسائی ۱/ ۱۴۱ باب موضع اليمين من الشمال في الصلاة نیز ۱/ ۱۸۷ باب قبض الثنتين من اصابع اليد اليمنى وعقد الوسطى والابهام میں ایک سند اور سنن دارمی ۱/ ۳۶۲ باب صفة صلاة رسول الله میں حدیث نمبر ۱۳۵۷ کی ایک سند اور سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۲ باب من روى انه أشار بها ولم يحر كها میں ایک سند اور ابن الجارود کی المنتقیٰ ۲/ ۱۸۱ حدیث نمبر ۲۰۸ کی ایک سند اور مسند احمد بن حنبل ۴/ ۳۱۸ پر ایک سند اور معجم کبیر ۲۲/ ۳۵ پر حدیث نمبر ۸۲ کی دو سندیں مروی ہیں، یعنی زائدہ بن قدامہ سے اس حدیث کی کل نو اسانید مروی ہیں۔

یہ تمام حضرات حضرت وائل بن حجر کی حدیث کو عاصم بن کلیب بن شہاب سے روایت کرنے والے ہیں۔ نیز وائل بن حجر کی حدیث کو ان سے ان کی اہلیہ ام یحیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ جو کہ معجم کبیر ۲۲/ ۴۹۔۵۱ پر حدیث نمبر ۱۱۸ میں ایک سند کے ساتھ مروی، جسے اس کے بیٹے عبد الجبار نے اس سے اور اس نے اپنے شوہر وائل بن حجر سے روایت کیا ہے۔ ان تمام حضرات سے مروی اسانید کی کل تعداد انسٹھ (۵۹) بنتی ہے اور ان میں سے زائدہ بن قدامہ کے علاوہ کسی اور راوی نے "یحر کھا" کا لفظ روایت نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے حضرت وائل بن حجر کی اس حدیث کو زائدہ بن قدامہ کے واسطے سے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: وبمعناه رواه جماعة عن عاصم بن كليب ونحن نجيزه ونختار ما روينا في حديث ابن عمر ثم ما روينا في حديث ابن الزبير لثبوت خبرهما وقوة اسناده ومزية رجاله ورجاحتهم في الفضل على عاصم بن كليب، وبالله التوفيق۔ یعنی عاصم بن کلیب سے اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ہم اسے جائز مانتے ہیں، ابن عمر اور ابن زبیر کی حدیث میں روایت کردہ عدمِ حرکت کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں حضرات کی

حدیث ثابت ہے، اس کی سند مضبوط ہے، اس کے راوی حضرات صاحبِ فضیلت ہیں اور مرتبے میں عاصم بن کلیب سے بھاری بھر کم ہیں۔ دیکھیے سنن الکبریٰ ۲ /۱۳۱، اور حافظ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ سلمی نیشاپوری متوفی ۳۱۱ھ نے اسی واسطے کی سند کو روایت کرنے کے بعد اس پر یوں تبصرہ فرمایا ہے: لیس فی شئ من الاخبار یحر کھا الافی ھذا الخبر زائدة ذکرہ۔ یعنی اس کے علاوہ کسی بھی حدیث میں "یحر کھا" کا لفظ نہیں آیا، زائدہ بن قدامہ نے ہی اسے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے صحیح ابن خزیمہ ۱ /۳۵۴ حدیث نمبر ۷۱۴ اور شیخ ابو عبد الرحمٰن مقبل بن ہادی الوادعی حضرت وائل بن حجر کی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ھذا الحدیث یدل علی الاشارة بالاصبع، واما التحریك فقد تفرّد به زائدة بن قدامة وقد خالف ثلاثة عشر راویا: بشر بن المفضل عند ابی داود وسفیان بن عیینة عند النسائی والثوری عند النسائی، وعبد الواحد بن زیاد عند احمد و شعبة عند احمد وزهیر بن معاویة عند احمد وعبدالله بن ادریس عند ابن خزیمة وخالد بن عبد الله الطحان عند البیهقی ومحمد بن فضیل عند ابن خزیمة وابا الاحوص سلاّم بن سلیم عند الطیالسی وابا عوانة وغیلان بن جامع عنهما حکاه عنهما البیهقی کلهم رووه عن ابن کلیب ولم یذ کروا فیه التحریك، ورواه من الصحابة عبد الله بن الزبیر وعبد الله بن عمر وابو حمید الساعدی وابو هریرة وسعد بن ابی وقاص وابن عباس وخفاف بن ایماء کلهم لم یذ کرو التحریك، فعلم بهذا أن روایة زائدة شاذة. والله اعلم۔ یعنی یہ حدیث انگلی سے اشارہ پر دلالت کر رہی ہے، باقی رہا حرکت دلانے کا معاملہ تو اسے روایت کرنے میں زائدہ بن قدامہ اکیلا ہے اور اس نے تیرہ راویوں کی مخالفت کی ہے۔ ابو داود میں بشر بن مفضل کی اور نسائی میں سفیان بن عیینہ کی اور نسائی ہی میں سفیان ثوری کی اور مسند احمد میں عبد الواحد بن زیاد کی اور مسند احمد ہی میں شعبہ کی اور مسند احمد ہی میں زہیر بن معاویہ کی اور صحیح ابن خزیمہ میں عبد اللہ بن ادریس کی، اور بیہقی میں خالد بن عبد اللہ طحان کی اور صحیح ابن خزیمہ میں ابن فضیل کی اور مسند طیالسی میں ابو الاحوص سلام بن سلیم کی اور ابو عوانہ اور غیلان بن جامع کی، ان سے اسے بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ ان تمام حضرات نے اس حدیث کو ابن کلیب سے روایت کیا ہے لیکن انھوں نے اس حدیث میں حرکت کا ذکر نہیں کیا، اور اشارے کی حدیث کو صحابہ کرام میں سے عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمر، ابو حمید ساعدی، ابو ہریرہ،

سعد بن ابی وقاص، ابن عباس اور خفاف بن ایماء نے بھی روایت کیا ہے، ان تمام حضرات نے بھی حرکت کا ذکر نہیں کیا لہذا معلوم ہوا کہ زائدہ بن قدامہ کی روایت شاذ ہے۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے الصحیح المسند مما لیس فی الصحیحین جلد دوم ص: ۲۶۵-۲۶۶

شاذ کا لفظ "شذ" سے اسم فاعل ہے، شذ بمعنی "انفرد" ہے، لہذا شاذ کے معنی ہیں "المنفرد عن الجمهور" یعنی جمہور سے تنہا یا اکیلا رہنے والا۔ علامہ مطرزی لکھتے ہیں: "شذ عن الجماعة": انفرد عنهم. المغرب فی ترتیب المعرب ۱/ ۴۳۵۔ اور اصطلاحی طور پر شاذ کہتے ہیں "ما رواه المقبول مخالفا لمن هو أولى منه" کو، یعنی شاذ وہ حدیث ہوتی ہے جسے کوئی مقبول راوی خود سے بہتر راوی کے مخالف روایت کرے۔ دیکھیے تیسیر مصطلح الحدیث ص: ۱۱۶ حضرت امام شافعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ دیکھیے مقدمۂ ابن الصلاح ص: ۱۱۷ نیز دیکھیے کتاب معرفة علوم الحدیث ص: ۱۱۹، اس کے علاوہ بھی شاذ کی تعریف میں کچھ مختلف اقوال ہیں لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے مندرجہ بالا اصطلاحی تعریف کو اختیار کیا ہے۔ دیکھیے نخبۃ الفکر ص: ۳۷

حدیث شاذ کا حکم یہ ہے کہ وہ مردود ہے۔ حافظ ابو یعلی خلیلی قزوینی خلیل بن عبداللہ بن احمد متوفی ۴۴۶ھ سے حافظ ابن صلاح نے نقل کیا ہے: الذي عليه حفاظ الحديث أن الشاذ ما ليس له الا اسناد واحد يشذ بذالك شيخ، ثقة كان أو غير ثقة، فما كان عن غير ثقة فمتروك لا يقبل، وما كان عن ثقة يتوقف فيه ولا يحتج به۔ یعنی حفاظِ حدیث اس بات پر (متفق) ہیں کہ شاذ وہ حدیث ہوتی ہے جس کی ایک ہی سند ہو، ثقہ یا غیر ثقہ اسے روایت کرنے میں تنہا ہو، اگر غیر ثقہ اسے روایت کرنے میں تنہا ہے تو اسے ترک کر دیا جائے گا اور وہ نا مقبول ہوگی۔ اور اگر ثقہ اسے روایت کرنے میں تنہا ہے تو اس میں توقف کیا جائے گا اور اسے دلیل نہیں بنایا جائے گا۔ دیکھیے مقدمۂ ابن صلاح ص: ۱۱۷

اس تعریف سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر ثقہ راوی تنہا ہے تو اسکی روایت کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا، اور اگر غیر ثقہ راوی تنہا ہے تو پھر وہ روایت متروک اور نا مقبول ہوگی۔ اب اس حدیث کو زائدہ بن قدامہ نے کئی راویوں اور کئی صحابہ کی روایت کردہ حدیث کے خلاف روایت کیا ہے جیسا کہ آپ اوپر دیکھ آئے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر کی اس حدیث میں عاصم بن کلیب سے زائدہ بن قدامہ نے سب راویوں سے الگ ہو کر تحریک کو ذکر کیا ہے، دوسرا یہ کہ اسکی روایت نہ

صرف اس حدیث کے دیگر روایوں سے جدا ہے بلکہ دیگر متعدد صحابہ کی روایت کے بھی خلاف ہے۔ اسی وجہ سے یہ شاذ روایت ہے، چونکہ زائدۃ بن قدامہ ثقہ راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التھذیب ۲ / ۵۳۴۔۵۳۵ پر متعدد حفاظ حدیث سے نقل کیا ہے۔اس لیے یہ شذوذ کی پہلی قسم میں سے شاذ حدیث ہے، جسے دلیل نہیں بنایا جاتا۔اور اگر اسے شاذ تسلیم نہ کیا جائے تو پھر دیگر احادیث اور بطور خاص حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت کردہ حدیث کے ساتھ اسکی موافقت پیدا کرانے کیلیے ہی امام بیہقی نے کہا ہے کہ: فیحتمل ان یکون المراد بالتحریك الاشارة بها، لاتکریر تحریکها فیکون موا فقالروایةابن الزبیر والله اعلم۔ یعنی اس "یحر کھا" میں یہ بھی احتمال ہے کہ تحریک سے مراد اشارہ کرنا ہو، بار بار حرکت دینا مراد نہ ہو، اس طرح یہ روایت حضرت ابن زبیر کی روایت کردہ حدیث کے موافق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۲ تحریک سے مراد اشارہ اس لیے لیا گیا ہے کہ اشارہ انگلی کو حرکت دیئے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس تاویل وتوافق سے زائدہ بن قدامہ سے شذوذ بھی ختم ہو جاتا ہے اور اسکی روایت توقف کرنے اور دلیل نہ بنانے سے بھی محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کے متعلق امام بیہقی کا مذکورہ قول قبول نہ کیا جائے تو پھر زائدہ بن قدامہ کی ثقاہت کے پیشِ نظر اس روایت کو شاذ کہنے کے بغیر کوئی اور چارہ نہیں رہیگا۔ بہر حال فاضل مصنف کا دعویٰ سرے سے درست ہی نہیں۔

مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی نے امام بیہقی کے مذکورہ بالا توافق والے قول پر یوں تبصرہ کیا ہے: ولا شك ان الجمع بین الدلیلین اولیٰ من اهمال احدهما وبانه لما تعارض الدلیلان نظرنا الی ان مبنی الصلاة فی الاصل علی السکینة والو قار کما ذکر وہ فی رفع الیدین۔ یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دو مختلف دلیلوں کو باہم جمع کرنا کسی ایک دلیل کو ترک کر دینے سے زیادہ اچھا ہے، اور یہ (توافق اور باہم جمع کرنا) اس لیے بھی کہ جب دو مختلف دلیلیں باہم متعارض ہوئیں تو ہم نے اس بات کو دیکھا کہ اصل میں نماز کی بناء سکون اور وقار (آرام وآہستگی اور بردباری) پر ہے جیسا کہ رفع یدین کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔

دیکھیے نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۳۰

وضاحت: مخدوم محمد ہاشم کے بیان میں کما ذکر وہ فی رفع الیدین (جیسا کہ رفع یدین کے بارے میں علماء نے ذکر کیا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ رفع یدین کے بارے میں احادیث باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ہمارے علمائے احناف نے بار بار رفع یدین کو ترک

کرنے کا حکم اس اُصول کے تحت دیا کہ نماز کی بناء سکون اور وقار پر ہے، جبکہ بار بار رفع یدین سکون اور وقار کے منافی ہے، اس سے منع اس لیے کیا گیا تا کہ نماز میں سکون اور وقار والا اصول باقی رہے۔

اگر دونوں حدیثوں کو باہم متعارض ہی تسلیم کیا جائے اور انھیں باہم جمع نہ کیا جائے تو پھر تعارض کی صورت میں دونوں حدیثوں کو ترک کرنا لازم آئیگا، جبکہ توافق اور باہم جمع کرنے کی صورت میں کسی حدیث کا ترک لازم نہیں آئے گا۔ گویا ایک صحابی (حضرت وائل بن حجر) نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اشارہ کرنے کیلئے انگلی کو اوپر اٹھایا (اور یہ اٹھانا ہی اسکی حرکت ہے) اور دوسرے صحابی (حضرت عبداللہ بن زبیر) نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے انگلی کو اشارہ کے لیے اٹھانے کے بعد اسے دائیں بائیں یا اوپر نیچے حرکت نہیں دی۔ اس طرح دونوں حدیثیں اپنے اپنے مقام پر درست اور قابل عمل رہیں اور کسی بھی حدیث کو متروک قرار دینے کی نوبت نہ آئی۔

اگر دونوں حدیثوں کو باہم جمع نہ کیا جائے تو پھر جس طرح رفع یدین کے مسئلے میں باہم مختلف احادیث کی وجہ سے سببِ ترجیح، سکون و وقار کی خاطر عدم رفع یدین والی احادیث کو اثبات رفع یدین والی احادیث پر ترجیح حاصل تھی بالکل اسی طرح یہاں بھی "لا یحرکھا" والی ابن زبیر کی حدیث کو "یحرکھا" والی وائل بن حجر کی حدیث پر ترجیح حاصل ہوگی۔ اضطراب تو اس وقت ثابت ہوتا ہے جب حدیث کی مختلف روایتوں کے درمیان توافق پیدا کرنا یا ان میں سے کسی روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا ناممکن ہو اور بحمد اللہ یہاں ایسی کوئی صورت نہیں ہے بلکہ دونوں روایتوں کو باہم جمع کرنا بھی ممکن ہے اور ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا بھی ممکن ہے۔ اما اذا ترجحت احدی الروایات علی الاخری، أو أمکن الجمع بینھما بشکل مقبول فان صفة الاضطراب تزول عن الحدیث، ونعمل بالروایة الراجحة فی حالة الترجیح، أونعمل بجمیع الروایات فی حالة امکان الجمع بینھما۔ یعنی جب کوئی ایک روایت دوسری روایت پر راجح ہو یا مقبول وجہ سے ان کے درمیان باہم جمع ممکن ہو تو حدیث سے اضطراب کی صفت زائل ہوجائیگی اور ترجیح کی حالت میں ہم راجح روایت پر عمل کرینگے، یا ان روایتوں میں جمع کرنے کے امکان کی صورت میں ان تمام روایتوں پر عمل کرینگے۔ دیکھیے تیسیر مصطلح الحدیث ص:۱۱۱۔۱۱۲

اس تمام تر وضاحت کے بعد فاضل مصنف کے اعتراض کے ہوا ہونے میں کوئی تردد

نہیں رہا، باقی "میں نہ مانوں" کا جواب تو کسی بھی کتاب یا صحیفہ میں نہیں ہے۔ اللہ پاک صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

اشارے کے وقت انگلی کی حرکت کے متعلق فقہاء کا نظریہ:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک تحریک والی روایت پر عمل نہیں۔ گویا ان کے نزدیک "یحر کہا" والی حدیث اشارہ کے لیے انگلی اٹھانے کی حرکت پر محمول ہے اور "لا یحر کہا" والی حدیث دورانِ اشارہ بار بار کی حرکت کی نفی پر محمول ہے اس لیے ان ائمہ نے دوران اشارہ حرکت نہ کرنے کو اختیار فرمایا ہے۔ حضرت امام مالک سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں، ا۔ حرکت دینا مستحب ہے، پھر اس میں بھی دو قول ہیں، التحیات کے آغاز سے آخر تک مسلسل حرکت دیتے رہنا چاہیے، حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء ۲/۱۲۶، دوم یہ کہ مسلسل حرکت نہیں دینا چاہیے، یعنی صرف اشھد ان لا الہ الا اللہ کے دوران حرکت دینی چاہیے اس کے بعد نہیں۔ المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ۲/۲۰۲

۲۔ حرکت دینے نہ دینے کا نمازی کو اختیار ہے۔

۳۔ حرکت قطعاً نہیں دینا چاہیے۔ عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی ۲/۷۶۔۷۷

سیف الدین ابوبکر محمد بن احمد قفال شاشی شافعی متوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں: وھل یحر کہا؟ فیہ وجھان، قال الشیخ ابو نصر: یحر کہا طوال التشھد، والثانی لا یحر کہا وھو الاظھر۔ یعنی کیا انگلی کو حرکت دے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ شیخ ابونصر نے کہا ہے کہ اسے پورے التحیات تک حرکت دیتا رہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ حرکت نہ دے اور یہی زیادہ ظاہر بات ہے۔ دیکھیے حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء جزء دوم ص: ۱۲۶

امام نووی فرماتے ہیں: ویقبض من یمناہ الخنصر والبنصر و کذا الوسطی فی الاظھر ویرسل المسبحۃ ویر فعھا عند قولہ الا اللہ ولا یحر کہا، یعنی اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور اسکے ساتھ والی اور اسی طرح درمیانی انگلی کو بند کرے، زیادہ ظاہر بات یہی ہے، اور شہادت کی انگلی کو کھلا رکھے اور اسے الا اللہ کہتے وقت اٹھائے اور اسے حرکت نہ دے۔

دیکھیے منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین ص: ۱۲

منہاج الطالبین کے شارح شیخ محمد بن احمد خطیب شربینی متوفی ۹۷۷ھ امام نووی کے

لفظو لا يحر کھا کی شرح میں لکھتے ہیں: عند رفعها. لانه كان لا يفعله. رواه ابو داود من رواية عبدالله بن الزبير ، و قيل: يحر كها لان وائل بن حجر روى ان النبی ﷺ كان يفعله. قال البيهقی : والحديثان صحيحان، قال الشارح: وتقديم الاول النافی علی الثانی المثبت لما قام عندهم فی ذالك اه ولعله طلب عدم الحركة فی الصلاة. بل قيل انه حرام مبطل للصلاة. وعلی الاول يكره ولا تبطل۔ یعنی حرکت نہ دینے کا مطلب ہے انگلی کو اٹھاتے وقت، کیونکہ آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اسے ابوداود نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ انگلی کو حرکت دے کیونکہ وائل بن حجر نے روایت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ ایسا کرتے تھے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ شارح نے کہا ہے کہ پہلی (حرکت کی نفی والی) حدیث کو دوسری (حرکت ثابت کرنے والی) حدیث پر مقدم کرنا اس لیے ہے کہ اس بارے میں ان کے نزدیک دلیل ہے۔ غالباً وہ دلیل یہ ہے کہ نماز میں حرکت نہ دینا مطلوب ہوتا ہے، بلکہ کہا گیا ہے کہ حرکت دینا حرام اور نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ اور پہلی صورت میں حرکت دینا مکروہ ہے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ دیکھیے مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج ۱/ ۱۷۳

شیخ الاسلام زکریا انصاری شافعی فرماتے ہیں: ويرفعها عند قوله الاالله ولا يحر كها۔ یعنی الا اللہ کہتے وقت انگلی کو اٹھائے، اسے حرکت نہ دے۔ منہاج الطلاب ص:۱۱

نیز شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر ہیتمی شافعی فرماتے ہیں: قال الشيخ نصر المقدسی فی كافيه انه يقيمها ولا يضعها ولا يحر كها اه۔ یعنی شیخ نصر مقدسی نے اپنی کتاب "الکافی" میں کہا ہے کہ انگلی کو اٹھائے اور اسے رکھے نہیں اور نہ ہی اسے حرکت دے۔

دیکھیے الفتاوی الکبری الفقهية جزء اول ص:۱۴۶

علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن احمد بن قدامۃ، ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں: ويشير بالسبابة عند ذكر الله تعالیٰ فی تشهده لما رويناه، ولا يحر كها لما روى عبد الله بن الزبير أن النبی ﷺ كان يشير باصبعه ولا يحر كها ، رواه ابو داود، وفی لفظ: كان رسول الله ﷺ اذا قعد يدعو وضع يده اليمنى على فخذه اليمنى ويده اليسرى على فخذه اليسرى واشار باصبعه۔ یعنی تشہد میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، جیسا کہ ہم اسے روایت کر چکے ہیں، اور انگلی کو حرکت نہ دے

کیونکہ عبداللہ بن زبیر نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور اسے حرکت نہیں دیتے تھے، اس حدیث کو ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیٹھ کر التحیات پڑھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ دیکھیے المغنی ۱/ ۲۵۴

علامہ شیخ مرعی بن یوسف حنبلی فرماتے ہیں: ویشیر بسبابة یمنی لا غیرها ولو عدمت، من غیر تحریك فی تشهده ودعائه، ولو فی غیر صلاة عند ذكر الله تعالیٰ۔ یعنی دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے کسی اور انگلی سے نہیں خواہ شہادت والی انگلی موجود ہی نہ ہو، التحیات میں اور نماز کے علاوہ دعا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے وقت، حرکت کے بغیر۔
دیکھیے غایة المنتهی فی الجمع بین الاقناع والمنتهی ص: ۱۳۰

علامہ خلیل بن اسحاق الجندی فقہاء مالکیہ میں ممتاز فقیہ گزرے ہیں، ان کی کتاب مختصر الخلیل بہت معروف کتاب ہے، اس میں انھوں نے اشارے کے بارے میں "تحریکها دائما" لکھا ہے، جسکا مطلب ہے کہ پورے التحیات کے دوران انگلی کو حرکت دیتا رہے۔

شیخ محمد بن محمد الخطاب رعینی مالکی نے مختصر الخلیل کی شرح میں لکھا ہے: (وتحریکها دائما) هذا هو المروی عن مالك فی العتبیة والذی صدر به ابن الحاجب وابن شاص وجعل ابن رشد التحریك سنة. قال ابن عرفة: وهو ضد قول ابن العربی "ایاکم وتحریك اصابعکم فی التشهد ولا تلتفتو الروایة العتبیة فانها بلیة"۔ ترجمہ: (پورے التحیات میں اسے حرکت دینا) امام مالک سے "عتبیہ" (۱) میں یوں ہی مروی ہے اور ابن الحاجب (عثمان بن عمر بن الحاجب ابو عمرو جمال الدین م ۱۶ شوال ۶۴۶ ھ) اور ابن شاص نے اسکا باصرار مطالبہ کیا ہے اور ابن رشد نے حرکت دینے کو سنت قرار دیا ہے، اور ابوعبداللہ بن عرفہ نے کہا ہے کہ یہ (یعنی انگلی کو حرکت کی بات) ابن عربی کے قول کے مخالف ہے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ تم لوگ التحیات میں انگلی کو حرکت دلانے سے پرہیز کرو اور عتبیہ کی روایت کی طرف توجہ مت دو وہ تو ایک مصیبت ہے۔ دیکھیے مواہب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل ۲/ ۲۴۸۔ ۲۴۹ یہی بات علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف الغرناطی المواق نے مختصر الخلیل کی شرح

---

(۱) العتبیہ مالکی فقہ کی کتاب ہے جسکا مصنف فقیہ اندلس محمد بن احمد بن عبدالعزیز العتبی القرطبی متوفی ۲۵۴ھ ہے۔ کشف الظنون ۲/ ۳۹۰ تذکرہ نمبر ۸۴۸۰۔

التاج والاکلیل لمختصر خلیل ۲ / ۲۴۸۔۲۴۹ پر کہی ہے۔ حافظ جمال الدین ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی مسلم شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: وهل حركها أم لا؟ اختلفت الرواية فى ذالک. فزاد ابو داود فى حديث ابن الزبير انه كان يشير باصبعه اذا دعا ولايحركها۔ والى هذا ذهب بعض العراقيين فمنع من تحريكها. وبعض اصحابنا رأوا ان مدها اشارة الى دوام التوحيد. ومن حديث وائل بن حجر بعد قوله: "وحلق حلقة ثم رفع اصبعه فرأيته يحركها يدعوبها". والى هذا ذهب اكثر العلماء واكثر اصحابنا۔ ثم من قال بالتحريك فهل يواليه أولايواليه؟ أُختلف فيه على قولين وسبب اختلافهم فى ماذا يعلل به ذلک التحريک؟ فاما من والىٰ التحريک فتأوّل ذالک بانها مُذَكِّرة بموالاة الحضورَ فى الصلاة وبانها مقمعة ومدفعة للشيطان. ومن لم يوال رأى تحريكها عند التلفظ بكلمتى الشهادة فقط وتأوّل فى الحركة كانها نطق تلک الجاحه بالتوحيد والله تعالىٰ اعلم ۔یعنی کیا آپ ﷺ نے انگلی کو حرکت دی یا نہیں؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں، ابوداود نے ابن زبیر کی حدیث میں یہ الفاظ بڑھائے ہیں کہ آپ ﷺ جب التحیات پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کرتے تھے تو اسے حرکت نہیں دیتے تھے۔(۱) بعض اہلِ عراق بھی اسی نظریہ کے ہیں اور انھوں نے حرکت سے منع کیا ہے، جبکہ ہمارے بعض اصحاب کا نظریہ ہے کہ اسے حرکت دینا دوامِ توحید (التحیات کے آخر تک توحید کے عملی مظاہرہ) کی طرف اشارہ ہے اور

---

(۱) صرف ابوداود ہی میں نہیں بلکہ نسائی ۱ / ۱۸۷ باب بسط اليسرى على الركبة اور مصنف عبدالرزاق ۲ / ۲۴۹ باب رفع اليدين فى الدعاء اور سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۱۔۱۳۲ باب من روى انه اشار بها ولم يحركها اور شرح السنۃ ۳ / ۱۷۸ باب كيفية وضع اليدين فى التشهدين اور مسند ابی عوانہ ۲ / ۲۲۶۔۲۲۷ پر بيان الاشارة بالسبابة الى القبلة میں اور طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳۔۲۰۴ باب ما جاء فى الاشارة بالاصبع فى الدعاء بعد التشهد حدیث نمبر ۶۳۸ میں بھی "لايحركها" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ابوداود اور شرح السنہ کے مذکورہ بالا ابواب میں ایک ایک اور سند کے ساتھ بھی یہ حدیث آئی ہے نیز مسند بزار ۲ / ۱۶۴۔۱۶۶ پر حدیث نمبر ۲۲۰۴۔۲۲۰۷ میں چار اسناد کے ساتھ اور مسند حمیدی ص: ۲۵۰ پر حدیث نمبر ۸۷۹ اور مسند ابی عوانہ کے مذکورہ بالا باب میں ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے اور ان تمام

وائل بن حجر کی حدیث میں" وحلق حلقة " کے بعد یوں ہے: " ثم رفع اصبعه فرأيته يحركها ويدعو بها " (پھر آپ نے اپنی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ اسے تشہد پڑھتے ہوئے حرکت دے رہے تھے۔) اور ہمارے اصحاب اور علماء کی اکثریت کا بھی یہی نظریہ ہے۔ پھر جن لوگوں نے حرکت دینے کا کہا ہے تو کیا حرکت پے در پے کرنی چاہیے یا پے در پے نہیں کرنی چاہیے؟ اس بارے میں دو مختلف قول ہیں اور ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس حرکت کی کیا وجہ بیان کی گئی ہے؟ (یعنی حرکت کی وجہ میں اختلاف کے سبب یہ دو قول مختلف ہیں) جن حضرات نے پے در پے حرکت کی بات کی ہے انھوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ پے در پے حرکت نماز میں مسلسل حضوری کو یاد دلانے والی اور شیطان کو دفع کرنے اور مار بھگانے والی ہے۔ اور جو حضرات پے در پے حرکت کے قائل نہیں وہ صرف شہادت کے کلمات کہتے وقت ہی حرکت کے قائل ہیں۔ (یعنی صرف اشهد ان لا اله الا الله کے کہنے تک اس کے بعد نہیں) اور اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ گویا وہ توحید کا گڑگڑا کر اقرار کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ۲ / ۲۰۲

حافظ ابو بکر محمد بن عبداللہ اشبیلی المعروف ابن عربی مالکی ترمذی شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: اياكم و تحريك اصابعكم فى التشهد ولا تلتفتوا الى رواية العتبية فانها بليّة، و عجبا ممن قال: انها مقمعة للشيطن، اعلموا انكم اذا حركتم للشيطن اصبعاً حرك لكم عشراً، انما يقمع الشيطن بالاخلاص والخشوع والذكر والاستعاذة. فاما بتحريكه فلا . وانما عليه ان يشير بالسبابة كما جاء فى الحديث: وبسط كفه اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ. فان قيل: فقد روى ابو داود عن وائل بن حجر. ذكر الحديث. ثم قال: ثم جئت بعد ذالك فى زمان فيه برد شديد فرأيت الناس عليهم جل الشياب يحرك ايديهم تحت الشياب. قلنا لم تصح وان صح فمعناه تحرك عند البسط والقبض وتصويف الهيأة المذكورة - یعنی تم لوگ التحیات میں انگلی کو حرکت دینے سے پرہیز کرو اور عتبیہ کی روایت کی طرف توجہ مت کرو وہ تو ایک مصیبت ہے، اور تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں کہ حرکت دینا شیطان کو مار بھگانے والی چیز ہے! معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تم انگلی کو ایک مرتبہ حرکت دیتے ہو تو شیطان تمھیں دس مرتبہ انگلی کرتا ہے، شیطان کو تو اخلاص، خشوع، ذکر اور استعاذہ کے ساتھ مار بھگایا جا سکتا ہے، انگلی کو حرکت

دینے سے نہیں، نمازی پر لازم ہے کہ وہ شہادت کی انگلی سے اس طرح اشارہ کرے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے" وبسط کفه الیسری علی فخذه الیسری "اگر یہ کہا جائے کہ ابوداود نے وائل بن حجر سے حدیث روایت کی ہے، جس میں اس نے کہا ہے کہ: "اسکے بعد میں اس وقت آیا جب شدید سردی تھی اور میں نے لوگوں کو بھاری موٹے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، ان کے ہاتھ ان کے کپڑوں کے نیچے حرکت کررہے تھے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح ہے تو اسکا مطلب ہے ہاتھ باندھتے، کھولتے اور مذکورہ ہیئت سے جھکتے وقت حرکت کرنا۔

عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی ۲/۶۷۔۷۷

قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۴ فرماتے ہیں: ومنع بعض العراقیین فی تحریکھا جملة. واختلف المذهب عندنا فی صفة تحریکھا ووقته. وقیل تمد من غیر تحریك. وقیل تحرك عند الشهادة وهما بمعنی، وهذا یکون معنی مدها عند الشهادة وهو تحریکها. ومن ذهب الی انها مقمعة ومذبّة للشیطن ولیتذکر بها وصل تحریکها. وقد روی عن مالك انه کان یحرکها ویلح بها. واحادیث مسلم انما فی جمیعها "واشار باصبعه "۔یعنی بعض عراقیوں نے مجموعی طور پر حرکت سے منع کیا ہے، اور ہمارے (مالکیوں کے) ہاں انگلی کی حرکت کی حالت اور اس کے وقت کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں، ایک قول ہے کہ بغیر حرکت کے انگلی اٹھانا، اور دوسرا قول ہے کہ اشهد ان لا اله الاالله کے وقت اسے حرکت دینا، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے، اس کا مقصد یہ ہوگا کہ شہادت کے وقت انگلی اٹھانا ہی اسے حرکت دینا ہے، اور جن کا یہ نظریہ ہے کہ حرکت شیطان کو مار بھگانے اور پگھلانے والی ہے اور اس کے ذریعے توحید باری تعالیٰ یاد رہتی ہے، انھوں نے اسکی حرکت کی ہیشگی (تسلسل کے ساتھ باربار) کی بات کی ہے، اور امام مالک سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ انگلی کو حرکت دیتے اور اس کے ذریعے گڑگڑاتے، اور مسلم شریف کی تمام احادیث میں صرف اتنا ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

اکمال المعلم بفوائد مسلم ۲/۵۳۱۔

فقہاء احناف میں سے علامہ محمود بن احمد بن موسی بدر الدین عینی فرماتے ہیں: ولا یستحب تحریك الاصبع۔انگلی کو حرکت دینا مستحب نہیں ہے۔البنایہ فی شرح الهدایہ ۲/۲۱۶

ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی مکی حضرت وائل بن حجر کی روایت میں "یحرکها" کی شرح میں لکھتے

ہیں: ظاهره يوافق مذهب الامام مالك لكنه معارض بما سياتي انه لايحركها. ويمكن ان يكون معنى يحركها يرفعها. اذ لايمكن رفعها بدون تحريكها. والله اعلم. قال المظهر اختلفوا في تحريك الاصبع اذا رفعها للاشارة. والاصح انه يضعها من غير تحريك۔ یعنی "یحرکھا " کا لفظ بظاہر امام مالک کے مذہب کے موافق ہے لیکن کچھ ہی آگے آنے والی حدیث کے لفظ "لایحرکھا " کے معارض ہے۔ ممکن ہے کہ "یحرکھا " کا معنی "یرفعھا " ہو کیونکہ انگلی کا اٹھانا اسے حرکت دیئے بغیر ممکن نہیں ہے، واللہ اعلم، مظہر (۱) نے کہا ہے کہ جب اشارے کے لیے انگلی اٹھائی جائے تو اسے حرکت دینے کے بارے میں اختلاف ہے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ انگلی کو حرکت دیئے بغیر رکھے۔ مرقاۃ المفاتیح ۲ / ۳۳۳۔ ۳۳۴ یہی ملا علی قاری حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت میں "ولا یحرکھا " کی شرح میں لکھتے ہیں: قال ابن الملك يدل على انه لا يحرك الا صبع اذا رفعها للاشارة. وعليه ابو حنيفة۔ یعنی ابن الملک (۲) نے کہا ہے کہ "لا یحرکھا " کا لفظ اس بات پر دلیل ہے کہ جب اشارے کے لیے انگلی اٹھائے تو اسے حرکت نہ دے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ مرقاۃ المفاتیح ۲ / ۳۳۴

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت وائل کی حدیث میں "فرأيته يحركها " کی شرح میں لکھتے ہیں: المراد بتحريكها رَفْعُهَا. لا تكرير تحريكها۔ یعنی اس سے مراد انگلی کا اٹھانا ہے، بار بار حرکت دینا نہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت میں "ولا یحرکھا " کی شرح میں لکھتے ہیں: المراد به تكرير التحريك فلا ينافي الحديث السابق. وهذا حجة على مالك رحمه الله في قوله بتكرير التحريك۔ یعنی اس سے مراد بار بار حرکت دینا ہے، اس لیے یہ سابقہ (حضرت وائل کی) حدیث کے منافی نہیں ہے، اور یہ حدیث حضرت امام مالک کے بار بار حرکت دینے والے قول کے خلاف دلیل ہے۔ لمعات التنقیح ۳ / ۱۸۴۔

(۱) مظہر الدین حسین بن محمود بن حسن زیدانی متوفی ۷۶۸ھ مصنف "المفاتیح فی المصابیح " یعنی حسین بن مسعود بن محمود، المعروف فراء بغوی متوفی ۵۱۶ھ کی "مصابیح السنہ " کی شرح۔ واضح رہے کہ اسی "مصابیح السنہ " کو بعد میں خطیب ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزی شافعی متوفی بعد ۷۴۰ھ نے مشکوۃ المصابیح کے نام سے ترتیب دیا۔ (۲) عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا حنفی، ابن الملک کے نام سے مشہور ہے "برہان الاتقیاء " سے اس کا سال وفات برآمد ہوتا ہے۔ ہدیۃ العارفین ۱ / ۵۵۲۔

مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی لکھتے ہیں: قال ابن الملك من الحنيفة ولا يحرك الاصبع التي ترفع للاشارة و عليه ابو حنيفة. انتهى. والمراد به تكرير التحريك غير التحريك مرة واحدة لاجل الرفع فانه لابد منه كذا في شرحي المشكوة للملا علي القاري والشيخ عبدالحق الدهلوي. و هذا اي عدم التحريك عندنا وبه قال الشافعي و اما عند مالك فيستحب تكرير تحريك السبابة من اول التشهد الى آخره كما تقدم بيانه۔ یعنی حنفیوں میں سے ابن الملک نے کہا ہے کہ اشارے کے لیے اٹھائی جانے والی انگلی کو حرکت نہ دی جائے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ انتہی۔ اس سے مراد بار بار حرکت دینا ہے، انگلی کو اٹھانے کے لیے ایک مرتبہ ابتدائی حرکت مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو اسے اٹھانے کے لیے ضروری ہے، ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی کی شرح مشکوۃ میں اسی طرح ہے اور یہ یعنی عدم تحریک ہمارے ہاں ہے اور امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک التحیات کے آغاز سے اس کے آخر تک شہادت کی انگلی کو حرکت دینا مستحب ہے، جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۱۳۵

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ امام مالک کے علاوہ باقی ائمہ مذاہب کے نزدیک اشارے کے دوران انگلی کو حرکت نہیں دی جاتی، ان کے ہاں حضرت ابن زبیر کی حدیث کے راوی حضرات، حضرت وائل بن حجر کی حدیث کے راویوں سے زیادہ ثقہ اور علم و فضل میں فائق اور غالب ہیں اس لیے ابن زبیر کی حدیث راجح اور وائل بن حجر کی حدیث مرجوح ہے لہذا حدیث میں اضطراب ہی باقی نہیں رہا اس لیے فاضل مصنف کا اعتراض بھی باقی نہیں رہا۔ اس کے باوجود بھی ان کا اپنے اعتراض اور مؤقف پر ڈٹے رہنا علمی دیانت کے خلاف اور نامناسب رویہ ہوگا۔

فرماتے ہیں: مولانا بحر العلوم عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تنبیہ الاخوان میں لکھا ہے کہ اشارہ کے بارے میں احادیثِ تشہد میں مشکوۃ شریف ص: ۸۵ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور وائل بن حجر اور پھر عبداللہ بن زبیر فصل ثانی اور نافع سے مختلف روایات ذکر ہیں اور کیفیت اسکی پانچ یا سات طور ہیں، تو تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مشکوۃ شریف ص: ۱۰۱ میں فرمایا گیا ہے حضرت انس کی روایت میں قال الحميدي قوله انما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي ﷺ. هذا لفظ البخاري و كذا في البخاري ص: ۹۶ حمیدی نے فرمایا اس کا قول کہ حضور ﷺ کے آخری فعل سے اخذ کیا جاتا ہے اور وہ آخری فعل حضور

علیہ الصلاۃ والسلام سے ہو، یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے ان الذی یجب به العمل هو ما استقر علیه آخر الامر من النبی ﷺ وما کان قبله من ذالك مرفوع الحکم وهو الذی ذهب الیه ابو حنیفة والشافعی والثوری وجمهور السلف (بخاری ۱/۱۲۶ حاشیہ ۲ و کذا قال اشعة اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ ج ۱ ص: ۴۸۸) "وعمل کردہ نمی شود مگر بہ آخر پس از فعل پیغمبر کہ ناسخ فعل اول است" وکذا ص: ۲۱۹ عمدۃ القاری عینی الجزء الخامس۔ وہ جس پر عمل واجب ہے تو وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا آخری حکم ہے اور اس سے جو پہلا حکم ہو اس کا حکم اٹھایا جاتا ہے اور اس بات کی طرف امام ابوحنیفہ اور۔۔۔۔۔الخ۔

اس کے بعد فاضل مصنف اصل اعتراض یوں کرتے ہیں: "تو مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے آخری فعل سے اشارہ کے متعلق معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں تو اس وجہ سے فقہاء اور اکابرین کے درمیان اشارہ کے متعلق اختلاف ہے، بعض اسکو مکروہ کہتے ہیں اور بعض اس کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ ظہیری اور خلاصۃ الفتاوی اور عتابیہ و بزازیہ وتاتارخانیہ وجامع المضمرات وغیرہ میں ہے"۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۱۔۱۲

عرض کرتا ہوں: فاضل مصنف کے اعتراض کے دو حصے ہیں، پہلا یہ کہ نبی پاک ﷺ کے معمولات یا ارشادات میں سے اس معمول یا ارشاد پر عمل کیا جائیگا جو آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخر میں معمول بہ رہا ہوگا، اس سے پہلے والا معمول یا ارشاد اٹھایا ہوا، یعنی منسوخ سمجھا جائیگا، چونکہ آپ کے آخری فعل سے اشارہ کے متعلق معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں اس وجہ سے فقہاء کا اختلاف ہوا اور پھر کسی نے اسے مکروہ کہا اور کسی نے اسے حرام قرار دیا، جیسا کہ ظہیری، خلاصۃ الفتاوی، عتابیہ، بزازیہ، تاتارخانیہ اور جامع المضمرات میں ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معمول بہ نبی پاک ﷺ کا آخری حکم اور آپ کا آخری عمل ہی ہوگا۔ پہلے والا حکم یا پہلے والا عمل اٹھایا ہوا، یعنی منسوخ سمجھا جائیگا۔ مثلاً کسی چیز سے متعلق حضور پاک کے ایک سے زیادہ باہم مختلف اور متصادم حکم ہوں، یا کسی کام کو کرنے کے بارے میں ایک سے زیادہ طریقے ہوں تو اس صورت میں آپ کے آخری حکم یا آخری طریقۂ عمل کو معمول بہ بنایا جائیگا، پہلے والا حکم یا پہلے والا طریقۂ عمل اٹھایا ہوا (منسوخ) ہوگا۔ حالانکہ یہ کوئی کلیہ قانون نہیں ہے، کیونکہ بہت سارے امور اور آپ کے معمولات ایسے بھی ہیں جن کے مختلف طریقۂ عمل

بہت ساری احادیث میں مذکور ہیں لیکن ان میں سے کسی طریقۂ عمل کے بارے میں علماء نے صراحت کی ہے کہ آپ کا یہ طریقہ محض بیانِ جواز کے لیے تھا، اور یہ طریقہ بیانِ افضیلت کے لیے تھا، وغیرہ۔ حدیث کے علم پر گہری نظر رکھنے والوں کے پاس اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

اشارۂ سبابہ کے مخالفین فقہاء میں سے کسی بھی فقیہ نے اسکی یہ وجہ نہیں بتائی بلکہ سب نے یہی وجہ لکھی ہے کہ "لان مبنی الصلاۃ علی السکون والوقار" ان کی نظر میں اشارہ سبابہ کرنا نماز کے اندر سکون اور وقار کے خلاف ہے اس لیے ان میں سے کسی نے اسے مکروہ اور کسی نے حرام کہدیا۔ یہ وجہ فاضل مصنف کی خود ساختہ ہے۔ چلیں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فاضل مصنف کے بقول نبی پاک ﷺ کے آخری فعل سے اشارے کے متعلق معلومات کسی کو حاصل ہی نہیں کہ آپ ﷺ نے آخری حیات طیبہ میں اشارہ کیا بھی تھا یا نہیں؟ تو کیا اس کا یہ مطلب نہ ہوا کہ آپ ﷺ کے پہلے حکم یا آپ کے پہلے عمل کے خلاف کوئی دوسرا حکم یا دوسرا عمل موجود ہی نہیں ہے؟ کیونکہ اگر موجود ہوتا تو یقیناً کسی نہ کسی صحابی سے کسی کتابِ حدیث میں مروی ضرور ہوتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے، اور یقیناً نہیں ہے تو پھر موہوم اور معدوم محض، فرضی حکم اور عمل کو موجود مان کر پہلے والے یقینی موجود مثبت حکم اور عمل کا ناسخ کیونکر مانا جاسکتا ہے؟ آج تک کسی بھی مخالف اشارۂ سبابہ نے یہ ثابت نہیں کیا کہ اشارۂ سبابہ سے متعلق آپ کی فلاں حدیث پہلے والی ہے اور اسکی مخالف فلاں حدیث آخری حدیث ہے، جسے فلاں محدث نے فلاں صحابی سے روایت کیا ہے۔ میں دعویٰ سے عرض کرتا ہوں کہ ایسا آخری حکم فاضل مصنف تو کجا کوئی بھی اشارۂ سبابہ کا مخالف قیامت تک دکھا نہیں سکتا۔ فاضل مصنف کا بیان کردہ مذکورہ بالا اصول کسی حد تک درست تو ہے لیکن اسکا انطباق غلط ہے۔

اگر ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اشارۂ سبابہ میں نبی پاک ﷺ کی اختیار کردہ آخری کیفیت کا علم کسی کو نہیں ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں صرف دو کیفیتیں مذکور ہیں، جن میں سے ہر کیفیت کی وجہ ترجیح ہر امام کے نزدیک موجود ہے، فاضل مصنف کے بقول تیسری، چوتھی اور پانچویں کیفیت خواہ چھٹی اور ساتویں کیفیت کا ذکر کسی بھی حدیث میں نہیں ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ فاضل مصنف اپنے اس دعوے کی سچائی کیلئے ان پانچ یا سات کیفیات کے ذکر پر مشتمل احادیث بھی ذکر کردیتے جن میں ان کیفیات کی صراحت ہے، لیکن چونکہ دو کیفیات کے علاوہ کسی تیسری، چوتھی یا پانچویں اور چھٹی، ساتویں کیفیت والی حدیث کا وجود ہی نہیں ہے اس

لیے انھوں نے ان احادیث کو پیش کرنے سے پہلوتہی فرمائی ہے۔ چونکہ انھوں نے پانچ یا سات طور کی کیفیات کا روایتِ حدیث میں آنا ذکر کیا ہے اس لیے ہم بھی ان احادیث کو ثابت کر دکھانے کے مطالبہ کا حق رکھتے ہیں، اور اگر وہ بعض فقہی کتابوں کے حوالے سے پانچ یا سات کیفیات کے بجائے دس یا بارہ کیفیات بھی ثابت کریں تو وہ خود ان کے اٹھائے گئے اعتراض پر بحث کرنے سے خارج ہے۔

اب ہم ان دو کیفیات سے متعلق احادیث کا ذکر کرتے ہیں، دو کیفیات کے ذکر پر مشتمل احادیث کی کل تعداد چار ہے۔ پہلی حدیث حضرت وائل بن حجر کی ہے جس کو بیہقی نے یوں روایت کیا ہے: اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا علی بن حمشاذ قال واخبرنی ابو سعید احمد بن یعقوب الثقفی قال انبأنا محمد ابن ایوب انبأ مسدد انبأ خالد بن عبد الله ثنا عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر ان النبی ﷺ قام الی الصلاة فکبر ورفع یدیه حتی حاذی بهما اذنیه واخذ شماله بیمینه. فلما اراد ان یرکع رفع یدیه فلما رفع رأسه من الرکوع رفع یدیه فلما سجد وضع یدیه فسجد بینهما ثم جلس فوضع یده الیسری علی فخذه الیسری، ومرفقه الیمنی علی فخذه الیمنی. ثم عقد الخنصر والبنصر ثم حلق الوسطی بالابهام وأشار بالسبابة۔ یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اپنے کانوں تک بلند کیے اور اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا، جب رکوع کرنا چاہا تو دونوں ہاتھ بلند کیے، جب رکوع سے سر اٹھایا تو دونوں ہاتھ بلند کیے، پھر جب سجدہ کرنا چاہا تو دونوں ہاتھ نیچے رکھ کر ان کے درمیان سجدہ کیا پھر آپ بیٹھ گئے اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور دائیں کلائی دائیں ران پر رکھی، پھر آپ نے چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کر کے درمیانی انگلی کو انگوٹھے سے ملا کر حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ سنن الکبری ۲/۱۳۱، اس کے علاوہ وائل بن حجر کی حدیث میں "ثم قبض ثنتین من اصابعه" کے الفاظ، نیز ۳/۲۰۱باب ذکر العلة التی من اجلها کان یشیر المصطفیٰ الخ حدیث ۱۹۴۲ میں وقبض خنصره والتی تلیها کے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ وعقد ثنتین وحلق حلقة یا ثم قبض ثنتین من اصابعه وحلق حلقة جیسے الفاظ کے لیے دیکھیے معجم کبیر ۲۲/۳۳۔۳۴حدیث ۷۹، نیز ۲۲/۳۵حدیث ۸۲، نیز ۲۲/۳۶حدیث ۸۴، ۸۵ نیز دیکھیے

ابن الجارود کی کتاب المنتقی ۲ / ۸۱ حدیث ۲۰۸ واضح رہے کہ احناف نے اس حدیث کے مطابق کیفیتِ اشارہ کو اختیار کیا ہے۔

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر کی ہے، جسے مسلم نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، اسکی پہلی سند یوں ہے: حدثنا یحیٰ بن یحیٰ قال قرأت علی مالك عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبد الرحمٰن المعاوی انه قال رآنی عبد الله بن عمر رضی الله عنهما وأنا اعبث بالحصی فی الصلاة فلما انصرف نهانی. فقال اصنع کما کان رسول الله ﷺ یصنع. قلت و کیف کان رسول الله ﷺ یصنع؟ قال کان اذا جلس فی الصلاة وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی وقبض اصابعه کلها واشار باصبعه التی تلی الابهام. ووضع کفه الیسری علی فخذه الیسری. یعنی علی بن عبدالرحمن معاوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے نماز میں کنکریوں سے کھیلتے دیکھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اس طرح کرو جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ جب آپ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی اپنی دائیں ران پر رکھتے اور سب انگلیوں کو بند کرتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنی بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے تھے۔ صحیح مسلم ۱ / ۲۱۶

اس حدیث میں اگرچہ بظاہر دو کیفیتوں کا احتمال ہے لیکن سفیان بن عیینہ نے اپنی کتاب الصلوۃ میں علی بن عبد الرحمن المعاوی کے ہی توسط سے حضرت ابن عمر سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں جنھیں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے ابن عیینہ کی کتاب الصلاۃ کے باب ما جاء فی الجلوس فی الصلاۃ سے یوں نقل کیا ہے: فوضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی وعقد اصبعین وحلق الوسطی واشار بالتی تلی الابهام ووضع یده الیسریٰ علی فخذه الیسریٰ۔ یعنی آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا اور دو انگلیاں بند کر کے درمیانی انگلی سے حلقہ بنایا اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۷

اس سے یہ ثابت ہوا کہ ابن عمر کی اس حدیث میں بیان کردہ کیفیت وائل بن حجر کی حدیث میں بیان کردہ کیفیت ہی کے موافق ہے اور احناف کی اختیار کردہ کیفیت کی مؤید ہے۔ ابن عمر کی حدیث میں "وعقد اصبعین " کی تفسیر وائل بن حجر کی حدیث میں یوں بیان کردی

گئی" ثم عقد الخنصر والبنصر "اور ابن عمر کی حدیث میں" وحلق الوسطی " کی تفسیر وائل بن حجر کی حدیث میں یوں بیان کردی گئی ثم حلق الوسطی بالابھام ،لہذا ہم کہتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث میں ذکر کردہ کیفیت وائل بن حجر کی حدیث میں مذکور کیفیت سے مختلف نہیں ہے بلکہ وائل بن حجر کی حدیث ابن عمر کی حدیث کی تفسیر ہے، کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر بھی کرتی ہے،اور خاص طور پر اس وقت جب ان کی سند بھی متحد ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں وہ پہلی کیفیت ہی مذکور ہے جسے احناف نے مختار مانا ہے اور حنبلیوں کے نزدیک بھی راجح ہے، نیز شوافع سے بھی ایک قول اسی کیفیت کے بارے میں موجود ہے۔

تیسری حدیث بھی عبد اللہ بن عمر ہی سے مروی ہے، جسے مسلم نے یوں روایت کیا ہے: حدثنا عبد بن حمید قال حدثنا یونس بن محمد قال اخبرنا حماد بن سلمة عن ایوب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ ﷺ کان اذا قعد فی التشھد وضع یدہ الیسری علی رکبتہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی رکبتہ الیمنی وعقد ثلاثا وخمسین واشار بالسبابة - یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب التحیات میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپین کا عقد بناتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ صحیح مسلم ۱/ ۲۱۶

اس حدیث میں بیان کردہ اشارے کی کیفیت شوافع کی مختار ہے۔ اس میں ترپین کے عقد کا ذکر ہے۔ ترپین کا عقد کیسے بنتا ہے؟ اسکی تصریح حدیث شریف میں نہیں کی گئی ،جسکی وجہ سے اس بارے میں ماہرینِ حساب کا قول ہی معتبر ہوگا ،لیکن وہ بھی اسکی تفسیر میں متفق نہیں ،اگرچہ وہ سب تین کے عدد کی علامت پر متفق ہیں کہ چھوٹی انگلی اور اسکے ساتھ والی دونوں انگلیوں کو ہتھیلی کی طرف بند کرنا تین کے عدد کو ظاہر کرتا ہے لیکن اسکے ساتھ پچاس کے عدد کی علامت کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ انگوٹھے کو ہتھیلی کے اندرونی طرف سے شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھنا پچاس کے عدد کو ظاہر کرتا ہے۔ شوافع کے نزدیک ترپین کی اس تفسیر کو ثابت اور صحیح مانا گیا ہے جبکہ بعض دیگر ماہرینِ حساب کا کہنا ہے کہ شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھانا کہ جھکی ہوئی محسوس ہو، اور بعض کا کہنا ہے کہ پچاس کے عدد کو اس طرح ظاہر کیا جائیگا کہ شہادت کی انگلی سیدھی ہو اور انگوٹھا مڑا ہوا شہادت کی انگلی کے برابر رکھا ہوا ہو۔

چوتھی حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہے جسے مسلم نے دوسندوں کے ساتھ یوں روایت کیا ہے: حدثنا قتيبة بن سعيد قال ثناليث عن ابن عجلان۔ ح وحدثنا ابوبكر بن ابی شيبة. واللفظ له. قال ثنا ابو خالد الاحمر عن ابن عجلان عن عامر بن عبد لله بن الزبير عن ابيه رضی الله عنه قال كان رسول لله ﷺ اذا قعد يدعو وضع يده اليمنى على فخذه اليمنى ويده اليسرى على فخذه اليسرى واشار باصبعه السبابة ووضع ابهامه على اصبعه الوسطى ويلقم كفه اليسرى ركبته۔ یعنی عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا (التحیات) کے وقت بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر اور بایاں ہاتھ گھٹنے پر رکھتے۔ صحیح مسلم ۱/۲۱۶

اس حدیث کے یہ الفاظ "وضع ابهامه على اصبعه الوسطى" بھی ایک ساتھ دو کیفیتوں کا احتمال رکھتے ہیں، کیونکہ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ "وضع رأس ابهامه على رأس الوسطى بطريق الحلقة" یعنی آپ ﷺ نے حلقہ کے طور پر انگوٹھے کا سر درمیانی انگلی کے سر پر رکھا، جیسا کہ احناف کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ "وضع رأس ابهامه على حرف الوسطى" یعنی آپ ﷺ نے انگوٹھے کا سر درمیانی انگلی کے کنارے پر رکھا، جیسا کہ بعض شوافع بھی کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلی کیفیت یہ ہے کہ درمیانی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنا کر اشارہ کرتے، اس کیفیت کا ذکر حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابن عمر کی مذکورہ بالا پہلی حدیث میں ہے، اور یہ کیفیت احناف کا مختار ہے نیز بعض شوافع بھی اس کے قائل ہیں اور حنبلیوں کا بھی یہی قول ہے۔ دوسری کیفیت ہے ترپین کا عقد بنا کر اشارہ کرنا، جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر ہی کی دوسری مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ اور ترپین کے عدد کی علامت میں ماہرین کے اختلاف کا ذکر گزر چکا ہے۔

رہی چوتھی حدیث تو اسکے الفاظ "وضع ابهامه على اصبعه الوسطى" کے دو مطلب بھی بیان ہو چکے ہیں، اس اعتبار سے یہ حدیث احناف اور شوافع کے دوسرے قول کے مطابق دونوں کے نزدیک مختار کیفیت کی دلیل ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ بنیادی طور پر احادیث مبارکہ میں صرف دو ہی کیفیتیں وارد ہوئی ہیں لیکن حلقہ کی کیفیت میں اور ترپن کے عدد کی تفسیر میں اہلِ حساب کے اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے یار لوگوں نے متعدد کیفیات کا راگ آلاپنا شروع کر دیا، یعنی جسکو جتنی اہلِ حساب کی تفسیریں نظر آئیں اس نے اتنی ہی کیفیات سمجھ لیں، گویا اہلِ حساب کی تعبیر کے اس اختلاف کو حدیثی اختلاف کا درجہ دے دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس مقام پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہر حال کیفیت اشارہ میں اختلاف تو ہے نا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ جب کسی عمل کی کیفیت میں مختلف احادیث آئی ہوں تو پھر ایک مقلد کا کام ہے کہ وہ اپنے امام کے اصول وقواعد کے مطابق معمول بہ قرار دی گئی روایت پر عمل کرے، یہ اسی امام کا منصب ہے کہ وہ کس روایت کو اپنے اصول وقواعد کے مطابق معمول بہ قرار دیتا ہے۔ اگر آپ امام اعظم کے مقلد ہیں تو آپ کو ان کی تقلید کرتے ہوئے درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے سر ملا کر حلقہ والی کیفیت کو اختیار کرنا چاہیئے۔ حنبلیوں نے بھی اسی کیفیت کو اختیار کیا ہے اور ایک روایت کی رو سے شوافع بھی اسی کیفیت کے قائل اور اس پر عامل ہیں، لیکن ان کی فقہی کتب میں حضرت امام شافعی کی طرف منسوب دوسری روایت کی رو سے وہ ترپن کے عقد کی کیفیت پر عمل کرتے ہیں، اور ترپن عدد کی علامت میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض شوافع نے انگوٹھے کو ہتھیلی کے اندرونی طرف سے شہادت کی انگلی کے سب سے نیچے رکھنے کا کہا ہے، جبکہ مالکیوں نے تینوں انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھتے ہوئے اشارہ کرنے کا کہا ہے۔

یہ تھا فقہاء کرام اور ماہرین حساب کا حلقہ کی کیفیت سے متعلق وہ تعبیری اختلاف جس کو حدیثوں کے درمیان اختلاف کا نام دیکر اشارے والی تمام حدیثوں پر اضطراب کا خود ساختہ تیشہ چلانے کی سعی نامشکور فرمائی گئی اور سرے سے اشارۂ سبابہ سے انکار کر دیا گیا۔ اضطراب اور اسکی بناء پر انکار تب ہوتا جب اشارے کے ثبوت یا اشارے کے انکار پر مشتمل باہم مختلف اور متضاد احادیث موجود ہوتیں، وان لا فلا۔

اب ہم فاضل مصنف کے اس اعتراض کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں جسمیں وہ فرماتے ہیں کہ: بعض اسکو مکروہ کہتے ہیں اور بعض اسکو حرام کہتے ہیں جیسا کہ ظہیری اور خلاصۃ الفتاویٰ اور عتابیہ وبزازیہ وتاتارخانیہ اور جامع المضمرات وغیرہ میں ہے۔ اس حوالے سے گزارش یہ ہے کہ جس طرح فقہاء کے سات طبقات ہیں جن میں سے پہلا طبقہ ہے مجتہدین فی

الشرع کا، مثلاً چاروں آئمۂ کرام، دوسرا طبقہ ہے مجتہدین فی المذہب کا مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور دیگر تلامذۂ امام اعظم ابوحنیفہ۔ تیسرا طبقہ ہے مجتہدین فی المسائل کا، یعنی ایسے مسائل جن میں صاحبِ مذہب امام سے کوئی روایت منقول نہ ہو، ان مسائل میں اجتہاد کرنے والے مجتہدین فی المسائل کہلاتے ہیں۔ جیسے ابوبکر احمد بن عمر الخصاف م ۲۶۱ھ، احمد بن محمد بن سلامۃ ابوجعفر طحاوی م ۳۲۱ھ، عبیداللہ بن الحسین ابوالحسن کرخی م ۳۴۰ھ، محمد بن احمد بن ابی سہل ابوبکر شمس الائمۃ سرخسی م ۴۹۰ھ، شمس الائمۃ عبدالعزیز بن احمد بن صالح حلوائی م ۴۴۹ھ، ان کے علاوہ امام بزدوی اور قاضیخان وغیرہ۔ چوتھا طبقہ ہے مقلدین میں سے اصحاب تخریج کا مثلاً ابو عبداللہ محمد بن یحیٰ بن مہدی جرجانی م ۳۹۸ھ پانچواں طبقہ ہے مقلدین میں سے اصحاب ترجیح کا مثلاً صاحبِ قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔ چھٹا طبقہ ہے مقلدین میں سے ان حضرات کا جو اقویٰ، قوی، ضعیف، ظاہر المذہب، ظاہر الروایۃ اور روایۃ النوادرہ میں تمیز کر سکتے ہوتے ہیں، صاحب کنز الدقائق، صاحبِ مختار، صاحبِ وقایہ اور صاحب مجمع کا شمار اسی طبقہ میں ہے۔ اور ساتواں طبقہ ہے ان مقلدین کا جو اس سے پہلے والے یعنی چھٹے طبقے کے فقہاء کی طرح تمیز نہیں کر سکتے ہوتے، بلکہ وہ تو دبلے اور موٹے، دائیں اور بائیں کے درمیان تمیز بھی نہیں کر سکتے ہوتے، نہ صرف یہ بلکہ وہ ہر طرح کی کچی پکی روایتیں جمع کر لیتے ہیں۔

اسی طرح فقہی مسائل کے بھی تین طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ ہے مسائل کا، انھیں ظاہر الروایہ کے مسائل بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ ہے مسائل غیر ظاہر الروایہ کا، یعنی امام محمد کی مشہور چھ کتب کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف میں بیان کردہ مسائل۔ واضح رہے کہ مؤطا امام محمد بن حسن کا شمار اسی دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے، نیز امام حسن بن زیاد کی کتب یا دیگر ائمہ مثلاً محمد بن سماعۃ بن عبد اللہ بن ہلال بن وکیع بن بشر تمیمی م ۲۳۳ھ، ہشام بن عبد اللہ رازی م ۲۲۱ھ اور ابراہیم بن رستم ابوبکر مروزی م ۲۱۱ھ کی روایات بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتی ہیں، انھیں "نوادر" بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرا طبقہ "واقعات" کہلاتا ہے، اس میں وہ مسائل ہوتے ہیں جنھیں متاخرین نے امام یا ان کے شاگردوں، یا ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی کتابوں سے استنباط کیا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مسائل پر مشتمل سب سے پہلی کتاب فقیہ ابواللیث سمرقندی نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم امام الہدیٰ ۳۹۳ھ کی "النوازل" ہے، جسمیں انھوں نے متاخرین مشائخ کے فتاوے جمع کیے ہیں، اس کے بعد دیگر فقہاء مثلاً احمد بن محمد بن عمر ابو العباس ناطفی م ۴۴۶ھ کی "مجموع النوازل" اور

"الواقعات" لکھی گئیں، یا صدر الشہید عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ ابو محمد حسام الدین م ۴۸۳ھ کی "فتاویٰ صغریٰ" اور "فتاویٰ کبریٰ" ہے، اس کے بعد متاخرین میں سے کچھ حضرات نے "ظاہر الروایۃ" اور "نوادر" کی روایات اور قوی وضعیف اور اقوی وغیرہ کے مختلط (خلط ملط) بغیر تمیز کے مسائل کے بیان پر مشتمل کتابیں لکھیں، جیسے فتاویٰ قاضیخان، اور بعض حضرات نے ان کے درمیان تمیز کرتے ہوئے سب سے پہلے مسائل اصول، (یعنی ظاہر الروایہ کے مسائل) اس کے بعد مسائل نوادر اور اس کے بعد فتاوے ذکر کیے ہیں، جیسے رضی الدین محمد بن محمد سرخسی م ۵۴۴ھ کی "محیط" ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوئی کہ جس طرح فقہاء کی ترتیبِ طبقات کی وجہ سے فقہاء مجتہدین فی المذہب کے مقابلے میں بعد والے فقہاء کا قول نامسموع وغیر معتبر ہے، یہی ترتیب بعد والے فقہاء کے درمیان بھی ہے، بالکل اسی طرح جب کتبِ فقہ کو دیکھا جائیگا تو ان میں بھی مقدم ظاہر الروایہ کتب ہی ہونگی، ان کے بعد غیر ظاہر الروایہ یعنی کتبِ نوادر کا مقام ہے، تیسرے درجے میں واقعات کے مسائل ہیں۔ یہاں صورت حال یہ ہے کہ فاضل مصنف نے جن فقہاء کی کتابوں سے اشارۂ سبابہ کو مکروہ یا حرام ثابت کیا ہے وہ تمام کے تمام فقہاء طبقۂ سادسہ اور سابعہ کے ہیں۔ اور اگر ان کی کتابوں کو دیکھا جائے تو وہ تیسرے طبقے کی کتب میں بھی شمار نہیں ہوتیں، جبکہ ان کے مقابلے پر، یعنی اشارۂ سبابہ کو جائز، مستحسن یا سنت قرار دینے والے مجتہدین فی المذہب ہیں اور اسکا ثبوت جن کتب سے مل رہا ہے وہ غیر ظاہر الروایہ کی کتابیں ہیں یا پھر واقعات کی کتابیں ہیں، بطور خاص امام محمد کی مؤطا شریف۔

آپ خود ہی غور فرمائیں کہ امام محمد، امام ابو یوسف اور ان کی کتابوں کے مقابلے میں فاضل مصنف کے شمار کردہ فقہاء یا ان کی کتابوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ امام محمد اور امام ابو یوسف کے مقابلے میں تو سرخسی، حلوائی، بزدوی اور قاضیخان کی بھی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ظہیریہ، عتابیہ، بزازیہ، تاتارخانیہ اور جامع المضمرات یا خلاصۃ الفتاویٰ کسی قطار وشمار میں ہوں۔ یہاں مجھے یہ بھی کہنے کی اجازت دیں کہ فاضل مصنف نے صرف کتابوں کے نام لکھنے پر ہی کفایت کی ہے، ان کی مکمل عبارات لکھتے تو معاملہ عام قاری کے سامنے واضح ہوجاتا، انھوں نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ عبارات کی موجودگی میں ان کی علمی دیانت سب پر آشکار ہوجاتی اور ان کے دیانتدارانہ و عالمانہ استدلال کا لگ پتہ جاتا۔

ذیل میں ہم فتاویٰ تاتارخانیہ اور جامع المضمرات کی عبارات پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ خود دیکھیں کہ انھوں نے کیا فرمایا ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ثم اذا اخذ فی التشهد وانتهی الیٰ قوله أشهد أن لا الٰه الا الله هل یشیر باصبعه السبابة من الید الیمنی؟ لم یذکر محمد رحمه الله هذه المسئلة فی الاصل . و قد اختلف المشایخ فیه . منهم من قال: لا یشیر و فی الکبری: و علیه الفتویٰ. ومنهم من قال : یشیر ، و ذکر محمد رحمه الله فی غیر روایة الاصول حدیثاً عن النبی علیه السلام انه کان یشیر . قال محمد رحمه الله: "یصنع بصنع النبی علیه السلام" ثم قال: و هذا قولی و قول ابی حنیفة . و فی الملتقط : "الاشارة عند قوله أشهد أن لا اله الّا الله حسن"۔

م ثم کیف یصنع عند الاشارة؟ حکی عن الشیخ الفقیه أبی جعفر رحمه الله انه قال: یعقد الخنصر والبنصر و یحلّق الوسطی مع الابهام و یشیر بالسبابة . و فی الحاوی: و قیل یشیر بثلاثة و خمسین۔ یعنی جب التحیات شروع کرے اور اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ پر پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے اسے ظاہر الروایہ میں ذکر نہیں کیا اور مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے، اور فتاویٰ کبریٰ میں ہے کہ اس (اشارہ نہ کرنے) پر فتویٰ ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اشارہ کرے، اور امام محمد رحمہ اللہ نے غیر ظاہر الروایہ میں نبی پاک ﷺ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آپ اشارہ کیا کرتے تھے، امام محمد فرماتے ہیں کہ "نبی پاک ﷺ کے عمل کی متابعت کرے"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "یہ میرا اور ابو حنیفہ کا بھی قول ہے"، اور ملتقط میں ہے کہ "اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ کہتے وقت اشارہ کرنا عمدہ عمل ہے"۔ پھر وہ اشارہ کس طرح کرے؟ شیخ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ چھوٹی اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور حاوی میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ ترپن کے عقد کے ساتھ اشارہ کرے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ جلد اول ص: ۵۵۱۔ ۵۵۲

تاتارخانیہ کی اس عبارت میں کہیں بھی اشارۂ سبابہ کو حرام کہنا تو ایک طرف کی بات

ہے، اسے مکروہ بھی نہیں کہا گیا، ہاں اتنا ضرور کہا ہے کہ اشارۂ سبابہ کے بارے میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے کہ فتویٰ اشارہ نہ کرنے کے قول پر ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ امام محمد نے غیر ظاہر الروایہ میں ایک حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ اشارۂ سبابہ فرمایا کرتے تھے، اور امام محمد نے ایسا کرنے کو اپنا اور امام ابوحنیفہ کا قول قرار دیا ہے، اسکے بعد ملتقط کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں اشارہ کرنے کو حسن (عمدہ) کہا گیا ہے، اور پھر ابو جعفر ہندوانی کا اس کی کیفیت کے بارے میں قول نقل کیا ہے، اور حاوی کا حوالہ دیا ہے کہ ترپّن کا عقد بنا کر اشارہ کرے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ فتاویٰ الکبریٰ کا شمار فقہی مسائل کی ترتیب کے اعتبار سے تیسرے طبقہ، یعنی واقعات میں ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنوی نے امام محمد رحمہ اللہ کی "الجامع الصغیر" کی شرح النافع الکبیر کے مقدمہ ص: ۱۸، ۱۹ پر صراحت کی ہے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ایک طرف حدیث کی رو سے اشارۂ سبابہ رسول اللہ ﷺ کا معمول ثابت ہو رہا ہے تو دوسری طرف اسکا ثبوت کتبِ غیر ظاہر الروایہ میں بھی ملتا ہے اور امام محمد اسے "ھذا قولی وقول ابی حنیفۃ" کہہ کر مذہب حنفی ہونا قرار دے رہے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں چھٹے اور ساتویں طبقہ کے فقہاء اس کے خلاف کو اگر مفتی بہ کہیں تو ان کے اس قول کی امام محمد، امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کے متفقہ مذہب یا قول کے سامنے کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

فاضل مصنف نے اشارہ سبابہ کو مکروہ یا حرام کہنے والوں میں جامع المضمرات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ کیا جامع المضمرات نے اشارہ سبابہ کو واقعی مکروہ یا حرام کہا ہے؟ جس طرح فاضل مصنف نے جامع المضمرات کا نام اشارۂ سبابہ کو مکروہ یا حرام کہنے والے فقہاء کی فہرست میں شامل کیا ہے، اسی طرح مختصر الوقایہ کے شارح علامہ ابو المکارم بن عبد اللہ بن محمد نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ انھوں نے جامع المضمرات کا حوالہ مجوزینِ اشارۂ سبابہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

اب ہم علامہ ابوالمکارم کی شرح مختصر الوقایہ سے اصل عبارت پیش کر رہے ہیں، علامہ ابوالمکارم لکھتے ہیں: فی المضمرات ذکر شیخ الاسلام ان السنۃ بقول ابی حنیفۃ و محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ان یشیر، و فی الکفایۃ: قال محمد: ان الاشارۃ قولی و قول ابی

الکوفیین والمدنیین و کثرت الاخبار والآثار فیھا و کان العمل بھا اولیٰ، و فی الخلاصۃ ان المختار انہ لا یشیر، و فی التجنیس: و علیہ الفتویٰ۔ دیکھیے ابوالمکارم شرح مختصر الوقایۃ ۱/۶۰ یعنی جامع المضمرات میں ہے کہ: شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق اشارہ کرنا سنت ہے، اور کفایہ میں ہے کہ امام محمد کا فرمان ہے کہ اشارہ کرنا میرا اور ابوحنیفہ کا قول ہے، اور زاہدی کا قول ہے کہ ہمارے تمام فقہاء احناف کی روایات اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے پر متفق ہیں اسی طرح اہلِ کوفہ ومدینہ کی روایت بھی، نیز اس کے متعلق بہت ساری احادیث اور آثار بھی ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

اب بھی اگر فاضل مصنف جامع المضمرات کو حرام کہنے والوں میں شامل فرماتے ہیں تو یہ ان کی دیانت داری کا مسئلہ ہے۔ یہاں فاضل مصنف فرما سکتے ہیں کہ ابوالمکارم نے اسی جامع المضمرات سے خلاصۃ الفتاویٰ اور تجنیس کے حوالے سے اشارہ نہ کرنے کو "مختار" اور "علیہ الفتویٰ" ذکر کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ الاسلام اور صاحب کفایہ اور زاہدی کے بقول اشارے کے سنت ہونے کا قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا ہے اور اس کے سنت ہونے پر اہلِ کوفہ ومدینہ کا اتفاق اور اس کے متعلق اخبار وآثار کا بکثرت ہونا بھی جامع المضمرات والے نے نقل کیا ہے، ثبوتِ اشارہ کی اس قدر وجوہات ترجیح ذکر کرنے کے بعد صاحبِ خلاصہ وتجنیس کا اشارہ نہ کرنے کو "مختار" اور "علیہ الفتویٰ" کہنے کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ انھوں نے اس کے عدم کو مختار اور علیہ الفتویٰ کہنے کی کوئی قابلِ قبول وجہ ترجیح بیان نہیں کی۔ فاضل مصنف کی طرف سے فتاویٰ عالمگیری کی پیش کردہ عبارت کا بھی ہمارا یہی جواب ہے۔

فرماتے ہیں: تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے اس لیے کہ صلوٰۃِ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ عام ہے اور حادثہ بھی عام ہے اور ہر صحابی کی روایت میں کیفیت کی خصوصیت نہیں ہے مگر یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

نیز مزید فرماتے ہیں:

فصول شاشی میں ہے ظاہر کی مخالفت کی شکل یہ ہے کہ جہاں عام بلویٰ ہو اور خبر کی شہرت نہ ہو پہلے اور دوسرے زمانوں میں اور جب سخت حاجت اور بلویٰ کے ساتھ بھی خبر کی شہرت نہ ہو تو یہ عدم صحت کی علامت ہے۔۔۔۔۔ اختلافِ صحابہ اشارہ کی کیفیت کے بارے میں ثبوت ہوا خبر واحد کے لیے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۳۔۱۴

عرض کرتا ہوں: سب سے پہلے ہم خبر واحد کے حوالے سے گفتگو کریں گے کہ وہ کیا شے ہے۔ درحقیقت کوئی بھی حدیث ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے دو قسم کی ہوتی ہے۔

اوّل: متواتر، کسی حدیث کے معین حصر کے بغیر کثیر طرق ہوں تو اسے متواتر حدیث کہتے ہیں۔

دوم: واحد، کسی حدیث کے معین حصر کے ساتھ طرق ہوں تو اسے خبر واحد کہتے ہیں۔ یعنی جس میں متواتر کی شرطیں نہ ہوں۔ پھر متواتر حدیث کے غیر معین طرق کے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس طرح کے طرق ہوں کہ اتنی کثیر اور اس طرح کے طرق کا جھوٹی بات پر جمع ہونا عقلاً محال ہو۔ اور اسکی درج ذیل شرائط ہیں:

ا۔ اسکو کثیر تعداد روایت کرے۔ سیوطی نے کثیر تعداد کی تعیین کے حوالے سے چھ مختلف اقوال نقل کیے ہیں، کہتے ہیں کہ قاضی باقلانی نے چار کی تعداد و نا کافی کہا ہے اور اس سے زیادہ کی تعداد کو اچھا کہا ہے، پانچ کے متعلق اس نے توقف اختیار کیا ہے، اور اصطخری نے کہا ہے کہ وہ کم از کم دس ہوں، اور یہ مختار عدد ہے کیونکہ دس جمع کثرت ہے، بعض نے چالیس اور بعض نے ستر اور بعض نے تین سو تیرہ کی تعداد کی بات کی ہے۔ تدریب الروای ۲ /۱۷۶۔۱۷۷

۲۔ یہ کثرت سند کے تمام طبقات میں موجود ہو۔

۳۔ وہ کثرت اس پایہ کی ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عقلا محال ہو۔

۴۔ خبر کی سند کی انتہا محسوس اور ملاحظہ کرنے پر ہو، جیسے یہ کہنا کہ ہم نے سنا، ہم نے دیکھا، میں نے کھایا، ہم نے ہاتھ لگا کر دیکھا وغیرہ، عقلی استناد نہ ہو۔ ایسی خبر کا حکم یہ ہے کہ وہ ضروری علم (بدیہی یعنی جس میں دلیل کی حاجت نہ ہو) کا فائدہ دیتی ہے، سامع اسکی غیر اختیاری طور پر تصدیق کرتا ہے، گویا خود اس نے اسکا مشاہدہ کرلیا ہے، اس لیے متواتر حدیث کے تمام افراد (اقسام) مقبول ہوتے ہیں، اس کے راویوں کے احوال سے بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آگے حدیث متواتر کی دو قسمیں ہوتی ہیں (الف) متواتر لفظی: وہ حدیث جس کے الفاظ اور معنی ومفہوم دونوں متواتر ہوں، جیسے "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار"۔ (ب) متواتر معنوی: وہ حدیث جس کے صرف معانی (یعنی اسکا مطلب اور مضمون کی مراد) متواتر ہوں، اس مطلب اور مضمون کی مراد والے الفاظ متواتر نہ ہوں، جیسے دورانِ دعا ہاتھ اٹھانے کے مضمون کی احادیث، اگرچہ ان تقریباً ایک سوا احادیث میں مختلف قضایا میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر ہے لیکن ان سب میں مشترک بات یہ ہے کہ آپ ﷺ دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس

قسم (معنوی متواتر) کی احادیث کثیر تعداد میں ہیں۔

خبر واحد تعدادِ طرق کے اعتبار سے تین قسموں پر منقسم ہے (الف) مشہور (ب) عزیز (ج) غریب۔ مشہور حدیث کو مستفیض بھی کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے مشہور اور مستفیض میں فرق کیا ہے، بہرحال مشہور حدیث وہ ہوتی ہے جسے ہر طبقہ میں دو سے زائد سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہو لیکن وہ تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو۔ پھر مشہور کی بھی کئی اقسام ہیں، مثلاً خاص طور پر علماء حدیث کے نزدیک مشہور حدیث یا خاص طور پر فقہاء کرام کے نزدیک مشہور حدیث، یا خاص طور پر اہلِ اصول کے نزدیک مشہور حدیث یا خاص طور پر نحویوں کے نزدیک مشہور حدیث، یا عوام الناس کے نزدیک مشہور حدیث۔ اور عزیز حدیث وہ ہوتی ہے جسکی سند کے کسی بھی طبقہ میں دو سے کم راوی نہ ہوں، مثلاً لا یؤمن احد کم حتیٰ أ کون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس سے روایت کیا ہے اور پھر اس کے بعد کے ہر طبقہ میں اسے دو دو راویوں نے روایت کیا ہے۔ اور غریب حدیث وہ ہوتی ہے جو ایک ہی راوی کی روایت سے متفرد ہو، آگے اس کی دو قسمیں ہیں، فرد مطلق اور فردِ نسبی، یا غریبِ مطلق اور غریبِ نسبی۔ غریب مطلق کی مثال انما الاعمال بالنیات والی حدیث ہے۔ ایک اور تقسیم کے تحت متن کے اعتبار سے اور سند کے اعتبار سے بھی اسی غریب حدیث ہی کی قسمیں ہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قوت اور ضعف کے اعتبار سے خبر واحد کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ مقبول اور مردود۔ مقبول خبر کا حکم ہے "وجوب الاحتجاج والعمل بہ" یعنی اس سے استدلال اور اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اس میں خبر کی سچائی راجح ہوتی ہے۔ مردود خبر میں خبر کی سچائی راجح نہیں ہوتی س لیے اس کا حکم ہے" انہ لا یحتج بہ ولا یجب العمل بہ" یعنی اس سے استدلال نہیں کیا جاتا اور اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا۔ پھر آگے مقبول حدیث کی چار قسمیں ہیں، صحیح لِذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لِذاتہ، حسن لِغیرہ۔ صحیح حدیث میں اتصالِ سند، راوی کی عدالت، راوی کے ضبط (صحیح یاداشت)، شاذ نہ ہونے اور کسی خفیہ قادحہ (پوشیدہ عیب والی) علت کے نہ ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ آگے صحیح حدیث کے سات مرتبے (درجے) ہیں۔ مردود خبر میں خبر کی سچائی راجح نہ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مقبول خبر کی ایک یا ایک سے زیادہ شرائط مفقود ہوتی ہیں۔ اس مردود خبر کی بھی متعدد اقسام ہیں جو کہ چالیس سے بھی زیادہ بیان

کی گئی ہیں۔ دیکھیے تیسیر مصطلح الحدیث ص:۱۸ تا ۶۱

اس وضاحت کے بعد ہم کہتے ہیں کہ شہادت کی انگلی سے اشارے پر اس قدر احادیث ہیں کہ علماء نے اسے متواتر کہا ہے۔ شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی اپنی شرح مسلم میں "رفع سبابہ میں مذاہب اربعہ" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں: "صحیح مسلم، جامع ترمذی اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ تشہد میں کلمۂ شہادت پڑھتے وقت مٹھی بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے، بلکہ اس موضوع پر اس قدر احادیث ہیں کہ بعض علماء نے کہا کہ تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا حدیث متواتر سے ثابت ہے، ائمہ اربعہ نے بھی اس کو مسنون قرار دیا ہے"۔ شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص:۱۶۶۔

میں یہ عرض کرتا ہوں کہ صحاح ستہ میں سے بخاری کے علاوہ باقی پانچوں کتب صحاح اور صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن سکن، موطا امام مالک، موطا امام محمد، المستدرک علی الصحیحین، مسند حمیدی، مسند امام احمد بن حنبل، مسندِ ابی یعلیٰ موصلی، مسند ابی عوانہ، مسند رویانی، مسند بزار، مسندِ امام شافعی، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن بیہقی، سنن دار قطنی، سنن سعید بن منصور، شرح السنۃ، شرح معانی الآثار، معرفۃ السنن والآثار، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند ابن ابی شیبہ، معجم اوسط، معجم کبیر، سنن دارمی، کتاب المنتقیٰ، جامع الصغیر، جامع الکبیر، طبرانی کی کتاب الدعاء، اور سفیان بن عیینہ کی کتاب الصلوۃ میں اشارہ سبابہ کی حدیث موجود ہے اس کے علاوہ ابوالسعادات ابن اثیر جزری نے النہایہ فی غریب الحدیث والاثر میں اور ابوالحسن عزالدین ابن اثیر جزری نے اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ میں اشارے کی حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اشارے کی احادیث کی تعداد ستائیس ہے جن میں سے چوبیس متصل اور تین مرسل احادیث ہیں، احادیث اشارہ کو سولہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے اور اگر حضرت وائل بن حجر کی محفل میں سنائی گئی حدیث کے دس (۱۰) صحابہ ان میں شامل کیے جائیں تو حدیث اشارہ کو روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد چھبیس بن جاتی ہے اور اگر ان میں حضرت عائشہ صدیقہ کا ایک اثر بھی شامل کیا جائے تو راویانِ اشارۂ سبابہ صحابہ کرام کی تعداد ستائیس بن جاتی ہے۔ ان تمام احادیث کی کل اسانید کی تفصیل مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کے رسالہ نور العین فی اثباتِ الاشارۃ فی التشہد ین کی تحقیق اور تخریج میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اشارۂ سبابہ کی حدیث معنوی طور پر تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، جیسا کہ ملا علی قاری حنفی مکی نے بھی لکھا ہے: فهو مذكور في الصحاح الستة وغيرها مما كادان

يصير متواترا بل يصح ان يقال انه تواتر معنى ، یعنی اشارۂ انگشتِ شہادت صحاح ستہ وغیرہ میں حدِ تواتر کے قریب مذکور ہے بلکہ اسے معنوی طور پر متواتر کہنا صحیح ہے۔ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص: ۵۶۔۵۷۔

اس کے باوجود بھی فاضل مصنف کا اسے خبر واحد کہہ کر رد کرنا حقیقت سے آنکھیں چرانے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کردوں کہ ان کا یہ فرمان کہ: "خبر واحد حادثۂ عامہ میں غیر مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا حرام ہے"۔ یہ بھی فاضل مصنف کا ایسا ارشاد ہے جسکی زد میں نہ جانے کتنی مقدس ہستیاں آجاتی ہیں۔ خبر واحد سے نسخ کا ناجائز ہونا رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے بعد ہے لیکن اگر آپ کی حیات طیبہ میں خبر واحد سے سابق حکم کی مخالفت ثابت ہو تو اس خبر واحد سے وہ سابق عمل منسوخ ہونا جائز ہے بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں خبر واحد کے ذریعے قرآن کا نسخ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ اہل قباء دورانِ نماز ہی حضرت عباد بن بشر کے بتانے پر عصر کی نماز میں بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف مڑ گئے تھے، اسی طرح بنو اشہل محلہ میں صحابہ کرام نے نماز کے دوران ہی ایک باہر سے آنے والے صحابی کے بتانے پر بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ پھیر لیا تھا جو کہ بخاری شریف ۱/ ۵۷ پر حضرت براء بن عازب کی روایت میں اور اسی بخاری شریف ۱/ ۵۸ پر حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں مذکور ہے، حضرت براء کی حدیث نسائی شریف ۱/ ۸۵ اور سنن ابن ماجہ ص: ۷۲ پر اور حضرت ابن عمر کی حدیث نسائی شریف ۱/ ۸۵ پر بھی ہے، نیز مسلم شریف ۱/ ۲۰۰ پر حضرت براء، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کی حدیث موجود ہے، اسکے علاوہ حضرت رافع بن خدیج کی روایت میں ہے: فاتانا آت ونحن نصلی فی بنی عبد الاشهل فقال: ان رسول الله ﷺ قد أُمِرَ ان يوجه الى الكعبة. قال: فأدارنا امامُنا الى الكعبة ودُرْنا معه۔

دیکھئے وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ جلد اول جزء اول ص: ۳۶۰

فرماتے ہیں: مجدد الف ثانی سرہندی نے مکتوبات حصہ اول میں لکھا ہے، بحث الاشارۃ فعلى المنكرين ان يطالعها، اشارہ سبابہ انگلی سے مذہب حنفی میں حرام ہے۔

دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۴

عرض کرتا ہوں: حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی فارسی مکتوبات کا شیخ محمد مراد منزلوی مکی نے عربی میں ترجمہ اور اس پر حواشی لکھے ہیں جو کہ مطبع میریہ سے ۱۳۱۶ھ میں طبع ہوا

ہے، شیخ محمد مراد نے امام ربانی کی فارسی عبارت کا عربی میں یوں ترجمہ کیا ہے: وقد قیل انه سنة وقیل مستحب. ثم قال فیها: هذا ما ذکروا والصحیح ان الاشارة حرام. وفی السراجیة: ویکره ان یشیر بالسبابة فی الصلاة عند قوله اشهد ان لا اله الا الله. هو المختار۔ یعنی ایک قول ہے کہ اشارۂ انگشتِ شہادت سنت ہے، اور دوسرا قول ہے کہ مستحب ہے، پھر فتاویٰ غرائب والے نے کہا کہ یہ (اشارہ کا سنت و مستحب ہونا) وہ ہے جسے علماء نے ذکر کیا ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے، اور فتاوی سراجیہ میں ہے کہ نماز میں اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مکروہ ہے اور یہی مختار مذہب ہے۔ دیکھیے الدرر المکنونات النفیسة ص:۳۷۶

اب غور کا مقام یہ ہے کہ جو عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور اس کے وجود پر کم از کم سترہ صحابہ کرام اور چھ تابعین و تبع تابعین گواہی دے رہے ہیں، جس کے بارے میں مروی احادیث و آثار کی اسانید کی تعداد دو سو چار ہے، اس عمل کو فتاویٰ غرائب والے حرام اور فتاویٰ سراجیہ والے مکروہ کہہ رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خود فتاویٰ غرائب والا اعتراف بھی کر رہا ہے کہ: "علماء کہتے ہیں کہ اشارہ سنت ہے"۔ غور فرمائیں کہ اسے سنت کہنے والے کونسے علماء ہیں؟ یہ علماء ہیں ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، نیز امام ابو یوسف، امام محمد، ابوجعفر ہندوانی، شمس الائمۃ حلوائی، علامہ کاسانی، شیخ الاسلام الجد، کمال الدین ابن الہمام، ابن امیر الحاج حلبی، ابوالقاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی صاحب الملتقط وغیرہ۔

کیا آپ مان سکتے ہیں کہ ان ہستیوں کے مقابلے اور مخالفت میں غرائب اور سراجیہ والے کا قول صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر صحیح ہو سکتا ہے تو پھر اسکا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ ائمہ فقہاء اور اعاظم علماء نے ایک حرام کام کا نہ صرف خود ارتکاب کیا بلکہ اپنی کتابوں میں اسے سنت لکھ کر نعوذ باللہ من ذالک اپنے ایمان کو بھی خطرے میں ڈال دیا، اور عامۃ الناس کو حرام کام کی ترغیب دیکر گناہ کبیرہ کمایا۔

حضرت امام ربانی کی عبارت: "وفی الغیاثیة ولا یشیر بالسبابة عند التشهد هو المختار اه وحیث ذکرت حرمة الاشارة فی الروایات المعتبرة وافتوا بکراهتها ونهوا عنها" یعنی: "غیاثیہ میں ہے کہ تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ نہ کرے یہی مختار ہے، انتھی، جبکہ معتبر روایات میں اشارہ کی حرمت ذکر کی گئی ہے اور علماء نے اس کے مکروہ ہونے کا

فتویٰ دیا ہے اور اس سے منع کیا ہے۔" کے الفاظ پر حاشیہ میں محمد مراد منزلوی مکی نے لکھا ہے: "لا یخفی ان ھذہ الروایات لیست بمعتبرۃ بل ھی لیست بروایات عن المشائخ کما مر، بل ھی اقوال ھؤلاءِ المشائخ وھم لیسوا من ارباب الترجیح والفتاویٰ عندنا کما لایخفی علی من لہ ممارسۃ بقواعدنا الحنیفۃ"، یعنی مخفی نہ رہے کہ یہ (اشارہ کی مخالفت والی) روایات معتبر نہیں ہیں بلکہ وہ تو مشائخ کی روایات ہی نہیں ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے، یہ ان مشائخ کے اقوال ہیں جو (ہمارے احناف کے نزدیک) اصحابِ فتاویٰ اور ارباب ترجیح میں سے بھی نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے احناف کے قواعد میں مشق وتجربہ رکھنے والوں (ماہرین) پر مخفی نہیں۔ الدرر المکنونات النفیسہ ص: ۶۷۳ حاشیہ ۲، مولانا نور احمد نقشبندی مجددی نے بھی امام ربانی علیہ الرحمہ کی مکتوبات پر اپنے حواشی میں شیخ محمد مراد مکی سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

مکتوباتِ امام ربانی مع حواشی وشرح دفتر اول حصہ پنجم ص: ۱۶۳

اس مقام پر ہم یہ بھی عرض کیے دیتے ہیں کہ حضرت امام ربانی نے اشارۂ سبابہ کی مخالفت محض اس وجہ سے کی کہ آپ نے مخالفینِ اشارۂ سبابہ علماء کی عبارات واقوال کو ترجیح دی، حالانکہ آپ کو اشارۂ سبابہ کے متعلق احادیث اور علماء حنفیہ کی عبارات کا اعتراف بھی تھا لیکن ان کے نزدیک مخالفینِ اشارہ فقہاء کی عبارات زیادہ لائق احتیاط تھیں اور امام ربانی کا اس طرح کے مواقع پر یہی دستور ہوتا تھا کہ آپ مختلف فیہ امر میں جواز کی بجائے کراہت کے قول پر عمل کرتے تھے اور حلت وحرمت کے درمیان متعارض عبارات ہونے کی صورت میں عدمِ جواز اور حرمت کی جانب کو ترجیح دیتے تھے۔ جیسا کہ صاحب زبدۃ المقامات شیخ محمد ہاشم کشمی نے نقل کیا ہے: ودر عملی کہ بعضے از فقہاء بر جواز آں رفتہ بودہ اند وبعضے بر کراہت، آں ایشاں ترجیح جانب کراہت دادہ براں عمل نمی کردند ومی فرمودند اگر تعارض در جواز وعدم وحل وحرمت واقع شود ترجیح جانبِ عدمِ جواز ست وجانب حرمۃ را۔ یعنی جس بھی عمل کے بارے میں بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل اور بعض فقہاء اس کی کراہت کے قائل ہوتے ہیں تو امام ربانی کراہت کی جانب کو ترجیح دے کر جواز پر عمل نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر جواز اور عدمِ جواز، حلت اور حرمت کے درمیان تعارض واقع ہو تو ترجیح عدمِ جواز کی جانب کو حاصل ہوگی۔ دیکھیے زبدۃ المقامات ص: ۱۹۷

صاحبِ زبدۃ المقامات مزید لکھتے ہیں کہ: ودر تشہد اشارہ بسبابہ نمی کردند ومی

فرمودند اگرچہ ظاہر بعضے احادیث بر فعل آں دلالت می نماید ونیز بعضے روایاتِ حنفیہ ہم برجواز آں آمدہ است امّا چوں نیک تتبع نمودہ آمد احوط و مفتی بہ ترک آں معلوم شد کہ بسیارے از علماء حرام ومکروہ کردہ ہم گفتہ اند چوں امرے میان حل وحرمت دائر شود ترک اولی ست، ونیز عمل حنفیہ بروایاتِ اصل وظاہر الروایۃ است وامام محمد اتیان آنرا در اصل ذکر نہ کردہ بل در نوادر آوردہ ودر آخر جلد اول مکتوب نیز دریں باب نگارش نمودہ اند۔ یعنی تشہد میں سبابہ سے اشارہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگرچہ بعض احادیث بظاہر اشارۂ سبابہ پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایاتِ حنفیہ بھی اس کے جواز کے متعلق موجود ہیں لیکن اچھی طرح تلاش ومطالعہ سے اشارۂ سبابہ کا ترک ہی زیادہ لائقِ احتیاط اور مفتیٰ بہ، معلوم ہوتا ہے کیونکہ بہت سارے علماء نے اسے حرام اور مکروہ بھی کہا ہے، جب معاملہ حلت وحرمت کے درمیان ہوتو اسے ترک کرنا اولیٰ ہے، نیز احناف کا عمل ظاہر الروایہ اور اصل کی روایات پر ہے جبکہ امام محمد نے اسے اصل میں ذکر نہیں کیا بلکہ اسے نوادر میں لائے ہیں، اور مکتوبات جلد اول کی آخر میں اس بارے میں امامِ ربانی نے ایک خط بھی لکھا ہے۔ مولانا محمد ہاشم کشمی نے اس کے بعد متصلاً یہ بھی لکھا ہے کہ: وگاہے در بعضے نوافل احتیاطاً واحتمال سنت ادا فرمودہ اند۔ یعنی کبھی کبھار آپ بعض نوافل میں احتیاط کے طور پر اور اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے کے احتمال کی وجہ سے اسے کرلیا کرتے تھے۔ دیکھیے زبدۃ المقامات فصل ششم در بیان عبادات وعادات یومیہ ولیلیہ ص:۲۰۹

معاصر مصنف جناب اقبال احمد مجددی صاحب نے مقاماتِ مظہری کی اٹھارہویں فصل میں حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں علیہ الرحمہ کے مکتوب ۱۵ کے حاشیہ میں حضرت امام ربانی کے نوافل میں احتیاطاً اشارۂ سبابہ کرنے کو زبدۃ المقامات ہی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "چونکہ حضرت مجدد غایت تابع سنت بزرگ تھے، چونکہ اس وقت آپ کو اثباتِ رفعِ سبابہ میں واضح دلائل نہیں مل سکے اس لیے آپ کمال احتیاط کے طور پر بعض اوقات رفعِ سبابہ فرمایا کرتے تھے۔" جناب مجددی صاحب نے اس کے بعد زبدۃ المقامات کی متذکرہ بالا عبارت پیش کی ہے۔ دیکھیے مقاماتِ مظہری ص: ۵۴۷ حاشیہ ۱۴۷

یہاں ہمیں اقبال احمد مجددی صاحب کے اس ارشاد کہ: "حضرت امام ربانی کو اثباتِ

رفعِ سبابہ میں واضح دلائل نہیں مل سکے" سے اختلاف ہے کیونکہ زبدۃ المقامات میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ: "آپ فرماتے تھے کہ بعض احادیث اشارۂ سبابہ پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایاتِ حنفیہ بھی اس کے جواز کے متعلق موجود ہیں" جیسا کہ حضرت امام ربانی خود فرماتے ہیں: مخدوما! احادیث نبوی در باب جواز اشارت سبابہ بسیار وارد شدہ اند، وبعضے از روایات فقہیہ نیز دریں باب آمدہ چناچہ مولانا علم اللہ ہم آنرا در رسالہ ایراد نمودہ است، وچوں در فقہ حنفی نیک ملاحظہ نمودہ می آید معلوم میشود کہ روایات جواز اشارت غیر روایاتِ اصول است وغیر ظاہر مذہب است، وآنچہ امام محمد شیبانی گفتہ کان رسول اللہ ﷺ یشیر، ونصنع کما یصنع النبی ﷺ، ثم قال ھذا قولی وقول ابی حنیفہ از روایات نوادر است نہ روایاتِ اصول کما فی الفتاویٰ الغرائب. وفی المحیط ھل یشیر باصبعہ السبابۃ من یدہ الیمنیٰ لم یذ کر محمد ھذہ المسئلۃ فی الاصل. وقد اختلف المشائخ فیہ. منھم من قال: لا یشیر ومنھم من قال: یشیر. وذکر محمد فی غیر روایۃ الاصل حدیثاً عن النبی ﷺ انہ کان یشیر. ثم قال ھذا قولی وقول ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ. وقد قیل: انہ سنۃ. وقیل: مستحب. ثم قال: ھذا ما ذکروا. والصحیح ان الاشارۃ حرام-

دیکھیے مکتوبات امام ربانی دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب نمبر ۳۱۲

چونکہ امام محمد نے اشارۂ سبابہ کو کتب ظاہر الروایہ کی بجائے غیر ظاہر الراویہ میں ذکر کیا ہے اس لیے فتاویٰ غرائب والے کو اس بارے میں تردد لاحق ہوا، اور امام ربانی علیہ الرحمہ نے اس طرح کے متردد فقہاء کی عبارات دیکھ کر اپنے اصول اور طریقہ کے مطابق انہی کے قول کو ترجیح دی، آپ کا اصول اور طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ مختلف فیہ امر میں آپ جواز کی بجائے کراہت کے قول پر عمل کرتے تھے اور حلت اور حرمت کے درمیان تعارض واقع ہونے کی صورت میں عدمِ جواز اور حرمت کی جانب کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت امام ربانی کا بیان کردہ یہ اصول اس صورت میں درست ہے جب کسی امر کی حلت وحرمت کے درمیان تعارض واقع ہو اور حلت وحرمت کے اقوال مساوی قوت کے ہوں تو واقعی حرمت والے قول کو ہی ترجیح دی جائے گی، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ اشارے کی حلت کے اقوال ائمۂ مجتہدین فی المذہب ائمۂ اربعہ، نیز امام ابو یوسف اور امام محمد کے ہیں، اسی

طرح ان کے بعد والے تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے طبقہ کے فقہاء کے ہیں جبکہ اس کی حرمت کے اقوال ساتویں طبقہ کے محض مقلد فقہاء کے ہیں، ظاہر ہے کہ دونوں قول مساوی قوت کے نہیں ہیں۔

حضرت امام ربانی نے حرمت وکراہت کے محض احتمال کو ترجیح دیتے ہوئے اشارۂ سبابہ کو ترک کیا، لیکن چونکہ وہ صرف احتمال ہی تھا کوئی یقینی دلیل نہیں تھی اس لیے آپ سنت کے احتمال کی وجہ سے اشارہ سبابہ کر بھی لیا کرتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ آپ اس باب میں مضطرب تھے، حرمت وکراہت کی طرف سے آپ کو انشراح صدر نہیں تھا۔ اس لیے آپ نے ایک طرح سے اسے سنت سمجھ کر ہی کیا، اگر آپ کو متاخرین فقہاء کی عبارات پر کامل یقین ہوتا اور ان کے اقوال کی وجہ سے واقعی اسے قطعی مکروہ یا حرام جانتے اور مانتے تو آپ کبھی بھی اشارۂ سبابہ نہ کرتے، چاہے وہ نفل نماز ہی میں کیوں نہ ہو۔

امام ربانی علیہ الرحمہ کا یہ فرمانا کہ: "احناف کا عمل ظاہر الروایہ اور اصل کی روایات پر ہے جبکہ امام محمد نے اسے اصل میں ذکر نہیں کیا بلکہ اسے نوادر میں لائے ہیں" آپ کے اس ارشاد سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اشارۂ سبابہ کی مخالفت اور اس سے ممانعت ظاہر الروایہ یعنی اصل کی روایات میں موجود ہے، اس کے مقابلے میں امام محمد کا اسے نوادر میں ذکر کرنا غیر مسموع اور ناقابلِ عمل ہے۔ حالانکہ یہ سب اہل علم جانتے اور مانتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ کا ذکر ظاہر الروایہ یعنی اصل کی روایات میں کسی بھی طرح سے اثباتاً خواہ نفیاً موجود ہی نہیں، تو پھر نوادر کی روایت پر عمل کرنا احناف کے عمل کے خلاف کیسے ہوا؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ احناف صرف ظاہر الرویہ یعنی اصل کی روایات کو مانتے ہیں، نوادر کی روایت ان کے نزدیک ہر حال میں ناقابلِ عمل ہے، حالانکہ ایسا کہنا بداہتاً باطل ہے، جس معاملے میں ظاہر الروایہ یعنی اصل کی روایت موجود نہیں ہوگی اس معاملے میں نوادر کی روایت ہی اصل اور احناف کے نزدیک معمول علیہ اور مفتیٰ بہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے فرزند اصغر حضرت خواجہ محمد یحیٰ علیہ الرحمہ اور آپ کے خلیفہ شہیر حضرت شیخ آدم بنوری متوفی ۱۰۵۳ھ نے اس مسئلہ میں آپ کی رائے سے اختلاف کیا، حضرت خواجہ محمد یحیٰ ۱۰۲۷ھ۔۱۰۹۸ھ نے تو اثباتِ رفع سبابہ میں ایک عدد رسالہ بھی لکھا، جس میں انھوں نے اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق اور خواجہ محمد سعید نیز اپنے والدِ گرامی سے اختلاف کیا ہے۔ شیخ محمد مراد منزلوی مکی لکھتے ہیں: "انه صنف تلك الرسالة وصنف اخوه الاصغر

مولانا الشیخ محمد یحیٰ رسالة ردها علی ما ذکرہ مشائخنا قدس اللہ أسرارھم ولم أرھما وقد علمت ان الراجح ھو سنیة الاشارة منه "یعنی خواجہ محمد سعید نے وہ رسالہ لکھا تھا، ان کے چھوٹے بھائی مولانا شیخ محمد یحیٰ نے اسکی تردید میں ایک رسالہ لکھا، ہمارے مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے ان رسالوں کا ذکر کیا ہے لیکن وہ رسالے ہماری نظر سے نہیں گزرے البتہ مجھے اتنا علم ہے کہ شاہ محمد یحیٰ کی جانب سے اشارۂ سبابہ کا مسنون ہونا راجح ہے۔ دیکھئے الدرر المکنونات النفیسة ۱/۷۷۳ حاشیہ ۱۲

علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد رشید شیخ محسن بن یحی ترہٹی م ۱۲۸۰ھ نے اپنی کتاب "الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی" کے ص: ۶۷ پر بھی ایسا ہی لکھا ہے اور حضرت شاہ سراج احمد مجددی رامپوری م ۱۲۳۰ھ نے اپنی شرح ترمذی میں خواجہ محمد یحیٰ کے اس رسالے سے استفادہ بھی کیا ہے، جیسا کہ خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے اشارۂ سبابہ کے بارے میں اپنے رسالہ "البشارة لاھل الاشارة" میں ذکر کیا ہے، یہ بات ان کے فرزند شاہ آغا جان سرہندی نے "مونس المخلصین" میں لکھی ہے اور اس سے جناب اقبال احمد مجددی نے مقامات مظہری ص؛ ۵۴۵ حاشیہ نمبر ۱۲۲ میں نقل کی ہے۔

حضرت امام ربانی کے خلیفہ شیخ آدم بنوری کے متعلق "معارف السنن" کے مصنف نے خواجہ محمد امین بدخشی کی شیخ آدم بنوری کے احوال وافکار، مناقب وغیرہ پر لکھی گئی "نتائج الحرمین" کے حوالے سے لکھا ہے: "لما سئل عنھا - ولم یکن عالما رسمیا بل کانت علومه و معارفه مواھب الھیة لُدنّیة - فتَوَجَّهَ الی روح سَیّدنا صفوة البریَّةِ محمد ﷺ فألھم علمھا وقال: سنة مطلوبة تجلب الحضور الی القلب "۔ یعنی جب ان سے اشارۂ سبابہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ حالانکہ وہ رسمی عالم نہیں تھے بلکہ ان کے علوم ومعارف عطیۂ الٰہی لدنیہ تھے۔ انھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی روح پر فتوح کی طرف توجہ کی انھیں اس کے متعلق علم الہام کیا گیا اور فرمایا کہ اشارہ کرنا محبوب سنت ہے اس سے دل کا حضور حاصل ہوتا ہے۔ معارف السنن ۳/۱۰۲۔۱۰۳

حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے اپنے پیرومرشد خواجہ مظہر جان جاناں کے حالات ومقامات کے بیان میں اٹھارہ فصلوں پر مشتمل ۱۲۱۱ھ میں فارسی زبان میں "مقامات مظہری" لکھی، اسکی اٹھارہویں فصل میں مرزا جانِ جاناں کے منتخب چوبیس مکتوب بھی درج ہیں، جن مین

سے پندرھواں مکتوب اشارۂ سبابہ کے موضوع پر ہے۔ ہم ذیل میں اس مکتوب کے آخری حصے کو جناب محمد اقبال مجددی کے ترجمہ سے نقل کر رہے ہیں، جس کو پڑھنے سے تمام شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے، لکھتے ہیں: "حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جو آنحضرت ﷺ کے نائب کامل ہیں، اپنے طریقہ کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی ہے۔ اور علماء نے رفع سبابہ کے حق میں صحیح احادیث وفقہ حنفیہ کی روایات پر مشتمل رسائل تصنیف کیے ہیں یہاں تک کہ حضرت شاہ یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور انھیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے رفع سبابہ کی نفی ہوتی ہو۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا رفع سبابہ ترک کرنا اجتہاد کی بنا پر ہے، اور وہ سنت جو نسخ نہ ہوئی ہو مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے۔ سنت سے انگلی اٹھائے جانے کا ثبوت مل جانے کے بعد بھی اس وجہ سے ترک کرنا کہ حضرت مجدد نے ترک کیا تھا، معقول بات نہیں ہے۔ خود حضرت مجدد ترکِ سنت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور حضرت مجدد حنفی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: **اذا ثبت الحدیث فھو مذھبی و اترکوا قولی بقول رسول اللہ ﷺ** (جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے، رسول اللہ ﷺ کے قول کی موجودگی میں میرا قول چھوڑ دو) اس لیے امید ہے کہ حضرت مجدد اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح احادیث سے اخذ کرنے پر ناراض نہیں ہوں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد کو اپنے وسیع علم کے باوجود یہ معلوم نہیں تھا کہ رفع سبابہ کا ثبوت ملتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے زمانہ مبارک تک ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل مشہور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ کی نظر مبارک سے نہیں گزرے، آپ نے ترک کر دیا ورنہ آپ رفع سبابہ ہرگز ترک نہ کرتے، کیونکہ آپ اس امت کے اکابر میں سے سب سے زیادہ متبع سنت تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کشف کے ذریعے آنحضرت علیہ التحیۃ کی رضامندی نہ پا کر آپ نے اسے ترک کر دیا؟ تو ہم کہتے ہیں کہ کشف طریقت کے معاملات میں تو معتبر ہو سکتا ہے لیکن احکامِ شریعت کے لیے حجت نہیں ہے، نیز اس خط میں آپ نے کشف کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ یہ جزوی مخالفت حضرت مجدد کے قاعدۂ کلی یعنی اتباع سنت کی ترغیب میں ہے اور عمدہ نتائج کی حامل ہو گی۔ والسلام۔ دیکھیے مقاماتِ مظہری ص: ۵۰۱۔ ۵۰۲، مذکورہ بالا خط پڑھنے سے کئی شبہات زائل اور سوالات حل ہو جاتے ہیں اور حضرت امام ربانی کی اپنی مکتوبات میں اشارۂ سبابہ کی مخالفت کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہم اس مسئلہ میں امام ربانی کی پیروی کیوں نہیں کر سکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اشارہ سبابہ کا کرنا، اسے مستحب یا سنت کہنا یا پھر اسے نہ کرنا، اسے مکروہ کہنا یا اس پر حرام کا حکم لگانا ایک شرعی اور فقہی مسئلہ ہے اور ہم شرعی مسائل میں اپنے اُصول کے مطابق اوّلاً قرآن شریف، ثانیاً حدیث شریف اور ثالثاً اجماع پر عمل کرنے کے پابند ہیں، جب ان تینوں قسم کے دلائل میں سے کسی ایک قسم کی دلیل موجود ہوگی تو اس سے کم درجہ والی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہوگی اور اگر ان تینوں قسم کی دلیلوں میں سے کوئی بھی دلیل نہیں ہوگی تو پھر مجتہد مقلد کی تقلید کی باری آئیگی اور اس قسم کی صورت حال میں ہم حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں کسی اور کے نہیں۔ یہاں صورتحال یہ ہے کہ تینوں قسم کے دلائل (۱) اشارہٗ سبابہ کے حق میں ہیں اور انہی کے مطابق ائمہ اربعہ کا عمل بالخصوص ہمارے تینوں ائمہ کا قول بھی موجود ہے حالانکہ اشارہٗ سبابہ کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال کا محتاج نہیں ہے۔ ان کے اقوال تو صرف حدیثی دلیل کو تسلیم کرنے کی تائید ہیں جو کہ ہم مقلدین کے لیے ایک اضافی امر ہے۔ ہاں ان کے اقوال اور اجتہاد اشارے کی کیفیت میں وارد چار مختلف حدیثوں کی رو سے دو کیفیات میں سے کسی ایک کیفیت کو اختیار کرنے کی حد تک ہیں نہ کہ نفسِ اشارہ میں، اور ہر امام نے کسی ایک حدیث والی کیفیت کو اختیار کرنے کا قول اپنے اصولوں کے مطابق کیا ہے۔ ہم حنفی بھی اپنے امام کی ترجیح کے مطابق کیفیت کے بارے میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث کو اختیار کرتے ہیں، چونکہ ہم فقہی اور اجتہادی مسائل میں امام ربانی کے مقلد نہیں اس لیے اشارہٗ سبابہ میں بھی ان کے مقلد نہیں، اس کے کرنے یا نہ کرنے کے

(۱) بظاہر قرآن کریم کی کوئی آیت اشارہ سبابہ کے ثبوت میں موجود نہیں ہے، تاہم قرآنی احکام کے عموم سے اس بارے میں استدلال کیا جا سکتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود نے ام یعقوب نامی عورت کے سامنے گودنے اور گدوانے والی، بھویں باریک کروانے والی اور خوبصورتی کے لیے دانت باریک کروانے والی عورتوں پر لعنت کا استدلال سورہٗ حشر کی آیت نمبر ۷ پڑھکر کیا تھا۔ اُمّ یعقوب نے کہا تھا کہ اس طرح کے کام کرنے والی عورتوں پر لعنت کا بیان میں نے تو قرآن میں نہیں دیکھا، اس کے الفاظ حدیث میں یوں ہیں: لقد قرأتُ ما بین لوحی المصحف فما وجدتُہٗ۔ جس پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا تھا: واللہِ لئن قرأتیہ لقد وجدتیہ یعنی خدا کی قسم اگر تم نے قرآن کو (بنظر غائر) پڑھا ہوتا تو تم اسے ضرور اس میں موجود پاتیں۔ پھر آپ نے سورہٗ حشر کی آیت تلاوت فرمائی۔ دیکھیے سنن ابی داود ۲ / ۲۱۸ "باب فی صلۃ الشعر" اور "سنن نسائی" ۲ / ۲۹۲ "لَعْنُ المتنمّصات والمُتَفَلِّجَاتِ" "سنن ابن ماجہ ص: ۱۴۴" "باب الواصِلۃ والواشمۃ" "معجم الاوسط ۱ / ۵۶۰ حدیث نمبر ۲۰۶۳، نیز مسند حمیدی ص: ۳۲ حدیث نمبر ۹۷ نیز فتح الباری ۸ / ۶۳۰ اور جامع بیان العلم وفضلہ ص: ۴۸۲، باب موضع السنۃ من الکتاب وبیانہا لہ۔

بارے میں تو ان کی تقلید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔قرآن کریم کے عمومی حکم وما اٰتا کم الرسولُ فخذوہ کے بعد احادیث مبارکہ اور کثیر تعداد میں صحابہ وتابعین کے تعامل اور ائمہ اربعہ کے ارشادات کی موجودگی میں اشارۂ سبابہ کرنے کا مسئلہ اس قدر بیّن اور مضبوط دلائل سے مؤیّد ہے کہ اس کی مخالفت کرنے سے ہر مسلمان کو سخت پرہیز کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ اسے مکروہ یا حرام کہہ کر اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالا جائے۔جس جگہ پر صحابہ کرام کے بیان یا عمل کے طریقے اور وقت میں اختلاف ہوگا اس جگہ ہم اپنے امام کے اختیار کردہ طریقہ عمل اور وقت کو اپنا ئیں گے، کسی اور کے قول کو نہیں، ایسے شرعی اور فقہی مسائل میں امام ربانی بھی حضرت امام ابوحنیفہ ہی کے مقلد ہیں تو پھر مقلد کی تقلید کا کیا جواز بنتا ہے۔

فرماتے ہیں: اشارہ کی علت ابتداء اسلام میں یہ تھی کہ اعتقاد کے ساتھ اور زبان سے اور اعضاء سے توحید کی طرف اشارہ کیا جائے، اب اسلام مضبوط ہے تو اس کی حاجت نہیں۔ دیکھیے ان کا رسالہ، ص: ۱۵

عرض کرتا ہوں: ماشاء اللہ کیا خوب توجیہ ہے! گویا جس طرح اسلام کے استحکام اور عروج کے بعد "مؤلفة القلوب" کا حصہ ساقط ہوگیا، جیسا کہ امام مالک کا مشہور مذہب اور احناف کا بھی قول ہے کہ: وقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لان الله تعالىٰ اعزّ الاسلام واغنى عنهم وعلى ذالك انعقد الاجماع - ہدایہ اولین ص: ۲۰۴

فاضل مصنف نے اسلام کے اعزاز واستحکام کو دیکھتے ہوئے اشارۂ سبابہ کے معاملے کو "مؤلفة القلوب" پر قیاس کرتے ہوئے اسے غیر ضروری تصور کیا اور اسے اس طرح معطل کر دیا جس طرح دور صدیق اکبر میں ان کا حصہ معطل کر دیا گیا تھا۔اسے معطل کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے جیسا کہ ہدایہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔صاحبِ تفسیرِ قرطبی اور صاحبِ تفسیرات احمدیہ نے بھی یوں ہی لکھا ہے۔ دیکھیے تفسیرِ قرطبی ۸ /۱۸۱ نیز تفسیرات احمدیہ ص: ۴۶۶، لیکن اشارۂ سبابہ کی "حاجت نہ ہونے" پر کونسا صحابہ کا یا ان کے بعد والوں کا اجماع منعقد ہوا ہے؟ اس کے برعکس اشارۂ سبابہ کے مستحسن اور سنت ہونے پر چاروں ائمۂ مجتہدین کا اجماع ثابت ہے، جس کی علت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اور عمل ہے، اس لیے یہ کہنا کہ اب اسلام کو اس کی حاجت نہیں باطل قول ہے۔

کیا اب اسلام کو صرف اعتقاد کی حاجت ہے یا اس کے ساتھ زبانی اقرار اور اعتراف

کی بھی حاجت ہے، یا اعتقاد وزبان کے ساتھ عمل بالجوارح کی بھی حاجت ہے؟ اگر صرف اعتقاد کی حاجت ہے تو نماز وروزہ، حج وزکوۃ کی کیا ضرورت ہے صرف توحید ورسالت کا عقیدہ ہی اسلام کے لیے کافی ہونا چاہیے، زبانی اعتراف واقرار اور اس کے مظاہر دیگر اعمالِ بالجوارح کی کیا ضرورت؟ اور اگر ضرورت ہے، اور یقیناً ضرورت ہے، تو پھر وہ زبانی اقرار واعتراف خلوص پر مبنی ہونا چاہیے یا نہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ جب تک زبانی اقرار واعتراف میں اخلاص نہ ہو تو وہ بیکار ہے اور انسان اپنے اقرار واعتراف کے باوجود مخلص معتقد بندہ نہیں بن سکتا، ایسا عقیدہ کسی کام کا نہیں رہے گا۔ جہاں اسلام نے عقیدہ وعمل پر زور دیا ہے وہاں اس نے ان میں اخلاص پر بھی زور دیا ہے۔ انما الاعمال بالنیات کا اسکے علاوہ کیا مطلب ہے؟ قرآن مجید مخلصین له الدین کا مطالبہ فرما رہا ہے۔ منافقین رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر آپ ﷺ کو رسول اللہ ہی کہتے تھے لیکن قرآن نے انہیں لکاذبون صرف اس لیے کہا کہ وہ ایسا کہنے میں مخلص نہیں تھے۔ معلوم ہوا کہ اعتقاد ہو یا عمل دونوں میں اخلاص شرط ہے۔

اخلاص کے اظہار کے لیے مواقع کی مناسبت سے پیمانے بھی جدا جدا ہوتے ہیں، اب ذرا آئیں اشارہ سبابہ کی طرف، حضرت خفاف بن ایماء بن رحضۃ غفاری نے جب حضرت حارث کو مسجد بنی غفار میں دوران نماز التحیات میں اشارہ کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا ما تریدُ بھذا حِینَ تُشیر باصبع واحدۃ ؟ انگلی سے اشارہ کرتے وقت تمھارا کیا ارادہ (نیت) ہوتا ہے؟ جب حارث نے اس کا جواب دیا تو اس پر حضرت خفاف کا تبصرہ قابلِ توجہ ہے، آپ نے فرمایا نِعْمَ مَا صَنَعْتَ اَنّ رسولَ الله ﷺ کان یَفعَلُ ذالك، فَقَالَ الْمشرِکُونَ اِنَّمَا یَسحَرُنَا بِھَا، کَذَبَ الْمُشرِکُونَ، اِنَّمَا ذالِكَ الْاِخْلَاصُ۔ یعنی تم نے بہت ہی اچھا عمل کیا، رسول اللہ ﷺ بھی یوں اشارہ فرمایا کرتے تھے، جس پر کفار نے کہا کہ وہ اس اشارے سے ہم پر جادو کرتا ہے، کفار نے جھوٹ بولا، اشارہ سبابہ تو محض اظہارِ اخلاص ہے۔ مسند ابی یعلی ۱/ ۴۱۷ حدیث نمبر ۹۰۴۔

یہی بات حضرت ابن عباس نے بھی فرمائی، جب آپ سے اشارہ سبابہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ذَالِكَ الْاِخْلَاصُ ۔ یہ (اظہار) اخلاص ہے۔ دیکھیے مصنف عبدالرزاق ۲ /۲۴۹ "باب رفع الیدین فی الدعاء" حدیث نمبر ۳۲۴۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۴ پر ھُوَ الْاِخْلَاصُ کا جملہ ہے۔ اور حضرت عکرمہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس نے ہاتھ کشادہ

کر کے فرمایا کہ یہ ابتہال (عجز وانکساری) ہے اور انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا یہ اخلاص ہے۔ مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۵۰ حدیث نمبر ۳۲۴۷۔

حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس کی روایت میں حضرت ابن عباس کے الفاظ یوں: ان رسول اللہ ﷺ قال ھکذا الاخلاص. یشیر باصبعه التی تلی الابھام۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اخلاص ہے۔ سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۳ "باب ما ینوی المشیر باشارته فی التشھد" مستدرک حاکم ۵/ ۲۳۹ ۔حدیث نمبر ۸۰۶۸ اور حضرت ابان بن ابی عیاش فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک سے اشارہ سبابہ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں فرمایا ذَالِكَ التَّضَرُّعُ ۔ یہ انکساری ہے۔ سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۳ "باب ماینوی المشیر باشارته فی التشھد "۔تضرع الی اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ دعا کرنا، گڑگڑانا۔

جن روایات میں اشارے کو توحید کا بیان کہا گیا ہے، یا یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ اشارہ اس لیے کرتے تھے تا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کریں؛ ان میں اس کے علاوہ یہ مفہوم بھی ہے کہ اشارۂ سبابہ اخلاص کے اظہار کا ایک طریقہ ہے جیسا کہ مذکورہ بالا روایات سے صاف معلوم ہوا۔ نیز علمائے کرام نے اس بات پر بھی گفتگو فرمائی ہے کہ صرف شہادت ہی کی انگلی سے اشارہ کیوں کیا جاتا ہے؟ ملاعلی قاری فرماتے ہیں: ثم خصت المسبحة لان لھا اتصال بنیاط القلب فکان سببا لحضوره۔ یعنی خاص طور پر شہادت کی انگلی سے اشارہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ شہادت کی انگلی کا دل کی رگ کے ساتھ اتصال ہوتا ہے لہذا وہ حضوری دل کا سبب بنتا ہے۔ دیکھیے مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۳۲۸، نیز لمعات التنقیح ۳/ ۱۸۴، علامہ ابن امیر الحاج حنفی کے الفاظ یوں ہیں: وخصت بذالك لان لھا اتصالاً بنیاط القب فکانھا سبب لحضوره۔ دیکھیے حلبۃ المجلی ۲/ ۲۶۶

اب غور فرمائیں کہ یہ حاجت اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کیونکہ بقول حضرت فاضل مصنف "اب اسلام مضبوط ہے تو اسکی حاجت نہیں"۔ ہمیں تسلیم ہے کہ اب اسلام کو تو واقعی کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اب پوری دنیا کے انسانوں کے سامنے اپنے تمام دلائل وبراہین کے ساتھ آفتاب نیم روز کی طرح نکھر کر سامنے آچکا ہے، کوئی اسے مانے یا نہ مانے اسکی حقانیت وحقیقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑیگا۔ لیکن کیا اسلام پر چلنے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے والے

مسلمانوں کو بھی اسکی حاجت نہیں؟ یا پہلے سے کہیں زیادہ انھیں اسکی ضرورت ہے، حقیقت یہی ہے کہ زمانۂ اول کے مسلمانوں کے مقابلے میں آنے والے مسلمانوں میں اخلاص کی کمی ہر روز افزوں ہے، اس لیے آج کے مسلمانوں کو اخلاص کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وسائل واسباب کی فراوانی کے اس دور میں مسلمان اسلام کی برکتوں اور ہر طرح کی رفعتوں سے محروم ہوتا جارہا ہے؟ اسکی اصل وجہ ان میں اخلاص کی کمی ہی ہے، بلکہ بعض مواقع پر تو وہ ناپید ہی ہو چلا ہے۔ اس لیے نہ صرف اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے بلکہ دوسروں کی بھلائی کی خاطر ان کے واسطے اچھا اور حقیقی اسلامی نمونہ بننے کے لیے اظہارِ اخلاص کی آج زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو زیادہ اخلاص اور اظہار اخلاص کے مواقع اور توفیق عطا فرمائے۔

فرماتے ہیں: ابتداء اسلام میں نماز کے اندر سلام اور کلام جائز تھا تو اشارہ بھی ثابت تھا اب سلام کلام منسوخ ہے تو اشارہ بھی منسوخ ہے تو ضد سے کام نہیں لینا چاہیے، ہم حق کو دیکھیں گے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۵

عرض کرتا ہوں: حضرت فاضل مصنف نے اپنے اس ارشاد میں یہ تاثر دیا ہے کہ اشارۂ سبابہ بھی سلام و کلام کی قسم کا ایک اشارہ ہے۔ جب تک سلام و کلام نماز میں جائز تھے تو اشارۂ سبابہ بھی جائز تھا، جب وہ منسوخ ہوئے تو اشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز میں اشارہ ایک جدا چیز ہے اور التحیات میں اشارہ جدا چیز ہے۔ جو اشارہ نماز میں جائز تھا وہ صرف شہادت ہی کی انگلی کا نہیں تھا بلکہ وہ اس سے بھی عام تھا، شہادت کی انگلی سے ہو یا انگوٹھے سے، کھلی انگلیوں کے ساتھ ہو یا بند مٹھی سے یا پھر گردن ہلانے سے ہی ہو، جیسے "ہاں" کے لیے گردن کو آگے پیچھے ہلانا اور "نہیں" کے لیے اسے دائیں بائیں حرکت دینا، کسی کو بلانے کیلیے ایک انگلی یا تمام انگلیوں کو ہتھیلی کی طرف لپکانا، روکنے کیلیے ایک یا تمام انگلیوں کو کھڑا کرنا یا دائیں بائیں ہلانا، سلام کرنے کے لیے یا سلام کا جواب دینے کے لیے ہاتھ لہرانا اور خاموش کرانے کیلیے انگلی ہونٹوں پر رکھنا وغیرہ۔ جب تک نماز میں سلام کلام جائز تھا تو اس طرح کے تمام اشارے بھی جائز تھے اور جب سلام کلام منسوخ ہو گیا تو اس طرح کے تمام اشارے بھی منسوخ ہو گئے کیونکہ وہ کلام ہی کے معنی میں تھے جو کہ انسانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

جبکہ خاص ہیئت میں قبلہ رخ بیٹھے ہوئے معین جملہ پر پہنچنے کے بعد مقرر طریقے سے قبلہ کی سمت میں انگلی اٹھانے کو کسی نے بھی سلام و کلام کے معنی میں نہیں لیا، کیونکہ وہ کسی انسان کی

طرف نہیں کیا جاتا، نہ اس کے ذریعے کسی کو کوئی جواب دیا جاتا ہے، نہ اس سے منع کیا جاتا ہے اور نہ اس کے ذریعے کسی کو کسی کام کا اذن دیا جاتا ہے، وہ اشارہ محض اظہارِ اخلاص کے لئے اللہ رب العزت کی وحدانیت کی طرف کیا جاتا ہے۔ اس سے مذکورہ بالا دونوں قسم کے اشاروں میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اسکی گواہی ائمہ حدیث کی طرف سے کتبِ حدیث میں قائم کردہ ترجمۃ الباب (باب کے عنوان) سے بھی ملتی ہے، جب انھوں نے پہلے قسم کے اشارے کا ذکر کرنا چاہا تو باب کا عنوان "الاشارۃ فی الصلاۃ" قائم کیا اور جب انھوں نے دوسرے قسم کے اشارے کو ذکر کرنا چاہا تو باب کا عنوان "الاشارۃ فی التشھد" یا "الاشارۃ فی التشھدین" قائم کیا، حالانکہ تشہد بھی نماز ہی کا حصہ ہے، لیکن انھوں نے یہ اس لیے کیا کہ دونوں قسم کے اشاروں کا حکم الگ الگ واضح ہو اور کوئی انھیں آپس میں خلط ملط کر کے ان دونوں اشاروں کا ایک ہی حکم نہ سمجھ لے، جیسا کہ حضرت فاضل مصنف نے کیا ہے۔ اب اگر بقول فاضل مصنف یہ دوسرے قسم کا یعنی تشہد والا اشارہ بھی منسوخ ہو گیا ہے تو جس طرح پہلی قسم کے اشارے کے حکم کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ فلم یرد علینا وقال ان فی الصلاۃ شغلاً۔ یعنی جب ہم نجاشی کے ملک سے واپس آئے تو ہم نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے ہمیں اسکا جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ بیشک نماز میں مشغولیت اور مصروفیت ہے۔ صحیح بخاری ۱/ ۱۶۰ کتاب التھجد باب ماینھی من الکلام فی الصلاۃ صحیح مسلم ۱/ ۲۰۴ "باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ما کان من اباحتہ" ۔ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں معمولی فرق کے ساتھ آئی ہے، جیسے سنن ابن ماجہ ص: ۷۳ "باب المصلی یسلم علیہ کیف یرد" صحیح ابن حبان ۴/ ۷ "باب مایکرہ للمصلی وما لا یکرہ" حدیث ۲۲۴۰، ۲۲۴۱، مسند سعید بن ہیثم ۲/ ۸۴ حدیث نمبر ۶۰۴ سنن ابی داود ۱/ ۱۳۳ باب رد السلام فی الصلاۃ سنن نسائی ۱/ ۱۸۱ الکلام فی الصلاۃ نیز کتاب الام ص: ۲۲۲ 'باب الکلام فی الصلاۃ" حدیث نمبر ۲۱۸، مسند ابی داود طیالسی ص: ۳۳ حدیث نمبر ۲۴۵، مصنف عبد الرزاق ۲/ ۳۳۵۔ ۳۳۶ "باب السلام فی الصلاۃ" حدیث نمبر ۳۵۹۴، مسند الحمیدی ص: ۳۱ حدیث نمبر ۹۴، مصنف ابن ابی شیبہ "باب الرجل یُسلَّمُ علیہ فی الصلاۃ"، مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۷۷، ۴۳۵، ۴۶۳، مسند ابی یعلی موصلی ۸/ ۳۸۴، شرح معانی الآثار ۱/ ۴۵۱۔ ۴۵۲، معجم الکبیر ۱۰/ ۱۳۴، ۱۳۵ حدیث نمبر ۱۰۱۲۰۔ ۱۰۱۲۲، سنن الکبریٰ ۲/ ۲۴۸

"باب ما لا یجوز من الکلام فی الصلاۃ" نیز ۲/۳۵۶ "باب الکلام فی الصلاۃ"۔

واضح رہے کہ جس طرح مذکورہ بالا احادیث میں سلام کے زبانی جواب سے منع کا ذکر ہے اسی طرح سلام کا اشارے سے جواب دینے کی بھی ممانعت ہے، کیونکہ نبی پاک ﷺ کا اشارے کے ساتھ جواب دینے کا احادیث مبارکہ میں ذکر موجود ہے، دیکھیے جامع ترمذی ۱/۴۸ "باب ما جاء فی الاشارۃ فی الصلاۃ" صحیح ابن حبان ۴/۱۴ حدیث نمبر ۲۲۵۵، ۲۲۵۶، مسند الحمیدی ص: ۷۴ حدیث نمبر ۱۴۸، سنن النسائی ۱/۱۷۷ "باب رد السلام بالاشارۃ فی الصلاۃ" سنن الدارمی ۱/۳۶۴ "باب کیف یرد السلام فی الصلاۃ" مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۵۳۵ "باب من کان یرد ویشیر بیدہ وبرأسہ" حدیث نمبر ۴۸۴۶ سنن ابن ماجہ ص: ۷۲ "باب المصلی یسلم علیہ کیف یرد"، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ۶/۷ حدیث نمبر ۲۰۸۳، مسند الامام الشافعی ۱/۳۲۴ حدیث نمبر ۲۰۹، اس باب میں حضرت انس بن مالک، حضرت بلال اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایات بھی ہیں، سنن الدارقطنی جلد اول جزء دوم ص: ۸۴، صحیح ابن حبان ۴/۱۶ حدیث نمبر ۲۲۶۱، مسند سعید بن ہیثم ۲/۳۵۱ حدیث نمبر ۱۹۴۷ اور مؤطا امام مالک ص: ۱۵۴ "العمل فی جامع الصلاۃ"۔

اگر التحیات میں شہادت کی انگلی والا اشارہ نماز میں سلام وکلام کے جواز کے وقت تک ثابت ہوتا تو جس طرح آپ ﷺ نے سلام وکلام سے ممانعت فرمائی اسی طرح آپ ﷺ یقیناً تشہد میں اشارۂ سبابہ سے بھی منع فرماتے، اگر فرض کیا جائے کہ اس بارے میں بھی آپ کی ممانعت ہے لیکن وہ حدیث ہم تک پہنچی نہیں ہے، تو پھر یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا وہ حدیثِ منع اشارۂ سبابہ صحابۂ کرام کو بھی نہیں پہنچی تھی، کم از کم کسی صحابی کا قول یعنی اثر ہی ہم تک پہنچا ہوتا، یا کسی تابعی یا تبع تابعی کی ہی ممانعت وارد ہوئی ہوتی، حالانکہ بعد کے دور میں درجہ بدرجہ روایات حدیث وآثار کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، جب آج تک حدیث تو درکنار، کسی تبع تابعی کا اثر، بلکہ ائمۂ متبوعین میں سے کسی امام کا قول بھی موجود نہیں ہے تو پھر اس اشارۂ سبابہ کو کس اصول کے تحت منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے، جبکہ کسی بھی حکم کی منسوخی کے لیے کم از کم کوئی ناسخ حدیث موجود ہونا شرط ہے، یا پھر صحابہ وتابعین اور ائمہ متبوعین کا اس کے ترک کر دینے پر اجماع ثابت ہو، کیونکہ ان حضرات کا کسی ایسے حکم کے ترک کر دینے پر اجماع اس حکم کے منسوخ ہونے کی علامت ہوتا ہے، پھر خواہ کوئی حدیث موجود نہ بھی ہو۔

ہمارے احناف فقہاء نے تو بوقت ضرورت نماز میں اشارہ کرنے کو بھی جائز لکھا ہے، امام سرخسی فرماتے ہیں: واذا مرت الخادم بين يدى المصلى فقال سبحان الله أو أومأ بيده ليصر فها لم تقطع صلاته۔ یعنی جب نمازی کے سامنے سے خادم گزرنے لگا اور نمازی نے سبحان اللہ کہا، یا اسے واپس لوٹانے کے لیے ہاتھ سے اشارہ کیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ دیکھیے کتاب المبسوط جلد اول جزء اول ص: ۳۵۹ "باب الحديث فى الصلاة" فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے: (ويدرأ المار اذا لم يكن بين يديه سترة أومر بينه وبين السترة) لقوله عليه السلام فادرؤا ما استطعتم (ويدرأ بالاشارة) كما فعل رسول الله ﷺ بولدى أم سلمة۔ (یعنی گزرنے والے کو پیچھے ہٹائے جب اس کے سامنے سُترہ نہ ہو، یا وہ نمازی اور سُترہ کے درمیان سے گزرنے لگے) کیونکہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قدر تم سے ممکن ہو اسے پیچھے ہٹاؤ (اور اسے اشارے سے ہٹائے) جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ کے بچوں کے ساتھ کیا تھا۔ دیکھیے ہدایہ ۱/ ۱۳۹، نیز مختارات النوازل ورق نمبر ۲۴ ب "فصل فيما يكره فى الصلاة وما لا يكره" نیز فتاویٰ النوازل ص: ۵۵ "فصل فيما يكره فى الصلاة وما لا يكره الخ"۔ اسکے علاوہ صاحب فتاویٰ النوازل نے ص: ۵۶ پر لکھا ہے: المصلى اذا رفع عمامته ووضع على رأسه بيد واحدة لاتفسد صلاته ولكن تكره۔ یعنی جب نمازی نے گرا ہوا عمامہ ایک ہاتھ سے اٹھا کر سر پر رکھا تو کراہت کے ساتھ نماز ہوجائیگی، فاسد نہیں ہوگی۔ فتاویٰ قاضیخان میں ہے: و كذا لو انتقض من عمامته كور فسواه مرة أومرتين لاتفسد لان ذالك يحصل بيد واحدة۔ یعنی اگر پگڑی کا ایک بل کھل گیا اور اس نے اسے ایک یا دو مرتبہ درست کیا تو نماز فاسد نہیں ہوئی کیونکہ یہ عمل تو ایک ہاتھ سے ہی ہوجاتا ہے۔ دیکھیے فتاویٰ قاضیخان ۱/ ۱۱۹ "فصل فيما يفسد الصلاة" مزید فرماتے ہیں: ولو رفع العمامة ووضعها على الارض أورفعها من الارض ووضعها على الرأس لاتفسد لانه يتم بيد واحدة من غير تكرار۔ یعنی اگر عمامہ اٹھا کر زمین پر رکھا، یا زمین سے اٹھا کر اسے سر پر رکھا تو نماز فاسد نہیں ہوئی کیونکہ یہ عمل ایک ہی ہاتھ سے بغیر تکرار کے ہوا ہے۔ ایضاً ص: ۱۲۰ ولو سلم انسان على المصلى فأشار لردالسلام برأسه أوبيده أو أصبعه لاتفسد صلاته: یعنی اگر کسی نے نمازی کو سلام کیا اور اس نے جواب میں سر کے ساتھ یا ہاتھ سے یا انگلی سے اشارہ کیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ایضاً ص: ۱۲۳، اس سلسلے میں

زیلعی کی تبیین الحقائق ۱ / ۱۴۴ باب الحدث فی الصلاۃ وما یکرہ فیھا وما لا یکرہ اور ص: ۳۹۵ پر فصل مایکرہ للمصلی نیز فتاویٰ ہندیہ جزء رابع ص: ۴۸ کے حاشیہ پر فتاویٰ بزازیہ کی تیرہویں فصل "فیما یفسد الصلاۃ وما لا یفسد" بھی دیکھ سکتے ہیں۔

ہماری گزارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارے کا نماز کے دوران سلام وکلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں، اسے خواہ مخواہ اس کے ساتھ جوڑنا فاضل مصنف کا اپنے ہی قول: "ضد سے کام نہیں لینا چاہیے ہم حق کو دیکھیں گے" کے خلاف ہے، بلکہ یہ ان کی ضد ہی ہے اور وہ ایسا کر کے حق کو چھوڑ کر کسی اور چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اوپر ذکر کی گئی حدیث میں "فامرنا بالسکوت" کا لفظ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے، یا ایسے اشارے کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے جو کلام کے معنی میں ہو جیسا کہ امام عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی "المختار للفتویٰ" میں فرماتے ہیں: أویرد السلام بلسانہ أو بیدہ۔ یعنی نمازی کا زبان سے سلام کا جواب دینا یا ہاتھ سے جواب دینا مکروہ ہے۔ اور پھر خود ہی اسکی شرح میں فرماتے ہیں: (أویرد السلام بلسانہ) لانہ من کلام الناس (أوبیدہ) لأنہ فی معنی السلام۔ یعنی زبان سے سلام کا جواب دینا اس لیے مکروہ ہے کہ وہ انسانوں کا کلام ہے، اور ہاتھ سے سلام کا جواب دینا اس لیے مکروہ ہے کہ ہاتھ کا اشارہ سلام ہی کے معنی میں ہے۔ الاختیار لتعلیل المختار ۱ / ۱۱۱ فصل فیما یکرہ للمصلی ان یفعلہ۔

اب اگر اس کے ساتھ التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ منسوخ ہو چکا ہوتا تو پہلی بات تو یہ ہے کہ کس نے اس اشارے کو انسانوں کے کلام یا سلام کے معنی میں لیا ہے؟ یہ اشارہ اگر انسانوں کے کلام وسلام کے معنی میں ہے تو فاضل مصنف اس کی دلیل پیش فرمائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسانوں کے کلام وسلام میں سے نہ ہونے کے باوجود بھی محض اشارہ ہونے کی وجہ سے اسے منسوخ قرار دینے کے لیے فاضل مصنف اسکا ناسخ پیش فرما سکتے ہیں؟ احادیث میں التحیات کے اندر اشھد ان لا الہ الا اللہ کے وقت اشارۂ سبابہ کا ذکر کثیر احادیث میں موجود ہے، جس سے اسکا نہ صرف جواز بلکہ سنت ہونا ثابت ہو رہا ہے، تو کیا اس کے مقابل اسے منسوخ کر دینے والی حدیث بھی آپ پیش فرما سکتے ہیں؟ ایسا کرنے کی بجائے اشارۂ سبابہ کو انسانی کلام کے ساتھ زبردستی سے نتھی کر کے کلام کے نسخ والی

احادیث کو اشارۂ سبابہ فی التشہد کا بھی ناسخ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل فرمائی گئی ہے۔ جب خاص حالت میں پورے ہاتھ کے اشارے کو فقہاء کرام نے جائز ہی رکھا جو کہ انسانی کلام ہی کے معنی میں آتا ہے، تو پھر بتایا جائے کہ جو اشارہ محض ایک انگلی سے ہو اور انسانی کلام کے معنی میں بھی نہ آتا ہو بلکہ خالصتاً توحید باری تعالیٰ ہی کا مفہوم و معنی دیتا ہو، تو اس اشارے کو کس وجہ سے منسوخ کر دیا گیا؟ اشارۂ سبابہ فی التشہد کا یہ مفہوم تو خود فاضل مصنف کو بھی تسلیم ہے، جیسا کہ خود ہی فرماتے ہیں: ''اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۲۱

یہ بھی یاد رہے کہ کسی بھی حکم کا منسوخ ہونا رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ ہی میں ہوتا ہے، آپ کے وصال کے بعد نسخ نہیں ہوتا۔ امام سرخسی فرماتے ہیں: ثم اوان النسخ حال حیاۃ رسول اللہ ﷺ لاتفاقنا علی انه لانسخ بعده. وفی حال حیاته ما کان ینعقد الاجماع بدون رأیه. وکان الرجوع الیه فرضا. واذا وجد البیان منه فالموجب للعلم قطعا هو البیان المسموع منه. وانما یکون الاجماع موجبا للعلم بعده ولانسخ به. فعرفنا ان النسخ بدلیل الاجماع لایجوز۔ یعنی نسخ کا وقت رسول اللہ ﷺ کی حینِ حیات ہے، کیونکہ ہمارا اس پر اجماع ہے کہ آپ کے بعد نسخ نہیں ہوتا، اور آپ کی حینِ حیات میں آپ کی رائے کے بغیر اجماع بھی منعقد نہیں ہوسکتا کیونکہ اس وقت آپ کی طرف رجوع کرنا فرض تھا، جب آپ کی طرف سے کسی حکم کا بیان پایا گیا تو وہ علم کا یقینی اور حتمی سبب ہوا، اور وہ ہے آپ سے سنا ہوا بیان، آپ کے وصال کے بعد اجماع محض علم کا سبب ہوتا ہے اس سے نسخ نہیں ہوتا، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اجماع کی دلیل سے نسخ ناجائز ہے۔ اصول السرخسی ۲/۶۶۔۶۷، امام سرخسی کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ:

۱۔ نسخ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہوتا ہے آپ کے وصال کے بعد نہیں۔

۲۔ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کی رائے جانے بغیر اجماع بھی منعقد نہیں ہوتا۔

۳۔ آپ کے وصال کے بعد صحابہ کا اجماع کسی بھی حکم شرعی کے علم کا صرف سبب ہوتا ہے۔

۴۔ بذاتِ خود اجماع سے نسخ نہیں ہوتا۔

۵۔ اجماع کی دلیل سے نسخ ناجائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسخ قرآن شریف یا سنت سے ثابت ہوتا ہے، چونکہ آپ کے وصال کے بعد وحی منقطع ہوگئی اور شریعت کامل ہوگئی، احکامات

میں ایک ٹھہراؤ آ گیا اس لیے آپ کے بعد کوئی نسخ نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ نسخ کو کس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے؟ تو وہ متعارض احادیث میں سے متقدم اور متاخر حدیث ثابت ہو جانے سے ہی معلوم کیا جاسکتا ہے، یعنی جب یہ واضح ہو جائے کہ ان میں سے فلاں حدیث متقدم ہے اور فلاں حدیث متاخر ہے اور وہ دونوں حدیثیں ایک ہی چیز کے بارے میں ایک دوسرے کے خلاف بھی ہیں تو متقدم حدیث منسوخ اور متاخر حدیث اس کی ناسخ مانی جائیگی۔ حکم کا تقدم اور تاخر یا تو خود رسول اللہ ﷺ کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے، جیسے آپ کا ارشاد ہے: کنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها۔ یعنی میں نے تمھیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، تم ان کی زیارت کیا کرو۔

دوسری مثال: و کنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي ان تمسكوها فوق ثلاثة ايام فامسكوا وادخروا مابدأ لكم۔ یعنی میں نے تمھیں قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا، اب تم جتنے دن مناسب سمجھو اسے ذخیرہ کرو۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ زیارتِ قبور کی ممانعت اور قربانی کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی سے منع متقدم حکم تھا، جسے الا فزوروها اور فامسكوا وادخروا مابدألكم کے متاخر حکم نے منسوخ کر دیا۔ اسے نسخ السنة بالسنة کہا جاتا ہے۔ نسخ معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ ہے صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں کام کی ابتداء اسلام میں اجازت تھی مگر بعد میں اس سے منع کر دیا گیا، یا ناسخ حدیث کی تاریخ منسوخ حدیث کی تاریخ سے بعد کی معلوم ہو، مثلاً حضور پاک نے ہجرت سے قبل سیاہ عمامہ باندھنے سے منع فرمایا اور حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ حجۃ الوداع اور فتح مکہ ہجرت کے بعد ہوئے۔ نسخ معلوم کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اجماع اس پر دلالت کرتا ہو حالانکہ اجماع بذاتِ خود ناسخ نہیں ہوتا، البتہ اجماع سے پتہ چلتا ہے کہ ارباب شرع کا ایک حکم پر جمع ہونا یقیناً ان کے علم میں کسی متاخر معارض حدیث ہونے کا پتہ دے رہا ہے۔ یعنی اجماع نسخ پر دلالت تو کرتا ہے لیکن وہ منسوخ حکم کا ناسخ نہیں ہوتا اب ذرا دوبارہ فاضل مصنف کے مذکورہ بالا ارشاد پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ ان کے پاس نسخ کے دعویٰ کے لیے کوئی دلیل بھی ہے؟ صرف کسی کے کہہ دینے سے نسخ ثابت نہیں ہوگا۔ نسخ معلوم کرنے کے مذکورہ بالا طریقوں میں سے کس طریقے کے ساتھ آپ التحیات میں اشارۂ سبابہ کو منسوخ ثابت فرما رہے ہیں؟ فاضل مصنف پر لازم ہے کہ وہ اس منسوخ کا ناسخ بھی پیش فرمائیں، کتاب وسنت میں سے یا پھر تاریخی

اعتبار سے اشارۂ سبابہ سے منع کرنے والی متاخر حدیث، یا اس پر دلالت کرنے والا اجماع۔صدرِ اول کا اجماع تو درکنار دوسرے اور تیسرے دور کا ہی اجماع دکھادیں، جن فقہاء نے اس سے منع کو نسخ کی دلیل سمجھا اور اسکی علامت مانا ہے وہ تو محض مقلد اور چھٹے اور ساتویں طبقے کے فقہاء کرام ہیں، مقلد کی تقلید سے تو خود فاضل مصنف کو بھی انکار ہے، تو پھر ان کے ارشادات کو نسخ کی دلیل کیونکر بنایا جاسکتا ہے؟

اس کے برعکس صدر اول میں صحابہ کرام کی رسول اللہ ﷺ سے ان کے اشارۂ سبابہ نقل کرنے والی احادیث کے علاوہ تابعین و تبع تابعین اور ائمہ متبوعین کا ان احادیث پر عمل کرنا بلکہ ایک دوسرے کے سامنے اس کا ذکر کرنا اور اس ذکر پر کسی کا بھی انکار نہ کرنا اور ایک دوسرے سے اشارۂ سبابہ کی تعلیم لینا، یعنی اسکا صحیح طریقہ اور کیفیت معلوم کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے علم میں اسکا کوئی ناسخ نہیں تھا اور التحیات میں اشارہ کرنا ان کے نزدیک بھی سنت تھا، نیز بعد والے ائمہ متبوعین بھی اسی مسلک کے تھے، جیسا کہ خود فاضل مصنف معترف ہیں کہ "دیگر ائمہ حضرات کے نزدیک تو اشارۂ سبابہ ثابت اور سنت ہے"۔البتہ انھیں توقف اس بات میں ہے کہ احناف کے نزدیک یہ سنت ہے۔ وہ اسے ان کے نزدیک منسوخ ہی سمجھے بیٹھے ہیں۔احناف کے مقتدا حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہم کے اقوال اس سے پہلے سنیتِ اشارہ کے متعلق گزر چکے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات التحیات میں اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے میں دیگر ائمۂ متبوعین مثلاً امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے ہمنوا ہیں۔رہا معاملہ بعد کے فقہاء احناف کے اختلاف کرنے اور اسے منسوخ قرار دینے کا تو آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ وہ حضرات فقہاء کے چھٹے اور ساتویں طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں، جن کے اقوال وفتاویٰ کی ہمارے ائمہ ثلاثہ کے اقوال اور طبقۂ ثالثہ ورابعہ وغیرہ کے مجتہدین فی المسائل، اصحابِ تخریج اور اصحاب ترجیح کے اقوال واستنباط کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، لہذا ایسے اجماعی مسئلہ کے خلاف سادسہ وسابعہ طبقے کے فقہاء کے فتووں سے دلیل دینا اپنے ہی اصولوں کا مذاق اُڑانا اور ان کی تردید کرنا ہے جو کسی بھی متدین اور حقیقت شناس، حق آگاہ عالم کو زیب نہیں دیتا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ فقہاء طبقۂ سادسہ وسابعہ کے قول کے باطل ہونے پر صحابہ کرام کا تعامل اشارۂ سبابہ اور ائمۂ متبوعین کا قول ہی کافی دلیل ہے۔صحابہ کرام نے اشارۂ سبابہ کو نبی پاک

ﷺ سے قولاً اور فعلاً نقل فرمایا، تابعین حضرات نے تبع تابعین کو اشارۂ سبابہ کا طریقہ اور کیفیت تعلیم فرمائی، ائمہ متبوعین نے اسے اپنا قول قرار دیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ تو کیا ان تمام حضرات نے ایک منسوخ حکم کی تعلیم دی اور ائمۂ متبوعین نے اسی منسوخ حکم پر عمل کیا؟ التحیات میں اشارۂ سبابہ کے بارے میں دیگر احادیث کے علاوہ ایک حدیث حضرت منذر بن سعد بن منذر انصاری ابوحمید ساعدی کی بھی ہے جسے انھوں نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں بیان فرمایا ہے، اس حدیث کا ایک حصہ بخاری شریف جلد اول ص: ۱۱۴ "باب سنة الجلوس فی التشهد" میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو سنن ابی داود، جامع ترمذی، مصنف عبدالرزاق، شرح معانی الآثار، شرح السنة، سنن الکبریٰ، المنتقی، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد بن حنبل اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ ان میں سے صحیح ابن حبان ۳/ ۱۷۰۔۱۷۱، ۱۷۴ حدیث نمبر ۱۸۶۳، ۱۸۶۸ اور سنن الکبریٰ ۲/ ۷۳، ۱۲۸۔۱۲۹۔ سنن ابی داود ۱/ ۱۰۷، جامع ترمذی ۱/ ۳۹، شرح معانی الآثار ۱/ ۱۲۶، شرح السنة ۳ /۱۷۱۔ ۱۷۲، صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۴۳ حدیث نمبر ۶۸۹ میں یہ حدیث حضرت عباس بن سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے جس کا سال ولادت حضرت عمر کا عہدِ آخر ہے اور وہ حضرت عثمان کی شہادت کے وقت پندرہ (۱۵) سال کے تھے۔ دیکھیے تہذیب التہذیب ۳/ ۵۲۷ تذکرہ نمبر ۳۶۲۶، اس کے علاوہ حضرت ابوحمید ساعدی سے صحابہ کی محفل میں اس حدیث کو سننے والا محمد بن عمرو بن عطاء بھی ہے جس کا سن پیدائش ۳۸ھ یا اس کے بھی بعد ہے اس محفل میں حضرت ابوحمید دس صحابہ کرام کی موجودگی میں نبی پاک ﷺ کی نماز کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتاتا ہے کہ آپ ﷺ کس طرح اشارۂ سبابہ فرماتے تھے۔ حضرت امام شافعی کی اختلاف الحدیث ص: ۱۲۷ پر "فصدقوہ معا" کے الفاظ آئے ہیں، یعنی ان سب نے ایک ساتھ اسکی تصدیق کی۔ سنن دارمی ۱ /۳۶۱ باب صفة صلاة رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر ۱۳۵۶ میں ہے کہ جب ابوحمید ساعدی نے ان کے سامنے نبی پاک ﷺ کی نماز بیان کی تو ان سب نے کہا: صدّقت ھکذا کانت صلاة رسول اللہ ﷺ، یعنی آپ نے سچ کہا رسول اللہ ﷺ کی نماز اسی طرح تھی، اور سنن ابی داؤد ۱ /۱۰۶ باب افتتاح الصلاة میں صدّقت ھکذا کان یصلی ﷺ کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو حمید ساعدی کے بیان کردہ طریقۂ نماز میں رفع یدین کے خلاف بھی احادیث موجود ہیں لیکن انہی کے بیان کردہ طریقۂ نماز میں التحیات کے دوران اشاۂ سبابہ کے خلاف نہ تو کوئی حدیث ہے، مرفوع خواہ موقوف اور نہ ہی صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا اثر، اس سے ثابت ہوا کہ التحیات میں

اشارۂ سبابہ صحابہ کرام کی نظر میں متفق علیہ ہے۔ صحابہ کا یہ اتفاق ہمیں حضرت عثمان کے آخری عہد مبارک یا پھر حضرت علی کے دور میں نظر آتا ہے، جیسا کہ عباس بن سہل کی تاریخِ ولادت اور اس کا صحابہ کی محفل میں ابوحمید ساعدی سے اس حدیث کو سن کر اور سننے کے بعد اسے یاد رکھ کر روایت کرنے کی عمر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا آخرین عہد عثمان یا اولین عہد علی میں ایک تابعی صحابہ کرام سے اشارۂ سبابہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے، ان سے اس کی کیفیت سیکھ رہا ہے جبکہ ان دس صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ اشارۂ سبابہ تو منسوخ ہو چکا، حضور پاک ﷺ کے وصال سے پہلے اسلام مضبوط ہو چکا تھا اس لیے اب اس کی حاجت نہیں رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان صحابہ کو یقین تھا کہ التحیات میں اشارۂ سبابہ سنتِ رسول ہے، کیا وہ حضرات یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اشارۂ سبابہ کسی عارضی علت یعنی اسلام کی کمزوری کو دور کرنے کے لیے روا رکھا گیا تھا، ورنہ وہ بھی اس کے منسوخ ہو جانے کا ضرور ارشاد فرماتے۔ صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ اس علت کا علم تو گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی بھی امام، فقیہ، مفتی اور عالم کو نہیں ہوا لیکن ہمارے دوست فاضل مصنف کو اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ واقعی انھوں نے اس بارے میں "خوب تحقیق" کر لی ہے۔(۱)

فرماتے ہیں: اگر خلاصۂ کیدانی معتمد کتاب نہ ہوتی تو میر سید السند الجرجانی اُس پر شرح کیوں لکھ دیتے اور دوسری کتاب یعنی شرح علامہ تفتازانی کی نہ ہوتی، اس لیے کہ وہ بھی بہت بڑا علامہ ہے اور اس نے خلاصۂ کیدانی کی شرح لکھی ہے کہ اُس کا نام سعدیہ شرح خلاصۂ کیدانی ہے اور اُن دونوں علاموں نے اس مسئلے کا رد نہیں لکھا ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۵۔ ۱۶

عرض کرتا ہوں: کسی کتاب کی شرح لکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ شارح اصل

---

(۱) ہم نے مانا کہ حضرت ابوحمید ساعدی کے بتائے ہوئے نبیٔ پاک ﷺ کے طریقۂ نماز میں رفع یدین کا بھی ذکر ہے لیکن دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ حضور پاک نے بعد میں رفع یدین کو ترک فرما دیا تھا، جس طرح حضرت ابوحمید ساعدی کے بیان کردہ رفع یدین کے خلاف سنن ابی داود ۱ / ۱۰۹ "باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع" میں ابن مسعود اور براء بن عازب کی حدیث نیز ابن مسعود کی حدیث سنن نسائی ۱ / ۱۶۱ "الرخصة فی ترك ذالك" نیز ۱ / ۱۵۸ ترك ذالك میں اور جامع ترمذی ۱ / ۳۵ "باب رفع الیدین عند الرکوع" اور سنن دار قطنی ۱ / ۲۹۳، ۲۹۵۔ "باب ذکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منه میں براء بن عازب اور ابن مسعود کی حدیث ۱۹، ۲۱، ۲۵ اور شرح معانی الآثار ۱ / ۱۳۳ پر حضرت اسود کی حدیث اور مصنف ابن ابی شیبہ ۱ / ۲۳۶ پر حضرت عاصم بن کلیب کی اپنے والد سے روایت کردہ حدیث کے علاوہ کثیر تعداد میں آثار بھی موجود ہیں جن میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنے کا ذکر موجود ہے، اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک رفع یدین سنت نہیں ہے۔

کتاب لکھنے والے یعنی ماتن کی ہم نوائی کرتا ہے۔ شرح کے لفظی معنی ہیں کھولنا۔ شرح عموماً دو وجوہات سے لکھی جاتی ہے، اول یہ کہ اصل کتاب کی عبارت مغلق ہوتی ہے، اس میں ثقیل اور غیر مانوس الفاظ استعمال ہوئے ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ اصل کتاب میں مطلب ادھورا ہوتا ہے، شرح کے اندر اُن عبارات کو کھول کر بیان کردیا جاتا ہے، ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کو آسان اور مانوس لفظوں سے بدل دیا جاتا ہے اور ادھورے مطلب کو تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اصل کتاب میں مسلمہ اُصولوں سے ہٹ کر بات کی گئ ہوتی ہے تو شارح اس کی تردید دلائل کے ساتھ کردیتا ہے، یا کوئی برحق بات بلا دلیل لکھ دی جاتی ہے تو شارح اس کے دلائل لکھ دیتا ہے۔ یا کسی جگہ تاویل اور توجیہہ کی ضرورت ہوتی ہے تو شارح اپنی شرح میں اسے ذکر کر دیتا ہے وغیرہ۔

جہاں تک تعلق ہے خلاصۂ کیدانی کی شرح میر سید السند الجرجانی کا تو اُس نے اس مسئلے میں لطف اللہ نسفی کی موافقت نہیں بلکہ اس کی مخالفت کی ہے، اس مسئلے میں جو احناف کا مسلک ہے میر سید جرجانی نے اسے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم میر سید جرجانی کی عبارت پیش کر رہے ہیں: والا شارة بالسبابة) عند قوله اشهد ان لا اله الاالله و عليه الفتوىٰ . لان مبنى الصلاة على السكون والوقار . و ذكر الامام خواهر زاده السنة ان يشير ، و فيه وجهان . الصحيح ان يقبض الخنصر والبنصر و يشير بالسبابة و يحلق الوسطى بالابهام . كذا فى الكرخى۔ یعنی اشهد ان لا اله الاالله کہتے وقت (سبابہ سے اشارہ کرنا حرام ہے) اور اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے، اور امام خواہرزادہ (۱) نے ذکر کیا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے، اس کے دو طریقے ہیں (۲) صحیح یہ ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے، کرخی (۳) میں ایسے ہی ہے۔ دیکھیے خلاصہ کیدانی مع میر ص: ۳۱

(۱) "خواہرزادہ" لقب کے بہت سارے علماء ہیں لیکن جب مطلقاً "خواہرزادہ" بولا جائے تو اس سے مراد دو فقیہ ہوتے ہیں (i) محمد بن الحسین بن محمد بن الحسین بخاری بکر خواہرزادہ متوفی ۲۵ جمادی الاول شب جمعہ ۴۸۳ھ علامہ لکھنوی نے ۴۳۳ھ لکھا ہے۔ الجواہر المضیہ ۲/۴۹، الفوائد البہیہ ص: ۲۷۰ (ii) محمد بن محمود بن عبدالکریم کردری خوہر زادہ۔ متوفی اواخر ذی القعد ۶۵۱ھ۔ الجواہر المضیہ ۲/۱۳۱ نیز الفوائد البہیہ ص: ۲۷۰۔۲۷۱۔ (۲) بغیر حلقہ، کھلی ہتھیلی کے ساتھ، اور حلقہ بنا کر۔ (۳) عبید اللہ بن حسین ابوالحسن کرخی۔ نقہاء کے تیسرے طبقے "مجتہدین فی المسائل" میں سے ہیں، ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵ شعبان کی رات ۳۴۰ھ میں وفات فرمائی۔ الجواہر المضیہ ۱/۳۳۷، الفوائد البہیہ۔ ص: ۱۸۳۔

سید شریف جرجانی نے لطف اللہ کیدانی کے "خلاصہ کیدانی" کی اشارۂ سبابہ سے متعلق عبارت کے پہلے جملے "والاشارة بالسبابة" کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اشھد ان لا الہ کہتے وقت سبابہ سے اشارہ کی حرمت لطف اللہ کیدانی اور دیگر اس کے ہم نواؤں کے نزدیک مفتیٰ بہ ہے اور اس کے ساتھ ان کے نزدیک اس کی علت بھی ذکر کر دی ہے کہ اشارہ کرنا سکون اور وقار کے خلاف ہے جبکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے۔ اس کے بعد سید شریف جرجانی نے امام خواہرزادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے اشارۂ سبابہ کو سنت کہا ہے۔ بعد ازاں سید شریف نے فقہاء احناف کے تیسرے طبقے "مجتہدین فی المسائل" میں شمار ابوالحسن کرخی سے اشارۂ سبابہ کی کیفیت نقل کر کے اصل مسئلے کو واضح کر دیا ہے۔ اگر فاضل مصنف کے بقول سید شریف جرجانی ملا لطف اللہ کیدانی کا ردّ نہ کرتے تو کبھی بھی وہ امام خواہرزادہ سے اشارۂ سبابہ کا سنت ہونا اور ابوالحسن کرخی سے اس کی کیفیت نقل نہ کرتے۔ غور کا مقام ہے۔ رہی بات علامہ تفتازانی کی شرح یا حاشیہ خلاصہ کیدانی کی تو چونکہ وہ فی الوقت میرے سامنے نہیں اس لیے اس کے متعلق تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بہتر تھا کہ فاضل مصنف علامہ تفتازانی کی عبارت نقل فرما دیتے۔

فرماتے ہیں: اور دوسری بات حضور معلمِ کائنات ﷺ کے فعل کو حرام کہنا نسخ کے بعد ہے، اور یا ترجیح کے بعد ہے نہ کہ مطلق، اگر آیت منسوخ ہو جائے تو اس پر بھی عمل کرنا حرام ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:١٦

عرض کرتا ہوں: بالکل بجا فرمایا لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کے اس منسوخ کا ناسخ کہاں ہے؟ اور کونسی کتاب حدیث میں ہے؟ اور اگر اس کا ناسخ نہیں، اور یقیناً نہیں ہے تو پھر حرام کہنے کی دوسری وجہ کونسی ہے؟ حرام کہنے کی ترجیح کا مرجح بھی تو بیان فرمایا جائے۔

فرماتے ہیں: فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا ہے قیل یشیر و قیل لا یشیر والمختار لا یشیر کسی نے کہا ہے کہ اشارہ کیا جائے اور کسی نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے لیکن مختار یہ ہے کہ اشارہ سبابہ انگلی سے نہ کیا جائے اور فتاویٰ عالمگیری چار سو علماء نے اتفاق سے مرتب کیا ہے اور آٹھ سال میں مرتب ہوئی اور اس وقت اس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:١٦

عرض کرتا ہوں: "یشیر" اور "لا یشیر" دونوں "قیل" ہی سے لائے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے دونوں قول "اشارہ کرے" اور "اشارہ نہ کرے" مساوی قوت کے ہیں تو پھر دونوں میں

سے "لا یشیر" والے قول کی وجہ ترجیح بھی تو بیان کی جائے، اصولاً تو "یشیر" کو "لا یشیر" پر مقدم ہونا چاہیئے کیونکہ المثبت مقدم علی النافی۔ دیکھیے انوار شریعت ا / ۲۶۲ رہا یہ کہنا کہ والمختار لا یشیر، تو اس کا جواب یہ ہے کہ لا یشیر کس کا مختار ہے؟ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ طبقۂ اولی سے طبقۂ خامسہ تک کے فقہائے احناف کا اشارہ کرنے پر اتفاق ہے، گویا ان پانچوں طبقات کے فقہاء کے نزدیک اشارۂ سبابہ ہی مختار ہے۔ البتہ بعد والے دو یعنی طبقہ سادسہ اور طبقۂ سابعہ کے بعض فقہاء کو محض ظاہر الروایہ کتب میں اس مسئلے کے مذکور نہ ہونے اور غیر ظاہر الروایہ کتب میں مذکور ہونے کی وجہ سے اشتباہ ہوا، انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ کتب غیر ظاہر الروایہ میں لکھا ہوا مسئلہ قابلِ عمل نہیں ہوتا خاص طور پر جب وہ ظاہر الروایہ کتابوں میں بھی مذکور نہ ہو۔ یہ حضرات "ظاہر مذہب میں اشارہ نہیں ہے" اور "ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں ہے" دو مختلف اقوال کے درمیان فرق نہیں کر سکے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے بھی ان حضرات سے یہی شکایت کی ہے۔ یہ تو مسلم ہے کہ ظاہر مذہب میں اشارہ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر المذہب، جسے کتبِ ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے، ان میں اشارۂ سبابہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً۔ ان کتب کا کلی طور پر اشارے کے ذکر سے خاموشی کا یہ مطلب کہاں سے ہوا کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے؟ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ ظاہر الروایہ کتابوں میں اشارے سے منع موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، اگر واقعی ان کا یہ دعویٰ درست ہے تو پھر ان حضرات پر لازم ہے کہ وہ ظاہر الروایہ کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کی عبارت با حوالہ پیش فرمائیں ہم اُن کی پیش کردہ روایت کے سامنے اپنے موقف سے دستبردار ہو کر اشارۂ سبابہ کے ناجائز، منسوخ، حرام وغیرہ ہونے کا اقرار کر لیں گے۔ اب چونکہ پانچوں طبقات کے فقہاء کا مختار اشارۂ سبابہ کرنا ہے تو پھر ان کے مقابلے میں عہدِ عالمگیر کے علماء کے مختار کی کیا حیثیت ہے؟ وہ چار سو علماء ہوں یا چار ہزار، اس کی ترتیب و تدوین پر دو لاکھ خرچ ہوئے ہوں یا دس لاکھ۔ یہ کوئی موجودہ سیاسی جمہوری مسئلہ نہیں کہ علماء کی قلت و کثرتِ تعداد کی وجہ سے حکم لگایا جائے۔ یہ بات جمہوری طرزِ حکمرانی میں تو چلتی ہے لیکن شرعی احکام میں اس کی پرِ کاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں ہوتی۔ عہد عالمگیر کے ان چار سوَ علماء کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کو، پھر دیکھیں کہ ان چار سوَ علماء کا ان تین حضرات کے مقابلے میں کتنا وزن بنتا ہے؟

فرماتے ہیں: اور بہت سے فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اشارہ نہ کرے جیسا کہ

صاحب تنویر الابصار نے لکھا ولا یشیر بالسبابة عند التشهد وعلیه الفتوىٰ (تنویر الابصار والدر المختار ھندیہ بحر الرائق شلبی) دیکھیے ان کا رسالہ ص:۱۶

عرض کرتا ہوں: شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ تمرتاشی متوفی ۱۰۰۴ھ کی کتاب تنویر الابصار سے پہلے کے فقہاء مثلاً ابن امیر الحاج، ابن ہمام، سراج الدین ابن نجیم، زین الدین ابن نجیم کی النہر الفائق اور البحر الرائق، قاسم بن قطلو بغا حنفی، ملک العلماء کاسانی وغیرہ پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ بھی ہے یا ان کا حوالہ صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ حضرت فاضل مصنف کے اس مسئلے میں موافق ہیں؟ اس کے علاوہ ذخیرۂ برہانیہ، ملتقط، النہایہ، الکفایہ، العنایہ، صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل، تقی الدین شمنی کی شرح مختصر الوقایہ ابن کمال پاشا کی الایضاح فی شرح الاصلاح، زیلعی کی تبیین الحقائق اور فقیہ ابوجعفر ہندوانی سے استدلال نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ وہ سب تنویر الابصار والے سے پہلے کے اور اس سے بڑے فقیہ ہیں۔ جہاں تک تعلق ہے بحر الرائق اور شلبی کا تو اس بارے میں اتنا عرض ضرور کروں گا کہ فاضل مصنف نے کمال احتیاط کے ساتھ بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اپنے حامی فقہاء کی فہرست طویل کرنے کے لئے ان کا نام لکھ دیا ہے ورنہ ان دونوں حضرات نے اشارۂ سبابہ کا سنت ہونا اور فقہائے احناف کا راجح قول ہونا ہی ذکر فرمایا ہے۔ ہم ان کی عبارات پیش کر دیتے ہیں تاکہ قاری پر اصل حقیقت اور فاضل مصنف کی "بہت تحقیق" کا اندازہ ہو۔ کنز الدقائق کی عبارت: ووضع یدیه علی فخذیه و بسط اصابعه پر بحر الرائق والے نے یوں لکھا ہے: یعنی وضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی ویده الیسریٰ علی فخذه الیسری لحدیث مسلم عن ابن عمر مرفوعاً. کذالك اشار الی ردّ ما ذکره الطحاوی انه یضع یدیه علی رکبتیه ویفرق بین اصابعه کحالة الرکوع لحدیث مسلم ایضا عن ابن عمر کذالك. وزادفیه "وعقد ثلاثة وخمسین واشار بالسبابة" ورجح فی الخلاصة الکیفیة الاولی قال ولا یأخذ الرکبة هو الاصح. فتحمل الکیفیة الثانیة فی الحدیث علی الجواز والاولی علی بیان الافضلیة. وعلل له فی البدائع بانه علی الکیفیة الاولیٰ تکون الاصابع متوجهة الی القبلة. وعلی

الثانية الی الارض، لکنه لا یتم الا اذا کانت الاصابع عطفت علی الرکبة، أما اذا کانت رؤسها عند رأس الرکبة فلا یتم الترجیح، و علیٰ اعتبار هذه الکیفیة الثالثة ما فی جمیع التفاریق عن محمد انه یکون اطراف الاصابع عند الرکبة کما نقله فی المجتبیٰ۔ و اشار "ببسط الاصابع" الی انه لا یشیر بالسبابة عند الشهادتین، وهو قول کثیر من المشائخ، و فی الولوالجیة والتجنیس و علیه الفتویٰ لان مبنی الصلاة علی السکون، و کرهها فی منیة المصلی، و رجح فی فتح القدیر القولَ بالاشارة، و انه مروی عن ابی حنیفة کما قال محمد، فالقول بعدمها مخالف للروایة والدرایة، ورواها فی صحیح مسلم من فعله ﷺ۔ و فی المجتبیٰ لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعاً فی کونها سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین و کثرت الاخبار والآثار کان العمل بها اولی۔ یعنی اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھے مسلم شریف میں ابن عمر کی مرفوع حدیث کی وجہ سے، اس طرح اس نے طحاوی کے ردّ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس نے مسلم ہی میں ابن عمر کی حدیث کی وجہ سے کہا ہے کہ دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے اور رکوع کی حالت کی طرح انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے۔ ابن عمر نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ۵۳ (ترپن) کا عقد بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ اور خلاصہ (۱) میں پہلی کیفیت کو ترجیح دی ہے، اس نے کہا ہے کہ گھٹنوں کو پکڑے نہیں، یہی اصح ہے۔ پس حدیث میں ذکر کردہ دوسری کیفیت بیانِ جواز پر اور پہلی کیفیت بیانِ افضلیت پر محمول ہے، اور بدائع میں اس کی تعلیل پیش کی ہے کہ پہلی کیفیت کے مطابق انگلیاں قبلہ رخ ہوں گی اور دوسری کیفیت کے مطابق انگلیوں کا رخ زمین کی طرف ہوگا، لیکن یہ اس وقت ہو سکے گا جب انگلیاں گھٹنے پر جھکی ہوئی ہوں گی، مگر انگلیوں کے سرے گھٹنے کے سر کے پاس ہونگے تو ترجیح پوری نہیں ہوگی، جمع التفاریق (۲) میں

---

(۱) خلاصة الدلائل فی تنقیح المسائل حسام الدین علی بن احمد مکی رازی متوفی ۵۹۸ھ کی شرح ہے۔ کشف الظنون ۳/ ۲۱۶۔ (۲) ابوالفضل محمد بن ابی القاسم بقالی خوارزمی متوفی ۵۸۶ھ کی فقہ میں کتاب ہے۔ کشف الظنون ۱/ ۵۷۵

حضرت امام محمد سے اس تیسری کیفیت کے اعتبار سے یوں آیا ہے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنے کے پاس ہوں جیسا کہ اسے مجتبیٰ (۱) میں نقل کیا ہے۔ صاحبِ کنز الدقائق نے "وبسط اصابعہ" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے وقت اشارہ نہ کرے، یہی اکثر مشائخ کا قول ہے، اور ولوالجیہ (۲) اور تجنیس (۳) میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے کیونکہ نماز کی بناء سکون پر ہے اور اسے منیۃ المصلی میں مکروہ کہا ہے (۴) اور فتح القدیر میں اشارۂ سبابہ کے قول کو راجح کہا گیا ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے جیسا کہ امام محمد نے فرمایا ہے، اس سے انکار والا قول روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے، اسے صحیح مسلم میں نبی پاک ﷺ کے فعل کے طور پر روایت کیا گیا ہے، اور مجتبیٰ میں ہے کہ چونکہ ہمارے تمام فقہاء کی روایات اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں اسی طرح اہلِ کوفہ اور اہلِ مدینہ فقہاء کی روایات بھی اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں اور اس کے متعلق اخبار وآثار بھی کثیر تعداد میں ہیں لہذا اس پر عمل اولیٰ ہے۔ بحر الرائق ۱/ ۳۲۳۔ ۳۲۴ بحر الرائق کی اس پوری عبارت کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ اس نے اشارۂ سبابہ نہ کرنے کو مفتی بہ کہا ہے یا صاحب ولوالجیہ، صاحب تجنیس اور صاحب منیۃ المفتی کا لایشیر کے قول کو مفتی بہ کہنا نقل کیا ہے؟ اس نے ان حضرات کے لایشیر والے قول کو مفتی بہ کہنا نقل کرنے

---

(۱) مختصر قدوری کی شرح ہے۔ (۲) فتاویٰ ولوالجی شیخ عبد الرشید بن ابی حنیفہ بن عبد الرزاق ابی الفتح ظہیر الدین ولوالجی متوفی قریباً ۵۴۰ھ کی تصنیف ہے۔ صاحب کشف الظنون نے اسے ظہیر الدین ابی المکارم اسحاق بن ابی بکر حنفی متوفی ۷۱۰ھ کی تصنیف لکھا ہے۔ کشف الظنون ۲/ ۷۷۴ جس سے عبد الحئ لکھنوی نے انکار کیا ہے۔ الفوائد البہیہ ص: ۱۶۱ (۳) "التجنیس" شیخ علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ کی تصنیف ہے۔ الفوائد البہیہ ص: ۲۳۱

(۴) بحر الرائق کے مطبوعہ نسخے میں "منیۃ المصلی" لکھا ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ "منیۃ المفتی" ہے۔ کیونکہ "منیۃ المصلی" میں اشارۂ سبابہ کو مکروہ نہیں کہا گیا بلکہ اسے نماز کی سنتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ "منیۃ المفتی" شیخ یوسف بن ابی سعید احمد سجستانی متوفی بعد ۶۳۸ھ کی تصنیف ہے۔ شیخ علی متقی ہندی نے اشارۂ سبابہ کے موضوع پر اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ سروجی احمد بن ابراہیم بن عبد الغنی بن اسحاق قاضی القضاۃ مصر، ابو العباس (مصنف "الغایۃ" المعروف غایۃ السروجی) متوفی ۷۰۱ھ یا ۷۱۰ھ نے حاوی، منیۃ المفتی، اجناس اور واقعات سے اشارہ سبابہ کا سنت ہونا نقل کیا ہے۔ علی متقی ہندی کی عبارت ص: ۱۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ عینی کی شرح سنن ابو داؤد ۴/ ۲۷۳ پر کاتب نے سہو کتابت سے "منیۃ المغنی" لکھا ہے

کے بعد فتح القدیر سے اشارۂ سبابہ کرنے کے قول کا راجح ہونا اور امام محمد کا اسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول کہنا اور اشارۂ سبابہ سے منع والے قول کو روایت اور درایت کے خلاف ہونا نقل کیا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اشارۂ سبابہ مسلم شریف میں نبی پاک ﷺ سے عملاً منقول ہے، اور آخر میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مجتبیٰ والے نے لکھا ہے کہ ہمارے تمام فقہاء، فقہاء کوفہ ومدینہ کی روایات اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے پر متفق ہیں اور اس کے متعلق اخبار وآثار بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں اس لیے اسکا کرنا ہی اولیٰ ہے۔

بحر الرائق کی اس مسئلہ سے متعلق پوری عبارت پڑھنے کے بعد بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ وہ اشارۂ سبابہ کے عدم جواز اور لایشیر والے قول کے مفتی بہ ہونے کے بجائے اشارۂ سبابہ کے سنت اور اولیٰ ہونے کا قائل ہے۔ اب بھی فاضل مصنف اسے مخالفین اور مانعین عن الاشارہ سمجھیں تو پھر اللہ ہی انھیں سمجھ عطا فرمائے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا نام جنوں   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس کے علاوہ ہم شلبی کی بھی پوری عبارت نقل کیے دیتے ہیں تا کہ فاضل مصف کی دیانتدارانہ نقل اور خوب تحقیق کا اندازہ لگایا جاسکے، امام زیلعی نے کنز الدقائق کی شرح تبیین الحقائق میں لکھا ہے کہ واختلفوا فی کیفیۃ وضع الید الیمنی یعنی فقہاء نے التحیات میں ہاتھ رکھنے کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے حاشیہ میں شیخ احمد بن محمد بن احمد بن یونس ابو العباس شہاب الدین شلبی متوفی ۱۰۲۱ھ نے لکھا ہے: وفی مسلم کان ﷺ اذا جلس فی الصلاۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنیٰ وقبض اصابعہ کلھا واشار باصبعہ التی تلی الابھام ووضع کفہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ۔ ولا شك بأن وضع الکف مع قبض الاصابع لایتحقق حقیقۃ، أی فالمراد واللہ اعلم وضع الکف ثم قبض الاصابع بعد ذالك عند الاشارۃ، وھو المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ، قال یقبض خنصرہ والتی تلیھا ویحلق الوسطی والابھام ویقیم المسبحۃ، وکذا عن ابی یوسف فی الامالی اہ فتح القدیر - وعن الحلوائی یقیم الاصبع عند لاالہ ویضعھا عند الا اللہ لیکون الرفع للنفی والوضع للاثبات، وینبغی ان یکون

اطراف الاصابع علی حرف الرکبة لا مباعدة عنها اه فتح القدیر۔ قال فی الدرایة وقد نص محمد فی کتاب المشیخة فی حدیث انه علیه الصلاة والسلام کان یفعل ذالك ای یشیر. ثم قال محمد اصنع کما صنع رسول الله ﷺ. ثم کیف یشیر؟ قال یقبض خنصره والتی تلیها ویحلق الوسطی والابهام ویقیم السبابة ویشیر بها. هکذا روی الفقیه ابو جعفر انه علیه الصلاة والسلام هکذا یشیر. وهو احد وجوه قول الشافعی فی الاشارة. وقال اهل المدینة یعقد ثلاثا وخمسین ویشیر بالسبابة. وهو ایضا احد وجوه قول الشافعی. قال ابو جعفر ما ذهب الیه علمائنا أولی لأنه یوافق الحدیث. ولا یشبه استعمال الاصابع للحساب الذی لایلیق بحال الصلاة فکان اولی. کذا فی مبسوط شیخ الاسلام. قوله (لایرون الاشارة الی آخره) قال فی فتح القدیر: وهو خلاف الدرایة والروایة اه. قال فی الدرایة: ویکره ان یشیر بالسبابة من الیدین لقوله علیه الصلوة والسلام احد احد اه. وفی المجتبیٰ: لما کثرت الاخبار والآثار واتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعا فی کون الاشارة سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین کان العمل بها اولی من ترکها اه- قوله (وکرهها فی منیة المفتی الی آخره) وفی المنیة والواقعات وعلیه الفتوی. وفی الذخیرة وهو ظاهر الروایة اه کا کی یعنی مسلم شریف میں ہے کہ آپ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور تمام انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرماتے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے۔ کوئی شک نہیں کہ انگلیوں کی بندش کے ساتھ ہتھیلی کا رکھنا حقیقتاً ثابت نہیں ہوسکتا، اس سے مراد واللہ اعلم (پہلے) ہتھیلی کا رکھنا بعد میں اشارے کے وقت انگلیوں کو بند کرنا ہے، امام محمد سے اشارے کی کیفیت کے بارے میں یہی مروی ہے، فرماتے ہیں کہ اپنی چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھڑا کرے، امالی میں امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے، انتھی، فتح القدیر۔ اور حلوانی سے ہے کہ لا الہ کے وقت انگلی کھڑی کرے اور الا اللہ کے وقت اسے نیچے کرے تا کہ انگلی کا اٹھانا نفی کے لیے اور اسے نیچے رکھنا اثبات کے لیے علامت ہو، اور چاہیے

کہ انگلیوں کے سرے گھٹنے کے کنارے پر ہوں اس سے دور نہ ہوں، انتھی، فتح القدیر۔ درایہ (۱) میں کہا ہے کہ امام محمد نے کتاب المشیخۃ میں صراحت فرمائی ہے کہ حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے، یعنی اشارہ فرماتے تھے، پھر امام محمد فرماتے ہیں کہ میں ویسے ہی کرتا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، پھر وہ اشارہ کس طرح کرے؟ فرماتے ہیں کہ اپنی چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھڑا کر کے اس سے اشارہ کرے، فقیہ ابوجعفر (۲) نے ایسے ہی روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ اسی طرح اشارہ فرماتے تھے، اور اشارے کے بارے میں امام شافعی کا ایک قول اسی طرح بھی ہے، اہلِ مدینہ نے کہا ہے کہ ترپین کا عقد بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اشارہ کے متعلق امام شافعی کا ایک اور قول اسی طرح بھی ہے، ابوجعفر فرماتے ہیں کہ جو رائے ہمارے علماء (۳) کی ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ وہ حدیث کے موافق ہے اور حالتِ نماز میں نامناسب حساب کیلیے انگلیوں کے استعمال سے مشابہ بھی نہیں ہے پس اسکا کرنا اولی ہے۔

شیخ الاسلام (۴) کی مبسوط میں اسی طرح ہے زیلعی کا یہ کہنا کہ (وہ اشارے کو مناسب نہیں سمجھتے) فتح القدیر والے نہ کہا ہے کہ اشارے کو نامناسب سمجھنا عقل اور نقل کے خلاف ہے، انتھی۔ درایہ والے کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلی سے اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے احد احد (ایک انگلی سے اشارہ کر ایک انگلی سے) انتھی۔ اور مجتبیٰ میں ہے: چونکہ اشارے کے سنت ہونے کے بارے میں اخبار و آثار کثیر تعداد میں موجود ہیں اور ہمارے (احناف کے) تمام اصحاب کی روایات بھی اس پر متفق ہیں، اسی طرح اہلِ کوفہ

---

(۱) ابوعبداللہ محمد بن مبارک شاہ بن محمد المقلب معین الہروی کی ہدایہ کی شرح ہے۔ دیکھیے کشف الظنون ۳/۵۵۱

(۲) محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر ابوجعفر بلخی ہندوانی متوفی ۳۶۲ھ، جلالتِ علمی کی وجہ سے ابوحنیفہ صغیر کے نام سے مشہور تھے، فقیہ ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی امام الہدیٰ کے استاد ہیں۔

(۳) "ہمارے علماء" سے مراد تینوں ائمۂ احناف ہیں۔

(۴) "شیخ الاسلام" بہت سارے علماء کا لقب ہے لیکن جب یہ علی الاطلاق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتی ہے علی بن محمد بن اسماعیل بن علی بن احمد بن محمد بن اسحاق سمرقندی اسیجابی ۴۵۴ھ۔ ۵۳۵ھ، صاحبِ ہدایہ کے استاد۔ دیکھیے الجواہر المضیہ ۲/۵۷۳ ایضا ۱/۳۷۰۔ ۳۷۱، الفوائد البہیہ ص:۲۰۹

ومدینہ کی روایات بھی اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اسے ترک کرنے سے بہتر ہے، انتھی۔ زیلعی کا یہ کہنا کہ (اسے منیۃ المفتی میں مکروہ کہا ہے) منیۃ المفتی اور واقعات (۱) میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور ذخیرہ (۲) میں ہے کہ یہ ظاہر الروایہ (۳) ہے، انتھی، کا کی۔ دیکھیے حاشیۃ الشیخ الشلبی علی تبیین الحقائق، جزء اول ص: ۳۱۲۔ ۳۱۳

یہاں بھی دیکھیں کہ شیخ شلبی نے سب سے اول مسلم شریف کی حدیث پیش کی ہے اور ساتھ ہی فتح القدیر سے کھلی ہتھیلی کے ساتھ انگلیوں کے بند کرنے کا مطلب بھی بتایا ہے، جسے اس نے امام محمد اور امام ابو یوسف کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اسی سے حلوائی کا قول نقل کیا ہے کہ انگلی کو لا الہ پر اٹھانے اور الا اللہ پر رکھنے سے کس چیز کی طرف اشارہ ہے۔ اور درایہ کے حوالے سے امام محمد کی جانب سے اسے رسول اللہ ﷺ کا فعل مبارک قرار دیتے ہوئے خود امام محمد کا اس پر عمل کرنے کا قول نقل کیا ہے، پھر اسی کے حوالے سے ابو جعفر ہندوانی کی روایت سے اشارے کی کیفیت کا ذکر کیا ہے اور اسی کا قول نقل کیا ہے کہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا نظریہ چونکہ حدیث کے موافق ہے اس لیے اس کا کرنا اولیٰ ہے اور ساتھ ہی شیخ الاسلام کی، مبسوط سے عقد کی وضاحت بھی نقل کی ہے، اور اشارے کے مخالفین کی مخالفت میں فتح القدیر والے کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی مخالفتِ اشارہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے، اس کے بعد مجتبیٰ کا حوالہ دیا ہے کہ اشارۂ سبابہ

---

(۱) "الواقعـات" کے نام سے بہت سے علماء کی کتابیں ہیں، مثلاً شمس الائمۃ حلوائی عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح متوفی ۴۴۸ھ اور صدر الشہید عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازۃ ابو محمد حسام الدین متوفی ۵۳۶ھ اور ابو العباس احمد بن محمد بن عمر والناطفی متوفی ۴۴۶ھ اور شیخ طاہر بن محمد بن احمد بن عبد الرشید بخاری صاحب خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہم۔ دیکھیے مفتاح السعادۃ ۲ / ۲۵۲، ۲۵۳، ۵۵۸، ۵۵۹۔

(۲) ایک ذخیرہ "ذخیـرۃ الفتـاویٰ" ہے جو کہ برہان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ بخاری متوفی ۶۱۶ھ کا ہے، یہاں پر یہ "ذخیرہ" مراد نہیں ہے کیونکہ اس میں اشارۂ سبابہ کو سنت لکھا گیا ہے۔ دوسرا "ذخیرہ" ہے شیخ الاسلام محمد بن الحسن بخاری ابو بکر خواہر زادہ متوفی ۴۸۳ھ کا دیکھیے مفتاح السعادۃ ۲ / ۲۵۰، یہاں پر یہ ذخیرہ بھی مراد نہیں ہے کیونکہ میر شریف جرجانی کے حوالے میں خواہر زادہ سے اشارے کا سنت ہونا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک اور ذخیرہ "ذخیرۃ العقبیٰ" بھی ہے جو یوسف بن جنید اخی جلبی کا شرح وقایہ پر حاشیہ ہے وہ بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ شرح وقایہ میں اشارے کے متعلق "ومثل ھذا جاء عن علمائنا ایضا" لکھا گیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے ایک اور ذخیرہ "ذخیرۃ المصلی" کا نام بھی لکھا ہے اور بتایا ہے کہ وہ "منیہ" کی طرح مختصر ہے، اس کے مصنف کا نام اس نے نہیں لکھا۔ کشف الظنون ۲ / ۱۵۴، ممکن ہے یہاں وہ مراد ہو۔ (۳) یعنی "ظاہر الروایہ" کتابوں میں ذکر نہ ہونے کی وجہ سے۔ اس کی مزید وضاحت صفحہ نمبر ۱۰۱ پر گزر چکی ہے۔

کے بارے میں کثیر تعداد میں اخبار وآثار ہیں اور احناف کی روایات اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں، نیز اہلِ مدینہ وکوفہ کا بھی اس کے سنت ہونے پر اتفاق ہے اس لیے اس پر عمل کرنا اسے ترک کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ پھر آخر میں اس نے تبیین الحقائق کے قول" وکرھھا فی منیة المصلی " کے طرفدار دیگر فقہاء کی کتابوں کے نام معراج الدرایہ کے مصنف قوام الدین کاکی محمد بن محمد بن احمد سنجاری متوفی ۷۴۹ھ سے نقل کیے ہیں۔ اب قارئین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ شیخ شلبی کس طرف ہیں؟ اس کے بعد یہ بھی عرض کیے دیتا ہوں کہ واقعی تنویر الابصار والے نے لکھا ہے: ولا یشیر بسبابته عند الشهادة وعلیه الفتویٰ یعنی اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن صاحب در المختار علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے اسکی شرح کرتے ہوئے علامہ تمرتاشی کے اس قول کو رد کیا ہے، اس نے علامہ تمرتاشی کے دیگر ہمنوا فقہاء کے نام گنوانے کے بعد ان کے اس قول کو غیر معتمد قرار دیتے ہوئے اس کے مقابل معتمد قول کرنے والے فقہاء کے نام درج کر کے بتایا ہے کہ انہوں نے التحیات میں اشارہ کرنے کو صحیح اس لیے کہا ہے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے، اس کے علاوہ ان حضرات نے اشارۂ سبابہ کو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اور علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن الیاس قونوی دمشقی متوفی ۷۸۸ھ کی " درر البحار" اور شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن محمود بخاری کی لکھی گئی اس کی شرح " غرر الاذکار" سے اشارۂ سبابہ کو احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ اب ہم در المختار کی عبارت بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ فاضل مصنف کی دیانت دارانہ نقل کا درست اندازہ ہو سکے، تنویر الابصار میں ہے: ولا یشیر بسبابته عند الشهادة وعلیه الفتویٰ۔ اس پر علامہ حصکفی نے لکھا ہے: کما فی الولوالجیة والتجنیس وعمدة المفتی وعامة الفتاویٰ لکن المعتمد ما صححه الشراح ولا سیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقانی والشیخ الاسلام الجد وغیرهم انه یشیر لفعله علیه الصلاة والسلام ونسبوه لمحمد والامام. بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الاذکار المفتیٰ به عندنا انه یشیر باسطاً اصابعه کلها۔ یعنی جیسا کہ ولوالجیہ، تجنیس، عمدۃ المفتی اور عام کتب

فتاویٰ میں ہے، لیکن معتمد وہ ہے جسے شارحین نے صحیح قرار دیا ہے، خاص طور پر کمال، حلبی، بہنسی، باقانی اور شیخ الاسلام جد(۱) وغیرہم نے کہ حضور پاک ﷺ کے فعل کی وجہ سے اشارہ کرے، اور انہوں نے اسے امام محمد اور امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ درر البحار کے متن اور اس کی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ ہم احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ یہ ہے کہ تمام انگلیوں کو کھلا رکھتے ہوئے اشارہ کرے۔ دیکھیے در المختار شرح تنویر الابصار جلد ۲ ص:۲۱۶۔۲۱۷ فاضل مصنف نے در مختار، بحر الرائق اور حاشیہ شلبی کی طرف اشارہ نہ کرنے کے قول کی نسبت ان کتابوں کی مکمل عبارات پڑھے بغیر ہی کر دی ہے، یا پھر اپنے مطلب کی خاطر لا تقربوا الصلاۃ کی طرح عدم اشارہ پر استدلال فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں: جامع الرموز میں بھی لکھا ہے کہ اشارہ نہیں کرنا چاہیے، اس پر فتویٰ ہے۔ صاحب واقعات نے لکھا ہے ان الاشارۃ حرام کہ بے شک اشارہ حرام ہے وعلیہ الفتویٰ اس پر فتویٰ ہے۔ صاحب غرائب نے بھی لکھا ہے والصحیح ان الاشارۃ حرام کہ صحیح یہ ہے کہ بے شک اشارہ حرام ہے۔ محیط میں بھی لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرے اور اس پر فتویٰ ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے والمختار انہ لا یشیر کہ مختار یہ ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے۔ فتاویٰ غیاثیہ میں بھی لکھا ہے ولا یشیر بالسبابۃ عند التشھد وھو المختار وعلیہ الفتویٰ تشہد میں سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کرے یہی قول مختار ہے۔ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرے اور اس پر فتویٰ ہے۔ زاہدی میں لکھا ہے لا یشیر وعلیہ الفتویٰ۔ مفاتیح الجنان میں بھی لکھا ہے لا یشیر وعلیہ الفتویٰ۔ منظومہ نامی کتاب میں لکھا ہے ولا شک فی تحریمہ کہ اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۱۶۔۱۷

عرض کرتا ہوں: جامع الرموز کا حوالہ پیش خدمت ہے، دیکھ لیں کہ جامع الرموز والے نے "اشارہ نہیں کرنا چاہیے اس پر فتویٰ ہے" لکھا ہے یا مانعین اشارہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد اشارے کو سنت کہا ہے اور حلقہ بنانے کی کیفیت بیان کی ہے اور انگلی اٹھانے اور رکھنے کی تعلیل ذکر کی ہے؟

(۱) عبدالحیٔ لکھنوی نے لکھا ہے کہ "شیخ الاسلام عبدالرشید البخاری جد صاحب الخلاصہ" یعنی شیخ الاسلام لقب ہے خلاصہ کے مصنف طاہر بن احمد بن عبدالرشید بن حسین بخاری متوفی ۵۴۲ھ کے دادا عبدالرشید بخاری کا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام الجد عبدالرشید بن حسین بخاری کا لقب ہے، جو صاحب ہدایہ کے استاد قوام الدین احمد بن عبدالرشید کے والد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ قہستانی لکھتے ہیں: و فی الا کتفاء اشعار بانہ لایشیر ولا یعقد ، و ھذا ظاھر اصول اصحابنا لما فی الزاھدیؒ و علیہ الفتویٰ کما فی المضمرات والوالجی والخلاصۃ و غیرھا ، و عن اصحابنا جمیعا انہ سنۃ فیحلق ابھام الیمنیٰ وو سطاھا ملصقا رأسھا برأسھا و یشیر بالسبابۃ عند اشھد ان لا الہ الا اللہ ، و عن الحلوائی یرفع عند لا الہ و یضع عند الا اللہ لیکون کالنفی والاثبات ، و یعقد البنصر والخنصر کما قال الفقیہ ابو جعفر ، و قال غیرہ من اصحابنا انہ یعقد عقد ثلاثۃ و خمسین کما فی الزاھدیؒ فیقرب علیٰ مقتضی علم عقد الانامل الوسطیٰ والبنصر والخنصر من اُصولھا الثلاثۃ و یقیم السبابۃ ویضم الابھام مع الکف محاذیا للسبابۃ للخمسین۔ یعنی مصنف نے واضعا یدیہ علیٰ فخذیہ موجھا اصابعہ نحو القبلۃ مبسوطۃ (دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں کھلی ہوئی قبلہ رخ ہوں) کے ذکر پر اکتفاء کر کے یہ بتلانا چاہا ہے کہ نہ تو وہ اشارہ کرے اور نہ ہی انگلیوں کو بند کرے، یہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول ہے، اس وجہ سے کہ زاہدی میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ مضمرات، ولوالجی، خلاصہ وغیرہ میں ہے، اور ہمارے تمام اصحاب سے منقول ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے پس دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ والی انگلی کے سر آپس میں ملا کر حلقہ بنائے اور اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور حلوائی سے منقول ہے کہ لا الہ پر انگلی کو اٹھائے اور الا اللہ پر نیچے رکھ دے تاکہ وہ نفی اور اثبات کی مانند ہو جائے اور چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے جیسا کہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے کہا ہے، اور ہمارے دیگر اصحاب نے کہا ہے کہ ترپن (۵۳) کا عقد بنائے جیسا کہ زاہدی میں ہے پس علمِ عقدِ انامل کے تقاضا کے مطابق درمیانی، چھوٹی اور اس کے ساتھ والی تینوں انگلیوں کو ان کی جڑوں کے قریب کرے اور سبابہ کو کھڑا کرے اور پچاس (۵۰) کے عقد کے لیے انگوٹھے کو سبابہ کے آمنے سامنے ہتھیلی کے ساتھ ملائے۔ دیکھیے جامع الرموز ۱/ ۱۷۱۔

فاضل مصنف کے بقول صاحبِ واقعات نے لکھا ہے: "ان الاشارۃ حرام کہ بیشک اشارہ حرام ہے وعلیہ الفتویٰ اس پر فتویٰ ہے"۔ لیکن شیخ علی متقی ہندی نے علامہ سروجی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: و نقل السروجی عن صاحب الحاوی و منیۃ المفتی والاجناس والواقعات عن اصحابنا ان یعقد الخنصر والبنصر و یحلق الوسطی والابھام ، و ھذا

هوالذی ذکرہ محمد فی الموطا و قال: هو قول ابی حنیفة و به ناخذ۔ یعنی سروجی نے حاوی، منیۃ المفتی، اجناس اور واقعات کے مصنفین سے نقل کیا ہے کہ ہمارے علماء سے منقول ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے، امام محمد نے اسے موطا میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ دیکھیے رسالہ شیخ علی متقی ہندی ص: ۴، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علی متقی ہندی سے اسے نقل کیا ہے اور شیخ صاحب سے اسے مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی نے نقل کیا ہے۔ شرح سفر السعادت ص:۸۱، نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۸۳

رہا مسئلہ محیط کا تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ علماء جب مطلقاً محیط کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد محیط برہانی ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ لکھنوی نے علامہ ابن امیر الحاج حنفی کی منیۃ المصلی کی شرح حلبۃ المحلی سے نقل کیا ہے۔ دیکھیے الفوائد البہیہ ص: ۳۱۴ یہ اس لیے کہ "محیط" نام کی بہت سارے احناف کی تصانیف ہیں، مثلاً محیط رضوی، محیط سرخسی (صغیر، کبیر، مختصر) محیط زندویستی، محیط قاضی خان۔ اور دیگر محیطات کو ان کے مصنفین کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے محیط برہانی اور محیط رضوی موجود ہیں ہم ان دونوں کی عبارات پیش کیے دیتے ہیں تا کہ قارئین خود اندازہ کر لیں کہ فاضل مصنف نے حوالہ صحیح نقل کیا ہے یا متعلقہ کتب دیکھے بغیر صرف کتابوں کے ناموں کی فہرست طویل کی ہے۔

فاضل مصنف نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ: "محیط میں بھی لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرے اور اس پر فتویٰ ہے"۔ لیکن جناب پیر سیف الرحمن اخوندزادہ صاحب نے فاضل مصنف کے رسالے پر اپنی تقریظ میں اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر لکھا ہے کہ: "محیط میں ہے دائیں ہاتھ کی انگلی سبابہ سے اشارہ کیا جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل میں اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ کرنا حرام ہے"۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۳۸، عبارات کو توڑ مروڑ کر اور اصل کتابوں میں کمی بیشی کر کے اپنے مدعا کو بہرحال ثابت کرنے کا فن مخالفینِ اشارۂ سبابہ سے کوئی سیکھے۔ اب آپ دونوں محیطوں کی عبارات ملاحظہ فرمائیں: محیط برہانی میں ہے: ثم اذا اخذ فی التشهد و انتهیٰ الی قوله اشهد ان لا اله الا الله هل یشیر باصبعه السبابة من الید الیمنیٰ؟ لم یذکر محمد رحمه الله هذه المسئلة فی الاصل . و قد اختلف المشائخ رحمهم الله فیه، منهم من قال: لا یشیر لان مبنی الصلاة علی السکینة والوقار، و

منهم من قال: يشير . و ذكر محمد في غير رواية الاصول حديثا عن النبي عليه السلام انه كان يشير. قال محمد: يصنع بصنع النبي عليه السلام . ثم قال: هذا قولي و قول ابي حنيفة. ثم كيف يصنع عند الاشارة؟ حكي عن الشيخ الفقيه ابي جعفر انه قال: يعقد الخنصر والبنصر و يحلق الوسطى مع الابهام و يشير بالسبابة ،وروى ذالك عن النبي عليه السلام ۔یعنی جب التحیات شروع کرے اور اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ امام محمد نے اس مسئلہ کا کتب اصول میں ذکر نہیں کیا، اور مشائخ رحمہم اللہ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے کچھ نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے کیونکہ نماز کی بناء اطمینان اور وقار پر ہے، اور کچھ نے کہا ہے کہ اشارہ کرے، اور امام محمد نے غیر ظاہر الروایہ میں نبی پاک ﷺ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ اشارہ کرتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ نبی پاک ﷺ کے عمل کو اپناتے ہیں، اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ یہ میرا اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔ پھر اشارے کے وقت کس طرح کرے؟ شیخ فقیہ ابوجعفر ہندوانی سے روایت کی گئ ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور یہ طریقہ نبی پاک ﷺ سے مروی ہے۔ دیکھیے محیط برہانی ۱ / ۴۲۲ "الفصل السادس عشر في التغني والالحان "فرع في بيان ما يفعله المصلي بعد الافتتاح.

واضح رہے کہ صاحب محیط برہانی کا شروع میں اس مسئلے کے بارے میں یہ کہنا کہ امام محمد نے اس کا کتب اصول میں ذکر نہیں کیا، یہ بعد میں ذکر کردہ اختلافِ مشائخ کی علت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشائخ کا اس بارے میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ امام محمد نے اسے ظاہر الروایہ میں ذکر نہیں کیا، دوسری علت یہ ہے کہ نماز کی بناء اطمینان وسکون پر ہے۔ گویا مخالفینِ اشارہ کی نظر میں اشارہ کرنا نماز میں مطلوب اطمینان وسکون کے خلاف ہے۔ (اس بارے میں تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے) اس کے بعد صاحب محیط برہانی نے امام محمد کی غیر ظاہر الروایہ (مؤطا امام محمد) میں نبی پاک کی حدیث کا مروی ہونا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی نظر میں جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایہ میں سرے سے مذکور ہی نہ ہو تو پھر غیر ظاہر الروایہ میں ذکر ہونا بھی قابلِ استشہاد ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد اس بارے میں امام محمد کا قول پیش کرنا کہ "یصنع

بصنع النبی علیه السلام "اور" هذا قولی وقول ابی حنیفة "اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صاحب محیطِ برہانی نے "مذہب" اور "قول" میں فرق نہیں کیا، اس لیے بھی کہ پہلا جملہ یعنی "یصنع بصنع النبی علیه السلام "امام محمد اور امام اعظم کے مذہب پر دال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "یصنع بصنع النبی علیه السلام " یا "نصنع بصنع النبی علیه السلام" یا "نأخذ بفعله "وغیرہ قسم کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ اشارہ کرنا امام محمد اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اور آخر میں اشارے کی کیفیت کے بارے میں تیسرے طبقے کے معروف فقیہ ابو حنیفہ ثانی ابوجعفر ہندوانی سے نقل پیش کر کے اشارے کے متقدمین احناف کے نزدیک سنت ہونے پر دلیل پیش کی ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں حدیثِ نبوی کا ذکر کر کے بات ختم کی ہے۔

اس قدر وضاحت سے صاحبِ محیطِ برہانی کے بیان کے باوجود بھی اشارہ نہ کرنا اور اسے مفتیٰ بہ قرار دینا یہ حضرت فاضل مصنف ہی کی ہمت ہے ورنہ فقہ سے معمولی سی شد بد رکھنے والا بھی ایسی دیدہ دلیری کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ یہی صاحبِ محیط اس سے قبل اسی فصل کے "الخروج عن الصلاۃ بفعل المصلی "میں لکھتے ہیں: قیل رفع سبابة الید الیمنیٰ فی التشهد عند قوله اشهد ان لا اله الا الله سنة عند ابی حنیفة ومحمد والشافعی ۔یعنی کہا گیا ہے کہ التحیات میں اشهد ان لا اله الا الله پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھانا امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ محیط برہانی ۱/ ۳۸۹۔۔۔۔

اب محیطِ رضوی، جسے محیط سرخسی بھی کہا جاتا ہے، کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں: ثم قیل لا یشیر بالمسبحة عند قوله اشهد ان لا اله الا الله. وقد نص محمد فی کتاب المشیخة علی انه یشیر فقال حد ثنا عن رسول الله ﷺ انه کان یفعل ذالك، ای یشیر وقال: نصنع بصنیع رسول الله ﷺ وهذا قول ابی حنیفة وقولنا ۔یعنی کہا گیا ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے، حالانکہ امام محمد نے کتاب المشیخۃ میں اس بات پر صراحت کی ہے کہ اشارہ کرے، پھر اس نے کہا ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی گئی ہے کہ آپ ﷺ یہ کیا کرتے تھے یعنی اشارہ فرماتے تھے، اور امام محمد نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عمل کی متابعت کرتے ہیں اور یہ ابوحنیفہ اور ہمارا قول ہے۔ دیکھیے محیط سرخسی قلمی نسخہ ص: ۵۶ سطر نمبر ۷۔ ۹ فتاویٰ تاتارخانیہ کی مکمل عبارت پہلے گزر چکی ہے

اسے صفحہ ۱۰۳ پر دیکھیے۔

فاضل مصنف نے اشارے سے منع اور اشارہ نہ کرنے کو مفتیٰ بہ کہنے والوں کی فہرست میں زاہدی کا بھی نام لکھا ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ زاہدی (۱) نے اشارے کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے شارح جلال الدین بن شمس الخوارزمی کرلانی نے اپنی شرح میں اس مسئلے پر کافی تفصیل سے لکھا ہے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں: قال العلامة نجم الدین الزاهدی لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعا فی کونه سنة و کذا عن الکوفیین والمدنیین و کثرت الاخبار والآثار کان العمل بها اولی، انتهی۔ یعنی علامہ نجم الدین زاہدی نے کہا ہے کہ چونکہ ہمارے تمام اصحاب کی روایات اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں اسی طرح اہلِ کوفہ و مدینہ کی بھی روایات متفق ہیں اور اس بارے میں اخبار اور آثار بھی بکثرت موجود ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ دیکھیے الکفایہ ۱/ ۲۷۱۔۲۷۲

شیخ شلبی کی عبارت ص: ۱۳۷۔۱۳۸ پر گزر چکی ہے جس میں اس نے بھی "مجتبیٰ" یعنی زاہدی کی شرح مختصر القدوری سے یہی عبارت نقل کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ فاضل مصنف کا اس کی طرف "لا یشیر وعلیه الفتویٰ" کا قول منسوب کرنا حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اب آخر میں یہ بھی سن لیں کہ اس اعتراض میں فاضل مصنف کی شمار کردہ کتب میں سے "غرائب" اور "منظومہ" کے مصنفین نے اشارے کو حرام کہا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حرام کہتے کسے ہیں؟ فاضل مصنف کے ممدوح علامہ فاضل کیدانی نے حرام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"والمحرم ما ثبت النهی فیه بلا معارض له وحکمه الثواب بالترك لله عزوجل والعقاب بالفعل والکفر بالاستحلال فی المتفق علیه "۔ یعنی حرام وہ ہوتا ہے جس کی ممانعت بغیر معارض دلیل کے ثابت ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی خاطر اسے چھوڑنے سے ثواب اور اس کے کرنے سے عذاب ملتا ہے، اور اسے حلال سمجھنا متفق علیہ طور پر کفر ہے۔

---

(۱) مختار بن محمود بن محمد ابو الرجاء نجم الدین زاہدی غزمینی متوفی ۶۵۸ھ کی مختصر القدوری کی شرح ہے۔ عبدالقادر قرشی، حاجی خلیفہ چلپی، اسماعیل پاشا اور طاش کبریٰ زادہ نے اس کا نام نہیں لکھا البتہ عبدالحئی لکھنوی نے اس کا نام المجتبیٰ لکھا ہے دیکھیے الفوائد البھیہ ص: ۲۱۳، نیز النافع الکبیر ص: ۲۷ لیکن باقی سب نے "المجتبیٰ" کو اصول فقہ کی کتاب کہا ہے، عبدالحئی لکھنوی نے لکھا ہے کہ میں نے اس کی شرح مختصر القدوری "المجتبیٰ" کا مطالعہ کیا ہے۔ علامہ زاہدی معتزلی العقائد اور فروع میں حنفی المذہب تھا۔ جب زاہدی کہا جائے تو اس سے مراد یہی شرح مختصر القدوری ہوتی ہے۔

دیکھے خلاصۂ کیدانی ص:٦

اب حضرت فاضل مصنف بتائیں کہ اشارے کے ثبوت کے مقابلہ میں کونسی ایسی بلامعارض دلیل موجود ہے جس کی وجہ سے اسے حرام کہا جارہا ہے؟ کیا آپ یہ بھی فتویٰ دیں گے کہ اشارہ کرنے والا عذاب کا مستحق ہے؟ جن فقہاء وعلماء نے اسے نہ صرف حلال گردانا ہے بلکہ بزعم فاضل مصنف ایک حرام کام کو سنت کا درجہ دیا ہے کیا وہ ان کے نزدیک کافر ہیں اوران کا کفر متفق علیہ ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ فاضل مصنف نے بزعم خویش اپنی تائید میں جن فقہاء کے نام گنوائے ہیں وہ بھی کسی ایک حکم پر متفق نہیں، بعض نے اس کے نہ کرنے کو مفتیٰ بہ کہا ہے، بعض نے اسے مختار کہا ہے اور بعض نے اسے حرام قرار دیا ہے، ان میں سے کس کا قول معتبر مانا جائیگا؟ حق یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی قول نہیں مانا جائیگا کیونکہ اصول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد جب کسی مسئلے پر متفق ہوں تو ان سے اختلاف کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ علامہ قاضیخان نے اپنی فتاویٰ کے "فصل فی رسم المفتی" میں لکھا ہے: وان کانت المسئلة فی غیر ظاھر الروایة.فان کانت توافق اصول اصحابنا یعمل بھا وان لم یجد لھا روایة عن اصحابنا واتفق فیھا المتأخرون علیٰ شئ یعمل به وان اختلفوا یجتھد ویفتی بما ھو صواب عنده وان کان المفتی مقلدا غیر مجتھد یأخذ بقول من ھو افقه الناس عنده ویضیف الجواب الیه. فان کان افقه الناس عنده فی مصر آخر یرجع الیه بالکتاب ویتثبت فی الجواب. ولا یجازف خوفا من الافتراء علی الله تعالیٰ بتحریم الحلال وضده. والله الموفق للصواب۔ یعنی اگر مسئلہ غیر ظاہر الروایہ میں ہو اور ہمارے اصحاب کے اصول کے موافق ہو تو اسی پر عمل کیا جائیگا اور اگر اس کے لیے ہمارے اصحاب کی روایت موجود نہ ہو اور اس کے حوالے سے متاخرین کسی ایک حکم پر متفق ہوں تو اسی پر عمل کیا جائیگا، اور اگر متاخرین نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہو تو (مفتی) اجتہاد کر کے اپنے نزدیک صحیح پر فتویٰ دے گا، اور اگر مفتی مقلد غیر مجتہد ہو تو اسی کے قول کو لے گا جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ فقیہ ہوگا اور جواب کی اضافت اسی کی طرف کرے گا، اور اگر اس کے نزدیک سب سے زیادہ فقیہ شخص دوسرے شہر میں ہو تو مسئلہ لکھ کر اس کی طرف رجوع کریگا اور جواب میں اسے برقرار رکھے گا، اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر اٹکل اور اندازے سے فتویٰ

نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ کی توفیق دینے والا ہے۔ دیکھیے فتاویٰ قاضیخان ۱/ ۳

علامہ قاسم بن قطلو بغا مصری حنفی نے بھی قاضیخان سے یوں ہی نقل کیا ہے اور قاسم بن قطلو بغا سے علامہ ابن عابدین شامی نے نقل کیا ہے۔ دیکھیے التصحیح الترجیح علی مختصر القدوری ص:۱۲۶۔ ۱۲۷ اور شرح عقود رسم المفتی ص:۶۸ قاضیخان کے اس قول کی رو سے ایک مفتی کو درج ذیل باتوں کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اول یہ کہ اگر کوئی مسئلہ غیر ظاہر الروایہ میں ہو اور ہمارے اصحاب کے اصول کے موافق بھی ہو تو اسی پر عمل کا فتویٰ دینا چاہیے۔ دوم یہ کہ اگر اس کے متعلق ہمارے اصحاب کی روایت موجود نہ ہو اور متأخرین کے درمیان اس کے حکم پر اتفاق ہو تو پھر اسی کے مطابق عمل کا فتویٰ دیا جائے۔ سوم یہ کہ ہمارے اصحاب کی روایت موجود نہ ہو اور متأخرین کے درمیان اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہو تو پھر مفتی غور وفکر کرے اور جو حکم صحیح سمجھے اسی کے مطابق فتویٰ دے۔ چہارم یہ کہ اگر مفتی مقلد غیر مجتہد ہے تو پھر سب سے بڑے فقیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دے اور اپنے اس جواب کو اسی بڑے فقیہ کی طرف منسوب کرے۔ پنجم یہ کہ اگر سب سے بڑا فقیہ کسی دوسرے شہر یعنی دیارِ غیر میں رہتا ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ مسئلہ لکھ کر اس کی طرف بھیج دے، جو جواب وہ دے اپنے فتویٰ میں اسی کو برقرار رکھے اور حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنے میں خدا کا خوف رکھتے ہوئے اپنی طرف سے محض اندازے اور اٹکل سے فتویٰ دینے سے پرہیز کرے۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ اشارۂ سبابہ کا مسئلہ غیر ظاہر الروایہ میں موجود ہے اور ہمارے اصحاب کے اصول کے موافق بھی ہے۔ ہمارے اصحاب کا اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآنِ کریم سے اخذ کیا جائے، اگر کوئی حکم قرآن مجید میں نہ ملے تو پھر سنت سے اخذ کیا جائے اور اگر وہ حکم سنت میں بھی نہ ملے تو پھر صحابی کے قول سے اخذ کیا جائے، اور اگر اس سے متعلق صحابی کا قول بھی نہ ملے تو پھر آخر میں قیاس کر کے اس کا حکم لگایا جائے۔ حدیث ضعیف ہو یا مرسل بہر صورت اس کی موجودگی میں قیاس نہیں کیا جائیگا۔ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا مشہور قول ہے کہ اترکوا قولی بقول رسول اللہ ﷺ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مقابلے میں میرے قول کو چھوڑ دو۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ علامہ سیوطی نے خطیب بغدادی کی تاریخِ بغداد سے حضرت سفیان کا قول نقل کیا ہے، آپ نے فرمایا: سمعت ابا حنیفة يقول: آخذ بكتاب الله. فما لم أجد فبسنة رسول

اللہ ﷺ. فان لم أجد فی کتاب الله ولا فی سنة رسول الله ﷺ أخذت بقول اصحابه آخذ بقول من شئت منهم وأدع من شئت منهم وما أخرج من قولهم الی قول غیرهم. فاما اذا انتهی الامر الیٰ ابراهیم والشعبی وابن سیرین والحسن وعطاء وسعید بن المسیب. وعدّ رجالا. فقوم اجتهدوا فاجتهد کما اجتهدوا۔ یعنی میں نے ابوحنیفہ کوفرماتے ہوئے سنا کہ میں کتاب اللہ سے حکم اخذ کرتا ہوں، اگراس میں نہ ملےتو پھر رسول اللہ کی سنت سے اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ ملےتو پھر کسی بھی صحابی کے قول کو اخذ کرتا ہوں، ان میں سے جسے مناسب جانتا ہوں اسکے قول کو لے لیتا ہوں اور جسے مناسب نہیں جانتا اس کے قول کو چھوڑ دیتا ہوں، ان کے قول کے مقابل کسی غیر صحابی کے قول کو نہیں لیتا، اور جب بات آجاتی ہے ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء اور سعید بن مسیب کی۔ اس طرح انہوں نے کئی نام گنوائے۔ تو انہوں نے بھی اجتہاد کیا اور میں بھی ان کی طرح اجتہاد کرتا ہوں۔ دیکھیے تبییض الصحیفة ص: ۱۲۲ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وروی ایضاً عن نعیم بن حماد قال سمعت عبد الله بن المبارك یقول: قال ابو حنیفة: اذا جاء الحدیث عن النبی ﷺ فعلیٰ الرأس والعین واذا کان من اصحاب النبی ﷺ اخترنا ولم نخرج من قولهم. واذا کان عن التابعین زاحمناهم ۔یعنی نعیم بن حماد سے مروی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب نبی پاک ﷺ کی حدیث آجائے تو سر آنکھوں پر، اور جب نبی پاک ﷺ کے اصحاب کی بات آجائے تو ان میں ہی سے کسی ایک کے قول کو منتخب کرلیں گے، ان کے قول سے باہر نہیں جائیں گے، اور جب بات تابعین کی آئے گی تو ہم ان کی مزاحمت کریں گے۔ دیکھیے تبییض الصحیفة ص: ۱۲۷

امام سرخسی آپ کے اس قول کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انما قال ذالك لانه کان من جملة التابعین فانه رأی اربعة من الصحابة انس بن مالك وعبد الله بن ابی اوفی وابا الطفیل وعبد الله بن حارث بن جزء الزبیدی رضی الله عنهم وقد کان ممن یجتهد فی عهد التابعین ویعلم اناس ۔یعنی آپ نے یہ اسی لیے کہا کہ آپ بھی تابعین ہی میں سے تھے، امام صاحب نے صحابۂ کرام میں سے حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن ابی اوفی، ابوطفیل اور عبد اللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہم چار صحابۂ کرام کو دیکھا تھا اور آپ تابعین کے دور میں اجتہاد کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ دیکھیے اصول سرخسی ۱/ ۳۱۳۔۳۱۴

اس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول غیر ظاہر الروایہ میں موجود ہے، نیز امام ابو یوسف نے بھی اپنی "امالی" میں اشارۂ سبابہ کو مستحب لکھا ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: كذا نقلوه عن ابي يوسف في الامالي كما يأتي فهو منقول عن أئمتنا الثلاثة۔ دیکھیے ردالمحتار ۱/ ۴۷۴۔۴۷۵ اس کے علاوہ یہ مسئلہ ہمارے اصحاب کے اصول کے مطابق بھی ہے کہ جب کوئی مسئلہ حدیث میں موجود ہو تو وہ سر آنکھوں پر۔ اس لیے اس پر عمل کرنا حتمی ہے۔

بالفرض اگر اس بارے میں ہمارے تینوں اماموں کا قول موجود نہ بھی ہوتا یا ان کا قول اس کے مخالف ہوتا تو پھر بھی حضرت امام اعظم کے ارشاد: اترکوا قولی بقول النبی ﷺ کے مطابق اس پر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ اس کا ثبوت متعدد اور معنا متواتر احادیث سے ملتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس ساری صورت حال کے پیش نظر چھٹے اور ساتویں طبقے کے فقہاء کی مخالفت اور ممانعت والے فتووں کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔ وہ چار ہوں خواہ چار سو ہوں، ان کا قول اور فتویٰ ائمہ ثلاثۂ احناف کے قول اور فتویٰ کے مقابلے میں متروک اور مردود ہے، چاہے وہ فقہاء و مفتیانِ کرام اپنے اپنے عہد میں کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ ائمہ ثلاثہ اور رسول اللہ ﷺ سے بڑے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے اقوال ان ہستیوں کے ارشادات سے بڑے ہیں۔

فرماتے ہیں: تو معلوم ہوا کہ اشارہ کرنا نماز میں منع ہے مذہبِ حنفی میں، اب اگر کوئی امام صاحب کا مذہب چھوڑ دیں تو امام صاحب قیامت کے دن اس کو گلے سے پکڑیں گے کہ تم نے میرا مسلک کیوں چھوڑ دیا۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۷

عرض کرتا ہوں: اب تک کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول اور مذہب اشارہ کرنا ہے، جسے امام محمد اور امام ابو یوسف نے غیر ظاہر الروایہ میں ذکر فرما دیا ہے، نہ صرف انہوں نے بلکہ ان کے بعد کے طبقے والے تقریباً تمام فقہاء احناف نے بھی انہی کی ہمنوائی کرتے ہوئے اشارے کو سنت یا مستحسن عمل قرار دیا مثلاً ابو جعفر ہندوانی، امام طحاوی، شمس الائمہ حلوانی، علامہ کاسانی، ابن ہمام، علامہ خوارزمی، علامہ بابرتی، علامہ نسفی، بدرالدین عینی، زیلعی، ابن امیر الحاج، ابراہیم حلبی، ابن نجیم صاحب النہر، منیۃ المصلی کے تمام شارحین، قہستانی، صاحبِ فتویٰ ظہیریہ، صاحبِ محیط برہانی، صاحب محیط سرخسی، صاحبِ الملتقط، صاحبِ فتاویٰ صوفیہ، سغناقی صاحب النہایہ، زاہدی صاحب الکفایہ، مرغینانی صاحب ہدایہ، قاضیخان، شمنی، ابوالمکارم، شلبی،

طرابلسی، ابوالقبول حاتمی، حصکفی، ابن عابدین، شرنبلالی، ملا واجد حنفی، شمس الدین قونوی، حافظ مغلطای بن قلیج، علی متقی ہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا علی قاری، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، خواجہ محمد یحی بن امام ربانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، عبدالواحد سیوستانی، میر سید شریف جرجانی، مخدوم محمد جعفر بوبکانی، شیخ محمد حیات سندھی، صدرالشریعۃ صاحب وقایہ، علامہ عبد الرحمن جامی، سروجی، ناطفی، شیخ فتح محمد برہانپوری صاحب مفتاح الصلاۃ، سدید الدین کاشغری صاحب منیۃ المصلی، عبدالعلی بن نظام الدین بحرالعلوم لکھنوی، عبدالحئ لکھنوی، امام احمد رضا خان بریلوی، شیخ زادہ عبدالرحمن صاحب مجمع الانہر، برہان الدین ابراہیم حلبی مداری صاحب تحفۃ الاخیار، شیخ الاسلام ابوبکر بن علی صاحب جوہرۃ النیرہ، شیخ مصطفیٰ طائی محشی رمزالحقائق، شیخ ابوسعید خادمی محشی الدرر، علامہ عبدالحکیم افغانی صاحب کشف الحقائق، عبدالرحمن جزیری صاحب کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، سید احمد طحطاوی، علامہ اسعد محمد سعید صاغرجی صاحب الفقہ الحنفی وادلتہ، علامہ عنایت اللہ قادری قصوری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب مالا بدمنہ، شیخ مسعود بن یوسف سمرقندی صاحب صلاۃ مسعودی، شیخ نصیرالدین بینائی صاحب فتاویٰ برہنہ، ابوالمکارم ابراہیم بن داود قادری مانکپوری، علامہ عبدالغنی غنیمی میدانی صاحب اللباب فی شرح الکتاب، علامہ قاضی جکن ہندی صاحب خزانۃ الروایات وغیرہم علماء وفقہاء نے اشارۂ سبابہ کو سنت اور مستحسن عمل قرار دیا ہے۔

اس فہرست میں فقہاء کے تیسرے طبقے سے ساتویں طبقے تک کے فقہاء کے علاوہ مشہور مفتیانِ کرام بھی شامل ہیں اور ان سب کے اقوال اور فتاوے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے موافق بھی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کا مذہب اشارہ کرنا ہے لیکن تعجب ہے کہ چھٹے اور ساتویں طبقے کے کچھ فقہاء یا بعد کے مفتیانِ کرام نے ائمۂ ثلاثہ احناف کے قول کی مخالفت کرتے ہوئے اشارۂ سبابہ کے عدم جواز یا کراہت یا حرمت کی بات کی ہے، فاضل مصنف اسے امام صاحب کا مذہب قرار دے رہے ہیں، گویا ان کی نظر میں امام صاحب کا مذہب، امام صاحب اور ان کے شاگردان ذی وقار امام ابو یوسف اور امام محمد کی مخالفت کرنے میں ہوتا ہے، نہ کہ ان کی موافقت کرنے میں، اگر ان کے نزدیک یہی حنفیت ہے تو پھر ایسی خودساختہ حنفیت سے ہم نے توبہ کی۔

ع اٹھالو پاندان اپنا ہم باز آئے محبت سے

یہ مسئلہ ہم قیامت کے دن کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کس کو گلے سے

پکڑیں گے، اپنے اور اپنے شاگردوں کے قول کی موافقت کرنے والوں کو یا پھر اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے عدم کو مذہب حنفی قرار دینے کی ضد کرنے والوں کو؟ یقیناً گلا مخالفوں کا پکڑا جائے گا موافقین کو تو اپنے دامن میں چھپا لیا جائے گا۔ اس لیے امام اعظم کے قول پر عمل کرنے والوں کو گریبان سے پکڑے جانے کی دھمکی دینے والے اپنے دامن کی خیر منائیں۔

فرماتے ہیں: حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: من اشار بالسبابة فهو من الخاطئين (بحوالہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص: ۲۴) جس نے سبابہ انگلی سے اشارہ کیا تو وہ خطا کاروں میں سے ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۷

عرض کرتا ہوں: جب معترض حضرات کو اشارۂ سبابہ کی مخالفت اور ممانعت میں صحیح یا ضعیف حدیث تو در کنار تابعین اور تبع تابعین کا کوئی اثر بھی نہ مل سکا اور نہ ہی ائمہ متبوعینِ احناف کا قول دستیاب ہوا تو وہ اپنی طرف سے گھڑی ہوئی احادیث پیش کر کے اشارۂ سبابہ کو ہر صورت میں ممنوع اور حرام قرار دینے پر کمر بستہ ہو گئے اور اس سلسلے میں ان سے جو بھی بن پڑا کر گزرے۔ اور تو اور معروف عالمِ دین جناب عبد القیوم سامحہ اللہ بقولہ ہذا المعروف پیر آف مانکی شریف نے یہاں تک لکھ دیا کہ: ان النبي ﷺ امر في آخر العمر بترك الاشارة بالسبابة وقال ﷺ من اشار بالسبابة عند التلفظ بالشهادتين فهو من الشياطين۔ یعنی نبی پاک ﷺ نے آخر عمر میں اشارۂ سبابہ کو ترک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کسی نے اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت سبابہ سے اشارہ کیا تو وہ شیاطین میں سے ہے۔ دیکھیے حل المشکلات ص: ۱۰۵، جناب پیر صاحب کی پیش کردہ یہ حدیث بغیر سند کے ہے جو کہ موضوع حدیث کے حکم میں داخل وشامل ہے۔ ایسا کرتے وقت مخالفینِ اشارۂ سبابہ حضرات یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ پر باندھے گئے اس جھوٹ کا کیا جواب دیں گے، انھوں نے آپ کی متواتر حدیث "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" کو بھی طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ دیکھیے صحیح بخاری ۱/۲۱ باب اثم من كذب على النبي ﷺ، نیز صحیح مسلم ۱/۷ باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ۔ امام نووی نے اس حدیث کے راویوں کی تعداد کے متعلق پانچ اقوال نقل کیے ہیں اور پانچویں قول کے مطابق اس حدیث کے راوی صحابہ کی تعداد دوسو (۲۰۰) بیان کی ہے۔ علامہ عبد العزیز پرہاروی لکھتے ہیں: بل الحديث المتواتر القولي قليل حتى ادعى بعضهم انحصاره في قوله عليه السلام: من كذب علي

متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار۔ یعنی قولی متواتر حدیث قلیل تعداد میں ہے؛ حتیٰ کہ بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ صرف من کذب علیّ متعمداً فلیتبواء مقعدہ من النار میں ہی منحصر ہے۔ دیکھیے النبر اس ص:۸۸۔۸۹

امام سرخسی نے حضرت امام محمد سے ہشام کے ذریعے نقل کیا ہے کہ فقہ کی چار قسمیں ہیں ایک وہ جو قرآن شریف یا اس کے مشابہ (یعنی قرآن یا متواتر حدیث) میں ہو۔ دوسرا وہ جو سنت یا اس کے مشابہ (یعنی مشہور حدیث) میں مذکور ہو۔ تیسرا وہ جو صحابہ یا اس کے مشابہ کے ذریعے ثابت ہو (یعنی ہر دور کے علماء کا اس پر اجماع ہو) چوتھا وہ جسے مسلمان اچھا سمجھتے ہوں یا اس کے مشابہ ہو۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ففی ھذا بیان انّ ما اجمع علیہ الصحابۃ فھو بمنزلۃ الثابت بالکتاب والسنۃ فی کونہ مقطوعاً بہ حتیٰ یکفر جاحدہ و ھذا اقویٰ ما یکون من الاجماع۔ یعنی اس میں یہ بیان ہے کہ جس بات پر صحابہ کا اجماع ہوا ہو وہ بات اپنی قطعیت میں ایسی ہے جیسے کہ کتاب وسنت سے ثابت ہوئی ہے یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا، اور وہ اجماع سے بھی زیادہ قوی ہے۔ دیکھیے اصول السرخسی ۱/ ۳۱۸ فصل الحکم۔

ابھی آپ نے پڑھا کہ اس حدیث کو دو سو صحابہ کے روایت کرنے کا بھی قول موجود ہے گویا جھوٹی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحابہ کی نظر میں متفق علیہ کے طور پر ممنوع اور حرام، جہنمی بننے کا سبب ہے۔ اور امام سرخسی کے بقول یہ اپنی قطعیت میں قرآن کی قطعیت کے مساوی ہے اس لیے اس کا انکار، قولاً ہو یا عملاً، انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ فاضل مصنف کی مذکورہ بالا موضوع حدیث کہاں سے کہاں تک پہنچا رہی ہے؟ ان کا فرض تھا کہ وہ اس کی سند بھی بتا دیتے اور کسی بھی کتاب حدیث کی طرف منسوب کر دیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اگر کوئی ایسی جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے کسی کتاب میں لکھی بھی گئی ہو تو ایک متدین عالم کا فرض ہے کہ وہ اس کے وضعی ہونے کو بھی ظاہر کر دے جیسا کہ اس قسم کی دیگر احادیث کو محدثین کرام نقل کرنے کے بعد بتا دیتے ہیں اور اس کے اس حکم کی علت بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ مفتاح القلوب کتاب کس پائے کی ہے؟ یہ تو اس وقت پتہ چلے گا جب اسے کسی مصنف کی طرف منسوب کرتے ہوئے بتایا جائے گا کہ وہ فلاں صاحب کی تصنیف ہے، پھر ہی معلوم ہو گا وہ فلاں صاحب کس درجے کا محتاط مصنف یا محدث وغیرہ ہے۔

یہ بات ہر عالم جانتا ہے کہ حدیث خواہ فقہ میں جمع کردہ یا لکھی گئی کتابوں کے درجۂ

صحت کو متقدمیں اور متاخرین علماء نے کھول کر رکھ دیا ہے اور بتایا ہے کہ فلاں مصنف یا مؤلف کی فلاں تصنیف یا تالیف کس پائے کی ہے۔ مفتاح القلوب نامی کسی کتاب کا ذکر نہ تو کشف الظنون میں ملتا ہے اور نہ ہی ایضاح المکنون اور ھدایۃ العارفین میں، ان سے پہلے طاشکبریٰ زادہ کی مفتاح السعادت میں بھی اس نام کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب قریبی عہد کے کسی مصنف کی تصنیف ہے اور اس کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ تصوف کی کوئی کتاب ہے، اور متصوف حضرات اس بارے میں بڑے ہی جری واقع ہوئے ہیں کہ وہ احادیث گھڑنے سے ذرا بھی نہیں شرماتے۔

حافظ ابن صلاح نے معرفۃ الموضوع کے زیر عنوان اس سلسلے میں کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ واضعین حدیث کی بہت ساری قسمیں ہیں لیکن ان سب میں سے زیادہ ضرر رساں واضعین، زہد کی طرف منسوب لوگ ہیں، فرماتے ہیں: واعظمهم ضرراً قوم من المنسوبين الى الزهد وضعوا الحديث احتساباً فيما زعموا فتقبل الناس موضوعاتهم ثقة منهم بهم وركوناً اليهم۔ یعنی ان میں سے سب سے زیادہ ضرر رساں زہد کی طرف منسوب لوگ ہیں انھوں نے احادیث بزعم خویش کارِ خیر سمجھتے ہوئے وضع کیں اور لوگوں نے ان پر اعتماد اور ان کی طرف میلان کی وجہ سے ان کی گھڑی ہوئی حدیثوں کو قبول کر لیا۔ دیکھیے مقدمہ ابن صلاح ص: ۱۵۰۔۱۵۱۔

علامہ برخوردار ملتانی لکھتے ہیں: فويل للكرامية الطائفة المبتدعة لانهم يقولون بزعمهم الباطل: يجوز وضع الحديث فى الترغيب والترهيب، وتابعهم على هذا كثيرون من الجهلة الذين ينسبون انفسهم الى الزهد وينسبهم جهلة مثلهم۔ یعنی طائفہ مبتدعہ "کرامیہ" کے لیے ہلاکت ہے جو کہ اپنے زعم باطل سے کہتے ہیں کہ ترغیب اور ترہیب میں حدیث گھڑنا جائز ہے، اور اکثر جہلاء نے اس بات میں ان لوگوں کی تابعداری کر لی جو اپنے آپ کو "زہد" کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جاہل لوگ انہیں زاہد سمجھتے ہیں۔ دیکھیے النبراس ص: ۸۹ حاشیہ نمبر ا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ موضوع حدیث کو کبھی واضع خود ہی تراش لیتا ہے اور کبھی وہ سلف صالحین یا حکماء متقدمین کے کلام یا بنی اسرائیل کے قصص سے ماخوذ ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ضعیف حدیث کو صحیح اسناد کے ساتھ جوڑ کر رواج دیا جاتا ہے۔ انھوں نے حدیث گھڑنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

بے دینی کی وجہ سے حدیث گھڑی جاتی ہے اور کبھی غلبۂ جہالت اس کا باعث بنتا ہے جیسے متصوفہ لوگ ہیں، اور کبھی شدتِ تعصب، چناچہ بعض مقلدین، (نے بھی اپنے نظریے کی صداقت اور اپنے امام کی وجاہت ثابت کرنے کے لیے حدیثیں گھڑیں) کبھی رؤساء کی خواہش کی پیروی اور کبھی ندرت پسندی کی وجہ سے حدیثیں گھڑلی گئیں جو کہ باجماع علمائے معتمدین حرام ہے۔
دیکھیے شرح نخبۃ الفکرص: ۳۲

چند سو سال پہلے کے علمائے مخالفینِ اشارہ نے صرف یہ کہا تھا کہ حدیث میں اشارہ کی ممانعت ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ممانعت والی حدیث نقل نہیں کی تھی لیکن ہمارے دوست محترم فاضل مصنف نے اس کی ممانعت میں حدیث بھی پیش کرڈالی۔شاید ایسے مواقع کے لیے کہا گیا ہے:

کارے پدر نتواں کرد پسر خواہد کرد۔

فرماتے ہیں: دوسری بات یہ ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے خلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔ ان مقدس حضرات سے بھی اشارہ منقول نہیں ہے کہ ان حضرات نے بھی اشارہ کیا ہے اگر یہ زیادہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زیادہ قریب تھے اور دوست تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اشارہ نہیں فرمایا ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۷۔۱۸

عرض کرتا ہوں: خلفاء راشدین کے اشارۂ سبابہ نہ کرنے کی بات کون سی روایت میں ہے؟ کسی صحابی کا کسی عملِ رسول کو روایت نہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عمل اس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے کیا ہی نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر بہت ساری باتوں کے بارے میں آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ کام خلفاء راشدین کے نزدیک پائے ثبوت کو نہیں پہنچے ہوئے، یعنی ان کے نزدیک وہ کام رسول اللہ ﷺ نے کیا ہی نہیں ہے۔ نماز سے لیکر روزے تک نیز سیرتِ رسول سے متعلق ہزاروں مسائل اور واقعات میں سے کتنے مسائل اور واقعات خلفائے راشدین سے مروی ہیں؟ عدمِ ذکر کب سے عدمِ وجود کو مستلزم ہونے لگا ہے؟ آپ کے اس ارشاد سے ان صحابۂ کرام کی تنقیص کا پہلو بھی نکلتا ہے جنھوں نے اشارۂ سبابہ کو روایت کیا ہے۔ آپ کو ان حضرات کی روایت پر اعتماد کیوں نہیں ہورہا؟ آپ کے بقول "یہ حضرات حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زیادہ قریب تھے اور دوست تھے" یقیناً ایسا ہی ہے۔ آپ کے کہنے کا مفاد یہ ہے کہ وہی حضرات سب سے زیادہ روایت کرنے والے بھی ہوں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف

خلفائے راشدین ہیں جن میں سے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سب سے اول اسلام لائے اور سیدنا عثمانِ غنی سیدنا ابوبکر صدیق کی ترغیب پر اسلام لائے اور سیدنا عمر فاروق نے سن ۵ یا ۶ نبوت میں اسلام قبول کر کے چالیس مسلمانوں کا عدد پورا کیا۔ اس اعتبار سے عمرِ فاروق کے علاوہ باقی تینوں خلفائے راشدین تئیس سال یا بائیس سال کا عرصہ اور سیدنا عمر فاروق کم از کم سترہ سال آپ ﷺ کے ساتھ رہے لیکن دوسری طرف سیدنا ابو ہریرہ ہیں جو سن سات ہجری میں غزوۂ خیبر کے ایام میں محرم یا صفر کے مہینے میں اسلام لائے، اس اعتبار سے حضرت ابو ہریرہ کو نبی پاک ﷺ کے ساتھ شرف صحبت صرف سوا چار سال عرصہ نصیب ہوا لیکن ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کی مرویات کے بعد باقی تمام صحابہ کی مروی احادیث سے زیادہ ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سابقون الاولون قدیم الاسلام صحابۂ کرام کے عرصۂ صحبت زیادہ ہونے کے باوجود انھوں نے نبی پاک ﷺ کو عمل کرتے ہوئے یا آپ کے فرامین کو حضرت ابو ہریرہ کے دیکھنے اور سننے سے کم دیکھا اور سنا تھا؟ اس اعتبار سے تو ہر معاملے میں سیدنا ابو ہریرہ ہی کی روایت سب سے زیادہ قابلِ استناد ہونی چاہیے؟ کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ سے رفع یدین کے متعلق جو احادیث مروی ہیں آپ ان پر عمل بھی کرتے ہیں؟ کسی صحابی سے کثیر یا قلیل تعداد میں روایات کا ہونا یا نہ ہونا ایک الگ مسئلہ ہے، اسی طرح کسی صحابی کا کسی عمل کو روایت کرنا یا نہ کرنا بھی الگ مسئلہ ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرنے والے حضرات کی دو قسمیں ہیں، جیسا کہ امام سرخسی نے ان کی قسمیں اور ان کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: اعلم بأن الرواة قسمان: معروف، و مجهول. فالمعروف نوعان: من كان معروفا بالفقه والرأي في الاجتهاد، و من كان معروفا بالعدالة و حسن الضبط والحفظ ولكنه قليل الفقه. فالنوع الاول كالخلفاء الراشدين والعبادلة وزيد بن ثابت و معاذ بن جبل و ابي موسى الاشعري و عائشة وغيرهم من المشهورين بالفقه من الصحابة رضي الله عنهم، و خبرهم حجة موجبة للعلم الذي هو غالب الرأي، و يبتنى عليه وجوب العمل، سواء كان الخبر موافقا للقياس او مخالفا له...... فأما المعروف بالعدالة والضبط والحفظ كابي هريرة و انس بن مالك رضي الله عنهما و

غيرهما ممن اشتهر بالصحبة مع رسول اللهﷺ والسماع منه مدة طويلة فی الحضر والسفر ۔یعنی راویوں کی دوقسمیں ہیں معروف اور مجہول ، پھر معروف کی بھی دوقسمیں ہیں،ایک ان میں سے وہ ہیں جو فقہ اور اجتہادی راءیٔں مشہور ہیں،اور دوسرے وہ ہیں جو عدالت،حسن ضبط اور حفظ میں مشہور ہیں،لیکن وہ فقہ میں کم ہیں۔پہلی قسم جیسے خلفاءراشدین اورعبادلۂ اربعہ اور زید بن ثابت اور معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری اور عائشہ صدیقہ اور دیگر فقہ میں مشہور صحابہ رضی اللہ عنہم،ان کی خبر حجت اور راء سے غالب علم کو واجب کرنے والی ہوتی ہے اور اس پر عمل کی بنیاد ڈالی جاتی ہے،وہ خبر قیاس کے موافق ہو یا مخالف بات برابر ہے۔۔۔اور جو راوی عدالت اور ضبط اور حفظ میں مشہور ہیں مثلاً ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات جو کہ طویل مدت تک سفر اور حضر میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے اور آپ سے سننے میں مشہور ہیں۔ دیکھیے اصول سرخسی ۱/ ۳۳۹۔۳۴۰

اب ذرا غور کریں کہ مذکورہ بالا راویوں کی تقسیم کے اعتبار سے معروف راویوں کی پہلی قسم کے راوی حضرات میں سے حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت عبداللہ بن زبیر،حضرت معاذ بن جبل کی روایتِ اشارۂ سبابہ موجود ہے،ازاں سوائے اسی طبقے کے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت حارث بن ربعی المعروف ابوقتادہ انصاری فارس رسول اللہ ﷺ دونوں بدری صحابی ہیں ان کی بھی روایتِ اشارۂ سبابہ موجود ہے نیز مذکورہ بالا تقسیم میں معروف راویوں کی دوسری قسم میں سے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک کی بھی روایتِ اشارہ موجود ہے،تو کیا اُن حضرات اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کی روایات اس ثبوت کے لیے کافی نہیں ہیں کہ نبی پاک ﷺ اشارہ فرمایا کرتے تھے؟ نیز حضرت عائشہ کا اثر بھی اس سلسلہ میں موجود ہے جو کہ فاضلۂ اجلہ راوی صحابیات میں سے ہیں۔اگر سیدنا صدیق اکبر سے اس بارے میں روایت نہیں بھی ہے تو آپ کی لختِ جگر سیدۂ کائنات سے اشارہ تو منقول ہے۔اگر ایمان پختہ اور رسول اللہ ﷺ کی متابعت کا جذبہ ہو تو کسی ایک صحابی کی روایت بھی کافی ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ باوجود اس کے کہ متاخرین احناف کی روایات کی وجہ سے اشارہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مضطرب تھے لیکن آپ کمال احتیاط اور متابعتِ سنت کے شوق میں ،فرض میں نہ سہی نوافل میں اشارہ فرمایا کرتے تھے۔لیکن فاضل مصنف کے ہاں تو گنگا ہی اُلٹی بہتی ہے۔آخر میں عرض کیے دیتے ہیں

کہ بقول فاضل مصنف اگر من اشار بالسبابة فهو من الخاطئين حدیث ہے اور صحیح بھی ہے تو پھر حضرت انس بن مالک کی اس روایت کا اُن کے پاس کیا جواب ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: ان رسول اللهﷺ کان یشیر فی الصلاۃ۔ کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ دیکھیے مصنف عبدالرزاق ۲ / ۲۵۸، سنن دار قطنی جزء ثانی ص: ۸۴ حدیث نمبر ۳ صحیح ابن حبان ۴ / ۱۶ حدیث نمبر ۲۲۶۱ سنن الکبریٰ ۲ / ۲۶۲ "باب الاشارۃ" مسند احمد بن حنبل ۳ / ۱۳۸ سنن ابی داؤد ۱ / ۱۳۶ "باب الاشارۃ فی الصلاۃ" معجم اوسط ۱ / ۳۲۸ حدیث نمبر ۱۱۸۵

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی یوں ہی مروی ہے۔

دیکھیے سنن الکبریٰ ۲ / ۲۶۲ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۵۔

اگر فاضل مصنف کی پیش کردہ مندرجہ بالا روایت بالفرض حدیث ہے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ نماز کے دوران اشارہ کرنا خطا کاروں کا کام ہے۔ نماز کے دوران اشارہ کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، قیام میں ہو یا قومہ میں، جلوس میں ہو یا جلسہ میں، التحیات سے پہلے ہو یا التحیات کے بعد، لیکن اشارۂ سبابہ عند التشہد اس سے بالکل ہی الگ چیز ہے جیسا کہ محدثینِ کرام کے قائم کردہ باب کے عنوان سے اس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے تک نماز میں سلام کرنا، یا سلام کا اشارے سے جواب دینا جائز تھا، لیکن آیۃِ مبارکہ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلاۃ الوسطیٰ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قانتین کے نزول کے بعد وہ سب کچھ منسوخ ہوگیا۔ جیسا کہ اس سے پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

لہذا ہم پیش کردہ اس روایت کے درست اور صحیح ثابت ہونے کی شرط پر اسے مذکورہ بالا آیت کے نزول کے بعد مطلقاً نماز میں اشارہ کرنے پر محمول کریں گے، نہ کہ اشارۂ سبابہ فی التشہد پر۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ روایت صحیح اور ثابت شدہ ہے، بالکل نہیں۔ ہمارا دعویٰ اس کے موضوع ہونے پر اب بھی قائم ہے تاوقتیکہ فاضل مصنف اسے سند کے ساتھ کسی کتابِ حدیث سے ثابت نہ کر کے دکھائیں اب یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اسے کسی مستند کتابِ حدیث سے ثابت کر کے دکھائیں، عام واعظین اور مولوی حضرات کی لکھی ہوئی کتب میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہوئے دیکھ کر اور بلا تحقیق سند و متن اسے فوراً حدیث کہہ کر نبی پاک کی طرف منسوب کرنا ایک

متدین عالم اور احادیث کے بارے میں احتیاط پر مشتمل ابواب، خاص طور پر مسلم شریف جلد اول میں کتاب الایمان سے پہلے والے چھ ابواب مطالعہ کرنے والے ذی علم انسان کو کسی بھی صورت زیب نہیں دیتا۔ لیکن برا ہو شدتِ تعصب کا جس کی وجہ سے بقول ابن حجر عسقلانی، ایک انسان حدیث گھڑ لیتا ہے۔ رہا فاضلِ مصنف کا خلفاء راشدین کے بارے میں یہ کہنا کہ "ان مقدس حضرات سے بھی اشارہ منقول نہیں ہے کہ ان حضرات نے بھی اشارہ کیا ہے"۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۸۔

اس کا پہلا جواب تفصیل سے گزر چکا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مثبتین اشارۂ سبابہ میں سے آج تک کسی نے اس کا دعوٰی بھی نہیں کیا، اگر کسی مسئلے کے بارے میں خلفاء راشدین کی روایت مل جائے تو سب سے بہتر اور اگر ان سے کسی مسئلے کے بارے میں روایت نہ ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے صحابہ کی روایت نا قابلِ اعتبار و عمل ہوگی۔ اگر ایسا ہے، اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر بہت سارے اعمال و مسائل کو ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا، حالانکہ وہ فقہ حنفی میں معمول علیہ ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے کتبِ فتاوٰی سے حضرت سیدنا صدیق اکبر کا قول اس بارے میں نقل کیا ہے۔ علامہ فضل اللہ بن محمد بن ایوب تلمیذ صاحب جامع المضمرات و متوفی بعد ۷۵۰ھ نے لکھا ہے: قال الشیخ الامام رحمہ اللہ: و فی الاخبار انه یکتب بکل اشارة عشر حسنات . و فی الفتاوىٰ ان ابا بکر رضی اللہ عنه قال: لا اشارة فی الصلاة الا عند الشهادة و انه حسن۔ یعنی شیخ امام (غالباً ان کے پیر و مرشد شاہ رکن عالم ملتانی متوفی ۷۳۵ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ اشارہ کرنے کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور فتاوی میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں اشهد ان لا اله الا الله کے علاوہ اشارہ نہیں ہے، اور وہ اچھا ہے۔ دیکھیے فتاوی صوفیہ ورق ۱۱۳ باب السابع و العشرون، فصل الثالث فی الاشارة بالسبابة فی التشهد۔

فتاوىٰ صوفیہ میں ایک مرتبہ اشارہ کرنے پر دس نیکیاں ملنے کی جس روایت کا ذکر کیا گیا ہے وہ روایت جامع کبیر للسیوطی ۹ / ۳۳۵ حدیث نمبر ۲۸۷۹۰ پر موجود ہے نیز کنز العمال ۷ / ۴۸۱ حدیث نمبر ۱۹۸۸۰ کے علاوہ ابوبکر ہیثمی نے مجمع الزوائد و منبع الفوائد ۲ / ۱۰۳ باب رفع

الیدین فی الصلاۃ میں اسے ذکر کیا ہے اور اسے طبرانی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ: اسنادہ حسن یعنی اس کی سند حسن ہے۔ جامع کبیر کے الفاظ یوں ہیں: قال النبی ﷺ: یکتب فی کل اشارۃ یشیر الرجل فی صلاتہ عشر حسنات، بکل اصبع حسنۃ .ك .فی تاریخہ عن عقبۃ بن عامر۔ یعنی نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ آدمی نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارے کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہاتھوں کی ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی۔ اسے امام حاکم (۱) نے اپنی تاریخ میں عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے۔ دیکھیے الجامع الکبیر ۹/ ۳۳۵ حدیث ۲۸۷۹۰، اور امام زرقانی نے مؤطا امام مالک شرح میں فرمایا ہے: موقوف لفظا ،مرفوع حکما، اذ لا دخل للرأی فیہ یعنی اگر چہ یہ حدیث لفظا موقوف ہے لیکن حکم کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ اس میں رائے کا دخل نہیں ہے۔ امام زرقانی نے اس سے پہلے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے اپنی معجم میں حسن سند کے ساتھ عقبہ بن عامر سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ دیکھیے شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ۱/ ۲۴۹ باب ما جاء فی افتتاح الصلاۃ۔ شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے بھی اس حدیث کو اپنے رسالے "بشارہ لاہل الاشارۃ" ورق ۵ پر نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے مؤمل بن اہاب نے اپنے جزء میں روایت کیا ہے۔ یہی بات شیخ عبدالرسول حسنی برزنجی نے بھی کی ہے اور اس سے مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی نے بھی یونہی نقل کیا ہے۔

دیکھیے نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۴۱

کچھ علماء نے اس حدیث کو رفع یدین کی فضیلت پر بھی محمول کیا ہے لیکن شیخ محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی فرماتے ہیں: معناہ انہ یکتب لہ بکل اشارۃ عشر حسنات علی عدد

---

(۱) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری م ۴۰۵ھ کی تاریخ نیشاپور بہت معروف ہے، علامہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں فرمایا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ شاندار کتاب نہیں دیکھی، شہروں کی تاریخ پر لکھی جانے والی کتب میں یہ تاریخ سید الکتب ہے، اس میں انھوں نے زیادہ تر اپنے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ نیز خراسان میں آنے والے یا وہاں رہ جانے والے صحابہ و تابعین کا اس میں ذکر کیا گیا ہے، نیز تبع تابعین اور تیسرے اور چوتھے قرن کے محدثین و فقہاء کا ذکر بھی ہے۔ یوں انھوں نے اس میں ۳۲۰ھ سے ۳۸۰ھ تک کے محدثین کا تذکرہ لکھا ہے، ہر قرن کو چھ طبقات میں تقسیم کیا ہے اور ہر طبقے کو الگ الگ حروف تہجی کی ترتیب پر ذکر کیا ہے۔ اپنے سلسلۂ اساتذہ سے حاصل کی جانے والی احادیث اور آثار بھی انھوں نے اس میں ذکر کر دیئے ہیں۔

اصابع الید و ان کانت الاشارۃ بنفسہا باصبع واحدۃ . و نظیرہ ما وقع فی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا قال: من توضأ و ذکر اسم اللہ علیہ فانہ یطہر جسدہ کلہ . حیث حُکِمَ فیہ بتطہیر الجسد کلہ و ان وقع الغسل علی اربعۃ اعضاء فقط . ولہ نظائر کثیرۃ فی الشرع - یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد کے برابر ہر اشارے کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اگر چہ اشارہ ایک ہی انگلی سے کیا جاتا ہے، اسکی مثال حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے بسم اللہ پڑھ کر وضو کیا تو اس کا پورا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں محض چار اعضاء کے دھونے پر تمام جسم کے پاک ہونے کا حکم لگایا گیا ہے اور شریعت میں اس کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ دیکھیے نور العین ص: ۲۷

مخدوم محمد ہاشم نے حضرت ابن عمر کی جس مرفوع حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے: ثنا احمد بن محمد بن زیاد نا محمد بن غالب نا ہشام بن بہرام نا عبداللہ بن حکیم عن عاصم بن محمد عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ من توضأ فذکر اسم اللہ علی وضوئہ کان طہورا لجسدہ . قال: و من توضأ ولم یذکر اسم اللہ علی وضوئہ کان طہورا لاعضائہ۔ سنن دارقطنی ۱ / ۷۴-۷۵ باب التسمیۃ علی الوضوء حدیث ۱۳

فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیطان اس پر خفا ہوتا ہے تو شیطان منسوخ کام کے چھوڑنے پر خفا ہوتا ہے نہ کہ منسوخ کام کے کرنے پر، اور شیطان کو اس پر بھی خفا کیجیے کہ اشارہ کو ترک کر دو اور تہجد سے بھی اس کو خفا کیا جائے نماز اشراق پر نماز ضحیٰ پر اور کم کھانے پر بھی خفا کرو اور سنت کے بعد دعا پر بھی اس کو خفا کرو۔۔۔ یہ پہلے کی بات ہے کہ ابتداء اسلام میں وہ خفا ہوتا تھا لیکن جب اشارہ منسوخ ہوا تو اب اس کے کرنے پر خوش ہوتا ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۸،

اس کا جواب فاضل مصنف کے اس سے قبل کیے گیے اعتراض کے جواب میں گزر چکا ہے اسے ص: ۱۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ البتہ یہاں اتنا عرض ضرور ہے کہ واقعی شیطان اس کام کے چھوڑنے پر خوش ہوتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے منسوخ نہ کیا ہو۔ باقی جس کام کو بعد کے مذہبی اور مسلکی متعصبین نے اپنی طرف سے رسول اللہ پر جھوٹ باندھ کر اور موضوع احادیث اُن کی طرف منسوب کر کے از خود اسے منسوخ کر دیا ہو تو شیطان اسے نہ ماننے والے پر واقعی ناراض

ہوتا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو یہ باور کراتا ہے کہ دیکھو میاں اتنا بڑا علامہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام منسوخ ہو چکا ہے اگر تم اس پر اعتماد نہیں کرتے تو گویا تم نے دینِ اسلام کے ایک ٹھیکیدار کی بات نہ مان کر دینِ اسلام ہی کو بیخ وبن سے اُکھیڑ دیا۔ ایک سادہ لوح عام مسلمان صاحبِ جبہ کے اس فتویٰ کو سن کر اس پر اعتماد کر بیٹھتا ہے اور یوں وہ ایک غیر منسوخ بلکہ جائز اور مستحسن کام کو حرام سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے، اور پھر شیطان چپکے چپکے بغلیں بجانے لگتا ہے کہ دیکھا! کس فریب سے اس بیوقوف کو میں نے ایک کارِ ثواب سے محروم کر دیا۔

آپ فاضلِ مصنف کا پورا رسالہ پڑھ کر دیکھیں انھوں نے کئی مقامات پر اشارۂ سبابہ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ تو کیا ہے لیکن کہیں پر بھی اس کا ناسخ قرآن وحدیث سے ذکر نہیں فرمایا۔ اگر بلا دلیل کسی کے کہنے پر ہی کسی عمل کو منسوخ تسلیم کر دیا جائے تو شریعتِ اسلامیہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گی اور ہر ہوس پرست اور متعصب شخص دینِ اسلام کا ناک نقشہ اپنی ہی مرضی سے بنانے لگ جائے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ دینِ اسلام بھی سابقہ ادیان کے پیروکاروں کی مہربانیوں کی طرح اپنوں ہی کی مہربانی سے اپنا اصل وجود کھو بیٹھے گا۔ لیکن مقامِ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام میں تغیر وتبدل کا اختیار اپنے پاس رکھا یا اپنی مرضی سے اپنے رسول کو دیا۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ کسی بھی حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار صحابہ کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ صدہا سال بعد میں آنے والا ایک عالم اسے منسوخ کر سکے۔ اگر اس کے منسوخ ہونے کا وہ دعویٰ کرے گا تو اس پر اس کا ناسخ پیش کرنا بھی لازم ہوگا ورنہ اس کی بات اور منسوخیت کا دعویٰ ھباءً منثورا ہو کر رہ جائے گی۔

فرماتے ہیں: تو میرے بھائی جب امام صاحب نے کوئی کام نہیں کیا ہو اور خلفائے راشدین نے بھی چھوڑ دیا ہو تو اگر یہ اشارہ سنت ہوتا یہ حضرات کرتے اور یہ بھی گمان نہیں کرنا چاہیے کہ میں مانکی خیل ہوں یا مانکی شریف کے ماننے والوں میں سے نہیں ہوں، ہم تو امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۸

عرض کرتا ہوں: فاضل مصنف نے امام صاحب کے اشارہ نہ کرنے اور خلفاء راشدین کا اسے چھوڑ دینے کا دعوی کر کے گویا یہ ثابت کیا ہے کہ ان کے نزدیک "موطا امام محمد میں ثبوتِ اشارہ کے بارے میں حضرت ابن عمر کی حدیث پیش کرنا اور اسکے بعد وبصنیع رسول

اللہ ﷺ ناخذ، اور وھو قول ابی حنیفة" فرمانا سب نا قابل اعتبار اور جھوٹ کا پلندہ ہے، نعوذ باللہ من شر ذالك الفھم ۔ کبھی وہ دوسرا راستہ فرار نہ دیکھتے ہوئے فرما دیتے ہیں کہ" وھو قول ابی حنیفة " یا" ھذا قولی وقول ابی حنیفة " کے الفاظ تو محض قول ہیں مذہب نہیں، گویا ان کے نزدیک قول اور مذہب دو الگ متغایر چیزیں ہیں ۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ جو ان ائمہ حضرات کا قول ہوتا ہے وہ ان کا مذہب نہیں ہوتا، اور جو مذہب ہوتا ہے وہ اسے اپنے قول سے ظاہر نہیں کرتے ۔ یعنی کہو کچھ اور کرو کچھ، یہ ہوتا ہے ان حضرات کا مذہب ۔ حالانکہ خود فاضلِ مصنف نے اپنے اس رسالے کے آغاز میں مختلف کتب مثلاً کشف المبہم ،شرح طریقۂ محمدیہ، میزان الکبریٰ اور تفسیراتِ احمدیہ سے ساڑھے چار صفحات پر مشتمل عبارات پیش کر کے صرف اس بات پر زور دیا ہے کہ:" اما المقلد فمستندہ قول مجتھدہ "یعنی مقلد کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہوگا۔ ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد یعنی اس لیے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے-ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد لا النصوص اذ استخراج الاحکام منھا لیس الا منصب المجتھد و قد قالوا اذا تعارض النص و قول الفقھاء یؤخذ بقول الفقھاء الخ یعنی مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے، نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا اس لیے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا الخ ۔ وغیرہ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲-۶

مقامِ تعجب ہے کہ مجتہد کے قول کو دلیل بنانے سے متعلق اس قدر واضح عبارات لکھنے کے باوجود انھوں نے امام محمد کے ارشاد ھذا قولی و قول ابی حنیفة پر" یہ روایت ظاہر الروایۃ میں مندرج نہیں ہے تو ان کی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذہب کا ہے" کہہ کر خود ہی مجتہد کے قول کو نا قابلِ اعتبار بنا دیا۔

چلیں ہم تھوڑی دیر کیلیے مان لیتے ہیں کہ قول اور مذہب میں فرق ہے، لیکن یہاں پر امام محمد" وھو قول ابی حنیفة " سے پہلے" وبصنیع رسول اللہ ﷺ ناخذ " فرما کر یہ واضح فرما رہے ہیں کہ ہمارا عمل متابعت رسول ہے، جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اشارہ کرنا ان کا مذہب ہی ہے ۔ گویا انھوں نے" وبصنیع رسول اللہ ﷺ ناخذ " کے ذریعے عملاً اپنا مذہب بتایا اور اسکے بعد اسکی تائیدِ قولی کرتے ہوئے وھو قول ابی حنیفة بھی فرما دیا۔ یعنی فعلا اور قولاً ہر اعتبار سے اسکی تائید فرما دی ۔

فاضل مصنف نے خلفاء راشدین کا اشارہ کو چھوڑنے کا ذکر کر کے یہ مان لیا کہ وہ بھی اشارہ کرتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ خلفاء راشدین سے مروی اشارۂ سبابہ کی حدیث یا ان کا اثر ہماری نظر سے نہیں گزرا لیکن ہمارا یقین کامل ہے کہ وہ بھی اشارہ کرتے تھے کیونکہ جب ابن عمر وغیرہ صحابہ نے حضور کو اشارہ کرتے دیکھا ہے تو یقیناً نماز میں حضور کے سب سے قریب کھڑے ہونے والے ان حضرات نے بھی تو دیکھا ہی ہوگا۔ لیکن ان کا اسے بیان نہ کرنا، یا ان کے اس بیان کو بعد والے کسی تابعی کا روایت نہ کرنا ان صحابۂ کبار کے اشارہ نہ کرنے کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔؟ رہی بات خلفاء راشدین کے اسے چھوڑ دینے کی تو پہلے کسی عمل کو اختیار کیا جاتا ہے بعد میں اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اسلامی احکام میں حلال، سنت، مستحب، مباح وغیرہ ہونے کیلیے مثبت دلیل کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ بطور خاص مباح اور جائز ہونے کیلیے اسکے مخالف دلیل نہ ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خلفاء راشدین نے دیگر صحابہ کی طرح سرکار کو اشارہ کرتے ہوئے دیکھ کر اشارہ کیا ہوگا کیونکہ وہ حضرات آپ ﷺ کے ہر عمل کی اتباع کرنے پر بڑے ہی حریص تھے لیکن جب کوئی کہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا فلاں کام چھوڑ دیا تھا تو پھر اسکے لیے دلیل کی ضرورت ہوگی جس سے یہ پتہ چلے کہ واقعی انھوں نے اس عمل کو ترک کر دیا تھا۔ اب اگر فاضل مصنف کے پاس کوئی ایسی صحیح سند کے ساتھ دلیل ہے تو وہ پیش فرمائیں تا کہ اسکی سند کو دیکھ کر اسکے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

ہم فقہی مسائل میں مانکی خیل، یا قادری، نقشبندی، سہروردی وغیرہ کی تقسیم کے قائل نہیں، یہ اعزاز صرف متاخرین نقشبندیہ میں سے بعض حضرات کو ہی حاصل ہے کہ وہ حضرت امام ربانی کے اپنے تئیں اجتہادی اختلاف یعنی متاخرین فقہاء کی منع والی عبارات کی وجہ سے متقدمین احناف کی تصریحات کو اور خاص طور پر حضرت امام محمد کی نص کو بھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے، حالانکہ حضرت امام ربانی کے اس اجتہادی اختلاف سے نہ صرف ان کے اہلِ خاندان نے اختلاف کیا ہے بلکہ ان ہی کے خلیفۂ اعظم کے بقول خود حضرت امام ربانی احتیاطاً اشارہ فرماتے بھی تھے۔

اب آپ دیکھیں کہ مانکی خیل وغیرہ ہونے کی وجہ سے کون ضد پر قائم ہے، اشارہ کرنے والے یا اشارہ نہ کرنے والے؟ یہ بھی عرض کردوں کہ حضرت امام محمد کی اس مسئلہ میں صراحت کے بعد بھی آپ کا مسئلہ اشارۂ سبابہ میں اس شد و مد سے مخالفت کرتے ہوئے کبھی اسے

منسوخ کہنا، کبھی مکروہ اور کبھی حرام کہہ دینے کے ساتھ ساتھ امام اعظم کے مقلد ہونے کا دعویٰ آپ سے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ کیا امام اعظم کی تقلید اسی کا نام ہے کہ ان کے ارشاد کو "قول" کہہ کر رد کر دیا جائے، اور "ناخذ" کے لفظ سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور طبقۂ ثانیہ کے مجتہد فی المذہب امام محمد کے ارشاد کے مقابلے میں، طبقۂ سادسہ وسابعہ کے مقلدین فقہاء کے اقوال کو ترجیح دی جائے؟۔ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ طبقہ اولیٰ اور طبقۂ ثانیہ کے مجتہدین فی الشرع اور مجتہدین فی المذہب ائمہ کے اقوال کے مقابلے میں تو مجتہدین فی المسائل اور اصحابِ تخریج وترجیح یعنی طبقہ ثالثہ ورابعہ اور طبقۂ خامسہ کے اقوال بھی درخورِ اعتناء نہیں ہوتے چہ جائیکہ سادسہ وسابعہ طبقے کے فقہاء کے اقوال ان کے قول پر راجح ہوں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ "اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے" واقعی آپ کی وہ "بہت تحقیق" آپ کی ایک ایک دلیل اور لفظ لفظ سے مترشح ہے۔ جبھی تو آپ نے فرمایا ہے کہ "میں مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم ومقصود کائنات سے امام محمد نے نقل کی ہے" لیکن آپ کو حضرت ابن عمر سے دیگر چھ احادیث یا حضرت ابن عمر کے علاوہ باقی پندرہ صحابہ کی روایات نظر ہی نہیں آئیں۔ اور مختلف کتب میں اشارہ سبابہ کے ثبوت والی احادیث وآثارِ صحابہ وتابعین کی کم از کم ۲۰۴ سندیں بھی نظر نہیں آئیں۔

فرماتے ہیں: اس کے علاوہ مولانا نظام الدین بریلوی نے بھی اشارہ کو منع لکھا ہے حالانکہ وہ اپنے وقت کے مناظر تھے اور اشارہ کرنے کے بارے میں (۱) کئی دلائل نقل کیے ہیں۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۱۸

عرض کرتا ہوں: ہم مانتے ہیں کہ مولانا نظام الدین بریلوی اپنے وقت کے مناظر تھے اور انھوں نے اشارے سے منع لکھی ہے۔ اگر بریلوی اور بڑا مناظر ہونا ہی دلیل ہے تو پھر امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے بیان کو کیوں نہیں مان لیا جاتا؟ انھوں نے بھی تو اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے پر کئی دلائل نقل کیے ہیں، جبکہ ان کے دور کے بعد سے آج تک ان سے بڑا مناظر کوئی پیدا بھی نہیں ہوا۔ کیا خیال ہے جناب کا، کیا حق اور ناحق، حلال اور حرام، سنت اور مکروہ، جائز اور ناجائز ہونے کے لیے یہ دلیل کافی ہے؟ مولانا نظام الدین ملتانی نے جو کچھ لکھا ہے اس کے تین حصے ہیں، پہلا حصہ یہ کہ "اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے، بعض نے جائز کہا ہے

---

(۱) اصل کتاب میں یونہی ہے لیکن یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح جملہ یوں ہے: اشارہ نہ کرنے کے بارے میں کئی دلائل نقل کیے ہیں۔

بعض نے ناجائز" دوسرا حصہ یہ کہ "اور جو حدیثیں اس کے جواز پر آئی ہیں ان میں نہایت درجہ کا اضطراب ہے" تیسرا حصہ یہ کہ "اور جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت وارد ہوئی کہ آپ ایسا کرتے تھے اور ہم بھی ایسا کرتے ہیں اور امام صاحب کا بھی یہی قول ہے سو یہ روایت بھی از قبیل نوادر ہے جو کہ نزدیک محققین احناف کے قابلِ عمل نہیں ہوا کرتی الخ"۔

انوارِ شریعت المعروف جامع الفتاویٰ جلد اول ص:۲۴۹۔۲۵۰

مولانا نظام الدین کو یہ اعتراف تو ہے کہ بعض علماء نے اسے جائز اور بعض نے ناجائز کہا ہے لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ فقہاء احناف کے کون سے طبقے کے حضرات نے اسے ناجائز کہا ہے، ہم سابق میں فقہاء احناف نیز ان کی کتب مسائل کے طبقات بیان کر آئے ہیں، جس کی روشنی میں اشارۂ سبابہ کو ناجائز کہنے والے فقہاء کا فقہی دنیا میں مقام و مرتبہ معلوم ہوجاتا ہے اور ان کے ناجائز کہنے کی حیثیت کا بھی تعین ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انھیں اشارے کے ثبوت کی احادیث کا بھی اعتراف ہے لیکن ان احادیث کو تسلیم کرنے میں توقف اس لیے ہے کہ ان کے نزدیک بھی ان احادیث میں نہایت درجہ کا اضطراب ہے۔ اس اضطراب کا جواب ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں، اسے ص:۵۸۔۹۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد مولانا نظام الدین نے امام محمد سے وارد روایت کے بارے میں بڑی عجیب بات یہ کی ہے "سو یہ روایت بھی از قبیل نوادر ہے جو کہ نزدیک محققین احناف کے قابلِ عمل نہیں ہوا کرتی" مولانا صاحب نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ کتبِ نوادر کی روایت محققین احناف کے نزدیک کس صورت اور حالت میں قابل عمل نہیں ہوتی۔ بظاہر ان کی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کتبِ نوادر کی روایت بالکل ہی قابلِ عمل نہیں ہوتی۔ اگر ان کے اس فرمان عالیشان کا یہ مطلب ہے تو پھر مفتیانِ احناف ابو اللیث سمرقندی سے لے کر آج تک کی تمام کتبِ فتاویٰ اور کتبِ فقہ حنفی سے نوادر روایات کے بل بوتے پر ذکر کردہ مسائل کو خارج کر دینا چاہیے۔ اگر آپ ہدایہ ہی کو دیکھ لیں تو اس میں بھی سینکڑوں مسائل نوادر روایات سے بیان کیے گئے ہیں، اور تو اور خود مولانا نظام الدین صاحب نے اپنے فتووں میں مؤطا امام محمد کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ دیکھیے انوار شریعت جلد اول ص:۲۰۶ اگر ان کا یہ مطلب نہیں (اللہ کرے کہ ان کا یہ مطلب نہ ہو) بلکہ یہ مطلب ہو کہ "اگر کتبِ نوادر کی روایت کتبِ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو تو محققینِ احناف کے نزدیک قابلِ عمل نہیں ہوا کرتی"۔ ہماری اس تاویل سے یہ ارشاد اشارۂ سبابہ کے خلاف نہیں،

کیونکہ کتبِ ظاہر الروایہ کی اشارۂ سبابہ سے متعلق کوئی بھی روایت موجود ہی نہیں نہ اثباتاً اور نہ نفیاً۔

خلاصہ یہ کہ اگر اشارۂ سبابہ سے متعلق کتبِ نوادر کی موجودہ روایت کے خلاف کتبِ ظاہر الروایہ کی کوئی روایت ثابت ہوجائے تو پھر محققین احناف کے نزدیک نوادر کے قبیل کی روایت واقعی قابلِ عمل نہیں ہوگی لیکن ایسا ثابت ہونا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ آخر میں مولانا نظام الدین صاحب نے حضرت امام ربانی کے مکتوب کا کچھ حصہ نقل کرکے بات ختم کی ہے، اور ہم حضرت امام ربانی کے اس مکتوب کے متعلق سابق میں مختلف مقامات پر گفتگو کرچکے ہیں۔

علمی لطیفہ: مولانا نظام الدین صاحب سے کیے جانے والے سوال میں "نماز میں انگشتِ شہادت" کے جملہ پر کسی "ابو المنظور عفی عنہ" صاحب نے حاشیہ میں ایک نئی تحقیق درج کی ہے، جسے پڑھ کر موجودہ دور کے "محققینِ احناف" کی تحقیق کو داد دینا پڑتی ہے کہ یہ حضرات کہاں سے دُور کی کوڑیاں لاکر حقِ تحقیق ادا کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرح وقایہ میں صدر الشریعۃ نے لکھا ہے: "ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضا" یعنی ہمارے علماء سے بھی اسی طرح آیا ہے۔ دیکھیے شرح وقایہ ص:۱۰۱۔ ابو المنظور صاحب لکھتے ہیں کہ "شرح وقایہ میں جو جاء عن علمائنا کا لفظ وارد ہے اس سے مراد صاحب اور ان کے شاگرد نہیں، مؤلف کے گرد ونواح کے علماء مراد ہیں" دیکھیے انوار شریعت جلد اول ص:۲۴۹ حاشیہ نمبر ۱ "ابو المنظور عفی عنہ" کے نزدیک صدر الشریعہ نے ومثل ھذا جاء عن علمائنا ایضا سے مراد امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد نہیں لیے بلکہ اس نے یہ کہہ کر اپنے آس پاس کے علماء کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ اسی طرح اشارہ کرنے کا کہتے ہیں۔ ابو المنظور صاحب کی اس انوکھی تحقیق نے شرح وقایہ کی قدر وقیمت اور مصنف علیہ الرحمہ صدر الشریعہ کے علمی مقام کو چار چاند لگادیے ہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ابو المنظور صاحب نے "علمائنا" کا مذکورہ بالا مطلب ومراد لکھ کر اپنا مبلغ علم ظاہر فرمایا ہے۔ کتبِ فقہ حنفیہ میں علمائنا لفظ سے کیا مراد ہوتی ہے؟ علامہ ابن عابدین شامی نے ایک اعتراض اور اس کے جواب میں یوں لکھا ہے: فان قلت: ما نقلوه عن ابي جعفر يحتمل ان يكون قولا له خاصة؟ قلت: يرد ذالک ما قدمناه عن معراج الدراية من قوله: قال ابو جعفر: ما ذهب اليه علمائنا اولى الخ. فقد نسب كيفية العقد الى علمائنا، وحيث أُطلِق ذالک فالمراد بهم علمائنا الثلاثة ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد، كما صرّحوا بذالک۔ یعنی اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ابو جعفر ہندوانی

سے عقد کی کیفیت کے ساتھ اشارہ منقول ہونے میں یہ احتمال ہے کہ یہ خاص اسی کا قول ہو؟ میں کہتا ہوں کہ اس احتمال کی تردید سابق میں ہماری نقل کردہ معراج الدرایہ کی عبارت سے ہو رہی ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ ابوجعفر ہندوانی نے کہا ہے کہ جس کیفیتِ اشارہ کی طرف ہمارے علماء کا رجحان ہے وہ کیفیت اولیٰ ہے الخ، ابوجعفر ہندوانی نے عقد کی کیفیت کو "علمائنا" (ہمارے علماء) کی طرف منسوب کیا ہے، اور جہاں کہیں بھی یہ (یعنی علمائنا کا) لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے ان کی مراد ہمارے تینوں ائمہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشھد ص:۱۲۸ ۔۱۲۹، لفظ علمائنا کی ابن عابدین شامی کی بیان کردہ مراد کے ساتھ جناب ابوالمنظور صاحب کی مراد کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تحقیق کے میدان میں نئے جھنڈے گاڑ کر ابن عابدین کو بھی مات دے دی، اسے کہتے ہیں قلم توڑ دینا۔

فرماتے ہیں: فقہ شریف کی کتابوں میں درج ہے کہ تمام اعضاء کعبہ شریف کی طرف کرنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون، ای ساکنون بالجوارح خائفون بالقلب۔ تفسیر مدارک۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۱۹

عرض کرتا ہوں: فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے: (و وضع یدیه علیٰ فخذیه و بسط اصابعه و تشھد) یروی ذالک فی حدیث وائل رضی اللہ عنه ولان فیه توجیه اصابع یدیه الی القبلة۔ یعنی (آپ نے ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھیں اور التحیات پڑھا) یہ وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت کیا گیا ہے، اور اس لیے بھی کہ اس میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے کا ذکر ہے۔ دیکھیے ہدایہ ص:۱۱۱

صاحبِ ہدایہ نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے اس روایت پر عمل کرنے سے توقف اختیار کیا جائے گا۔ عدمِ قبول میں یہ روایت ضعیف حدیث کے حکم میں شمار ہوگی۔ اگر ہدایہ میں درج اس روایت کو تسلیم کیا جائے گا تو پھر یہ روایت اشارۂ سبابہ کی دیگر روایات کی معارض ثابت ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اشارۂ سبابہ کا ترک لازم آئے گا جبکہ اس روایت کے مقابل دیگر کئی صحیح روایات میں اشارۂ سبابہ کے مسنون اور جائز ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اس صورتِ حال میں "اصول فقہ" کی طرف رجوع

کیا جائے گا کہ اگر کسی عمل یا حکم کی "نفی" اور "اثبات" متعارض ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ اصولِ فقہ میں اس کا جواب یہ ہے کہ: ان النفی والاثبات اذا تعارضا فالحکم للمثبت۔ یعنی نفی اور اثبات جب متعارض ہوں تو اثبات کا حکم ہوگا، یعنی اثبات کو مقدم اور راجح قرار دیا جائے گا اور نفی کو مؤخر اور مرجوح۔ اس لیے ہدایہ کی اس بغیر سند روایت کی وجہ سے دیگر کثیر اور صحیح الاسناد روایات سے ثابت شدہ اشارہ سبابہ کو ترک نہیں کریں گے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہدایہ کے تمام شارحین اور ہدایہ میں آئی ہوئی احادیث کی تخریج کرنے والے علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہ صرف صحاح ستہ میں موجود نہیں بلکہ دیگر کتب حدیث میں بھی موجود نہیں ہے جیسا کہ علامہ زیلعی فرماتے ہیں: ان الحدیث المذکور فی الهدایة عن وائل غریب، و فی مسلم من روایة ابن عمر رضی الله عنهما وضع الیدین علی الفخذین، الا ان فیه انه ﷺ کان یقبض اصابعه۔ یعنی ہدایہ میں ذکر کردہ حضرت وائل سے مروی حدیث غریب ہے، اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے، مگر اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگلیاں بند کرتے تھے۔ نصب الرایۃ لاحادیث الهدایۃ ۱/ ۴۱۹ باب صفة الصلاة،

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: ان ما اوردہ صاحب الهدایة من حدیث وائل غریب، والذی فی سنن الترمذی عن وائل لیس فیه الا ذکر وضع الید علی الفخذ۔ یعنی صاحب ہدایہ نے حضرت وائل کی جو حدیث ذکر کی ہے وہ غریب ہے، سنن ترمذی میں حضرت وائل کی حدیث میں صرف ہاتھ کو ران پر رکھنے کا ذکر ہے۔ فتح القدیر مع الهدایہ ۱/ ۲۷۱ یہ بھی واضح رہے کہ شارحین ہدایہ نے جس بھی حدیث پر غریب کا حکم لگایا ہے تو ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ وہ حدیث کتبِ حدیث میں موجود ہی نہیں ہے۔ اس سے "تفرد فی الروایة المذکورة فی کتب علوم الحدیث" مراد نہیں ہے، جیسا کہ علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے اس کی صراحت کرتے ہوئے کہا ہے، فرماتے ہیں: ان حدیث وائل بهذا اللفظ لم اقف علیه من کتب الحدیث۔ یعنی وائل کی ان الفاظ کے ساتھ حدیث میں نے کسی بھی کتاب حدیث میں نہیں دیکھی۔ التعریف والاخبار بتخریج احادیث الاختیار ۱/ ۱۳۵۸ ابن حجر عسقلانی نے بھی یوں ہی کہا ہے، فرماتے ہیں: قوله: "وضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه وتشهد یروی ذالک فی حدیث وائل" لم اجده فی حدیثه. وانما فی

الترمذی من حدیثه "ووضع یده علی فخذه" فقط ولمسلم من حدیث ابن عمر "ووضع کفه الیمنیٰ علیٰ فخذه الیمنیٰ وقبض اصابعه کلها واشار باصبعه التی تلی الابهام ووضع کفه الیسریٰ علیٰ فخذه الیسری"۔یعنی وضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ کے الفاظ مجھے حضرت وائل کی حدیث میں نہیں ملے، ترمذی شریف میں حضرت وائل کی حدیث کے صرف یہ لفظ ہیں۔ووضع یدہ علی فخذہ، اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر کی حدیث کے لفظ یوں ہیں:" ووضع کفه الیمنیٰ علیٰ فخذه الیمنیٰ وقبض اصابعه کلها واشار باصبعه التی تلی الابهام ووضع کفه الیسریٰ علیٰ فخذه الیسریٰ"۔

الدرایہ فی تخرج الہدایہ ص:۱۱۵۔۱۱۶

اس سے ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ روایت بے سند ہے، جسکی بنیاد پر متعدد اسانید کے ساتھ مروی احادیث پر عمل کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔دوسرا یہ کہ تمام کتب احادیث میں حضرت وائل بن حجرہی کی روایت میں چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرنے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کا ذکر آیا ہے لیکن ہدایہ میں" بسط اصابعہ " کے الفاظ ہیں اس سے ہدایہ میں مذکور روایت مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے جبکہ ایک ثابت امر کو مشکوک روایت کی بنیاد پر ترک نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ فاضل مصنف قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کے ذریعے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اس آیت کو اس بات کے لیے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے کہ تمام اعضاء کو قبلہ رخ کرنا چاہیے؟ یا پھر اس آیت کی تفسیر میں مدارک والے کی پیش کردہ تشریح کے مطابق اشارۂ سبابہ کو، اعضاء کو آرام سے رکھنے اور دل میں خشیت وخضوع کے خلاف ثابت کرنے کے لیے پیش کیا گیا ہے؟اگر فاضل مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اس آیت سے تمام اعضاء کو قبلہ رخ رکھنا ثابت ہوتا ہے تو یہ جناب کی بھول ہے اور اگر ان کی اس آیت کے پیش کرنے سے مراد یہ ہے کہ اشارۂ سبابہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعضاء کو آرام سے رکھا جائے اور دل میں خشیت وخضوع بھی ہو، جبکہ اشارۂ سبابہ ان دونوں کے خلاف ہے۔تو پھر فاضل مصنف کو اپنے اس خاص عقیدے کو درست ثابت کرنے کیلیے قرآن کی یہ تفسیر محض اپنی خواہش نفس کے تحت بیان کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔جسکا حقیقت سے کوئی تعلق

نہیں۔قرآن کریم کی اس آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اشارۂ سبابہ نہیں کرنا چاہیے۔ذیل میں ہم اس آیت سے متعلق تفسیری عبارات پیش کرتے ہیں تاکہ اسکا صحیح مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو لیکن اس سے پہلے اس آیت کا شانِ نزول دیکھنا ضروری ہے تاکہ اصل بات شروع سے سمجھی جاسکے۔علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: اخرج الحاکم عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ کان اذا صلیّ رفع بصره الی السماء فنزلت "الذين هم فی صلاتهم خاشعون فَطَأْطَأَ رَأْسَه . واخرجه ابن مردويه بلفظ كان يلتفت فی الصلاة، واخرجه سعيد بن منصور عن ابن سيرين مرسلا كان الصحابة يرفعون ابصارهم الی السماء فی الصلاة فنزلت "۔ یعنی امام حاکم حضرت ابوہریرہ سے مروی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوران نماز آسمان کی طرف دیکھتے تھے جس پر الذين هم فی صلاتهم خاشعون نازل ہوئی، جس کے بعد آپ ﷺ اپنا سر مبارک جھکائے رکھتے تھے۔اور ابن مردویہ یہ الفاظ لائے ہیں کہ آپ ﷺ دورانِ نماز مڑ کر دیکھتے تھے۔اور سعید بن منصور ابن سیرین سے مرسل روایت لائے ہیں کہ صحابہ کرام نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھتے تھے جس پر یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔

لباب النقول فی اسباب النزول علی حاشیۃ جلالین ص:۵۵۶

جلال الدین سیوطی نے امام حاکم کی روایت کردہ جس حدیثِ ابوہریرہ کا حوالہ دیا ہے وہ حدیث یوں ہے: حدثنی ابو سعيد احمد بن يعقوب الثقفی. ثنا ابو شعيب الحرانی. حدثنی ابی .ثنا اسماعيل بن علية عن ايوب. عن محمد بن سيرين. عن ابی هريرة: ان رسول الله ﷺ كان اذا صلیٰ رفع بصره الی السماء فنزلت الذين هم فی صلاتهم خاشعون. فطأطأ رأسه۔

المستدرک علی الصحیحین ۳/۴ حدیث ۳۵۳۴۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیتِ مبارکہ دورانِ نماز اِدھر اُدھر، یا اوپر آسمان کی طرف دیکھنے پر نازل ہوئی، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دورانِ نماز اِدھر اُدھر، یا آسمان کی طرف دیکھنا خشیت وخضوع کے خلاف ہے۔

اس آیت کا مطلب، مختلف تفاسیر میں

صاحب تفسیر مدارک لکھتے ہیں: خائفون بالقلب ساکنون بالجوارح، وقیل الخشوع فی الصلاۃ جمع الھمۃ لھا والاعراض عما سواھا وان لایجاوز بصرہ مصلاہ وان لا یلتفت ولا یعبث ولایسدل ولا یفرقع اصابع ولا یقلب الحصی ونحو ذالک. وعن ابی الدرداء ھو اخلاص المقال واعظام المقام والیقین التام وجمع الاھتمام۔ یعنی دل میں ڈرنے والے، اور اعضاء کو سکون کے ساتھ رکھنے والے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز میں خشوع اسے کہتے ہیں کہ مکمل توجہ نماز کی طرف ہو اور نماز کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرے اور سجدے کی جگہ کے علاوہ نظر نہ کرے اور اِدھر اُدھر نہ جھانکے اور کپڑوں یا بدن کے ساتھ نہ کھیلے اور کپڑے کو سر یا کاندھوں سے نہ لٹکائے، انگلیاں نہ چٹخائے، پتھریاں وغیرہ نہ الٹائے پلٹائے، حضرت ابو درداء سے منقول ہے کہ نماز میں قرأت اور تسبیحات اور التحیات وغیرہ کو اخلاص سے پڑھنا اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری کی عظمت جاننا، پختہ یقین رکھنا اور مکمل کوشش اور توجہ کرنا خشوع ہے۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل علی حاشیۃ تفسیر الخازن ۳/ ۳۹۲

تفسیر روح المعانی میں ہے: والخشوع التذلل مع خوف وسکون للجوارح ولذا قال ابن عباس فیما رواہ عن ابی جریر وغیرہ "خاشعون" خائفون ساکنون، وعن مجاھد انہ ھنا غض البصر وخفض الجناح، وقال مسلم بن یسار و قتادۃ: تنکیس الرأس، وعن علی کرم اللہ وجھہ ترک الالتفات. وقال الضحاک: وضع الیمین علی الشمال. وعن ابی الدرداء اعظام المقام واخلاص المقال والیقین التام وجمع الاھتمام ویتبع ذالک ترک الالتفات وھو من الشیطان فقدروی البخاری وابو داود والنسائی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: سألت رسول اللہ ﷺ عن الالتفات فی الصلاۃ. فقال: ھو اختلاس یختلسہ الشیطن من صلاۃ العبد --- وترک رفع البصر الی السماء وان کان المصلی اعمی وقد جاء النھی عنہ فقد اخرج مسلم وابو

داؤد و ابن ماجه عن جابر بن سمرة قال: قال النبی ﷺ: لینتهین اقوام یرفعون ابصارهم الی السماء فی الصلاة أولا ترجع الیهم. وکان قبل نزول الآیة غیر منهی عنه۔۔۔ وقال فی الکشاف: من الخشوع ان یستعمل الآداب. وذکر من ذالک توقی کف الثوب والتمطی والتثاؤب والتغمیض وتغطیة الفم والسدل والفرقعة والتشبیک وتقلیب الحصی۔ یعنی خوف اور جوارح کے سکون کے ساتھ فروتنی کرنا خشوع ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے ابن جریر کی درج کردہ روایت کے مطابق فرمایا ہے کہ "خاشعون" کے معنی ہیں ڈرنے والے، سکون سے رہنے والے، اور مجاہد سے مروی ہے کہ یہاں پر خشوع کے معنی ہیں نظر کو جھکائے رکھنا اور اعضاء کو آہستگی سے رکھنا، مسلم بن یسار اور قتادہ نے فرمایا کہ خشوع، سر کو جھکائے رکھنا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اِدھر اُدھر جھانکنے کو ترک کرنا خشوع ہے، اور ضحاک نے فرمایا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا خشوع ہے، اور ابودرداء سے منقول ہے کہ بارگاہ خداوندی میں کھڑے ہونے کی عظمت اور معروضات میں اخلاص، مکمل یقین، کوشش اور توجہ کو باہم جمع کرنا خشوع ہے اور اس وجہ سے اِدھر اُدھر تانک جھانک کو ترک کردینا بھی اسی میں شامل ہے کیونکہ اس طرح کرنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں اِدھر اُدھر تانک جھانک کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک جھپٹا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے مار لیتا ہے۔۔۔۔ اور آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھنے کو ترک کرنا خواہ نمازی نابین ہی کیوں نہ ہو، اس سے ممانعت وارد ہوئی ہے، مسلم، ابوداود اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرۃ سے حدیث ذکر کی ہے جسمیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھنے سے باز رہنا چاہیے ورنہ ان کی بینائی ان سے چھین لی جائیگی، مذکورہ بالا آیت کے نزول سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھنا منع نہیں تھا۔۔۔ کشاف میں ہے کہ آداب کا خیال رکھنا خشوع ہے، ان آداب میں سے اس نے کپڑوں کی سلوٹیں درست کرنے، انگڑائی لینے، جماہی لینے، آنکھیں بند کرنے، ہونٹوں کو بھینچ کر بند کرنے، کپڑے کے پلو لٹکانے، انگلیاں چٹخانے، انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنے اور پتھریوں کو الٹانے پلٹانے سے پرہیز کو ذکر کیا۔ تفسیر روح المعانی جلد ۱۸ ص: ۳۔۴

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: واختلفوا فی الخشوع فمنهم من جعله من افعال القلوب كالخوف والرهبة. ومنهم من جعله من افعال الجوارح كالسكون وترک الالتفات، ومنهم من جمع بين الامرين وهو الاولی۔ یعنی خشوع کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے اسے قلب کے افعال میں سے شمار کیا ہے جیسے خوف اور ڈر، اور بعض نے اسے اعضاء کے افعال میں سے شمار کیا ہے جیسے سکون سے رہنا اور تانک جھانک کو ترک کرنا، اور بعض نے دونوں قسم کے امور باہم جمع کرنے کو خشوع قرار دیا ہے، اور یہی معنیٰ اولیٰ ہے۔ تفسیر کبیر جلد ۲۳ ص: ۷۷

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں: واصل الخشوع فی اللغة الخضوع والتواضع. وفی المراد بالخشوع فی الصلاة اربعة اقوال. احدها: انه النظر الی موضع السجود. روی ابو هريرة كان رسول الله ﷺ اذا صلی رفع بصره الی السماء فنزلت "الذين هم فی صلاتهم خاشعون" فنكس رأسه. والی هذا المعنی ذهب مسلم بن يسار و قتادة۔ والثانی: انه ترک الالتفات فی الصلاة وان تلين كنفک للرجل المسلم. قاله علی بن ابی طالب رضی الله عنه۔ والثالث: انه السكون فی الصلاة. قاله مجاهد وابراهيم والزهری۔ والرابع: انه الخوف. قاله الحسن۔ یعنی خشوع کے لغوی معنی ہیں عاجزی اور تواضع۔ نماز میں خشوع سے مراد کے بارے میں چار قول ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ سجدہ کرنے کی جگہ پر نظریں جمانا خشوع ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نماز پڑھتے وقت آسمان کی طرف دیکھتے تھے، جس پر "الذين هم فی صلاتهم خاشعون" نازل ہوئی تو آپ نے فروتنی کے ساتھ سر جھکا لیا۔ مسلم بن یسار اور قتادہ نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں اِدھر اُدھر نگاہ کرنے کو ترک کرنا، نیز مسلمانوں کیلیے نرم گوشہ رکھنا خشوع ہے، یہ حضرت علی ابن ابی طالب کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں پرسکون رہنا خشوع ہے، یہ مجاہد، ابراہیم اور زہری نے کہا ہے۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ خشوع سے مراد خوف رکھنا ہے، یہ حسن کا قول ہے۔ زاد المسیر فی علم التفسیر ۵/ ۴۵۹۔ ۴۶۰

زاد المسیر میں نماز کے دوران خشوع کے متعلق چار اقوال میں سے دوسرے قول، حضرت علی کے ارشاد کو امام حاکم نے عبید اللہ بن ابی رافع کے واسطے سے یوں

روایت کیا ہے: عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ سئل عن قولہ عزوجل: الذین ھم فی صلاتھم خاشعون. قال: الخشوع فی القلب، وان تلین کتفک للمرء المسلم، وان لا تلتفت فی صلاتک۔ المستدرک علی الصحیحین ۳/۴ حدیث ۳۵۳۳۔

سید شریف جرجانی نے لکھا ہے: قال ابو طلحۃ: سئل رسول اللہ ﷺ حین نزل ''قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون'' ما الخشوع یا رسول اللہ؟ فقال: ان یکون منتھیٰ بصر المصلی الی موضع سجودہ، والنظر الی السماء ینافی الخشوع۔ یعنی ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ جب قد افلح المؤمنون الذین ھم الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ خشوع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نمازی کی منتہائے نظر سجدے کی جگہ ہو، آسمان کی طرف دیکھنا خشوع کے خلاف ہے۔ خلاصہ کیدانی مع میر ص: ۳۰

مذکورہ بالا اقوال کو دوبارہ غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ کسی نے بھی اشارۂ سبابہ نہ کرنے کو ''خاشعون'' یا ''خشوع'' کے معنی ومفہوم میں داخل کیا یا اسے خشوع کے منافی قرار دیا ہے؟ امام رازی کی صراحت کے مطابق قلب واعضاء کے مجموعی امور کو خشوع کہا جاتا ہے، امام ابن جوزی نے نماز میں خشوع سے مراد کے متعلق چار قول نقل کیے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی خشوع کے منافی قلب واعضاء کے امور کی فہرست میں اشارۂ سبابہ کو شامل نہیں کیا۔ لہذا فاضل مصنف کا اس آیت سے عدم اشارہ پر استدلال کرنا حدیث شریف اور مفسرین کے اقوال کی نقیض ہے۔ اس وجہ سے ان کی یہ دلیل مردود ہے۔

فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے بہت سے دوستوں نے اشارہ نہیں کیا ہے اور نہ پسند کیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے کثیر من المشایخ لایرون الاشارۃ الخ۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۱۹

عرض کرتا ہوں: آپ کے اس ارشاد کے کئی طرح سے جواب ہیں لیکن فی الحال اتنا عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جن دوستوں نے اشارہ کیا ہے آپ ان کے عمل کو دلیل کیوں نہیں مان رہے، کیا ہر بات میں آپ ''میں نہ مانوں'' کے طرفدار ہیں؟ اشارہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ان دوستوں میں تو خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا نام بھی شامل ہے، جیسا کہ آپ باحوالہ پڑھ چکے ہیں، اسی کے ساتھ ان کے فرزند اصغر شیخ محمد یحیٰ کا بھی نام

ہے، انھوں نے اشارۂ سبابہ کے حق میں رسالہ تک لکھا ہے، جیسا کہ اس سے قبل شاہ سراج احمد مجددی کے اعتراف کا ذکر حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے اپنے رسالہ البشارۃ لاہل الاشارۃ میں کیا ہے اور ان سے ان کے فرزند اکبر خواجہ عبد اللہ جان المعروف شاہ آغا جان نے اپنی کتاب مونس المخلصین میں نقل کیا ہے۔ شیخ محمد مراد مکی نے لکھا ہے:

وافردها كثير من الحنفية بالتأليف خصوصاً المتأخرين منهم لما رأوا تعصب بعض الجهلة فيها مع وضوح سنيتها. وورد روايات فقهية كثيرة فيها من متقدمي الحنفية. وآخر من الف فيها شيخنا المحقق العلامة الشيخ آخوند جان افندي المرغيناني. جمع فيها الروايات الحديثية والفقهية وقد اجاد كل الاجادة۔ یعنی اس بارے میں بہت سارے علماء احناف خصوصاً متاخرین نے جب اشارۂ سبابہ کی سنیت واضح ہوجانے کے باوجود اس بارے میں بعض جہلاء کے تعصب کو دیکھا تو انھوں نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں، اس کے متعلق متقدمین فقہاء کی روایات بکثرت واقع ہوئی ہیں، اس باب میں ہمارے شیخ علامہ شیخ آخوند جان آفندی مرغینانی نے رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے حدیث اور فقہ کی روایات جمع کی ہیں اور اس سے متعلق انھوں نے خوب تحقیق کی ہے۔ الدرر المکنونات النفیسۃ ۱/۵۷۳ حاشیہ ۲

اس کے علاوہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارۂ سبابہ کو سنت قرار دیا ہے جسکا بیان معارف السنن کے مصنف کی زبانی حضرت خواجہ محمد امین بدخشی کی "نتائج الحرمین" کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور حضرت خواجہ مظہر جان جاناں کا اس سلسلہ میں پورا ایک مکتوب بھی پیش کردیا گیا ہے تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے ان دوستوں کی بات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جارہا؟ ایک مجددی نسبت رکھنے والے فرد کا ان حقائق کے باوجود نہ صرف اشارۂ سبابہ سے انکار بلکہ اسے مکروہ اور حرام ثابت کرنے پر کمر بستہ رہنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر ان کا اشارۂ سبابہ کی کراہت یا حرمت والا مؤقف صحیح ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں شیخ محمد یحیٰ اور خواجہ مظہر جان جاناں اور شیخ آخوند جان آفندی مرغینانی نے ایک مکروہ یا حرام کام کو ثابت کیا، اور سید آدم بنوری نے بھی ایسے ہی کام کو سنتِ مطلوبہ جانا، اور تو اور یہ الزام تو خود حضرت امام ربانی رحمہ اللہ پر بھی وارد ہوگا کیونکہ وہ بھی اگرچہ نوافل ہی میں سہی، کیا ایک حرام کام کا ارتکاب کرتے تھے؟ حاشا وکلا ایسا نہیں ہے۔

مجددی حضرات کیلئے یہ مقام غور وفکر ہے کہ وہ محض حضرت امام ربانی کے مکتوب کی آڑ میں کیا کررہے ہیں۔ بنظرِ غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت امام ربانی بھی اپنے مکتوب میں اختیار کردہ موقف سے دستبردار ہوگئے تھے، جبھی تو آپ گاہ بگاہ نوافل میں اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ فتاویٰ صوفیہ کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں کہ ان کے پیر ومرشد نے حدیث ہی کے حوالے سے ایک مرتبہ اشارۂ سبابہ کرنے پر دس (۱۰) نیکیاں ملنے کا ارشاد فرمایا ہے، نیز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اشارۂ سبابہ کو "حسن" کہنا بھی منقول ہوا ہے۔ ان سے بڑا ولی اللہ تو آج تک چشمِ فلک نے دیکھا بھی نہیں اور تا قیامت دیکھے گا بھی نہیں۔ اگر آپ کو اشارہ کرنے والے یا اشارہ نہ کرنے والے اولیاء اللہ کے حنفی المذہب ہونے پر اصرار نہ ہو تو پھر امام نووی رحمہ اللہ کا اس بارے میں مسلک جاننے کے لیے دیکھیے منہاج الطالبین وعمدۃ المصنفین ص:۱۲، اور شیخ الاسلام زکریا انصاری کا مسلک جاننے کے لیے دیکھیے ان کی تصنیف نہج الطلاب فی شرح منہاج الطالبین ص:۱۱، اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا مسلک جاننے کے لیے دیکھیے ان کی بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام ص:۹۱۔۹۲ نیز حافظ ابن حجر ہیثمی مکی کا مسلک جاننے کے لیے دیکھیے ان کی الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیۃ ص:۱۴۶، نیز علامہ ابراہیم بن احمد بیجوری متوفی ۸۲۵ھ کا مسلک جاننے کے لیے دیکھیے ان کا حاشیۃ البیجوری علیٰ شرح ابن قاسم الغزی جلد اول ص:۱۷۸، اور شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی کا مسلک جاننے کے لیے دیکھیے ان کی عوارف المعارف ص:۱۶۵، اس کے علاوہ عاشقِ رسول مولانا عبد الرحمن جامی اور امام قسطلانی کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت امام بن حنبل کا اس بارے میں مسلک جاننے کے لیے دیکھیے العمدۃ ص:۹۷، اور شیخ احمد صاوی مالکی کا مسلک جاننے کے لیے دیکھیے حاشیۃ علی الشرح الصغیر جلد اول ص:۳۳۰۔۳۳۱ اور علامہ ابن رشد اندلسی مالکی کا اس بارے میں مسلک جاننے کے لیے دیکھیے بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد جلد دوم ص:۲۶۰۔۲۶۱۔

اس سلسلہ میں مزید عرض یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا ہستیوں سے بھی بہت بڑے اللہ کے دوست اور تمام احناف کے متفق علیہ ائمہ حضرات امام ابو یوسف، امام محمد تو اشارۂ سبابہ کو سنت کہہ رہے ہیں اور امام الائمہ سراج الامت ابوحنیفہ اسکے کرنے کا قول فرما رہے ہیں تو پھر اللہ کے ان دوستوں کا اشارۂ سبابہ کرنا کیوں نہیں مانا جاتا؟ اس سب کو بھی چھوڑ دیں، یہ دیکھیں کہ اللہ کے حبیب رسول اللہ ﷺ سے اشارہ کرنا سترہ صحابہ نے روایت کیا ہے، جن میں سے ایک حدیث

میں حضرت نمیر خزاعی کی چشم دید گواہی یوں موجود ہے: رأیت النبی ﷺ جالسا فی الصلاۃ واضعا یدہ الیمنٰی علی فخذہ یشیر باصبعہ۔ یعنی میں نے نبی پاک ﷺ کو نماز میں بیٹھے دیکھا، آپ نے دایاں ہاتھ اپنی ران پر رکھا ہوا تھا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمارہے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۵ اس حدیث کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں، حضرت نمیر خزاعی کی روایت کو امام طبرانی نے اپنی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ پر ۶۳۶ نمبر پر روایت کیا ہے۔ اسکے علاوہ سنن ابی داودا / ۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشھد اور سنن نسائی ۱/ ۱۸۷ باب الاشارۃ بالاصبع فی التشھد اور باب احناء السبابۃ فی الاشارۃ میں دو سندوں کے ساتھ اور ابن ماجہ ص: ۶۶ پر باب الاشارۃ فی التشھد میں اور سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۱ پر باب کیفیۃ الاشارۃ بالمسبحۃ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خفاف بن ایماء بن رحضۃ غفاری کی حدیث بیہقی ۲ / ۱۳۲۔ ۱۳۳ پر باب ما ینوی المشیر باشارتہ فی التشھد میں دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، اس کی پہلی سند میں الفاظ یوں ہیں: "رأیت رسول اللہ ﷺ کان یشیر باصبعہ اذا جلس یتشھد فی صلاتہ الخ" اس کے علاوہ اس باب میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث صحیح ابن خزیمہ ۱ / ۳۵۴ حدیث نمبر ۷۱۴ میں فنظرت الیہ یدملی فکبر کے الفاظ اور صحیح ابن حبان جلد ۳ کے باب ذکر ما یستحب للمصلی رفع الیدین عند ارادتہ الرکوع وعند رفع رأسہ منہ میں فنظرت الیہ حین قام فکبر کے الفاظ، اسی طرح مسند امام احمد بن حنبل ۴ / ۳۱۷۔ ۳۱۸ کی تین سندوں میں رأیت رسول اللہ ﷺ کبر فرفع یدیہ اور رأیت النبی ﷺ حین کبر رفع یدیہ حذاء اذنیہ اور فنظرت الیہ قام فکبر ورفع یدیہ حتی حاذتا اذنیہ کے الفاظ ہیں، نیز دیکھیے معجم کبیر ۲۲ / ۳۳ حدیث نمبر ۷۸ نیز ۲۲ / ۳۳۔ ۳۴ حدیث نمبر ۷۹ نیز ۲۲ / ۳۴ حدیث نمبر ۸۱ نیز ۲۲ / ۳۵ حدیث نمبر ۸۲ اور ۲۲ / ۳۶ حدیث نمبر ۸۵ کی دونوں سندوں میں رأیت النبی ﷺ یا رأیت رسول اللہ ﷺ یا رمقت النبی ﷺ یا فنظرت الیہ جیسے الفاظ ہیں، نیز معجم کبیر ۲۲ / ۴۹۔ ۵۱ حدیث نمبر ۱۱۸ میں حضرت رسول اللہ ﷺ وقد اُتی باناء فیہ ماء... ثم جلس فی التشھد فوضع کفہ الیمنی علی رکبتہ الیمنی وخفض فاخذہ وحلق اصبعہ یدعوبہ من تحت الثوب کے الفاظ ہیں۔

یہاں عجیب معاملہ ہے کہ اللہ کے محبوب رسول اللہ ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے اور پھر

آپ ﷺ کا اس سے رجوع کرنا، یا اس سے منع کرنا بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں لیکن محض اللہ کے بہت سے دوستوں سے "اشارہ مذکور نہ ہونے" کو ان کی اسے ناپسند کرنے کی دلیل بنا کر اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ کسی سے کسی عمل کا مذکور نہ ہونا الگ معاملہ ہے اور اسے ناپسند کرنا الگ شے ہے۔ جبکہ عدم ذکر عدم وجود کو لازم نہیں کرتا۔ ہم تو اس مقام پر برملا کہتے ہیں کہ بالفرض اگر ائمۂ احناف سے اشارے کا ثبوت نہ بھی ملتا تو محض رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے اس کے ثبوت کے بعد اشارہ کرنا حنفیت ہی ہے۔ خواہ بعد والے احناف اسکی مخالفت ہی کیوں نہ کریں۔

اب اصل جواب یہ ہے کہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بھی مسئلہ میں حضرت امام اعظم سے روایت کے بارے میں اختلاف منقول ہو تو ان دونوں مختلف روایتوں میں سے وہی روایت لی جاتی ہے جسکی امام صاحب کی طرف نسبت قوی ہوتی ہے، اور اس مسئلہ میں ایک تو امام اعظم سے اختلاف مروی ہی نہیں۔ یعنی ایسا نہیں کہ ایک روایت میں امام صاحب نے اشارہ کرنے کیلیے کہا ہے لیکن دوسری روایت میں اس سے منع کیا ہے۔ بلکہ اسکے برعکس امام محمد صراحتاً فرما رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا قول اشارہ کرنا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ مغلطای نے بھی صراحت سے کہا ہے ان ثبوت الاشارۃ ھو المعتمد عند ابی حنیفۃ۔ شرح سنن ابن ماجہ ۵ / ۱۵۵۰،

جبکہ اشارے کی نفی کے بارے میں کوئی صراحت موجود نہیں کہ اشارہ نہ کرنا امام اعظم کا مذہب ہے، نہ قولاً اور نہ فعلاً، بلکہ بہت سارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اشارے کی نفی بعض مشائخ کا قول ہے نہ کہ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا۔ اور کتب اصول میں تو سرے سے اشارے کا بیان ہی موجود نہیں ہے۔ یہاں پر لے دے کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ چلیں ہم نے مان لیا کہ اشارے کی نفی امام صاحب سے ثابت نہیں لیکن اکثر مشائخ نے اس سے منع کیا ہے جیسا کہ فاضل مصنف نے فرمایا ہے، لہذا اُن کے فتاوے پر اعتماد کرتے ہوئے اشارہ نہیں کرنا چاہیے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ منع کرنے والے ان مفتیان کرام کے فتاوے کے معارض اشارے کو ثابت کرنے والے مفتیان کرام کے فتاوے بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے دونوں جانب کے مفتیان کرام کے فتاوے تو ساکت ہو گئے اب ہم اسی قول کی طرف رجوع کریں گے جو امام صاحب کی طرف نسبت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہوگا، اور وہ ہے امام محمد سے منقول امام ابوحنیفہ کا ثبوتِ اشارہ کا قول۔ لہذا ثابت ہوا کہ منع کرنے والے مفتیان کرام کثیر من المشائخ، یعنی لا یرون الاشارۃ والے گروہ کے

فتاوے اور ان کی منع امام صاحب کے قول سے متصادم ہے جس کی وجہ سے وہ ساکت الاعتبار ہے، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہوں نیز أنهم صرّحوا بانه لا عبرة بكثرة الادلة بل بقوتها الخ۔ تلویح ۲/۲۱۸

فرماتے ہیں: اشارہ کی حرمت کے بارے میں صرف خلاصہ کیدانی نے اکیلے نہیں لکھا ہے بلکہ تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) کتابوں میں حرمت وکراہت کا بیان موجود ہے اور جن کتابوں میں مستحب لکھا ہے تو انھوں نے روایت کو لیا ہے اور روایت میں مستحب لکھا ہے اور جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اس لیے کہ مذہب حنفی میں نہیں ہے۔ شرح وقایہ کی عبارت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے" ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضا عند الشافعي الخ"۔ "عن" روایت کے لیے آتا ہے اور "عند" مذہب کے لیے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے وهو قول ابي حنيفة اس لیے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۲۰

عرض کرتا ہوں: جنابِ والا! یہ کوئی سیاسی جمہوری مسئلہ نہیں کہ ایک سو بیس (۱۲۰) علماء کی حرمت وکراہت کا قول مان لیا جائے۔ کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک سو بیس کتابوں نے غلط قول ہی نقل کیا ہو جیسا کہ ابن عابدین شامی نے فرمایا ہے: وقد يتفق نقل قول في نحو عشرين كتابا من كتب المتأخرين ويكون القول خطاء اخطأ به اول واضع له فيأتي من بعده وينقله عنه وهكذا ينقل بعضهم عن بعض كما وقع ذالك في بعض مسائل ما يصح تعليقه وما لا يصح. كما نبه على ذالك العلامة ابن نجيم في البحر الرائق۔ یعنی کبھی کبھار ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ متاخرین کی بیس (۲۰) کتابوں میں سے کوئی قول نقل کیا گیا ہو اور وہ قول غلط ہو جسے پہلے والے قائل نے نقل کیا تھا اور پھر بعد والوں نے اسی سے نقل کرنا شروع کر دیا اور یوں وہ قول ایک دوسرے سے نقل ہوتا ہوا منتقل ہوتا رہا جیسا کہ بعض مسائل میں اس طرح کی عبارات نقل ہوتی رہتی ہیں کہ ان میں سے بعض کی تعلیق درست ہوتی ہے اور بعض کی تعلیق درست نہیں ہوتی، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں اس پر آگاہ کیا ہے۔ شرح عقود رسم المفتی ص:۵

دوسری بات یہ ہے کہ ان میں سے بھی کس کا قول معتبر ہے، حرام کہنے والوں کا یا مکروہ

قرار دینے والوں کا؟ کیونکہ آپ کے ممدوح لطف اللہ نسفی کیدانی کے بقول حرام وہ ہوتا ہے جس کی منع بلا معارض دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ ترک کرنے سے ثواب ملتا ہے اور کرنے سے گناہ، اسے حلال سمجھنے سے کفر لازم آتا ہے۔ اور مکروہ وہ ہوتا ہے جس کی نہی دلیل مع المعارض سے ثابت ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ ترک کرنے سے ثواب ملتا ہے اور کرنے سے عذاب کا خطرہ رہتا ہے، اسے حلال سمجھنے سے کفر لازم نہیں آتا۔ خلاصۂ کیدانی ص: ۵۔۶ اور دونوں میں واضح فرق ہے، ثابت ہوا کہ آپ کے بقول بھی مخالفینِ اشارہ کسی ایک حکم پر متفق نہیں ہیں۔

آپ کا یہ فرمان ہے کہ "جن کتابوں میں مستحب لکھا ہے تو انہوں نے روایت کو لیا ہے اور روایت میں مستحب لکھا ہے اور جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اس لیے کہ مذہب حنفی میں نہیں ہے"۔ سوال یہ ہے کہ مستحب لکھنے والی کتابوں نے کس کی روایت کو لیا ہے؟ حدیث کی روایت کو یا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد کی روایت کو؟ ظاہر ہے کہ دونوں روایتوں کو لیا ہے جن میں اسے مستحب کہا گیا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے"۔ ماشاءاللہ کیا خوب تحقیق ہے کہ ایک ہی عمل کے دو مختلف بلکہ متباین احکام بیک وقت صحیح قرار دیے جا رہے ہیں۔ کیا استحباب اور حرمت جمع ہونے کی آپ کے ہاں یہی ایک مثال ہے یا آپ نے اپنی تحقیق سے دیگر اعمال کے بھی ایسے ہی مختلف بلکہ متابین احکام جمع کر لیے ہیں؟

رہا آپ کا یہ فرمانا کہ اسے حرام کہنا اپنی جگہ اس لیے صحیح ہے کہ "مذہب حنفی میں نہیں ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ "مذہب حنفی میں نہ ہونے" کا مطلب اگر یہ ہے کہ ظاہر الروایہ کتب میں اس کا ذکر نہیں ہے تو پھر ہمیں تسلیم ہے کہ واقعی اشارے کا ذکر ظاہر الروایہ کتب میں نہیں ہے، نہ صرف اس کا ثبوت ان میں موجود نہیں بلکہ اس سے منع بھی ان کتب میں موجود نہیں ہے۔ اگر اس طرح کے عدمِ ذکر کو آپ مذہب حنفی سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے، کیونکہ یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ جو چیز بھی ان کتابوں میں مذکور نہ ہو وہ مذہب حنفی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر آپ اس پر اصرار کریں گے تو پھر ظاہر الروایہ کتابوں میں سے کسی بھی کتاب میں دورانِ تشہد ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے کا ذکر نہیں ہے، تو اب آپ کہہ دیجیے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا مذہب حنفی میں نہیں ہے۔ نیز ان ظاہر الروایہ کتابوں میں تو دورانِ تشہد ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر رکھنے کا بھی ذکر نہیں ہے، تو پھر آپ اس کے لیے بھی کہہ دیں کہ تشہد میں ہاتھ کشادہ رکھنا مذہب حنفی میں نہیں ہے۔

اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر الروایہ کتب میں اس سے منع کیا گیا ہے تو پھر یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ ظاہر الروایہ کتب میں سے کسی بھی کتاب کی اشارے سے منع کی روایت دکھا دیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ظاہر الروایہ میں اشارے سے منع کی روایت موجود نہیں ہے اس لیے آپ اسے دکھا بھی نہیں سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو بھی یہ سمجھتا ہے کہ "عدم الروایۃ" یا "روایۃ العدم" امام اعظم ابوحنیفہ یا امام محمد وغیرہ سے مروی ہے تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ غیر ظاہر الروایہ کتب میں امام صاحب وغیرہ سے "ثبوت الروایۃ" ہے اور ظاہر الروایہ کتب تو کجا غیر ظاہر الروایہ کتب میں بھی عدم کی روایت موجود نہیں ہے۔ آپ "لیست الاشارۃ فی ظاھر المذھب" اور "ظاھر المذھب انھا لیست" میں فرق نہیں کر پا رہے۔ پہلی بات تو درست ہے کہ ظاہر مذہب کی کتب میں اشارہ مذکور نہیں ہے لیکن اسے آپ کا "لیست فی مذھب الحنفی" قرار دینا غلط ہے۔ یہ تب صحیح ہوگا جب آپ ظاہر الروایہ یا غیر ظاہر الروایہ کتب میں سے ثابت فرمائیں گے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ شرح وقایہ کی عبارت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے "ومثل ھذا جاء عن علمائنا ایضا عند الشافعی الخ عن روایت کے لیے آتا ہے اور عند مذہب کے لیے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے"۔ پہلی گزارش تو یہ ہے کہ صدر الشریعۃ کی عبارت "یعنی شرح وقایہ کی عبارت" میں آپ نے اپنی طرف سے "عند الشافعی" کا جملہ بڑھا کر خواہ مخواہ "عن" اور "عند" کا فرق دکھا کر "روایت" اور "مذہب" کا اختلاف پیدا کیا ہے۔ جو کہ صدرۃ الشریعہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے مترادف ہے۔ اصل مغالطہ آپ کو "ومثل ھذا جاء عن علمائنا" سے ہوا ہے حالانکہ ایسا کہنا کوئی غلط نہیں کیونکہ محض مثلیت کی بنیاد پر کوئی مسئلہ مذہب حنفی سے خارج ہو جاتا ہو، صحیح نہیں ہے۔ صحیح تب ہوتا جب "خلافاً للشافعی" کہا جاتا جیسا کہ صدر الشریعۃ نے وضوء کی سنتوں کے بیان میں کلی اور ناک میں جدید پانی سے تین مرتبہ کلی کرنے اور ناک صاف کرنے کے بیان میں فرمایا ہے کہ "خلافاً للشافعی فان المسنون عندہ ان یمضمض ویستنشق بغرفۃ واحدۃ" یعنی ہر بار نیا پانی لے کر کلی کرنا اور ناک صاف کرنا امام شافعی کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک صاف کرنا مسنون ہے۔ یا جیسے تمام سر کا مسح ایک مرتبہ سنت ہونے کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔ وعلی ہذا القیاس دیگر کئی مثالیں ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ عبیداللہ محبوبی کے" واضعاً يديه على فخذيه موجها اصابعه نحو القبلة مبسوطة "پر صدر الشریعہ ثانی نے لکھا ہے" و فيه خلاف الشافعي فان عنده يعقد الخنصر والبنصر و يحلق الوسطى والابهام و يشير بالسبابة عند التلفظ بالشهادتين "۔یعنی صدر الشریعہ اول نے جو یہ کہا ہے کہ دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر کشادہ قبلہ رو رکھے جائیں۔اس میں امام شافعی کے خلاف کرنے کا بیان ہے، کیونکہ امام شافعی کے نزدیک التحیات کے آغاز سے ہی چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کر کے درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے۔ اسکے بعد صدر الشریعہ ثانی مزید یہ فرماتے ہیں کہ" ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضا "یعنی ہمارے علمائے احناف سے بھی اسی طرح آیا ہے۔جسکا مطلب یہ ہے کہ امام شافعی کی ذکر کردہ کیفیتِ اشارہ کی طرح ہمارے علماء نے بھی کیفیتِ اشارہ ذکر کی ہے، یہ نہیں کہ التحیات کے آغاز سے حلقہ بنا کر رکھنے کو ہمارے علماء نے ذکر کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ کیفیتِ اشارہ دونوں کے ہاں یکساں ہے، لیکن دونوں (شوافع اور احناف) کے درمیان فرق یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو تشہد کی ابتداء سے ہی بند کر کے حلقہ بنانا مسنون ہے جبکہ احناف کے نزدیک تشہد کی ابتداء میں انگلیوں کو کھلا رکھنا اور اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت انھیں بند کر کے حلقہ بنا کر اشارہ کرنا مختار ہے۔جیسا کہ احناف کی روایات میں مصرّح ہے۔گویا" مثل هذا جاء عن علمائنا ايضا "میں محض کیفیتِ اشارہ کی مثلیت کی طرف اشارہ ہے، اسکے علاوہ کوئی اور مثلیت اس سے مراد نہیں ہے۔ جبکہ فاضل مصنف نے اس سے مطلقاً "اشارہ کی مثلیت" مراد لی ہے جو کہ سراسر غلط ہے، اشارہ کی مثلیت کا یہاں کیا ذکر ہے؟ یہاں تو صرف "کیفیتِ اشارہ" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس طرح کی کیفیت ہمارے علماء احناف سے بھی منقول ہے۔ حالانکہ اسی کیفیت کے ساتھ انگلیاں بند کرنے اور حلقہ بنانے کے وقت میں دونوں قسم کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ "عن روایت کیلئے آتا ہے اور عند مذہب کے لیے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے وهو قول ابي حنيفة اس لیے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے"۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۰

اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں موطاء میں "قول" "مذہب" کا غیر نہیں ہے، کیونکہ اس مسئلہ کے بارے میں امام محمد کی یہ تصریح" وبصنیع رسول اللہ ﷺ ناخذ "اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہی ان کا مذہب ہے۔ جس طرح بقول آپ کے "عند" کا لفظ مذہب کیلیے آتا ہے اسی طرح" وبہ ناخذ " بھی عملِ مذہب کے بیان کیلیے آتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ کیونکہ موطاء امام محمد میں حضرت امام محمد کی یہ معروف عادت ہے کہ وہ ہر مسئلے کے آخر میں یہی کہتے ہیں کہ" ان ھذا قول ابی حنفیۃ "اور اس سے ان کی مراد معمول علیہ مذہب ہی ہوتا ہے۔ امام محمد کا یہ طریقہ صرف اس ایک مسئلے میں نہیں بلکہ اسکے علاوہ دیگر کئی سو مسائل میں بھی ان کا یہی طریقہ ہے۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں:" فان من عادۃ محمد فی ھذا الکتاب و کذا فی کتاب الآثار انہ ینص علی مأخوذہ ومأخوذ استاذہ ابی حنیفۃ فحسب "۔یعنی اس کتاب (موطاء) میں اور کتاب الآثار میں امام محمد کی یہی عادت ہے کہ وہ اپنے استاذ امام ابوحنیفہ اور خود اپنے ماخوذ کو ظاہر کرتے ہیں اور بس۔ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص:۱۰۶

اگر آپ کو یہ بات ماننے میں تأمل ہے تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ آپ کے نزدیک موطاء امام محمد میں مذکور تمام مسائل میں سے کوئی بھی مسئلہ امام اعظم کے مذہب کے موافق نہیں، یا یوں کہیے کہ موطاء امام محمد میں مذکور کوئی بھی مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب نہیں ہے۔ اگر ان کا مذہب نہیں ہے تو آپ بتا سکتے ہیں کہ اس میں کس کا مذہب بیان کیا گیا ہے؟ اب آپ ہی کے اصول کے پیش نظر کہ "عند" "مذہب کے لیے آتا ہے، اسی شرح وقایہ کی ایک عبارت عرض ہے، اسے دیکھ کر آپ بتائیں کہ اس میں سے کونسا "عند" آپ کا مذہب ہے۔

سلام پھیرنے کے بیان میں صدر الشریعہ فرماتے ہیں:" وعند البعض الامامُ لاینوی لانہ یشیر الی القوم والاشارۃ فوق النیّۃ. وعند البعض الامام ینوی بالتسلیمۃ الاولی۔ یعنی بعض کے نزدیک امام دونوں سلام پھیرتے وقت مقتدیوں پر سلام کی نیت نہ کرے کیونکہ وہ منہ پھیر کر اس کے ذریعے قوم کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے اور اشارہ نیت سے فوقیت رکھتا ہے، اور بعض کے نزدیک امام پہلے سلام کے وقت مقتدیوں پر سلام کی نیت کرے۔

شرح وقایہ جلد اول، ص:۱۷۱۔" باب صفۃ الصلوۃ "۔

فرماتے ہیں: خلاصۂ کیدانی میں لکھا ہے" والاشارۃ بالسبابۃ کاھل الحدیث" یعنی کاف علت کے لیے ہے معنی یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اس لیے کہ اہلِ حدیث اس منسوخ

روایت پر عمل کرتے ہیں اور کاف تشبیہی نہیں ہے"۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۲۰

عرض کرتا ہوں: پہلی بات تو یہ ہے کہ "کاھل الحدیث" میں کاف کو علت کیلیے کہنا، یہ آپ ہی سے سنا گیا ہے۔ کسی بھی شارح خلاصہ نے یہ نہیں کہا۔ اگر کہا ہے تو آپ اسکی عبارت پیش فرمائیں۔ یہاں لطف اللہ نسفی نے "کاھل الحدیث" کہا ہے۔ اور ملا علی قاری نے بھی اس پر اسی تشبیہ "کاھل الحدیث" ہی کی وجہ سے گرفت فرمائی ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں: ای مثل اشارة جماعة یجمعهم العمل بحدیث رسول الله ﷺ. وهذا منه خطأ عظیم وجرم جسیم منشؤه الجهل عن قواعد الاصول ومراتب الفروع من المنقول. ولولا حسن الظن به وتأویل کلامه بسببه لکان کفره صریحا وارتداده صحیحا۔ یعنی اس جماعت کے اشارے کی مانند جسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل نے باہم جمع کیا ہوا ہے۔ یہ اسکی بہت بڑی غلطی اور جرم ہے، اسکا سبب اصول کے قواعد اور منقول میں سے فروع کے مراتب سے جہالت ہے، اگر اسکے بارے میں حسنِ ظن اور اسکے کلام کی تاویل کی گنجائش نہ ہوتی تو اسکا کفر صریح اور اسکا ارتداد صحیح ہوتا۔ تزیین العبارة لتحسین الاشارة ص:۶۶

لیجیے! ہم میر سید شریف جرجانی کی عبارت پیش کیے دیتے ہیں جسمیں انھوں نے "کأھل الحدیث" کو تشبیہ مانا ہے۔ لکھتے ہیں: کأھل الحدیث ای کاشارة اهل الحدیث وهم الذین یعملون بظواهر الاحادیث ولایفرقون بین الناسخ والمنسوخ وبین الظاهر والماول ویغفلون عن المعنیٰ الفقهی فیقع لهم الغلط کثیرا۔ خلاصہ کیدانی مع میر ص:۳۱۔ یہاں آپ فرما سکتے ہیں کہ کچھ بھی ہو بہر حال میر سید شریف جرجانی نے اہلِ حدیث کی تعریف یہی کی ہے کہ وہ لوگ احادیث کے ظواہر پر عمل کرتے ہیں، ناسخ اور منسوخ، ظاہر اور مأول میں فرق نہیں کرتے اور فقہی معنیٰ سے غافل رہتے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں بہت ساری غلطیاں لگتی ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں اسی لیے ہمیں اشارہ نہیں کرنا چاہیے۔

یہاں پر "فقہی معنیٰ" سے مراد ہے شرعی حکم کی علت۔ یعنی وہ لوگ احادیث کے لفظی معانی پر عمل کرتے ہیں، ان میں سے کونسی حدیث ناسخ ہے اور کونسی منسوخ، کس حدیث کی کیا تاویل کی گئی ہے، یا فلاں حکم کی شریعت میں علت کیا ہے؟ وہ ان باتوں پر نظر نہیں رکھتے، چونکہ یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں اس لیے ہمیں اشارہ نہیں کرنا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانی نے اہلِ حدیث کے اشارہ کرنے کی وجہ سے احناف کو اشارہ کرنے سے ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اس نے کاشارۃ اھل الحدیث فرما کر یہ بتایا ہے کہ جس طرح یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں اس طرح اشارہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ حضرات محض حدیث کے ظاہری الفاظ فرأیتہ یحرکھا ویدعو بھا کو دیکھتے ہوئے دورانِ اشارہ مسلسل انگلی کو حرکت دیتے رہتے ہیں حالانکہ اس حرکت کی علماء نے تأویل کی ہے، ملاعلی قاری اس سلسلے میں لکھتے ہیں: یمکن ان یکون معنیٰ یحرکھا یرفعھا اذ لا یمکن رفعھا بدون تحریکھا، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کے تأویل میں لکھا ہے کہ المراد بتحریکھا رفعھا لا تکریر تحریکھا، اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اس کی تأویل کرتے ہوئے لکھا ہے: والمراد بہ تکریر التحریك غیر التحریك مرۃ واحدۃ لاجل الرفع فانه لابد منه، چونکہ یہ حضرات اشارے کی تحریک کی اس تأویل کی طرف نہیں جاتے جس کی وجہ سے حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابن زبیر کی متعلقہ حدیثیں ایک دوسرے کے منافی قرار پاتی ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث کو ترک کرنا لازم آتا ہے جبکہ مذکورہ بالا تأویل کی وجہ سے دونوں حدیثیں اپنے اپنے مقام پر معنیٰ اور مفہوم میں درست ثابت ہو جاتی ہیں۔

گویا سید شریف جرجانی نے "اہلِ حدیث کی وجہ سے" اشارے کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس نے "اہلِ حدیث کی طرح تحریک کے تکرار کی وجہ سے" اشارے کی مخالفت کی ہے۔ ملاعلی قاری کی عبارت اس سے پہلے گزر چکی ہے جس میں انھوں نے لطف اللہ نسفی پر گرفت کرتے ہوئے "اہلِ حدیث" کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے، ملاعلی قاری کے نزدیک اہلِ حدیث سے مراد محدثینِ کرام ہیں نہ کہ وہ لوگ جو اپنی گردن سے ربقۂ تقلید اتار کر ناسخ اور منسوخ، ظاہر اور مأول کے درمیان فرق نہ کرتے ہوئے محض احادیث کے ظاہری معنیٰ پر عمل کرتے ہیں اور خود کو "عمل بالحدیث" کے بہانے سے "اہلِ حدیث" کہلاتے ہیں خواہ انہیں کئی حدیثوں کے علی الرغم ہی کرنا پڑ جائے۔

دورِ تابعین میں دو قسم کے علماء پائے جاتے تھے، ایک وہ جن کا اوڑھنا بچھونا علمِ حدیث تھا، وہ اس کے الفاظ اور اس کی سند یاد کرنے اور سند میں کسی بھی قادحہ علت پر نظر رکھنے میں بڑی کوشش اور احتیاط کرتے تھے، انہیں عام طور پر "اہل الحدیث" کہا جاتا تھا، دوسرے وہ جن کا اوڑھنا بچھونا احادیثِ مبارکہ میں سے احکام کا استنباط کرنا اور ان میں سے ناسخ اور منسوخ، ظاہر

اور ماٗ اول کا فرق کرتے ہوئے اس کا حکم بیان کرنا خاص وظیفہ ہوتا تھا، انہیں عام طور پر "اہل الراء" کہا جاتا تھا۔ ملا علی قاری نے پہلے قسم کے علماء کی حمایت کرتے ہوئے کیدانیہ والے کی مذمت کی ہے، اور میر سید شریف نے جن اہلِ حدیث کی مخالفت کی ہے وہ ان مذکورہ بالا دونوں قسم کے علماء سے الگ ایک تیسرا طبقہ ہے۔ پہلے طبقے کے متعلق علامہ عبد العزیز پرہاروی لکھتے ہیں: هم علماء الحديث ولهم شرف عظيم عند النبي ﷺ قال صاحب الفتوحات: ورثة الانبياء هم علماء الحديث فقط. وقال الشافعي: اذا رأيت رجلاً من علماء الحديث فكانما رأيت رجلاً من اصحاب رسول الله ﷺ۔

النبراس ص:۳۹۹۔۴۰۰

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ائمہٗ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم جلیل القدر محدثین کرام ہی ہیں لیکن استنباط مسائل اور استخراج احکام میں زیادہ شغف رکھنے کی وجہ سے "فقہاء" یا "اہل الراء" کے لقب سے زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں: کیونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مجتہد کی طرف نہیں جاتے۔ مولانا شیخ القرآن حمد اللہ صاحب نے البصائر میں ذکر کیا ہے "الاخذ بظواهر الكتب والسنة من اصول الكفر (البصائر، صاوى، تنوير الايمان) کتاب اور سنت کے ظاہر سے مسائل اخذ کرنا اصول کفر سے ہے۔ تو جب احادیث اشارے کی منسوخ یا مرجوح ہو گئیں بنابرقول میر سید السند تو منسوخ یا مرجوح پر عمل کرنا حرام ہے تو اس لیے صاحب خلاصہ کیدانی نے حرام کہا ہے۔ اب اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہے اور اشارہ کرے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض بغض اور حسد ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۲۰۔۲۱۔

عرض کرتا ہوں: مولوی حمد اللہ داجوی نے مولوی طاہر پنج پیری کی کتاب "البصائر للمتوسلين بالمقابر" کی تردید میں لکھی گئی اپنی کتاب "البصائر لمنكرى التوسل باهل المقابر" میں "المقصد الثانى فى اثبات التوسل الى الله تعالىٰ" کے تحت شیخ احمد صاوی مالکی کے مختلف حوالے نقل کیے ہیں، سورۂ قصص کی آیت نمبر ۸۸ "ولا تدع مع الله الها آخر" میں لفظ "تدع" کی علامہ سیوطی نے معنیٰ لکھی ہے "تعبد" اس پر شیخ صاوی کے حاشیہ کو نقل کرتے ہوئے داجوی صاحب نے لکھا ہے: ومنها ما ذكره ذلك الشيخ فى تفسير قوله تعالىٰ (ولا تدع مع الله الها آخر، القصص :۸۸) (قوله تعبد) اشار بذالك الى ان

المراد بالدعاء العبادة وحينئذ فليس في الآية دليل على مازعمه الخوارج من ان الطلب من الغير حيّاً أو ميتاً شرك فانه جهل مركب لان سؤال الغير من حيث اجراءالله النفع أوالضر على يده قد يكون واجبا لانه من التمسك بالاسباب ولاينكر الاسباب الا جهود أوجهول (ج: ۳ ص: ۱۹۰) یعنی ایک دلیل یہ بھی ہے جسے اسی شیخ نے آیت ولا تدع مع الله الها آخر کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ سیوطی نے "تدع" کا معنیٰ "تعبد" لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "دعا" سے مراد عبادت ہے، اس صورت میں آیت مبارکہ میں خوارج کے مدعیٰ پر دلیل نہیں ہے کہ زندہ خواہ مردہ "غیر" سے طلب کرنا شرک ہے، ایسا عقیدہ رکھنا جہل مرکب ہے کیونکہ غیر سے اس حیثیت سے سوال کرنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفع اور نقصان کو اس کے ہاتھ پر جاری فرمایا ہے، کیونکہ ایسا کرنا اسباب کو اختیار کرنا ہے اور اسباب کا انکار صرف منکر یا جاہل شخص ہی کرتا ہے۔

شیخ احمد صاوی مالکی کے اس استدلال پر مولوی حمد اللہ داجوی یوں تبصرہ کرتے ہیں:

وعلم من هذا الكلام ان التوسل من قبيل التمسك بالاسباب، لا انه فوق الاسباب كما يقوله المنكرون، ومنشأ ذالك الاخذ بظواهر النصوص، مع انه قال الشيخ احمد الصاوى (فالخارج عن المذاهب الاربعة ضالّ ومضلّ) وربما ادّاه ذالك الى الكفر لان الاخذ بظواهر الكتاب والسنة من اصول الكفر (ج: ۳ ص: ۹) یعنی اس کلام سے معلوم ہوا کہ وسیلہ پکڑنا بھی اسباب ہی کو اختیار کرنے کی قسم میں سے ہے، فوق الاسباب نہیں جیسا کہ منکرین کہتے ہیں، اور اس کا سبب نصوص کے ظاہر سے استدلال کرنا ہے، باوجود اس کے کہ شیخ احمد صاوی نے فرمایا (مذاہب اربعہ سے خارج ہونے والا گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے) کبھی کبھار اس کا یہ طرز عمل اسے کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ کتاب وسنت کے ظاہر سے اخذ کرنا کفر کے اصول میں سے ہے۔ (ج: ۳ ص: ۹) البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر، ص: ۸۱۔۸۲

مولوی حمد اللہ داجوی نے علامہ احمد صاوی کا یہ استدلال ان لوگوں کے خلاف کیا ہے جو ''توسل الی اللہ'' کے منکر ہیں، جو علامہ صاوی کے بقول مذاہب اربعہ کے منکر اور محض کتاب و سنت کی نصوص کے ظاہری و لفظی معنی پر چلنے والے ہیں، یعنی "دعا" کے لفظی معنی پکارنا، بلانا سے دلیل پکڑ کر ہر طرح کی استمداد کا انکار کرنے والے ہیں۔ جلال الدین سیوطی کے اس معنی "تعبد" پر

علامہ صاوی نے یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی (دوسرے معنی کا بھی احتمال رکھنے والی) کتب وسنت کی نصوص کے ظاہری لفظی معنی سے استدلال کرنا گمراہی ہے جو بسا اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ہے وہ کتاب وسنت کے ظاہر سے اخذ کرنا کفر کا اصول جسے علامہ صاوی نے ذکر کیا اور مولوی حمد اللہ داجوی نے اپنی کتاب میں نقل کیا۔ اس میں کونسا لفظ ہے جسے فاضلِ مصنف اشارۃً سبابہ کی مخالفت میں پیش فرمارہے ہیں؟ کوئی بھی تو نہیں۔ لہذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایک صحیح بات کو غلط محل پر منطبق کیا گیا ہے، اسے کہتے ہیں ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

اگر آپ نے خوارج کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس کے مناظرے کی تفصیل پڑھی ہو تو آپ پر آشکار ہو جائیگا کہ وہ بھی صحیح باتیں غلط محل پر منطبق کرتے تھے۔ حضرت امام بخاری نے ان کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ: وكان ابن عمر يراهم شرار خلق الله. وقال: انهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المؤمنين۔ یعنی حضرت ابن عمر انہیں اللہ کی بدترین مخلوق سمجھا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مؤمنوں پر کرتے ہیں۔ بخاری ۲ / ۱۰۲۴ "باب قتال الخوارج والملحدين بعد اقامة الحجة عليهم"۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ربانی ہے: ولا تقولن لشئ انى فاعل ذالك غدا الا ان يشاء الله واذكر ربك اذا نسيت۔ اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں یہ کردونگا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے۔ پ: ۱۵ سورۂ کہف آیت: ۲۳، ۲۴

اس آیت کے متعلق علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ: وسأله اهل مكة عن خبر اهل الكهف فقال أخبركم غدا ولم يقل ان شاء الله فنزل۔ یعنی مکہ والوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں کل بتاؤنگا اور آپ نے انشاء اللہ نہیں کہا، تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ تفسیر جلالین ص: ۳۸۴، اس آیت میں واذكر ربك اذا نسيت پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے (واذكر ربك) اى مشيئته معلقا بها (اذا نسيت) ويكون ذكرها بعد النسيان كذكرها مع القول. قال الحسن وغيره مادام فى المجلس۔ (اپنے رب کی یاد کر) یعنی اسکی مشیت کو اس سے معلق کرتے ہوئے (جب تو بھول جائے) اسکی مشیت کو بھول جانے کے بعد یاد کرنا ایسا ہی ہے گویا اس نے

اسے اپنے قول کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے، حسن وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ (یعنی بھول جانے کے بعد یاد آنے پر ان شاء اللہ کہنا صحیح) اس وقت تک ہے جب تک وہ اسی مجلس میں ہو۔ ایضاً ص: ۳۸۴

اس سے ثابت ہوا کہ اگر ان شاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو جب یاد آئے کہہ لے، حسن وغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب تک اس مجلس میں رہے اور یاد آجائے تو ان شاء اللہ کہہ لے۔ علامہ صاوی نے جلال الدین سیوطی کے اس قول پر حاشیہ میں حضرت حسن کے علاوہ دیگر حضرات کے آٹھ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: وعامة المذاهب الاربعة علی خلاف ذالك كله۔ یعنی عام چاروں مذاہب ان تمام اقوال کے خلاف ہیں، فرماتے ہیں کہ قسم کے ساتھ انشاء اللہ کہنے کی تعلیق صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسے متصلاً کہا جائے اور اس سے قسم پورا کرنے کا قصد ہو، ہاں اگر سانس لینے کے لیے رک کر، یا کھانسی آنے یا جمائی آنے سے ان شاء اللہ کہنے میں فاصلہ آگیا تو وہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان شاء اللہ کو اس کے کلام کے ساتھ متصل نہ مانا جائے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: ولا يجوز تقليد ما عدا المذاهب الاربعة ولو وافق قول الصحابة والحديث الصحيح والآية. فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اداه ذالك للكفر لان الاخذ بظواهر الكتاب والسنة من اصول الكفر۔ یعنی مذاہب اربعہ کے علاوہ کی تقلید ناجائز ہے خواہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی کیوں نہ ہو پس مذاہب اربعہ سے نکل جانے والا ضال اور مضل ہے اور بسا اوقات یہ اسے کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ کتاب وسنت کے ظاہر سے اخذ کرنا اصولِ کفر میں سے ہے۔

صاوی علی الجلالین ۳/ ۹

یہ ہے وہ عبارت جسے فاضل مصنف نے اشارۂ سبابہ کو حرام ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش فرمایا ہے، وہ اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں اور نقل کرنے میں کتنے سچے ہیں اس کا اندازہ قارئین کرام کو ہو گیا ہوگا۔ آخر میں گزارش ہے کہ اگر فاضل مصنف مولوی حمد اللہ داجوی اور خصوصاً علامہ صاوی کی ان عبارات کو تمام ظاہری نصوص محکم، مفسر، مجمل اور مؤول کے خلاف دلیل قرار دینے اور ہر جگہ فقہاء کے قول ہی کو دلیل ماننے پر اصرار فرماتے ہیں تو پھر قرآن و حدیث کی سینکڑوں نصوص کے ظاہری معانی سے انہیں دستبردار ہونا پڑے گا، مثلاً واقيموا الصلوة واٰتوا الزكوة، اور انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس، اور ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا، اور قل هو الله احد، اسی طرح حدیث

میں ہے بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقامُ الصلوۃ وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان، اور آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار وغیرہ۔ اور اگر وہ یہ فرمائیں کہ قرآن وحدیث کی ان نصوص کو ہم فقہاء کرام کی تشریحات کی روشنی میں مانتے ہیں تو پھر ہم بھی کہتے ہیں کہ اشارے کو بھی ہم فقہاء کرام ہی کی تشریحات کی روشنی میں مانتے ہیں جیسا کہ حضرت امام محمد کی مؤطا میں حدیث شریف موجود ہے اور اس کی تفصیل وتشریح میں امام محمد نے اشارے کی کیفیت بھی بیان فرمادی ہے۔

یہ تو فاضل مصنف ہی بتائیں گے کہ علامہ شیخ عمر نسفی کا یہ ارشاد کہ: والنصوص تحمل علی ظواھرھا والعدول عنھا الی معان یدعیھا اھل الباطن الحاد۔ یعنی نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے گا، اہلِ باطن جس معنی کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی طرف توجہ کرنا دین سے پھر جانا ہے۔ علامہ نسفی کی اس عبارت پر علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ: (النصوص) من الکتاب والسنۃ (تحمل علی ظواھرھا) مالم یصرف عنھا دلیل قطعی کما فی الآیات التی تشعر بظواھرھا بالجھۃ والجسمیۃ ونحو ذالک. لایقال ھذہ لیست من النصوص بل من المتشابہ . لانا نقول المراد بالنصوص ھھنا لیس ما یقابل الظاھر والمفسر والمحکم بل ما یعم اقسام النظم علی ما ھو المتعارف (والعدول عنھا) ای عن الظواھر (الیٰ معان یدعیھا اھل الباطن) وھم الملاحدۃ وسمُوا الباطنیۃ لادعائھم ان النصوص لیست علیٰ ظواھرھا بل لھا معان باطنیۃ لا یعرفھا الا المعلم و قصدھم بذالک نفی الشریعۃ بالکلیۃ (الحاد) ای میل و عدول عن الاسلام واتصال و اتصاف بکفر لکونہ تکذیبا للنبی علیہ السلام فیما علم مجیئہ بہ بالضرورۃ. و اما ما ذھب الیہ بعض المحققین من ان النصوص مصروفۃ علیٰ ظواھرھا و مع ذالک ففیھا اشارات خفیۃ الیٰ دقائق تنکشف علی ارباب السلوک یمکن التطبیق بینھا و بین الظواھر المرادۃ. فھو من کمال الایمان و محض العرفان۔ یعنی (نصوص) کتاب وسنت کی (اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہیں) جب تک کوئی قطعی دلیل اس ظاہری معنی سے نہ پھیرے جیسا کہ وہ آیات جن کے ظاہر سے جہت اور جسمانیت سمجھ میں آتی ہے وغیر ذالک، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی آیتیں نصوص نہیں بلکہ متشابہات ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر نصوص سے مراد وہ نہیں جس کا مقابل ظاہر، مفسر اور محکم ہوتا

ہے بلکہ اس سے مراد وہ ہے جو معروف طور پر نظم کی اقسام کو شامل ہے (اس سے عدول کرنا) یعنی ظاہر سے (ان معانی کی طرف جس کا دعوی اہل باطن کرتے ہیں) وہ بے دین لوگ ہیں، انہیں باطنیہ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کا دعوی ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان کے باطنی معانی ہیں جنھیں صرف معلم ہی جانتا ہے، اس سے ان کا ارادہ شریعت کی مکمل طور پر نفی کرنا ہے (بے دینی ہے) یعنی اسلام سے کجروی اور روگردانی اور کفر سے مل جانا اور متصف ہونا ہے، کیونکہ ظاہری معنیٰ سے عدول کرنا دراصل نبی پاک ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی تکذیب ہے، حالانکہ اس کا جاننا لازمی ہے، البتہ بعض محققین کا جو یہ نظریہ ہے کہ نصوص اپنے ظواہر پر ہی پھیری جاتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ان میں باریکیوں کی طرف مخفی اشارے بھی ہوتے ہیں جو کہ ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں اور ان باریکیوں اور ظاہری مراد کے درمیان تطبیق بھی ممکن ہوتی ہے، باریکیوں کی طرف مخفی اشارے دراصل کمالِ ایمان اور خالص عرفان ہی کی وجہ سے سمجھ میں آتے ہیں۔شرح عقائد النسفیہ ص:۱۱۹۔۱۲۰

اس پر علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں: ای علی المعانی الظاهرة بحسب الوضع اللغوی الشائع فی العرب والوضع الشرعی المشهور فی اهل الاسلام۔یعنی کتاب وسنت کی نصوص کو ان کے ظواہر پر محمول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے وہی ظاہری معانی مراد لیے جائیں گے جو لغوی وضع کے طور پر عرب میں اور شرعی وضع (ترتیب وتعین) کے طور پر اہل اسلام میں مشہور ہیں۔النبراس ص:۵۶۳،شیخ رمضان افندی فرماتے ہیں: کما اخبر الله تعالی من الحور والقصورِ والانهار والاشجار والاطعمة و عذاب اهل النار من الزقوم والحميم والسلاسل والاغلال۔یعنی جیسا کہ اللہ تعالی نے حور وقصور، انہار واشجار و اطعمہ اور دوزخیوں کے عذاب، تھوہر، کھولتے پانی، زنجیروں اور گلے کے پھندوں کی خبریں ارشاد فرمائی ہیں۔اس کے علاوہ شیخ رمضان نے شرح عقائد کی عبارت "واتصال واتصاف بکفرلکونه" پر لکھا ہے:ای العدول عن ظواهر النصوص۔یعنی اسلام سے روگردانی اور کفر سے متصف ہونا اس لیے ہے کہ ظواہر نصوص سے عدول کرنا نبی پاک ﷺ کی تکذیب کرنا ہے۔شرح رمضان افندی ص:۱۳۱۰ اس کے علاوہ علامہ تفتازانی اجماع کے باب میں اس کے حکم کے حوالے سے لکھتے ہیں: وقد يقال : ان التمسک بالظواهر ووجوب العمل بها انما ثبت بالاجماع ولولا ہ لوجب العمل بالدلائل المانعة عن اتباع

الظن۔ التلویح ۲/ ۱۰۳

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جب تک نصوص کے ظاہری معنی مراد لینے سے کوئی قطعی دلیل مانع نہ ہو اس وقت تک ان کا ظاہری معنی ہی مراد ہوگا۔ اب فاضل مصنف فرمائیں کہ اشارۂ سبابہ سے متعلق احادیث یعنی نصوص کے ظاہری معنی مراد لینے سے کونسی قطعی دلیل ان کے پاس موجود ہے؟ جو ان کے ظاہری معنی مراد لینے پر کفر کا حکم لگا رہے ہیں؟

فرماتے ہیں: تو جب احادیث اشارے کی منسوخ یا مرجوح ہوگئیں بنابر قول میر سید السند تو منسوخ یا مرجوح پر عمل کرنا حرام ہے تو اس لیے صاحب خلاصہ کیدانی نے حرام کہا ہے۔

دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۱

عرض کرتا ہوں: پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیثِ اشارہ کے منسوخ یا مرجوح ہونے کی نسبت سید شریف جرجانی کی طرف کرنا قطعاً غلط ہے۔ سید شریف جرجانی کے حاشیہ خلاصۂ کیدانی کی باحوالہ عبارت سابق میں بیان ہوچکی ہے جس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ معنیٰ اخذ کرنا محض ان کے ذہن کی اختراع ہے، سید شریف جرجانی کا اس معنیٰ بیان کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر احادیث اشارہ کو منسوخ مانا جائے تو یقیناً ان کا کوئی ناسخ بھی ہوگا، اور اگر انہیں مرجوح مانا جائے تو ان کا کوئی راجح بھی ہوگا۔ فاضل مصنف کا فرض ہے کہ وہ احادیث اشارہ کے بارے میں اتنی بڑی بات کرتے وقت ان کا ناسخ یا راجح بھی بیان فرما دیتے تو اختلاف ہی ختم ہوجاتا۔ لہذا ہم بصد ادب یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ دیگر دعووں کی طرح فاضل مصنف کا یہ دعوی بھی بلا دلیل ہے، اور بلا دلیل کی گئی بات علمی دنیا میں نا قابل اعتبار ہوا کرتی ہے تو ان کا یہ قول بھی نا قابل اعتبار ہی ہے۔

فرماتے ہیں: ابو داود شریف میں یہ حدیث ہے: "من اشار اشارة فی الصلاة تفهم منها فليعدها" ۔ جس نے نماز میں اشارہ کیا جس سے کوئی معنی سمجھ میں آجائے تو اس نماز کو وہ دوبارہ پڑھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں (۱) نفی کی طرف اشارہ ہے کہ لا الہ ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو الا اللہ ہے تو یہ معنی سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہیے، تو اس لیے حرام ہے۔

---

(۱) اصل کتاب میں اسی طرح جمع کے لفظ کے ساتھ جملہ ہے جو کہ کاتب کی غلطی ہے، صحیح جملہ یوں ہے "انگلی کے اٹھانے میں"۔

دیکھیے ان کا رسالہ ص:۲۱

عرض کرتا ہوں: فاضل مصنف نے اگر امام ابوداود سجستانی۔کے قائم کردہ"ترجمۃ الباب" (باب کے عنوان) پر غور فرمایا ہوتا تو انہیں ایسی دوراز کار تاویل کی تعویل نہ کرنا پڑتی؛ امام ابو داود نے یہ حدیث "باب الاشارۃ فی الصلاۃ" (نماز میں اشارہ کرنے سے متعلق احادیث پر مشتمل باب) میں روایت کی ہے۔ہم پہلے ابوداود کی یہ روایت اور اس کی دیگر سندیں نقل کرتے ہیں اس کے بعد اس سے متعلق گزارشات عرض کریں گے: حدثنا عبداللہ بن سعید نا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن یعقوب بن عتبۃ بن الاخنس عن ابی غطفان عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: التسبیح للرجال۔ یعنی فی الصلاۃ۔ والتصفیق للنساء ، من اشار فی صلاتہ اشارۃ تفھم عنہ فلیعدلھا۔ یعنی الصلاۃ۔ قال ابوداود : ھذا الحدیث وھم ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کے لیے تسبیح ہے۔یعنی نماز میں۔اور عورتوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے،جس کسی نے اپنی نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے کچھ سمجھا جا سکتا ہو تو وہ اسے دہرائے۔یعنی نماز کو۔ ابوداود نے کہا کہ یہ حدیث وہم ہے۔سنن ابی داود ا / ۱۳۶، اس حدیث کو امام دارقطنی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے،جن میں سے دوسری سند کے الفاظ یوں ہیں: حدثنا عثمان بن احمد الدقاق، حدثنا محمد بن الفضل بن سلمۃ، ثنا محمد بن معاویۃ النیسابوری، نا حفص بن عبد الرحمن عن محمد بن اسحاق عن یعقوب بن عتبۃ، عن ابی غطفان عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "من اشار فی صلاتہ اشارۃ تفھم عنہ فلیُعِدْ صلاتہ" قال لنا ابن ابی داود: ابو غطفان ھذا رجل مجھول، وآخر الحدیث زیادۃ فی الحدیث، ولعلہ من قول ابن اسحاق، والصحیح عن النبی ﷺ انہ کان یشیر فی الصلاۃ. رواہ انس وجابر وغیرھما عن النبی ﷺ. قال الشیخ ابو الحسن: وقد رواہ ابن عمر وعائشۃ۔ سنن دارقطنی جلد اول، جزء ثانی ص: ۸۴ باب الاشارۃ فی الصلاۃ، حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث نسائی میں مختلف پانچ سندوں کے ساتھ دو ابواب میں مذکور ہے جن میں سے دو سندیں "باب التصفیق فی الصلاۃ" میں ہیں ان میں سے پہلی سند ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف کے واسطے سے ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: اخبرنا قتیبۃ و محمد بن المثنی واللفظ لہ قالا

حدثنا سفیان عن الزهری عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء. زاد ابن المثنی فی الصلاۃ۔ یعنی قتیبہ اور محمد بن مثنی نے ہمیں بتایا۔ اور روایت کے لفظ ابن مثنی کے ہیں۔ دونوں نے کہا ہمیں سفیان نے زہری سے اور زہری نے ابوسلمہ سے اور ابوسلمہ نے ابوہریرہ سے اور ابوہریرہ نے نبی پاک ﷺ سے خبر دی کہ آپ نے فرمایا کہ: مردوں کے لیے تسبیح ہے اور عورتوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا، ابن مثنی نے یہ اضافہ کیا کہ: نماز میں۔ ابوسلمٰی کی اسی سند کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری ۱/۱۶۰ پر باب التصفیق للنساء میں بھی موجود ہے۔

اس کی دوسری سند سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف کے واسطے سے ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: اخبرنا محمد بن سلمۃ قال حدثنا ابن وھب عن یونس عن ابن شھاب قال اخبرنی سعید بن المسیب و ابو سلمۃ بن عبدالرحمن، قال: انھما سمعا ابا ھریرۃ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ یعنی ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن دونوں نے بتایا کہ ان دونوں نے ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تسبیح مردوں کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔

اس کی تین سندیں "باب التسبیح فی الصلاۃ" میں ہیں جن میں سے دو سندیں ابو صالح کے واسطے سے ہیں جن کے الفاظ یوں ہیں: اخبرنا قتیبۃ قال حدثنا الفضیل بن عیاض عن الاعمش ح و اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبداللہ عن سلیمان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ اس کی تیسری سند محمد بن سیرین کے واسطے ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: اخبرنا عبید اللہ بن سعید ثنا یحیٰ ابن سعید عن عوف قال حدثنی محمد عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ سنن نسائی ۱/۱۷۸

اس کی چوتھی سند بھی محمد بن سیرین ہی کے واسطے سے ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

وبہ: عن ھشام بن حسان عن محمد بن سیرین، عن ابی ھریرۃ، قال: قال رسول اللہ ﷺ: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ معجم الاوسط ۱/۳۴۵ حدیث نمبر ۱۲۵۵

حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کو امام دارمی نے بھی ابو سلمہ کے واسطے سے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: اخبرنا یحی بن حسان ثنا سفیان عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ سنن دارمی ۱ / ۳۶۵ باب التسبيح للرجال والتصفيق للنساء حدیث نمبر ۱۳۶۳، اس کے علاوہ بخاری شریف ۱ / ۱۶۰ باب التصفيق للنساء میں بھی حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ابو سلمہ کے واسطے سے آئی ہے: عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: التصفيق للنساء والتسبيح للرجال۔ مسلم شریف میں یہ حدیث چھ سندوں کے ساتھ آئی ہے جن میں سے پہلی دو سندوں کے الفاظ یوں ہیں: حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة و عمرو الناقد و زهير بن حرب قالوا: نا سفيان بن عيينة عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هريرة عن النبی ﷺ ح و حدثنا هارون بن معروف و حرملة بن یحی قالا: انا ابن وهب قال اخبرنی یونس عن ابن شهاب قال: اخبرنی سعید بن المسيب و ابو سلمة بن عبدالرحمن انهما سمعا ابا هريرة يقول: قال: رسول الله ﷺ: التسبيح للرجال والتصفيح للنساء۔ زاد حرملة فی روايته قال ابن شهاب و قد رأيت رجالا من اهل العلم يسبحون و يشيرون۔ اس کی تیسری، چوتھی اور پانچویں سند کے الفاظ یوں ہیں: و حدثنا قتيبة بن سعيد قال: نا الفضيل يعنی ابن عياض ح و حدثنا ابو كريب قال: نا ابو معاوية ح و حدثنا اسحاق بن ابراهيم قال: انا عیسیٰ بن یونس كلهم عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرة عن النبی ﷺ بمثله۔ اور چھٹی سند کے الفاظ یوں ہیں: و حدثنا محمد بن رافع قال: نا عبدالرزاق قال: نا معمر عن همام عن ابی هريرة عن النبی ﷺ بمثله، و زاد فی الصلاة۔ صحیح مسلم ۱ / ۱۸۰ باب تسبيح الرجال وتصفيق المرأة اذا نابها شئ فی الصلاة۔

جامع الترمذی میں بھی یہ حدیث ایک سند کے ساتھ یوں آئی ہے: حدثنا هناد نا ابو معاوية عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء۔ جامع الترمذی ۱ / ۴۸۔۴۹ باب ما جاء ان التسبيح للرجال والتصفيق للنساء۔ سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ایک سند کے ساتھ یوں آئی ہے: حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة و هشام بن عمار

قالا: ثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة ان رسول اللهﷺ قال: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ سنن ابن ماجہ ص: ۷۳باب التسبیح للرجال فی الصلاۃ والتصفیق للنساء۔ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل ۲ /۲۴۱، ۲۶۱، ۳۱۷، ۳۷۶، ۴۳۲، ۴۴۰، ۴۷۳، ۴۷۹، ۴۹۲، ۵۰۷، ۵۲۹ پر بھی موجود ہے اور مسند حمیدی ص: ۴۷۲ پر ابوسلمہ کے واسطے سے حدیث نمبر ۹۴۸ پر آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ کے علاوہ یہ الفاظِ حدیث حضرت سہل بن سعد ساعدی سے بھی آئے ہیں، بخاری شریف میں حضرت سہل کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: حدثنا یحی قال: حدثنا وکیع عن سفیان عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال: قال النبی ﷺ: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ صحیح بخاری ۱ /۱۶۰ باب التصفیق للنساء۔ نیز سنن ابن ماجہ ص: ۷۳باب التسبیح للرجال فی الصلاۃ والتصفیق للنساء میں بھی حضرت سہل بن سعد کی یہ حدیث موجود ہے۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کے مذکورہ باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے: حدثنا سوید بن سعید ثنا یحیٰ بن سلیم عن اسماعیل بن امیة وعبید الله عن نافع انه کان یقول: قال ابن عمر: رخص رسول اللهﷺ للنساء فی التصفیق وللرجال فی التسبیح۔ اور سنن دارمی میں حضرت سہل کی یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، اور اس کے الفاظ اس بارے میں اس قدر واضح ہیں کہ شک وشبہ ختم ہو جاتا ہے: حدثنا یحی بن حسان ثنا حماد بن زید عن ابی حازم عن سهل بن سعد عن رسول اللهﷺ قال: اذا نابکم شیٔ فی صلاتکم فلیسبح الرجالُ ولتصفق النساء۔ اس کی دوسری سند یوں ہے: اخبرنا یحی بن حسان ثنا سعید بن عبد الرحمن الجمحی، وعبد العزیز بن محمد، وعبد العزیز بن ابی حازم، وسفیان بن عیینة عن ابی حازم عن سهل بن سعد عن النبی ﷺ مثله۔ سنن دارمی ۱ / ۳۶۵ باب التسبیح للرجال والتصفیق للنساء حدیث نمبر ۱۳۶۴، ۱۳۶۵ امام ترمذی فرماتے ہیں: وفی الباب عن علی وسهل بن سعد وجابر وابی سعید وابن عمر، قال علیؓ: کنتُ اذا استاذنت علی النبی ﷺ وهو یصلی یسبح۔ جامع ترمذی ۱ /۴۹

حضرت ابو سعید سے بھی یہ حدیث مروی ہے جو ابو ہارون العبدی کے واسطے سے یوں ہے: حدثنا احمد بن القاسم بن مساور. قال: نا محمد بن ابراهیم أخو ابی معمر. قال: نا عبد الله بن عبد القدوس عن الاعمش. عن ابی هارون العبدی. عن ابی سعید عن النبی ﷺ قال: التسبیح فی الصلاة للرجال والتصفیق للنساء۔ معجم الاوسط ۱/ ۱۷۶ حدیث نمبر ۵۸۰

حضرت سہل بن سعد کی حدیث بخاری شریف ۱/ ۹۴ "باب من دخل لیؤم الناس فجاء الامامُ الاولُ فتأخر الاولُ اولم یتأخر الخ" میں تفصیل کے ساتھ مروی ہے۔ نیز بخاری شریف ۱/ ۱۶۰ "باب التصفیق للنساء"، اس کے علاوہ مسلم شریف ۱/ ۱۷۹ "باب تقدیم الجماعة من یصلی بهم اذا تأخر الامام ولم یخافوا مفسدة بالتقدیم" کے آخر میں یوں الفاظ ہیں: من نابه شئ فی صلوته فلیسبح فانه اذا سبح التفت الیه وانما التصفیح للنساء۔ اور سنن ابی داود ۱/ ۱۳۵۔ ۱۳۶ پر باب التصفیق فی الصلوة نیز سنن نسائی ۱/ ۱۲۷۔ ۱۲۸ کتاب الامامة کے باب "اذا تقدم الرجل من الرعیة ثم جاء الوالی هل یتأخر" اور باب "استخلاف الامام اذا غاب" اور موطا امام مالک ص: ۱۴۷ "الالتفات والتصفیق فی الصلوة عند الحاجة" نیز مسند امام احمد بن حنبل ۵/ ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۳ اور مسند حمیدی ص: ۲۶۸ حدیث نمبر ۹۲۷

حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کو ان سے ابو غطفان، ابو سلمہ، ابو صالح، محمد بن سیرین اور ہمام بن منبہ نے روایت کیا ہے، جس کی تمام اسانید میں "التسبیح للرجال والتصفیق للنساء" تک ہی حدیث ہے، البتہ ابو غطفان کی روایت میں "من اشار فی صلوته اشارة تفهم عنه فلیعد لها یعنی الصلوة" کا اضافہ ہے۔ جبکہ ابو غطفان مجہول راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: وقال الدوری عن ابی بکر بن داود: ابو غطفان مجهول۔ یعنی دوری نے ابو بکر بن داود سے نقل کیا ہے کہ ابو غطفان مجہول راوی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ایک ابو غطفان بن طریف مدنی ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ دونوں سے روایت کرتا ہے جبکہ دوسرا ابو غطفان ابو ہریرہ سے روایت کرتا ہے۔ ابو غطفان بن طریف تو ثقہ ہے لیکن ابو غطفان مجہول ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وفرّق البزار بین الرواى عن ابی هریرة وبین الراوی عن ابن عباس، جعلهما اثنین۔ یعنی امام

بزار نے ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کرنے والے ابوغطفان کے درمیان فرق کیا ہے اور انہیں دو مختلف افراد قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب ۸ / ۳۱۹، ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: سمعت ابی زرعة یقول فی حدیث ابی غطفان: لیس فی شئ من الاحادیث ھذا الکلام، ولیس عندی بذاك الصحیح انما رواہ ابن اسحاق، قال ابو زرعة: واحتمل ان یکون اراد اشارته فی غیر جنس الصلاۃ۔ یعنی میں نے ابوزرعہ کو فرماتے سنا وہ ابوغطفان کی حدیث کے متعلق کہہ رہے تھے کہ: کسی بھی حدیث میں یہ جملہ نہیں ہے، اور میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اسے ابن اسحاق ہی نے روایت کیا ہے، ابوزرعہ نے کہا کہ: میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے اسکی مراد نماز کی جنس کے علاوہ میں اشارہ کرنا ہے۔ العلل ۱ / ۷۴، امام زیلعی نے اسحاق بن ابراہیم بن ھانئ سے نقل کیا ہے کہ: سئل احمد عن حدیث من اشار فی صلاته اشارۃ تفهم عنه، فلیعد الصلاۃ؟ فقال: لایثبت اسنادہ، لیس بشیء۔ یعنی امام احمد بن حنبل سے مذکورہ بالا حدیث "جس نے نماز میں اشارہ کیا اور اس سے کچھ سمجھ بھی آتا ہو الخ" کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: اس کی سند ثابت نہیں ہے، یہ روایت کچھ بھی نہیں ہے۔ نصب الرایة لاحادیث الہدایة ۲ / ۹۰۔۹۱، ثقہ ابوغطفان کا نام امام نسائی نے سعد بتایا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لایقبل الا حدیث ثابت کما لایقبل من الشهود الا من عرف عدله، فاذا کان الحدیث مجهولا او مرغوبا عمن حمله کان کما لم یأت لانه لیس بثابت۔ یعنی ثابت حدیث ہی قبول کی جائیگی، جس طرح گواہی عادل گواہ ہی کی قبول کی جاتی ہے، اگر حدیث مجہول ہو یا جس سے (وہ) لی گئی ہے وہ شخص مرغوب عنہ ہو تو گویا وہ حدیث آئی ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ثابت نہیں۔ اختلاف الحدیث ص: ۴۰

ابوغطفان والی ابوہریرہ کی حدیث کی سند میں ایک اور راوی محمد بن اسحاق بھی ہے۔ یہ صاحبِ مغازی محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار ابوعبداللہ المطلبی ہے، علم مغازی میں ماہر، مشہور اور ثقہ ہونے کے باوجود حدیث میں مجروح راوی ہے، اور تدلیس بھی کرتا ہے۔ ابن جوزی نے خاص طور پر اس حدیث کے حوالے سے ان دونوں حضرات کے بارے میں اور اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ: ھذا حدیث لایصح عن رسول اللہ ﷺ. وابن اسحاق مجروح وابو غطفان مجهول۔ یعنی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح نہیں ہے، ابن اسحاق مجروح اور ابوغطفان مجہول راوی ہیں۔ العلل المتناھیة فی الاحادیث الواھیة، جزء اول ص: ۴۲۷،

سنن دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کی دوسری سند میں ابن ابی داؤد نے کہا ہے کہ اس حدیث کا آخری حصہ یعنی من اشار فی صلاتہ الخ کے الفاظ حدیثِ رسول میں اضافہ کیے گئے ہیں، اور اس اضافے کو اس نے ابن اسحاق ہی کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ ابن اسحاق حدیث روایت کرنے میں غلطی بھی کر جاتا تھا اور اسے حدیث روایت کرنے میں وہم بھی لگتا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن اسحاق کے متعلق ابن عدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگرچہ ابن اسحاق کی روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ قصداً کوئی غلطی کرتا تھا تاہم اسے یکے بعد دیگرے وہم ضرور لگتا تھا، ابن عدی کے الفاظ یوں ہیں: وقد فتشتُ احادیثه الكثيرة فلم اجد فيها ما يتهيأ ان يُقطع عليه بالضعف، وربما اخطأ او يَهِمُ في الشئ بعد الشئ كما يخطى غيره وهو لا بأس به۔ تہذیب التہذیب ۶/۱۳۷

بہر حال کچھ بھی ہو لیکن اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کے آخری الفاظ ابن اسحاق کا وہم ہے، اور حدیث شریف میں کسی لفظ کے وہم ثابت ہو جانے کے بعد اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن اسحاق کو مدلسین کے طبقۂ رابعہ میں شمار کیا ہے، وہ بھی ضعیف، مجہول اور ان سے بھی گئے گزرے لوگوں سے تدلیس کرنے والوں میں، لکھتے ہیں: محمد بن اسحق بن يسار المطلبي المدني صاحب المغازي صدوق، مشهور بالتدليس عن الضعفاء المجهولين وعن شر منهم، وصفه بذلك احمد والدارقطني وغيرهما۔

طبقات المدلسین ص: ۵۵ تذکرہ نمبر ۱۲۵

امام نووی نے مدلسین کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کی پہلی قسم "تدلیس الاسناد" کہلاتی ہے، جیسے کسی راوی کا اپنے معاصر راوی سے ان سنی بات کا اس طرح روایت کرنا جس سے یہ وہم ہوتا ہو کہ اس نے اس سے سنا ہوا ہے، یعنی اس کے اس طرح روایت کرنے سے سند کے متصل ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہو مثلاً "قال فلان" یا "عن فلان" کہہ کر روایت کرنا وغیرہ۔ دوسری قسم "تدلیس الشیوخ" کہلاتی ہے، وہ اس طرح کہ اپنے شیخ کا ایسا نام یا کنیت یا نسبت یا وصف بیان کرے جس کے ساتھ وہ معروف نہ ہو۔ پہلی قسم کی تدلیس بہت ہی زیادہ ناپسندیدہ ہے، اکثر علماء نے اس کی مذمت کی ہے، جبکہ دوسری قسم کی تدلیس اس سے کم درجہ کی ناپسندیدہ ہے۔ امام نووی پہلی قسم کے مدلسین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: من

عرف به صار مجروحا مردود الرواية وان بَيَّنَ السماع. والصحيح التفصيل، فما رواه بلفظ محتمل لم يبين فيه السماع فمرسل، وما بَيَّنَه فيه کسمعت، وحدثنا، وأخبرنا وشبهها فمقبول محتج به۔ یعنی جوراوی "تدلیس الشیوخ" میں معروف ہووہ مجروح اور مردود الروایۃ ہے، خواہ اس نے اپنے شیخ سے سماع کو بیان ہی کیا ہو، مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر اس نے ایسے لفظ کے ساتھ روایت کی ہے جس میں احتمال ہو اور سماع کو بھی اس نے بیان نہ کیا ہو تو اسے "مرسل" روایت کہتے ہیں، اور جس میں اس نے سماع کو بیان کیا ہو مثلاً سمعت، حدثنا، اخبرنا کہہ کر روایت کی ہے تو وہ مقبول اور قابل احتجاج ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی امام نووی کے اس جملے "من عرف به صار مجروحا مردود الرواية وان بين السماع" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جو ثقہ راوی کسی دوسرے ثقہ راوی سے تدلیس کرتا ہو تو اس کی روایت قبول کی جاتی ہے، مثلاً سفیان بن عیینہ یا دیگر کبار تابعین کی مراسیل۔ البتہ جو شخص غیر ثقہ راویوں سے تدلیس کرتا ہو اس کے بارے میں ابو بکر الصیر فی کی "الدلائل" سے اس نے نقل کیا ہے کہ: من ظهر تدليسه من غير الثقات لم يقبل خبره حتى يقول حدثني أو سمعت۔ یعنی جسکی تدلیس غیر ثقہ راویوں سے مشہور ہو اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی تاوقتیکہ وہ "حدثنی" یا "سمعت" نہ کہے۔

تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی جزء اول ص: ۲۲۳۔ ۲۲۴، ۲۲۸۔ ۲۲۹

مذکورہ بالا بیان سے ابن اسحاق کا ضعیف اور مجہول راویوں سے تدلیس کرنا آشکار ہو گیا اور امام نووی اور علامہ سیوطی کی تصریحات کی روشنی میں وہ روایتِ حدیث میں غیر معتمد ثابت ہو گیا۔ اس حدیث کی سند میں غور کریں تو اس کے ابتدائی دو راویوں نے اسے "حدثنا" اور "اخبرنا" کہہ کر روایت کیا ہے، اس کے بعد والے تمام راویوں نے یعنی یونس بن بکیر سے لے کر ابو غطفان تک سب ہی نے "عن" کہہ کر یہ حدیث روایت کی ہے۔ عام حالات میں تو "عن" سے روایت کرنا معیوب نہیں ہوتا لیکن جب کوئی مجروح راوی "عن" سے روایت کرے تو وہاں گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ جیسے یہاں ابن اسحاق نے "عن يعقوب بن عتبة بن الاخنس" کہہ کر کی ہے۔ صاحبِ تیسیر مصطلح الحدیث "تدليس السند" کی تعریف کی تشریح میں لکھتے ہیں: ان يروی الراوی عن شيخ قد سمع منه بعض الاحاديث، لكن هذا الحديث الذی دلسه لم يسمعه منه و انما سمعه من شيخ آخر عنه فيسقط ذالک

الشیخ و یرویه عنه بلفظ محتمل للسماع و غیره "قال" او "عن" لیوهم غیره انه سمعه منه لکن لایصرح بانه سمع منه هذا الحدیث فلا یقول "سمعت" او "حدثنی" حتی لا یصیر کذابا بذالک۔ یعنی راوی اپنے شیخ سے سنی ہوئی بعض احادیث کو روایت کرے، لیکن جس حدیث میں وہ تدلیس کر رہا ہے اسے اس نے اس سے نہ سنا ہو بلکہ اس نے دوسرے شیخ سے سنا ہو پھر وہ اس دوسرے شیخ کو ذکر نہ کرے اور اسی سے اس کو ایسے لفظ کے ساتھ روایت کرے جس میں سماع وغیرہ کا احتمال پیدا ہوتا ہو مثال کے طور پر "قال" یا "عن" کہہ کر اس سے روایت کرے تاکہ وہ دوسرے کو یہ باور کروائے کہ اُس نے اسی شیخ سے سنا ہے لیکن اس سے اُس حدیث کے سننے کی صراحت نہیں کرتا اس لیے وہ "سمعت" یا "حدثنی" نہیں کہتا تاکہ وہ اس حدیث کے روایت کرنے میں جھوٹا ثابت نہ ہو۔
تمیسیر مصطلح الحدیث ص:۷۹۔

اب آپ ذرا "ابوغطفان" کی طرف توجہ فرمائیں! اول تو آپ اس کے بارے میں پڑھ آئے ہیں کہ وہ مجہول راوی ہے، دوسرا یہ کہ خود امام ابوداود نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس کے بارے میں یوں تبصرہ فرمایا ہے کہ "هذا الحدیث وهم"۔ امام ابوداود کی اس وضاحت کے بعد بھی فاضل مصنف کا اس سے استدلال کرنا صرف انہی کے زورِ تحقیق کا کمال ہے، ہم اس پر مزید تبصرہ نہیں کرتے۔

اگر کوئی صاحب اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرنے والے "ابو غطفان" کو مجہول نہ مانے اور اسے وہی "ابوغطفان" کہنے پر اصرار کرے جو کہ ابوغطفان بن طریف مدنی ہے، جس کا نام امام نسائی نے سعد بتایا ہے جو کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کرتا ہے، تو پھر ہم اس مفروضے کے جواب میں کہیں گے کہ اس صورت میں یہ حدیث "شاذ" ہے۔ شاذ حدیث کی تعریف امام نووی نے یوں کی ہے: ما روی الثقة مخالفا لروایة الناس . لا ان یروی ما لا یروی غیره۔ یعنی ایک ثقہ راوی دیگر ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرے، یہ نہیں کہ ثقہ راوی ایسی چیز روایت کرے جسے دوسروں نے روایت نہیں کیا۔ امام نووی اس کے بعد خلیلی (۱) کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

---

(۱) حافظ ابویعلی خلیل بن عبداللہ بن احمد خلیلی "الارشاد فی معرفة المحدثین" کے مصنف ہیں۔ ۴۴۶ھ میں وفات فرمائی۔ تذکرۃ الحفاظ، اردو ترجمہ جلد دوم ص: ۷۵۰ ترجمہ نمبر ۱۰۰۸

والذی علیه حفاظ الحدیث ان الشاذ ما لیس له الا اسناد واحد یشذ به ثقة او غیرہ۔ یعنی حفاظِ حدیث کا اتفاق ہے کہ "شاذ" روایت وہ ہوتی ہے جس کی صرف ایک ہی سند ہو، اس کے ذریعے ثقہ راوی منفرد ہو یا غیر ثقہ۔ مزید کہتے ہیں کہ: فما کان عن غیر ثقة فمتروک، وما کان عن ثقة توقف فیه ولا یحتج به۔ یعنی اگر وہ شذوذ (انفرادیت) غیر ثقہ راوی سے ہوگا تو وہ روایت متروک ہوگی اور اگر شذوذ ثقہ راوی سے ہوگا تو پھر اس روایت میں توقف اختیار کیا جائے گا، اسے دلیل نہیں بنایا جائے گا۔

تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی جز اول ص: ۲۳۲۔ ۲۳۳ نیز مقدمۃ ابن الصلاح ص: ۱۱۷ نیز کتاب معرفۃ علوم الحدیث ص: ۱۱۹۔

اگر ہم امام ابوداود کے قول "وھذا الحدیث وھم" کی طرف دیکھیں، اور یقیناً اس بارے میں انہی کا قول زیادہ معتبر ہے کیونکہ (صاحب البیت أدری بالذی فیه) صاحب خانہ اپنے گھر کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہوتا ہے، تو اس صورت میں یہ روایت "معلل" یا "معلول" قرار پاتی ہے، اور معلول کا حکم ہے: فیحکم بعدم صحة الحدیث او یتردد فیتوقف یعنی علت کی وجہ سے حدیث یا تو غیر صحیح قرار پاتی ہے یا اس میں تردد ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس سے توقف اختیار کیا جاتا ہے۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی جزء اول ص: ۲۵۲۔

اس تمام بحث کے آخر میں فاضل مصنف کے اٹھائے ہوئے اعتراض کے اندر ان کی نظر میں "لطیف" نکتۂ اعتراض کی طرف آپ کی توجہ چاہتے ہوئے گزارش ہے کہ آپ ان کے اعتراض کا آخری حصہ دوبارہ پڑھیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: "اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں نفی کی طرف اشارہ ہے کہ لا الہ ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو الا اللہ ہے تو یہ معنی سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہیے تو اس لیے حرام ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۱ سطر نمبر ۱۲ تا ۱۵

کیا فاضل مصنف یہ نہیں فرما رہے کہ: چونکہ ابوداود والی مذکورہ حدیث کی رو سے اگر نماز میں ایسا اشارہ کیا جائے جس سے کوئی مفہوم اور معنی سمجھ میں آتے ہوں تو وہ نماز دہرائی جائے، چونکہ اشارۂ سبابہ میں "لا الہ" کی نفی اور "الا اللہ" کی اثبات سمجھ میں آتی ہے اس لیے نماز کا اعادہ کرنا چاہیے اور اسی (معنی ومفہوم متبادر ہونے کے سبب) لیے اشارہ کرنا حرام ہے۔ خدا کرے کہ

فاضل مصنف کے اس ارشاد واعتراض کا یہ مفہوم اور مقصد نہ ہو، اللہ تعالیٰ میرے اس فہمِ معنیٰ کو غلط ثابت فرمائے تو بڑی خوشی ہوگی۔ قارئین کرام سے بھی درخواست ہے کہ وہ فاضل مصنف کی مذکورہ عبارت کا کوئی اور ہی آسان مفہوم نکالیں ورنہ کسی کی بھی خیر نہیں ہوگی، کیونکہ "لا الٰہ" اور "الا اللہ" میں نفی واثبات کے مفہوم سمجھنے پر نماز کو دہرانے کا حکم صادر فرمایا گیا ہے، اللہ ہی خیر فرمائے۔ غالب نے شاید ایسے ہی موقعے کے لیے کہا تھا۔

ے حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں　　مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

یہاں مجھے حضرت ملا علی قاری کے، صاحبِ خلاصۂ کیدانی کے حق میں کہے گئے نہایت محتاط الفاظ یاد آرہے ہیں، انھوں نے ملا لطف اللہ نسفی کے اشارۂ سبابہ کو حرام کہنے پر تڑپ کر کہا تھا:

وقد اغرب الكيدانى حيث قال "والعاشر من المحرمات الاشارة بالسبابة كأهل الحديث" اى مثل اشارة جماعة يجمعهم العمل بحديث رسول الله ﷺ۔ وهذا منه خطأ عظيم وجرم جسيم منشؤه الجهل عن قواعد الاصول و مراتب الفروع من المنقول. ولولا حسن الظن به وتأويل كلامه بسببه لكان كفره صريحا وارتداده صحيحا۔

تزيين العبارة لتحسين الاشارة ص:٦٦

ہم اہلِ سنت ابھی تک امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی کی "صراط مستقیم" میں دورانِ نماز نبی پاک ﷺ کے خیال آجانے کو گدھے کے خیال آجانے سے بھی بدتر کہنے کے صدمے سے دوچار تھے اور اس کے اس "فرمان عالی شان" کی بازگشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہمارے دوست فاضل مصنف نے اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر نہایت نامعقول بیان داغ دیا۔ گویا ان کے نزدیک نماز میں توحید باری تعالیٰ کا تصور اور معنی سمجھنا نماز کو خراب کر دیتا ہے، تو پھر بتایا جائے کہ دورانِ نماز "لا الٰہ الا اللہ" غیر اللہ کی نفی اور وحدت ذات باری تعالیٰ کے بجائے اور کیا تصور اور معنی ذہن میں لایا جائے؟ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان

المطلوب من الاشارة هو الدلالة على توحيد الله سبحانه وتعالىٰ وهو يحصل بكل كيفية من الكيفيتين الواردتين عن النبى ﷺ الخ۔ یعنی اشارۂ سبابہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید پر دلالت مطلوب ہے، اور وہ تو نبی پاک ﷺ سے وارد دونوں کیفیتوں میں سے کسی بھی ایک کیفیت سے حاصل ہو جاتی ہے۔

نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۱۰۷

حضرت فاضل مصنف کا مذکورہ بالا قول ان کی دانست میں عدم جواز اشارہ کیلئے مضبوط دلیل تھی، لیکن اگر غور کیا جائے تو وہ "فلانے کی ماں نے خصم کیا بہت برا کیا کر کے چھوڑ دیا، اور بھی برا کیا" کے مصداق ہے۔ اشارۂ سبابہ پر کاغذ کے گولے داغنے والوں میں سے کسی کو بھی یہ دلیل نہیں سوجھی تھی جو حضرت فاضل مصنف نے یہ استدلال کر کے قلم توڑ دیا۔ اسے کہتے ہیں کٹ حجتی۔

ملا لطف اللہ کیدانی نے تو صرف "والاشارۃ بالسبابۃ کأھل الحدیث" ہی لکھا تھا لیکن ہمارے دوست فاضل مصنف "گرو گڑ ہی رہے چیلے شکر ہو گئے" کا مصداق بن گئے۔ اس مقام پر صرف انا للہ وانا الیہ راجعون ہی پڑھا جا سکتا ہے۔

فرماتے ہیں: دوسری بات یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں ذکر کیا ہے کہ تیرہ قسم کی کیفیت کا احادیث میں ذکر ہے اور ترجیح ایک کی دوسری پر نہیں، تو حدیث مضطرب ہوئی تو اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۱ سطر ۱۶۔۱۸

عرض کرتا ہوں: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں اشارے کی جتنی کیفیاتِ مختلفہ کا ذکر کیا ہے، وہ حقیقت میں سات کیفیات ہی ہیں، اور اگر بغیر عقد کے اشارہ والی روایت کو ثابت بھی مانا جائے تو آٹھ ہی کیفیات بنتی ہیں۔ یہاں آپ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ ان آٹھ کیفیات کے علاوہ شہادت کی انگلی کو حرکت دینے اور حرکت نہ دینے سے متعلق باقی کیفیات کو کیوں شمار نہیں کرتے؟ تو اس کے حوالے سے ہم سابق میں تفصیل سے جواب دے آئے ہیں۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ حرکتِ سبابہ والی حدیث ضعیف اور احناف کے نزدیک مرجوح اور متروک ہے۔ حضرت امام ربانی کی بیان کردہ سات یا آٹھ کیفیات میں سے چار کیفیات کے بارے میں عرض ہے کہ یہ چاروں کیفیات (یعنی تیئس کے عقد کی کیفیت، صرف انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھنے کی کیفیت، دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پیر پر رکھنے کی کیفیت اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر پہنچے کو پہنچے پر اور کلائی کو کلائی پر رکھنے کی کیفیت) کسی بھی صحیح السند حدیث میں مذکورہ نہیں ہیں، الا یہ کہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص: ۳۴ کے حوالے سے فاضلِ مصنف کی بیان کردہ حدیث من اشار بالسبابۃ فھو من الخاطئین، کی طرح کسی موضوع حدیث میں یہ کیفیات گھڑ لی گئی ہوں۔ آپ نے خط کے آغاز میں "مخدوما! احادیث نبوی درباب جواز اشارت سبابہ بسیار وارد شدہ

اند“ فرمایا ہے، لیکن جب آپ نے اضطراب کا ذکر کیا تو وہاں پر آپ نے ”از بعض روایات“ فرمایا ہے، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ لفظ روایت زیادہ تر فقہی کتابوں میں بیان کردہ مسائل کی عبارات کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ واقعی اگر ایسی احادیث موجود ہوتیں تو آج جبکہ قدیم سے قدیم اور نایاب کتبِ حدیث زیورطبع سے آراستہ ہوکر منصہ شہود پر آ گئی ہیں، اور آرہی ہیں تو کم از کم پندرھویں صدی میں اشارۂ سبابہ کی مخالفت میں لکھے جانے والے کسی رسالے میں تو ان احادیث کو پیش کیا جاتا، آج تک ایسی احادیث کا سامنے نہ آنا اور صرف امام ربانی کے ان الفاظ کی وجہ سے انھیں حدیث سمجھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام ربانی کے اس ارشاد کی تاویل آپ سن چکے، کہ روایات سے مراد روایاتِ فقہیہ بھی ہوسکتی ہیں، جبکہ حضرت امام ربانی کے سامنے اکثر کتبِ حدیث موجود بھی نہیں تھیں، جیسا کہ آپ اس سے پہلے اس بارے میں حضرت خواجہ مظہر جان جاناں کے مکتوب میں پڑھ آئے ہیں۔

اگر ہماری یہ تاویل قبول نہیں تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ کسی بعد والے شخص نے امام ربانی کے مکتوب میں حک واضافہ کر کے ان کیفیات کو اس میں داخل وشامل کردیا ہے، ورنہ ایک معدوم بات کو حضرت امام ربانی کس طرح حدیثِ رسول کی طرف منسوب کرسکتے ہیں؟ یہ بات آپ کے علمی مقام سے دور ہے۔ کیا آپ ان کے احتیاط اور علمی مقام، بطور خاص سنت کے حوالے سے سخت محتاط رہنے کو نہیں جانتے، جب تک حضرت امام ربانی کو کسی عمل کے سنت نہ ہونے میں ذرہ برابر بھی تردد نہیں رہتا تھا تب تک آپ اس عمل کو چھوڑتے نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ ہم اس سے قبل نفلی نمازوں میں امام ربانی رحمہ اللہ کے اشارۂ سبابہ کو ثابت کرآئے ہیں۔ اگر آپ ان روایات کو صحیح احادیث کہنے پر مُصِر ہیں تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ جس روایت میں دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھنے کا ذکر ہے وہ اصح اور ارجح روایت ہے، اسی لیے جمہور علماء مثلاً ائمۂ اربعہ وغیرہ نے اس پر عمل کو اختیار کیا ہے، اور ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح حاصل ہونے کی صورت میں ان میں اضطراب نہیں پایا جاتا۔ اور اگر ان دونوں روایتوں میں اضطراب ثابت ہونے کو تسلیم بھی کیا جائے تو پھر اضطراب صرف اشارۂ سبابہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں رہے گا بلکہ دائیں ہاتھ کو دائیں ران اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھنے کے مسئلہ کو بھی شامل ہوگا، بلکہ اسی مسئلے کے ساتھ اضطراب کی شمولیت بطریقۂ اولیٰ و اقرب ثابت ہوگی۔ اور اضطراب کی وجہ سے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھنے کا عمل

ترک کرنا لازم آئیگا، حالانکہ یہ ائمہ اربعہ کے اجماع سے باطل ہے۔ باقی رہا حضرت امام ربانی کا یہ اعتراض کہ بعض روایات میں مطلقاً قرأتِ تشہد کے وقت بغیر تعیینِ محل اشارہ کرنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں کلمۂ شہادت کے تلفظ کے وقت اشارہ کرنے کا ذکر ہے جبکہ کچھ احادیث میں "یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک وطاعتک" پڑھتے وقت اشارہ کرنے کا ذکر ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس روایت میں مطلقاً قرأتِ تشہد کے وقت اشارہ کرنے کا ذکر ہے وہ روایت کلمۂ شہادت کے تلفظ کے وقت اشارہ کرنے کی روایت کے منافی نہیں، کیونکہ "مطلق" "معین" کا احتمال رکھتا ہے، اور اس "مطلق" کی "معین" کے ساتھ تفسیر یوں ہے کہ "تشہد" لفظ کا حقیقت میں "شہادت" کے لفظ پر اطلاق کیا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ "وقتِ تشہد" اشارہ کرنے سے مراد کلمۂ شہادت (اشھد ان لا الہ الا اللہ) پڑھتے وقت اشارہ کرنا ہے، نہ کہ تمام التحیات میں اشارہ کرنا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کا قول ہے کہ اشارۂ سبابہ محض اس لیے مشروع رکھا گیا ہے کہ توحیدِ قولی (زبانی اقرار وحدانیت) کو توحیدِ فعلی کے ساتھ اکٹھا کیا جاسکے۔

حضرت امام ربانی کا یہ اعتراض کہ بعض روایات میں یا مقلب القلوب الخ کہنے کے ساتھ اشارۂ سبابہ کرنا مقید ہے، تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ "وھو یقول یا مقلب القلوب" میں واو عاطفہ ہے، حالیہ نہیں، اس لیے یا مقلب القلوب کے ساتھ بسطِ سبابہ (انگلی اٹھانے) کا متصل ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث کا تقاضہ یہی ہے کہ اشارۂ سبابہ اس مذکورہ دعا (یا مقلب القلوب الخ) کے وقت واقع ہوتا تھا، تو پھر خاص کلمۂ شہادت (اشھد ان لا الہ الا اللہ) کے وقت اشارۂ سبابہ کرنے کی احادیث بھی موجود ہیں جو کہ پہلے والی (یا مقلب القلوب الخ کہتے وقت اشارہ کی) احادیث سے راجح اور اکثر ہیں کیونکہ ان احادیث کے راوی پہلے والی احادیث کے راویوں سے زیادہ ثقہ اور زیادہ مشہور ہیں لہذا راجح احادیث پر عمل کیا جائیگا، ان کے مقابل مرجوح احادیث پر عمل نہیں کیا جائیگا۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں قسم کی احادیث کو اس طرح باہم جمع کیا جاسکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ کلمۂ شہادت کے تلفظ سے لیکر سلام پھیرنے کے وقت تک اشارے کو دوام دیا جائے، جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے، اس صورت میں یا مقلب القلوب الخ دعا کا وقت اس تمام

وقت میں داخل ہوگا، لیکن یہ جواب صرف شوافع کے نقطۂ نظر سے ہے، نہ کہ احناف کے۔ اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ اشارۂ سبابہ یا مقلب القلوب الخ دعا تک باقی تھا، جبکہ دیگر احادیث سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ اشارۂ سبابہ صرف کلمۂ شہادت کے وقت ہوتا تھا، اب دونوں حدیثیں ایک زائد امر میں باہم متعارض ہورہی ہیں اس لیے ہم نماز کی اصل سکون اور وقار کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس زائد امر کو ترک کردیں گے، نہ کہ اشارے کو، کیونکہ اصلِ اشارہ تو تمام احادیث میں ثابت ہے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اس وجہ اضطراب کے ان جوابات کے علاوہ بھی جوابات لکھے ہیں جنھیں ہم نے ترک کردیا ہے۔

نورالعین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۱۱۰

فرماتے ہیں: ہدایہ میں بھی اشارہ نہیں ہے اور ہدایہ معتمد کتاب ہے، اب ہم چند کتابیں بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری، برجندی، فتاوی سراجیہ، زیلعی، فتح القدیر، شبلی، رسالہ رفع التردد، بحرالرائق، مجموعہ خانی، تنویر الابصار، مکتوب نمبر ۳۱۲، شامی، لباب القدوری، فتاویٰ مالابد منہ، خلاصۂ کیدانی، خلاصہ مزیل الشبہات فی تبطیل الاشارات، فتاویٰ برہنہ، تنبیہ الضمائر علی ردردالذخائر۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۱۔ ۲۲

عرض کرتا ہوں: پہلے ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی بات ہوجائے اس کے بعد فاضل مصنف کی ذکر کردہ دیگر کتب کے حوالہ جات سے متعلق عرض کرونگا۔ ہدایہ کے معتبر کتاب ہونے اور اس میں اشارۂ سبابہ مذکور نہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، کلام صرف اس بات میں ہے کہ یہ کوئی احناف کا اصول نہیں کہ جو مسئلہ ہدایہ میں مذکور نہ ہو وہ حرام یا مکروہ ہوتا ہے۔ جب فاضل مصنف یہ اصول ثابت فرمادینگے تو اس وقت ہم اس کا بھی جواب عرض کردینگے۔ فی الحال اتنا عرض ہے کہ ہدایہ شریف نہایت مختصر کتاب ہے، شیخ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے "بداية المبتدى" کتاب لکھی اور اسکی شرح "كفاية المنتهى" لکھی، بعد میں "كفاية المنتهى" کا اختصار "الهداية" کے نام سے لکھا، جو کہ آج تک تمام اسلامی مدارس میں رائج ہے۔ چونکہ اس میں مسائل کو مختصراً بیان کیا گیا ہے، اس لیے اگر کوئی مسئلہ اس میں بیان نہیں ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حرام یا مکروہ ہے۔ ہدایہ میں اس مسئلہ کو بیان نہ کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ اس قدر واضح اور کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ سے ثابت اور چاروں فقہی مکاتب میں مسلم ہے کہ صاحب ہدایہ نے اسے یہاں بیان کرنے کی چنداں ضرورت

محسوس نہیں کی کیونکہ ہمارے تمام ائمۂ احناف، بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا اس کے سنت ہونے پر اتفاق ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے اس مسئلہ کا ہدایہ میں نہ ہونا علماء کے نزدیک کوئی نقصان دہ نہیں ہے۔

اگر صاحب ہدایہ کا اشارۂ سبابہ کو ذکر نہ کرنا فاضل مصنف کے نزدیک اس کے حرام یا مکروہ ہونے کی دلیل ہے تو پھر اسی صاحب ہدایہ کے اس اشارۂ سبابہ کو اپنی دوسری کتاب مختار النوازل (۱) میں "حسن" کہنے کو وہ کیا فرمائینگے؟ ہدایہ میں "عدم ذکر" تو حرمت یا کراہت کی دلیل ہے، لیکن اُس کا "وجود ذکر" اُس کی حلت یا تحسین کی دلیل نہیں ہے، یعنی معدوم اُن کے نزدیک موجود کا درجہ رکھتا ہے اور موجود ان کے نزدیک معدوم ہے۔

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

شیخ علی متقی ہندی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے: وفی مختار النوازل لصاحب الهداية: الاشارة عند قول لا اله الا الله حسن۔ یعنی صاحب ہدایہ کی مختار النوازل میں ہے کہ التحیات میں لا الہ الا اللہ پڑھتے وقت اشارہ کرنا اچھا ہے۔

"رسالہ خواجہ علی متقی" ص: ۵، نیز ملا علی قاری نے بھی بلا کم وکاست صاحب ہدایہ کی اسی کتاب سے یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ دیکھیے تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص: ۶۴، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علی متقی ہندی سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں، لکھتے ہیں: ودر مختار النوازل کہ تصنیف صاحب ہدایہ است گفتہ کہ اشارت نزد قول لا الہ الا اللہ حسن است۔ شرح سفر السعادت ص: ۸۱ سطر نمبر ۱۹، ۲۰، اور مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی نے بھی یوں ہی نقل کیا ہے، لکھتے ہیں: ومنها ما ذكره العلامة برهان الدين المرغيناني صاحب الهداية في كتابه المسمىٰ بمختار النوازل: ان الاشارة عند قول لا اله الا الله حسن۔

نور العين فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۸۷

ان چاروں بزرگوں کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صاحب ہدایہ نے بھی

---

(۱) اس کتاب کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، طاش کبریٰ زادہ نے "مختار مجموع النوازل" لکھا ہے، مفتاح السعادۃ ۲ / ۲۳۸، علامہ کفوی اور علامہ لکھنوی نے "مختارات النوازل" لکھا ہے، الفوائد البهية في تراجم الحنيفة ص: ۲۳۱، ۲۳۲ نیز مقدمة عمدة الرعاية ص: ۴۴، اور حاجی خلیفہ چلپی نے ایک مقام پر مختار الفتاویٰ اور دوسرے مقام پر "مختارات مجموع النوازل" لکھا ہے دیکھیے کشف الظنون ۳ / ۲۰۷، ۲۱۰ سلسلہ نمبر ۱۱۹۵۲، ۱۱۹۶۷

اشارۂ سبابہ کی اثبات فرمائی ہے اور اسے حسن کہا ہے، اس لئے ہدایہ، ہدایہ کی رٹ لگانے والے احباب کو اب اشارۂ سبابہ کو حرام یا مکروہ کہنے سے اپنی زبان روک لینی چاہیے بشرطیکہ انھیں مذکورہ بالا چاروں علماء حضرات پر اعتماد ہو۔ فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے بات پہلے ہو چکی ہے، اسے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) اب ہم آتے ہیں برجندی کے حوالہ کی طرف علامہ عبد العلی برجندی لکھتے ہیں: اراد بالمبسوطة خلاف المقبوضة, لا خلاف المضمومة و قد جاء عن علمائنا فی بعض الروایات انه یفعل کما یفعل الشافعی وهو ان یعقد الخنصر والبنصر و یحلق بین الوسطی والابهام برأسهما و یشیر بالسبابة عند التلفظ بالشهادتین, هکذا ذکر فی الذخیرة, و ذکر فی الزاهدی:انه اتفق الروایات عن اصحابنا ان الاشارة بالمسبحة سنة, وفی الملتقط عن ابی نصر بن سلام: لیس فی الاشارة اختلاف العلماء انه یفعلها, و فی المضمرات والخلاصة:والمختار انه لا یشیر۔ یعنی صدر الشریعہ کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھے کہ ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ پھیلی ہوں اس سے مراد گرفتگی یا بندش (بھیچنے) کے خلاف کرنا ہے، انگلیوں کے آپس میں ملے ہونے کے خلاف کرنا مراد نہیں، اور بعض روایات میں ہمارے علماء سے آیا ہے کہ اس طرح کرے جیسا امام شافعی کرتے ہیں، وہ یہ کہ خنصر اور بنصر کا عقد باندھے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے سر آپس میں ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کے تلفظ کے وقت سبابہ سے اشارہ کرے، ذخیرہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ اور "زاہدی" میں مذکور ہے کہ ہمارے احناف کی روایات اس پر متفق ہیں کہ مُسبّحہ سے اشارہ کرنا سنت ہے اور "ملتقط" میں ابو نصر بن سلام سے منقول ہے کہ اشارہ کرنے کے بارے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں، "مضمرات" اور "خلاصہ" میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے۔ البرجندی شرح النقایہ مختصر الوقایہ جلد اول ص:۱۰۹

فاضل مصنف نے اشارۂ سبابہ کو حرام یا مکروہ کہنے والوں میں زیلعی کا بھی نام لکھا ہے ہم ان کی عبارت پیش کرتے ہیں، امام فخر الدین زیلعی لکھتے ہیں: اختلفوا فی کیفیه وضع الید الیمنی, ذکر ابو یوسف فی الامالی انه یعقد الخنصر والتی تلیها ویحلق الوسطی والابهام ویشیر بالسبابة, وذکر محمد انه علیه الصلاة والسلام کان یشیر ونحن نصنع بصنعه علیه الصلاة والسلام , قال: وهو قول ابی حنیفة, و کثیر من

(۱) دیکھیے۔ رسالہ ہذا ص:۔ ۱۳۳

المشائخ لا یرون الاشارۃ و کرھھا فی منیۃ المفتی، وقال فی الفتاوی: لا اشارۃ فی الصلاۃ الا عند الشھادۃ فی التشھد وھو حسن۔ یعنی دائیں ہاتھ کے رکھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف نے "امالی" میں فرمایا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے، اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ اشارہ کرتے تھے اور ہم بھی نبی پاک ﷺ کے اس فعل پر عمل کرتے ہیں، مزید فرماتے ہیں کہ یہ ابو حنیفہ کا قول ہے، اور بہت سارے مشائخ اشارے کو جائز نہیں جانتے، اور منیۃ المفتی میں اسے مکروہ کہا ہے، اور الفتاویٰ میں ہے کہ نماز میں التحیات کے دوران اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت کے علاوہ اشارہ نہیں ہے۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد نمبر ۱ ص: ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ اصل میں ہمارے دوست فاضل مصنف نے زیلعی کی عبارت میں "لا اشارۃ فی الصلاۃ" سے عدم اشارہ پر استدلال کیا ہے، اس کے بعد والے الفاظ انھوں نے چھوڑ دیئے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص نماز نہ پڑھنے پر قرآن کریم کی آیت "لا تقربوا الصلاۃ" سے استدلال کرے۔

فتح القدیر کی عبارت پیش کرنے سے پہلے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ یہاں پر فاضل مصنف نے اشارہ کو حرام یا مکروہ کہنے والوں میں امام ابن ہمام کا نام لکھ کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو تکلیف پہنچائی اور ان کی تکذیب کی ہے، کیونکہ حضرت امام ربانی نے اپنے مشہور مکتوب میں ابن ہمام کے متعلق یہ شکایت کی ہے کہ اس نے فقہاء احناف کے اشارہ نہ کرنے کے قول کو کس طرح خلاف روایت و درایت قرار دیا ہے۔

امام ربانی لکھتے ہیں: والعجب من الشیخ ابن ھمام انہ قال: وعن کثیر من المشائخ عدم الاشارۃ وھو خلاف الروایۃ والدرایۃ. انہ کیف نسب التجھیل الی العلماء المجتھدین المتمسکین ھھنا بالقیاس الذی ھو الاصل الرابع من الشرع، وھو ظاھر المذھب وظاھر الروایۃ عند الحنیفۃ. وھذا الشیخ قد ضعّف حدیث القُلّتین بالاضطراب الحاصل من کثرۃ اختلاف الرواۃ۔ یعنی شیخ ابن ہمام پر تعجب ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ منقول ہونا روایت اور درایت کے خلاف ہے، اس نے (عدمِ اشارہ سے تمسک کرنے والے) علماء مجتہدین کی طرف جاہل ہونے کی نسبت کس طرح کر دی حالانکہ وہ اس مسئلہ میں شرعی اصولوں میں سے چوتھے اصول

"قیاس" سے دلیل لا رہے ہیں، جو کہ احناف کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے، حالانکہ خود ابن ہمام نے قلتین کی حدیث کو راویوں کے کثرتِ اختلاف سے حاصل ہونے والے اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ پنجم مکتوب نمبر ۳۱۲

ایک معمولی پڑھا لکھا انسان بھی حضرت امام ربانی کے اس ارشاد سے بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ انھوں نے شیخ ابن ہمام کو مجوزین اشارۂ سبابہ میں سے سمجھا ہے، لیکن فاضل مصنف اسی ابن ہمام کو اشارے کو، حرام یا مکروہ کہنے والوں میں شمار کرتے ہوئے ان کی فتح القدیر کا نام درج کر کے آگے نکل جاتے ہیں۔ اب آپ فتح القدیر کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں، کمال الدین ابن الہمام لکھتے ہیں: وهو المروى عن محمد فى كيفية الاشارة قال: يقبض خنصره والتى تليها ويحلق الوسطى والابهام ويقيم المسبحة، وكذا عن ابى يوسف رحمه الله فى الامالى. وهذا فرع تصحيح الاشارة، وعن كثير من المشايخ لايشير اصلا، وهو خلاف الدراية والرواية. فعن محمد ان ماذكرناه فى كيفية الاشارة ممانقلناه. قول ابى حنيفة رضى الله عنه. ويكره ان يشير بمسبحتيه. وعن الحلوانى: ويقيم الاصبع عند لا اله ويضعها عند الا الله ليكون الرفع للنفى والوضع للاثبات۔ یعنی امام محمد سے اشارہ کی کیفیت کے بارے میں یہی مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھڑا کرے، امام ابو یوسف سے بھی "امالی" میں اسی طرح ہے اور یہ (دونوں اماموں کا قول) اشارے کی تصحیح کی فرع ہے، بہت سے مشائخ سے ہے کہ اشارہ بالکل نہ کرے، حالانکہ ان کا یہ قول عقل اور نقل کے خلاف ہے، امام محمد سے ہے کہ ہم نے اشارے کی کیفیت میں جو کچھ ذکر کیا ہے، جسے ہم نقل کر آئے ہیں، وہ ابوحنیفہ کا قول ہے، اور شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے، اور حلوانی سے ہے کہ انگلی کو "لا اله" پر کھڑا کرے اور "الا الله" پر نیچے کرے تاکہ انگلی کا اٹھانا نفی کیلیے اور اسے نیچے کرنا اثبات کے لیے ہو۔ فتح القدیر جلد نمبر ۱ ص: ۲۷۲ (۱)

اب آپ رفع التردد کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں، لیکن اس سے قبل یہ ذہن نشین رہے کہ ابن عابدین شامی نے اپنے اس رسالے کے خطبے کے بعد کہا ہے کہ: هذه رسالة جمعت

(۱) شیخ شلبی کی مکمل عبارت کا حوالہ۔ ص: ۱۳۷ پر گزر چکا ہے اسے وہاں دیکھیں۔

فیھا بعض کلام آئمتنا الثقات فی الاشارۃ بالسبابۃ و عقد الاصابع فی تشھد الصلوات، حملنی علی جمعھا ما رأیت من اطباق حنفیۃ العصر علی الاقتصار علی الاشارۃ مع ترک العقد فی جمیع الاوقات، مع تصحیح علمائنا سنیۃ الجمع بینھما بالدلائل الواضحات، و سمیتھا رفع التردد الخ۔ یعنی میں نے اس رسالے میں التحیات کے دوران اشارۂ سبابہ اور انگلیوں کے عقد سے متعلق ہمارے بعض ائمۂ ثقات کے اقوال جمع کیے ہیں، ان اقوال کو میں نے اس لیے جمع کیا ہے کہ اپنے ہم عصر احناف کو عقد چھوڑ کر صرف اشارہ کرنے پر اقتصار کرتے دیکھا ہے حالانکہ ہمارے علماء نے ان دونوں (یعنی اشارہ اور عقد) کے سنت ہونے کی واضح دلائل سے تصریح کی ہے، اور میں نے اس رسالہ کا نام رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشھد رکھا ہے۔

علامہ شامی رفع التردد میں علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وحاصلہ اعتماد الاشارۃ بدون عقد وھو ما علیہ الناس فی زماننا ولکنہ مخالف لما اطلعت علیہ من کتب المذھب، فان الذی ذکروہ قولان، احدھما عدم الاشارۃ اصلا، و ثانیھما الاشارۃ مع العقد۔ یعنی خلاصہ یہ کہ عقد کے بغیر اشارہ پر اعتماد ہے، ہمارے زمانے کے لوگ اسی پر عامل ہیں لیکن مذہب کی کتابوں میں جو میں نے دیکھا ہے، ان حضرات کا یہ عمل اس کے خلاف ہے، مذہب کی کتابوں میں دو قول مذکور ہیں، ایک قول ہے سرے سے اشارہ نہ کرنے کا اور دوسرا قول ہے اشارہ مع العقد کا۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشھد ص: ۱۲۰۔۱۲۱ اشارہ مع العقد کے حق میں عبارات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فان اشار یعقد الخنصر والبنصر و یحلق الوسطی والابھام و یقیم السبابۃ وھو المروی عن ابی یوسف فی الاملاء والمحکی عن ابی جعفر الھندوانی۔ و فی البدائع و قال: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ھکذا یفعل۔ قلت: وھو کذالک فقد اخرج ابوداود والبیھقی و غیرھما عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقد فی جلوسہ للتشھد الخنصر والبنصر ثم حلق الوسطی بالابھام و اشار بالسبابۃ۔ یعنی اگر اشارہ کرے تو چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور

درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور سبابہ کو کھڑا کرے، یہ امام ابو یوسف سے "امالی" میں مروی ہے اور ابو جعفر ہندوانی سے حکایت کردہ ہے۔ اور "بدائع" میں ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی ایسا ہی ہے، ابو داود اور بیہقی وغیرہ نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے تشہد کے لیے جلسہ میں چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کا عقد بنایا پھر درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنایا اور سبابہ کے ساتھ اشارہ کیا۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد ص:۱۲۶

کیا اس کے بعد بھی ابن عابدین شامی اشارۂ سبابہ کو مکروہ یا حرام کہنے والوں میں شامل ہیں؟ چونکہ ہمارے فاضل دوست نے علامہ شامی کے "حاشیہ درالمختار" یعنی "ردالمحتار" "رفع التردد" "عقود رسم المفتی" اور "شرح عقود رسم المفتی" کے محض نام اور صفحات نمبر بار بار اور بتکرار لکھے ہیں، ان کی عبارات پیش نہیں فرمائیں، انہوں نے اپنے رسالہ کے ص:۸ سے ص:۲۶ تک انیس (۱۹) صفحات پر پورے چوبیس (۲۴) مرتبہ ان کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ ان کے ہر حوالے کا جواب دینے میں طوالت ہو جاتی اس لیے ہم نے صرف رفع التردد سے ابن عابدین شامی کا موقف لکھنے پر اکتفاء کی ہے، اس حوالے کو فاضل مصنف کے ان تمام حوالہ جات کا جواب سمجھا جائے جو انھوں نے ابن عابدین کی طرف منسوب فرمائے ہیں۔

اب اس کے بعد "بحر الرائق" کی عبارت بھی ملاحظہ ہو: واشار ببسط الاصابع الی انه لا یشیر بالسبابة عند الشهادتین. وهو قول کثیر من المشایخ. وفی الولوالجیة والتجنیس: وعلیه الفتویٰ. لان مبنی الصلاة علی السکون. و کرهها فی منیة المصلی. ورجح فی فتح القدیر القولَ بالاشارة. وانه مروی عن ابی حنیفة کما قال محمد. فالقول بعدمها مخالف للروایة والدرایة. ورواها فی صحیح مسلم من فعله. وفی المجتبی: لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعا فی کونها سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بها اولیٰ۔
یعنی صاحبِ کنز نے اپنے قول: (اور انگلیاں کشادہ رکھے) سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دونوں مرتبہ اشهد ان لا اله الا الله پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ نہ کرے، اکثر مشائخ کا

یہی قول ہے، ولوالجیہ اور تجنیس میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ نماز کی بنیاد سکون پر ہے اور منیۃ المصلیٰ میں (۱) اسے مکروہ کہا ہے، اور صاحب فتح القدیر نے اشارہ کرنے کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور وہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے جیسا کہ امام محمد نے فرمایا ہے، اسی لیے اشارہ نہ کرنے کا قول نقل اور عقل کے خلاف ہے، اور مسلم شریف میں اشارہ رسول اللہ ﷺ سے فعلاً مروی ہے۔ المجتبیٰ میں ہے کہ ہمارے تمام احناف کی روایات اشارہ کے سنت ہونے پر متفق ہیں، اسی طرح اہلِ کوفہ ومدینہ کی روایات بھی متفق ہیں اور اس کے متعلق اخبار وآثار بھی بکثرت ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ بحر الرائق جزء اول ص: ۳۲۳۔ ۳۲۴

فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ "اب ہم چند کتابیں بطورِ حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے" اس کے بعد انھوں نے ان کتابوں میں تنویر الابصار کا نام لکھا ہے۔ اس حوالے سے گزارش ہے کہ صاحب تنویر الابصار نے اشارۂ سبابہ کو حرام یا مکروہ نہیں لکھا، اس نے اس سے منع کرتے ہوئے لکھا ہے: ولا يشير بسبابته عند الشهادة، وعليه الفتویٰ۔ یعنی اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے، اسی پر فتویٰ ہے۔ درّ المختار شرح تنویر الابصار ۲ / ۲۱۶۔ ۲۱۷

لیکن علامہ حصکفی نے اپنی شرح درّ مختار میں صاحبِ تنویر الابصار کے مذکورہ بالا قول سے اختلاف کرتے ہوئے اشارۂ سبابہ کو نبی پاک ﷺ کا عمل قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اشارۂ سبابہ کرنے کا قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا ہے۔ تنویر الابصار کی مذکورہ بالا عبارت پر علامہ حصکفی کی شرح درّ مختار کا حوالہ ص: ۱۴۱ پر گزر چکا ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی نے علامہ حصکفی کے الفاظ "بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الاذكار المفتی به عندنا انه يشير باسطاً أصابعه كلها" پر گفتگو کرتے ہوئے عقد کے ساتھ اشارہ کرنے کو ترجیح دی ہے، بغیر عقد کے اشارہ کرنے کو وہ مسنون نہیں مانتے۔ اس تمام تر بحث کے بعد انھوں نے اس بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے: فهذه النقول كلها صريحة بأن الاشارة المسنونة انما هي على كيفية خاصّة، وهي العقد اوالتحليق، وأما رواية بسط الاصابع فليس فيها اشارة اصلا،

(۱) "منیۃ المصلی" کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ منیۃ المفتی ہے، جیسا کہ زیلعی نے بھی کہا ہے، کیونکہ منیۃ المصلی میں اشارۂ سبابہ کو سنت کہا گیا ہے۔

ولهذا قال فی الفتح وشرح المنية: وهذا، أی ماذکرنا من الكيفية، فرع تصحيح الاشارة مفرّع على تصحيح رواية الاشارة. فليس لنا قول بالاشارة بدون تحليق، ولهذا فُسِّرت الاشارة بهذه الكيفية فی عامة الكتب كالبدائع والنهاية ومعراج الدراية والذخيرة والظهيرية وفتح القدير وشرحی المنية والقهستانی والحلبة والنهر وشرح المنتقى للبهنسی معزيا الى شرح النقاية وشرحی درر البحار وغيرهما، كما ذكرت عباراتهم فی رسالة سميتها "رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشهد" وحررت فيها انه ليس لنا سوی قولين: الاول وهو المشهور فی المذهب، بسط الاصابع بدون اشارة. الثانی بسط الاصابع الى حين الشهادة فيعقد عندها ويرفع السبابة عند النفی ويضعها عند الاثبات، وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبی صلى الله عليه وسلم بالاحاديث الصحيحة ولصحة نقله عن أئمتنا الثلاثة. فلذا قال فی الفتح: ان الاول خلاف الدراية والرواية. وأما ما عليه عامة الناس فی زماننا من الاشارة مع البسط بدون عقد فلم أر احدا قال به سوی الشارح تبعا للشرنبلالی عن البرهان العلامة ابراهيم الطرابلسی صاحب "الاسعاف" من أهل قرن العاشر. فاذا عارض كلامه كلام جمهور الشارحين من المتقدمين والمتأخرين من ذكر القولين فقط فالعمل على ما عليه جمهور العلماء لاجمهور العوام. فاخرج نفسك من ظلمة التقليد وحيرة الاوهام واتبع بمصباح التحقيق فی هذا المقام فانه من منح الملك العلام - یعنی نقل کردہ روایات اس بارے میں صریح ہیں کہ مسنون اشارہ مخصوص کیفیت کے ساتھ ہی ہے، وہ ہے عقد کی کیفیت یا حلقہ کی کیفیت، کھلی انگلیوں والی روایت میں اشارہ ہے ہی نہیں، اس لیے فتح القدیر اور منیۃ المصلی کی شرح میں ہے کہ ہماری ذکر کردہ کیفیت، اشارے کی تصحیح کی فرع ہے جو اشارے کی روایت کی تصحیح پر متفرع ہے، حلقہ بنائے بغیر اشارہ کرنے کا قول، احناف کا قول نہیں ہے، اس لیے عام کتابوں میں اشارے کی تفسیر اس کیفیت کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً بدائع الصنائع، نہایہ، معراج الدرایہ، ذخیرۃ البرہانیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتح القدیر، منیۃ المصلی کی دونوں شرحیں (صغیری اور کبیری) قہستانی کی جامع الرموز، حلبۃ المحلی، نہر الفائق، علامہ بہنسی کی شرح المنتقی میں شرح نقایہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور درر البحار کی دونوں شرحوں وغیرہ میں، جیسا کہ میں نے اپنے

رسالہ" رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشهد "میں ان کی عبارات نقل کی ہیں اس میں میں نے لکھا ہے کہ ہمارے ہاں اشارے کے متعلق دو اقوال کے علاوہ تیسرا قول نہیں ہے۔ پہلا قول، جو کہ مذہب میں مشہور ہے، وہ ہے اشارے کے بغیر انگلیوں کو کھلا رکھنا۔ دوسرا قول ہے التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ تک انگلیوں کو کھلا رکھنا پھر اشھد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچ کر انگلیاں بند کرنا اور سبابہ کو نفی پر اٹھانا اور اثبات پر نیچے کرنا، اسی قول پر متاخرین نے اعتماد کیا ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث کے ذریعے نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے اور ہمارے تینوں ائمہ سے بھی صحیح طور پر منقول ہے، اسی وجہ سے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ پہلا قول عقل اور نقل کے خلاف ہے، لیکن آجکل ہمارے زمانے میں عام لوگ جس طرح اشارے پر عامل ہیں کہ عقد کے بغیر ہی کھلی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، میں نے کسی بھی شارح کو اس کے بارے میں کہتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے شارح علامہ حصکفی کے، اس نے علامہ شرنبلالی کی اتباع میں "الاسعاف" کے مصنف دسویں صدی کے علامہ طرابلسی کی کتاب "البرہان" سے یہ بات نقل کی ہے لیکن چونکہ اسکی یہ بات متقدمین و متاخرین جمہور شارحین کی دو کیفیتوں کے بارے میں روایات سے متعارض ہے تو پھر جمہور علماء کے ہی مسلک پر عمل ہوگا، جمہور عوام کے مسلک پر نہیں، تم تقلید کے اندھیرے اور وہم کی حیرانی سے خود کو بچاؤ اور اس مقام پر تحقیق کے فانوس کی تابعداری کرو کیونکہ یہ ملک العلام کا عطیہ ہے۔ ردالمحتار علی الدر المختار ۲ / ۲۱۷ ـ ۲۱۸

اب ذرا اللباب القدوری کی عبارت بھی ملاحظہ ہو: (وتشهد) اى قرأتشهد ابن مسعود بلا اشارة بسبابته عند الشهادة فى ظاهر الرواية. وعن أبى يوسف فى الامالى انه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ والابهام ويشير بالسبابة. ونُقِلَ مثله عن محمد والامام. واعتمده المتأخرون لثبوته عن النبى ﷺ بالاحاديث الصحيحة ولصحة نقله عن أئمتنا الثلاثة. ولذا قال فى الفتح: إن الاول خلاف الدراية والرواية. ولشيخنا رحمه الله تعالىٰ رسالة فى التشهد. حرر فيها صحة هذين القولين ونفى ماعداهما الخ۔ یعنی صاحبِ کنز کا یہ کہنا کہ (التحیات پڑھے) یعنی ابن مسعود کا روایت کردہ التحیات، ظاہر روایت کی رو سے شہادت کے وقت سبابہ کے اشارے کے بغیر، اور امام ابو یوسف سے "امالی" میں ہے کہ چھنگلیا اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کر کے درمیانی

انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے، امام محمد اور امام ابو حنیفہ سے بھی اسی طرح منقول ہے، نیز صحیح احادیث کے ذریعے نبی پاک ﷺ سے ثابت ہونے اور ہمارے تینوں ائمہ سے صحیح منقول ہونے کی وجہ سے متاخرین نے اس پر اعتماد کیا ہے، اسی وجہ سے فتح القدیر میں ہے کہ پہلا (یعنی عدم اشارہ والا) قول عقل اور نقل کے خلاف ہے، اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا تشہد کے بارے میں ایک رسالہ بھی ہے جس میں انھوں نے اشارے کے بارے میں صرف ان دو اقوال کی صحت تحریر کی ہے اور ان کے علاوہ باقی اقوال کی نفی کی ہے الخ۔ اللباب شرح ادب الکتاب ص:۷۶۔۷۷

آخر میں "مالا بدمنہ" کا حوالہ پیش ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: رکعتِ ثانیہ مثل اولی خواند بدون ثناء وتعوذ، وچوں رکعت دوم تمام کند پائے چپ رابگستر اند وبر آں بنشیند وپائے راست را استادہ دارد وانگشتان ہر دو پائے رامتوجہ قبلہ دارد، وہر دو دست را بر ہر دوران دارد وانگشت خنصر وبنصر از دستِ راست عقد کند، ووسطی وابہام را حلقہ کند وانگشت شہادت راکشادہ دارد، وتشہد بخواند ووقت شہادت اشارت کند، ایں اشارت از ائمہ اربعہ مروی است، لیکن مشہور مذہب امام اعظم آں است کہ اشارت نہ کند۔ یعنی دوسری رکعت ثناء اور تعوذ کے بغیر پہلی رکعت کی طرح پڑھے اور جب دوسری رکعت پوری کرے تو بایاں پیر زمین پر بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پیر کھڑا کر کے دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ کرے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی چھنگلیا اور برابر والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھلا رکھ کر التحیات پڑھے اور شہادت کے وقت اشارہ کرے، یہ اشارہ ائمہ اربعہ سے مروی ہے لیکن امام اعظم کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے۔ مالا بدّ منہ ص:۷۳

"خلاصۂ کیدانی" سے پہلے والی کسی بھی کتاب نے اشارہ کو مکروہ یا حرام نہیں کہا، یہ فاضل مصنف کا اپنا فہم وتبادر ہے، جیسا کہ اس سے پہلے وہ یہ دعویٰ بھی فرما چکے ہیں۔ البتہ شامی نے اتنا ضرور فرمایا ہے کہ اس بارے میں علماء احناف کے دو قول ہیں، پہلا یہ کہ اشارہ ہے ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ عقد اور حلقہ کے ساتھ اشارہ ہے۔ بعد ازاں انھوں نے "وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبي ﷺ بالأحاديث الصحيحة ولصحة نقله عن أئمتنا الثلاثة" لکھ کر اس پہلے قول کو رد کر دیا ہے، نیز اس سے قبل وہ پہلے قول کے مقابل "والفتوی

خلافه ای خلاف عدم الاشارة وهو الاشارة علی کیفیة عقد ثلاثة وخمسین" اور "وفی المحیط انها سنة یرفعها عند النفی ویضعها عند الاثبات وهو قول ابی حنیفة ومحمد فکثرت به الآثار والاخبار فالعمل بها اولیٰ" لکھ آئے ہیں، اس عبارت میں شامی نے اسے محیط کے حوالے سے سنت اور امام ابوحنیفہ وامام محمد کا قول ہونے اور اس کے متعلق کثیر تعداد میں اخبار وآثار کے موجود ہونے کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے اشارۂ سبابہ کے بارے میں شامی کا مسلک ونظریہ واضح ہوجاتا ہے۔ اب بھی فاضلِ مصنف شامی کو قائلینِ کراہت وحرمتِ اشارہ میں شامل سمجھیں تو ہم ایک مرتبہ اور انا للہ وانا الیہ راجعون ہی پڑھنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ رہ گئی عبارت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی، اگر آپ اس پر غور فرمائیں تو انھوں نے بھی اسے چاروں ائمہ سے مروی ہونا تسلیم کیا ہے۔(۱) رہا ان کا یہ کہنا کہ "امام اعظم کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے" تو اسکا جواب یہ ہے کہ چونکہ طبقۂ سادسہ اور سابعہ کے متاخرین فقہاء نے اسے کتبِ اصول یعنی ظاہر الروایہ کتابوں میں لکھا ہوا نہ دیکھ کر یہ باور کرلیا کہ یہی ظاہر مذہب ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے اور اسے امام اعظم کا مشہور مذہب لکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ اصول ہی غلط ہے کہ جو مسئلہ کسی کتاب میں موجود ہی نہ ہو تو محض عدم وجود کی بنیاد پر اسے مصنف کا مذہب ونظریہ مان لیا جائے اور دلیل یہ دی جائے کہ چونکہ اس نے یہ مسئلہ اپنی کتاب میں نہیں لکھا اس لیے یہ مصنف کا مذہب اور نظریہ ہے۔ بھلا اس دلیل کے "بودا" ہونے میں کسی کو شک ہوسکتا ہے۔ اسے کہتے ہیں احمد کی پگڑی محمود کے سر۔ قاضی صاحب نے آخر میں مخالفینِ اشارۂ سبابہ کا نظریہ پیش کیا ہے، جو اسے امامِ اعظم کا مذہب کہتے ہیں، حالانکہ اس سے قبل قاضی صاحب "ایں اشارت از ائمہ اربعہ مروی است" بھی فرما چکے ہیں۔ اب یہ تو فاضل مصنف ہی بتائیں گے کہ امام ابوحنیفہ "ائمۂ اربعہ" میں شامل وداخل ہیں یا نہیں؟۔ اور اگر اس جواب کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ قاضی صاحب نہ صرف ائمہ اربعہ بلکہ ائمہ ثلاثۂ احناف کے متفق علیہ یعنی ان کے اجماع کے خلاف کے قائل ہیں، جبکہ قاضی صاحب کے حق میں یہ گمان کرنا اُن کے علمی مقام ومرتبہ سے بے خبر لوگوں ہی کا کام ہوسکتا ہے، یہ اس لیے بھی کہ ان کے پیر ومرشد

---

(۱) قاضی صاحب نے اپنے اس قول میں تسلیم کیا ہے کہ ائمۂ اربعہ کا اس کے استحباب پر اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صرف یہی نہیں بلکہ امام محمد اور امام ابویوسف کا بھی اس پر اجماع ہے جیسا کہ آپ سابق میں پڑھ آئے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوا کہ اشارہ کا استحباب ائمہ احناف کا اجماعی مسئلہ ہے۔

حضرت خواجہ مظہر جان جاناں بھی اشارۂ سبابہ کو سنت مان چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ پہلے اُن کا مکتوب پڑھ آئے ہیں۔

فرماتے ہیں: اشارہ کرنا نماز میں شرعاً منع ہے بہت سی وجوہات کی بناء پر، پہلی وجہ یہ ہے کہ معتبر کتابوں کے متون میں اشارہ کو منع کہا گیا ہے صراحتاً جیسا کہ خلاصہ کیدانی تنویر الابصار الخ۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۲ سطر ۷۔ ۱۰

عرض کرتا ہوں: ابن عابدین شامی نے ابن کمال پاشا سے نقل کیا ہے کہ: لا بدللمفتی المقلد ان یعلم حال من یفتی بقوله، ولا نعنی بذالك معرفته باسمه و نسبه و نسبته الی بلد من البلاد، اذ لا یسمن ذالك ولا یغنی، بل معرفته فی الروایة ودرجته فی الدرایة وطبقته من طبقات الفقهاء لیکون علیٰ بصیرة وافیة فی التمییزبین القائلین المتخالفین و قدرة کافیة فی الترجیح بین القولین المتعارضین، فنقول: ان الفقهاء علی سبع طبقات۔ یعنی مقلد مفتی کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس کے قول پر فتویٰ دے رہا ہے(۱)؟ اسکا مقصد یہ نہیں کہ وہ اس کا نام، نسب اور شہر یا ملک کی طرف نسبت بھی جانتا ہو کیونکہ ان باتوں کا جاننا بے مقصد اور بے سود ہے، بلکہ اس سے مراد ہے روایت اور درایت میں اس کا مرتبہ جاننا اور یہ معلوم کرنا کہ وہ فقہاء کے کس طبقے سے ہے تا کہ وہ مفتی باہم مخالف اقوال کہنے والوں کے درمیان عقل وبصیرت کے ساتھ تمیز کر سکے اور متعارض اقوال میں سے صحیح قول کو ترجیح دینے پر پوری قدرت رکھتا ہو، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ فقہاء کے سات طبقات ہیں۔ شرح عقود رسم المفتی ص: ۴

ابن عابدین کے اس ارشاد کی روشنی میں صاحبِ خلاصہ کیدانی کا مرتبہ جاننا بھی ضروری ہے۔ "مشتے نمونہ از خروار" کے طور پر عرض ہے کہ صاحبِ خلاصہ کیدانی نے اپنے رسالے کے آغاز میں مشروع اور غیر مشروع کی آٹھ اقسام بیان کرنے کے بعد حرام اور مکروہ کی تعریف یوں کی ہے: المحرم ما ثبت النهی فیه بلاعارض وحکمه الثواب بالترك لله تعالیٰ والعقاب بالفعل والکفر بالاستحلال فی المتفق علیه والمکروه ما ثبت النهی فیه مع المعارض وحکمه الثواب بالترك الموصوف وخوف العقاب بالفعل

(۱) ابن عابدین کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کسی بھی امام کے "قول" پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، اس سے فاضل مصنف کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ "قول" مذہب نہیں ہوتا۔

وعدم الکفر بالاستحلال۔ یعنی حرام اسے کہتے ہیں جس کی ممانعت ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کا کوئی معارض نہ ہو، اسکا حکم یہ ہے کہ اسے اللہ کی خاطر ترک کرنے پر ثواب ملتا ہے اور اس کے ارتکاب سے عذاب ملتا ہے اور اسے حلال جاننا بالاتفاق کفر ہے، اور مکروہ اسے کہتے ہیں جس کی ممانعت ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کا کوئی معارض بھی موجود ہو، اسکا حکم یہ ہے کہ اسے اللہ کی خاطر ترک کرنے پر ثواب ملتا ہے اور اسکے ارتکاب سے عذاب کا اندیشہ ہوتا ہے اور اسے حلال جاننا کفر نہیں ہے۔ خلاصہ کیدانی ص: ۵۔۶

اب آپ خلاصہ کیدانی والے کی اپنی بیان کردہ حلال اور مکروہ کی اس تعریف کی روشنی میں اس کے رسالے کے پانچویں باب میں ذکر کردہ غیر مشروع امور میں سے حرام امور کی تفصیل پر نظر ڈالیں تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ آیا خلاصہ کیدانی "معتبر کتابوں کے متون میں" شامل ہے یا ہمارے دوست فاضل مصنف نے "نظریہ ضرورت" کے تحت اسے معتبر متون میں شامل کر کے اپنے دعویٰ کو تقویت پہنچائی ہے۔ وہ اس قدر "معتبر متن" ہے کہ علامہ شامی اور اس کے شاگردوں (تیرھویں صدی کے اواخر تک کسی معروف فقیہ) نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

خلاصہ کیدانی کے پانچویں باب میں چودہ محرمات ذکر کیے گئے ہیں جن میں سے نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا، بلند آواز سے آمین کہنا، دورانِ نماز دائیں بائیں نظر کرنا، رکوع اور سجدے میں پاؤں کی انگلیاں زمین سے اٹھانا، جسم کو کھجانا یا کپڑوں کی سلوٹیں درست کرنا، شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا، تکبیرات اور ثناء اور تسبیحات اور تشہد میں اضافہ کرنا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علامہ نسفی نے ثناء، تعوذ، تسمیہ اور تامین سرّاً پڑھنے کو نماز کی سنتوں میں شمار کیا ہے۔ دیکھیے کنز الدقائق ص: ۲۵، جبکہ کیدانی نے سنت کی تعریف یوں کی ہے: والسنة ما واظب علیه النبی ﷺ مع ترکه مرّة أو مرتین وحکمه الثواب بالفعل والعتاب بالترك ما فعله النبی علیه السلام مرّة وترکه اخریٰ وما احبه السلف وحکمه الثواب بالفعل وعدم العقاب بالترك۔ خلاصہ کیدانی ص: ۵

آپ دیکھیں کہ سنت کا حکم تو یہ ہے کہ اس کے کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور ترک کرنے والے کو خفگی اور ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جبکہ حرام کا ارتکاب کرنے والے کو عذاب اور اسے حلال جاننے والا شخص متفق طور پر کافر ہو جاتا ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ کیدانی نے بسم اللہ اور آمین جہراً پڑھنے کو محرمات میں ذکر کر کے انہیں بلند آواز سے پڑھنے والوں کو عذاب کا

مستحق قرار دیا ہے، اور اگر کوئی شخص بلند آواز سے پڑھنے کی حلت کا عقیدہ رکھتا ہو (اور یقیناً بلند آواز سے پڑھنے والے اس کی حلت پر ہی عقیدہ رکھ کر پڑھتے ہیں) تو کیدانی کے بقول وہ شخص کافر ہو جائیگا، حالانکہ بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا اور آمین کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

نماز میں دائیں بائیں اس طرح دیکھنا کہ چہرے کا کچھ حصہ قبلے سے پھر جائے تو وہ مکروہ ہے اور اگر چہرہ گھمائے بغیر محض گوشۂ چشم یعنی کنکھیوں سے دیکھا جائے تو وہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے: ولو نظر بمؤخر عينيه يمنة ويسرة من غير ان يلوى عنقه لا يكره. لانه عليه السلام كان يلاحظ اصحابه فى صلاته بموق عينيه۔ یعنی اگر گردن پھرائے بغیر صرف گوشۂ چشم سے، دائیں بائیں دیکھا تو مکروہ نہیں کیونکہ نبی پاک ﷺ دورانِ نماز صحابۂ کرام کو گوشۂ چشم سے دیکھا کرتے تھے۔ ہدایہ اولین ص: ۱۴۰، اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی ہے جسے حاکم نے اپنی مستدرک میں یوں روایت کیا ہے:

اخبرنى ابو بكر بن ابى نصير الدرابردى بمرو، ثنا ابو الموجه، ثنا ابو عمار، ثنا الفضل بن موسىٰ، ثنا عبد الله بن سعيد بن ابى هند، عن ثور بن زيد، عن عكرمة، عن ابن عباس قال: كان رسول الله ﷺ يلتفت فى صلوته يميناً وشمالاً ولا يلوى عنقه خلف ظهره۔ هذا حديث صحيح علىٰ شرط البخارى ولم يخرجاه۔ المستدرک علی الصحیحین ۱/ ۳۶۴ حدیث نمبر ۹۶۸ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی بھی حدیث ہے جسے طبرانی نے معجم الاوسط ۳/ ۱۳۰ حدیث نمبر ۴۰۸۲ میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح کپڑوں، جسم اور داڑھی سے کھیلنا بھی مکروہ ہی ہے حرام نہیں۔ قاضی خان نے لکھا ہے: ويكره ان يعبث بثوبه اوجسده اولحيته وان يكف ثوبه .... وان يلتفت يمنة ويسرة بأن يحول بعض وجهه عن القبلة، فاما من ينظر بموق عينه ولا يحول وجهه فلا بأس به۔ فتاویٰ قاضیخان جلد اول ص: ۱۱۱ "باب الحدث فى الصلاة وما يكره فيها وما لا يكره" تکبیرات میں اضافہ کرنا کیدانی کے نزدیک حرام ہے لیکن مختصر وقایہ میں ہے: ويجوز بكل ما دل على التعظيم یعنی تکبیر تحریمہ ہر اس لفظ سے جائز ہے جو تعظیم پر دلالت کرتا ہو۔ علامہ ابو المکارم اس کی شرح میں لکھتے ہیں: الا ان محمدا اشترط كونه ذكرا تاما كأنه اكبر، أو اجل، أو اعلىٰ، أو لا اله الا الله. وابا حنيفة جوزه بمجرد اسمه تعالىٰ ايضاً علىٰ ما ذكره الزاهدى

سواء کان من الاسماء المختصة أو المشترکة علی ماذکرہ الکرخی وبه افتیٰ المرغینانی۔ یعنی امام محمد نے تکبیر تحریمہ میں اضافے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ مکمل ذکر ہو جیسے اکبر، اجل، اعلیٰ یا لا الہ الا اللہ۔ اور امام ابوحنیفہ نے اسے محض اللہ تعالیٰ کے نام مبارک لینے سے بھی جائز قرار دیا ہے جیسا کہ امام زاہدی نے اس کا ذکر کیا ہے، وہ نام مبارک مخصوص اسماء مبارکہ میں سے ہو یا مشترکہ اسماء مبارکہ میں سے یکساں ہے جیسا کہ اس کا امام کرخی نے ذکر فرمایا ہے، علامہ مَرغینانی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

ابوالمکارم شرح للمختصر الوقایہ جزء اول ص: ۵۵ نیز ہدایہ اولین ص: ۱۰۱

اور جامع الصغیر میں ہے: رجل افتتح الصلاۃ بلا اله الا اللہ أو بغیرہ من اسماء اللہ تعالیٰ أجزاہ. وان افتتح باللھم اغفرلی لم یجزہ. وھو قول محمد. وقال ابو یوسف رحمه اللہ: ان کان یحسن التکبیر لم یجزہ الا اللہ اکبر واللہ الکبیر۔ الجامع الصغیر مع النافع الکبیر ص: ۹۵

کیدانی نے التحیات میں اضافے کو بھی محرمات میں شمار کیا ہے حالانکہ اس کے متعلق فقہاء کی تصریح ہے کہ حضرت ابن مسعود کے علاوہ دیگر صحابہ سے مروی التحیات پڑھنا جائز ہے، اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ ان میں سے کس صحابی کا روایت کردہ التحیات پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ ملا علی قاری نے حضرت ابن عمر سے مروی التحیات کے بارے میں لکھا ہے: رواہ الحاکم فی المستدرك ومالك فی الموطا کلاھما من قول ابن عمر موقوفا. واختار مالك ھذا التشھد لان عمر قرأ علی الناس فوق المنبر فکان بمنزلة الاجماع حیث لم ینکر علیه احد. وفیه انه لا خلاف فی جواز الفاظ التشھد جمیعاً. وانما الخلاف فی الافضل، ولا شك ان کل ما ورد عنه ﷺ من طریق اصح فھو اولیٰ بالعمل۔ الحرز الثمین للحصن الحصین ص: ۲۰۰۔

اور یہ تو تمام اہلِ علم کو معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی التحیات میں "المبارکات" اور حضرت عمر سے مروی التحیات میں "الزاکیات" کے لفظ کا اضافہ ہے جو کہ کیدانی کے قول کے مطابق حرام کے زمرے میں آتا ہے، حالانکہ ان الفاظ کو صحیح مسلم ۱/ ۱۷۴ باب التشھد فی الصلاۃ میں اور سنن ابی داؤد ۱/ ۱۴۰ باب التشھد میں اور سنن نسائی ۱/ ۱۷۵

باب نوع آخر من التشھد میں اور جامع ترمذی ۱/ ۳۸ باب منه ایضاً میں اور سنن ابن ماجه ص:۶۵ باب ماجاء فی التشھد میں، اور لفظ "زاکیات" کو موطا امام مالک ص:۲۔۷۵ باب التشھد فی الصلاۃ میں اور امام حاکم نے مستدرک علی الصحیحین ۱/ ۴۷ ۳ باب التامین میں حدیث نمبر ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹ میں روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کے بیان کردہ محرمات کے مسائل میں سے اکثر غلط ہیں، چہ جائیکہ ایسی غلطیوں سے معمور کتاب معتبر متون میں شامل ہو۔ اشارۂ سبابہ ہی کو دیکھ لیں کہ بقول صاحب کیدانی حرام وہ ہوتا ہے جس کی حرمت بلا معارض دلیل سے ثابت ہوتی ہو، حالانکہ اشارۂ سبابہ کے حق میں ستائیس (۲۷) مرفوع اور مرسل احادیث مبارکہ اور آثارِ صحابہ و تابعین موجود ہیں جن کی دوسو چار (۲۰۴) صحیح اسانید ہیں جن میں سے صحابۂ کرام اور تابعین سے مروی مرفوع اور مرسل احادیث کے حوالہ جات آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

کیدانیہ کا مصنف اتنا بڑا علامہ تھا کہ اسے ان احادیث کا بھی علم نہیں تھا، پھر اسے حرام لکھ کر اس نے نعوذ باللہ ائمۂ اربعہ کے علاوہ امام ابو یوسف اور امام محمد اور ان کے بعد والے تیسرے، چوتھے، اور پانچویں طبقے کے فقہاء احناف کو کافر اور مستحقِ عذاب لوگوں کے زمرے میں لاکر کھڑا کر دیا، حضرت امام ربانی بھی نفل نماز میں اشارہ کرنے کی وجہ سے اس کے اس فتویٰ کی زد میں آتے نظر آرہے ہیں کیونکہ لطف اللہ نسفی کا کہنا ہے کہ حرام کا ارتکاب کرنے والا عذاب کا مستحق اور اسے حلال جاننے والا کافر ہوتا ہے، حالانکہ امام محمد اشارے کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "هذا قولی وقول ابی حنيفة ونحن نصنع بصنع النبی ﷺ"۔ ہماری اس تصریح سے ثابت ہوا کہ خلاصۂ کیدانی کا مصنف کوئی معتبر فقیہ نہیں تھا بلکہ ہمارے دور کے محض اردو خواں اور نعت خواں لچھے دار تقریر کرنے والے "علاموں" جیسا ہی کوئی "علامہ" تھا۔ اگر اس کے متعلق مزید تحقیق درکار ہو تو علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کی "عمدة الرعایہ" کا مقدمہ ص: ۱۲۔ ۱۳ نیز "سعایہ" اور "التعلیق الممجد" کا مطالعہ فرمائیں۔

فاضل مصنف نے اپنے اس اعتراض کی تائید میں "تنویر الابصار" کا نام لکھا ہے، تنویر الابصار کی متعلقہ عبارت پر علامہ حصکفی کی در مختار میں تردید ص: ۱۴۱ پر، اور در مختار کے الفاظ "المفتیٰ به عندنا انه يشير باسطا اصابعه كلها" کی علامہ شامی کی ردالمحتار میں تردید ص: ۲۱۶۔ ۲۱۸ پر گزر چکی ہے۔

فرماتے ہیں: مفتی شائستہ گل نے الحجۃ المنذرہ فی الاسئلۃ المبتدرہ کے حوالے سے منع اشارہ کی دس وجوہات نقل کی ہیں۔(۱)

۱۔معتبر کتابوں کے متون میں اشارہ کو منع کہا گیا ہے جیسے خلاصۂ کیدانی اور تنویر الابصار۔

۲-لایشیر بالسبابۃ عند الشہادۃ وعلیہ الفتویٰ۔

۳-لا یشیر کا لفظ ظاہر الروایۃ ہے۔

۴-لا یشیر، وھو ظاھر اصول اصحابنا۔

۵-منع اشارہ کا لفظ مشھور فی المذھب فی بسط الاصابع بدون اشارۃ۔

۶-لا یشیر کا لفظ وھو المختار۔

۷۔اشارہ کی ممانعت ثابت ہے لفظ کثیر من المشایخ لایرون الاشارۃ سے۔

۸-منع اشارہ وکرھھا فی منیۃ المفتی۔ کذا فی التبیین۔

۹-منع اشارہ کا سبب حکم نسخ الاشارۃ۔

۱۰- منع اشارہ کا لفظ کان القول بعدمھا الاقوی من حیث النقل عن اھل المذھب۔دیکھیے ان کا رسالہ ص: ۲۲۔۲۶

عرض کرتا ہوں: ۱۔خلاصۂ کیدانی معتبر کتاب ہے اور نہ ہی اس کا شمار متون معتبرۂ احناف میں ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا جواب میں اس کے متعلق قدرے تفصیل سے بتایا جاچکا ہے، اسی طرح علامہ تمرتاشی کی "تنویر الابصار" بھی معتبر متون میں شامل نہیں ہے۔علامہ لکھنوی نے معتبر متون میں ایک قول کی رو سے "الوقایہ" "مختصر القدوری" اور "کنز الدقائق" اور دوسرے قول کی رو سے "الوقایہ" "کنز الدقائق" "المختار" اور "مجمع البحرین" کے نام لکھے ہیں۔ النافع الکبیر ص: ۲۳

علامہ شامی نے بھی ایک مقام پر انہی چار کتابوں کو متونِ معتبرہ میں شمار کیا ہے۔شرح عقود رسم المفتی، بیان طبقۂ سادسہ ص: ۵، انھوں نے مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ کچھ اور کتابوں کے نام بھی متونِ معتبرہ میں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ "الغرر" اور "تنویر الابصار" میں اکثر مسائل فتوی ہونے کی بھی صراحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں: ثم لا یخفیٰ ان المراد بالمتونِ المتونُ المعتبرۃُ کالبدایۃ ومختصر القدوری والمختار والنقایۃ والوقایۃ والکنز

(۱) فاضل مصنف کی درج کردہ ان وجوہات کو ہم نے بطور اختصار لکھا ہے۔

والملتقی، فانها الموضوعة لنقل المذهب مما هو ظاهر الروایة بخلاف متن الغرر لمُنلاخسرو ومتن التنویر للتمرتاشی الغزی، فان فیهما کثیراً من مسائل الفتوی۔ یعنی مخفی نہ رہے کہ متون سے مراد معتبر متون ہے جیسے البدایہ، مختصر القدوری، المختار، النقایہ، الوقایہ، کنز الدقائق، ملتقی الابحر، یہ کتابیں ظاہر الروایہ میں سے مذہب نقل کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں، برخلاف ملا خسرو کی الغرر اور تمرتاشی کی التنویر کے، ان دونوں میں اکثر مسائل فتاویٰ کے لکھے ہوئے ہیں۔ شرح عقود رسم المفتی ص:۲۹۔۳۰، ہماری اس تصریح سے ثابت ہوا کہ خلاصہ کیدانی اور تنویر الابصار کو متونِ معتبرہ کہنا محض فاضل مصنف کی اختراع ہے۔

۲۔ علامہ شامی نے لکھا ہے: ان اصحاب المتون التزموا وضع القول الصحیح، فیکون ما فی غیرها مقابل الصحیح ما لم یصرح بتصحیحه، فیقدم علیها لانه تصحیح صریح فیقدم علی التصحیح الالتزامی، وفی شهادات الخیریة فی جواب سؤال، المذهبُ الصحیحُ المفتی به الذی مشت علیه اصحاب المتون الموضوعة لنقل الصحیح من المذهب الذی هو ظاهر الروایة.... وحیث عُلم ان القول هو الذی تواردت علیه المتون فهو المعتمد المعمول به، اذ صرحوا بأنه اذا تعارض ما فی المتون والفتاویٰ فالمعتمد ما فی المتون وکذا یقدم ما فی الشروح علی ما فی الفتاویٰ انتهی۔ یعنی اصحابِ متون نے صحیح قول بیان کرنے کا التزام کیا ہے اس لیے جو قول متون کے غیر میں ہوگا وہ صحیح قول کا مقابل ہوگا تاوقتیکہ (غیر متون والا) اس کی تصحیح کی تصریح نہ کرے، پس وہ (غیر متون میں تصحیح کی صراحت کردہ قول) اس پر مقدم ہوگا کیونکہ اس کی تصحیح صراحتاً ہے جو التزامی تصحیح پر مقدم ہوتی ہے۔ فتاویٰ خیریہ کے کتاب الشہادات میں ایک سوال کے جواب میں ہے(۱) کہ مفتیٰ بہ صحیح مذہب وہ ہے جس پر صحیح مذہب یعنی ظاہر الروایہ کو نقل کرنے کے لیے وضع کردہ متون کے مصنفین عامل وقائل ہیں۔ درمیان میں متعلقہ سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ۔ اور جب معلوم ہوا کہ قول وہی ہے جس پر متون کا توارد ہے، پس وہی معتمد اور معمول بہ ہے، جبکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب متون اور فتاویٰ کے درمیان تعارض ہوگا تو معتمد وہ ہوگا جو متون میں مذکور ہے، اسی طرح شروحات میں ذکر کردہ کو فتاویٰ کے بیان پر مقدم سمجھا

(۱) وہ سوال نابین کی گواہی سے متعلق ہے کہ بعض اصحاب متون نے کہا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک نابین کی گواہی مقبول ہے تو کیا وہ علی الاطلاق مقبول ہے یا کسی شرط سے مشروط ہے۔

جائے گا۔ شرح عقود رسم المفتی ص: ۲۹، اس سے آگے صاحبِ فتاویٰ خیریہ کے الفاظ یوں ہیں:
والمقرر ایضاً عندنا انه لا یفتی ویعمل الّا بقولِ الامام الاعظم ولا یعدل عنه الی قولهما أو قول احدهما أو غیرهما الّا لضرورة کمسئلة الزراعة۔ یعنی یہ بھی ہم احناف کے ہاں طے شدہ ہے کہ فتویٰ امام اعظم کے قول ہی پر دی جائے گی اور اسی پر عمل کیا جائیگا، امام اعظم کا قول چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک، یا ان کے علاوہ کے قول کو اختیار نہیں کیا جائے گا الّا یہ کہ کوئی ضرورت درپیش ہو، جیسے مزارعت کا مسئلہ ہے۔ فتاویٰ خیریہ جزء ثانی ص: ۵۳

اب ہم کہتے ہیں کہ ہدایہ، مختصر القدوری، کنز الدقائق کے متون میں اشارۂ سبابہ کا ذکر کسی بھی طرح، اثباتاً خواہ نفیاً موجود نہیں ہے لیکن ان کتب کی شروحات میں اشارۂ سبابہ کی صراحت موجود ہے، بعض کتبِ فتاویٰ مثلاً خلاصۃ الفتاویٰ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ الغرائب اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں اسے مکروہ یا حرام کہا گیا ہے تو مذکورہ بالا مسلم اصول کے تحت شروحات کی صراحت کو ان تمام فتاویٰ کے اقوال پر فوقیت حاصل ہوگی، گویا شروحات کے مقابلے میں فتاویٰ کا قول متروک یعنی نا قابل التفات وعمل ہے۔ اس لیے بار بار فتاوے کے حوالہ جات دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ نے اس دوسری وجہ میں دیگر کتابوں کے علاوہ تنویر الابصار، مضمرات، منیہ، واقعات، شلبی، جامع الرموز، ابوالمکارم اور رفع التردد کے نام لکھے ہیں جن میں سے تنویر الابصار کی عبارت اور اس کی شرح درمختار کی عبارت ص: ۱۴۱ پر گزر چکی ہے، مضمرات والے کا نظریہ ابوالمکارم کی عبارت سے ص: ۱۰۴ پر، شلبی کی عبارت ص: ۱۳۷ پر، جامع الرموز کی عبارت ص: ۱۴۲۔۱۴۳ پر اور رفع التردد کی عبارت ص: ۲۱۳۔۲۱۴ پر گزر چکی ہے، انھیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ اور ۴۔ فاضل مصنف نے اپنے اس رسالے میں تقریباً ہر پانچ دس سطر کے بعد عدمِ اشارہ کو "ظاہر الروایہ" اور "ظاہر الاصول" کہا ہے لیکن ظاہر الروایہ اور ظاہر الاصول کی چھ کتب میں سے کسی بھی کتاب یا ان چھ کتابوں کی جامع کتاب "الکافی للحاکم الشهید" میں۔ کسی کا بھی حوالہ درج نہیں فرمایا۔ اتنا بڑا دعوی مگر بلا دلیل فاضل مصنف کو زیب نہیں دیتا۔ ہم تمام مخالفینِ اشارہ کو اسے ظاہر الروایہ کتب سے ثابت کر دکھانے کی مہلت دیتے ہوئے ان کے سامنے انک من المنظرین ہی پڑھ دیتے ہیں۔

فاضل مصنف نے اسی تیسری وجہ میں مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ سے لباب القدوری، ذخیرہ، کاکی، شلبی، معراج الدرایہ، رفع التردد، عینی شرح ہدایہ، شرح سفر السعادت، کفایہ اور مکتوبات امام ربانی کے نام لکھے ہیں جن میں سے لباب القدوری کا حوالہ ص: ۲۱۸ پر اور شلبی کا حوالہ ص: ۷ ۱۳ پر، رفع التردد کا حوالہ ۲۱۴ پر اور مکتوبات امام ربانی کا جواب ص: ۱۰۹-۱۱۸ پر گزر چکا ہے، انھیں وہاں ملاحظہ فرمائیں، البتہ ذخیرہ کی عبارت باب سوم میں ۲ نمبر اور عینی شرح ہدایہ کی عبارت ۷، ۱۱ نمبر پر اسکے علاوہ عینی شرح سنن ابی داود کی عبارت ۱۹ نمبر پر آئے گی اور کفایہ کی عبارت ص: ۷ ۱۴ پر گزر چکی ہے اور وہ مکرر طور پر باب سوم میں ۵ نمبر پر آرہی ہے، انھیں وہاں دیکھیں۔

شرح سفر سعادت میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: بدانکہ عقد اصابع ید یمنی بر کیفیت مذکورہ و اشارت بسبابہ در احادیث صحاح واقع شدہ و در جامع الاصول از کتب ستہ دریں باب احادیث آوردہ است، و در بعض احادیث ذکر عقد است با اشارت، و در بعضے ذکر اشارت فقط، و ہمین است مذہب ائمہ حدیث و فقہائے مجتہدین و کثیرے از صحابہ و تابعین، و گفتہ اند کہ حق آنست کہ مذہب امام ابو حنیفہ و صاحبیہ رحمہم اللہ نیز ہمین است، و متقدمین علماء حنفیہ تصریح کردہ اند بآں، ولیکن در متاخرین ایشاں خلافی درمیان آمدہ است، وما اگر احادیث را بتمام روایت کنیم سخن بتطویل انجامد، بحمد اللہ آں در مواضع خود مذکورست، سخن از علمائے مذہب بیاریم تا عامہ را سود مند افتد، شمنی گوید امام ابو یوسف در امالی ذکر کردہ کہ قبض کند خنصر و انگشتے را کہ متصل ست بداں و حلقہ کند وسطی و ابہام را و اشارت کند بسبابہ، و امام محمد گفتہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارت می کرد و آنچہ آنحضرت کردہ ما نیز کنیم و گفت ہمین ست قول ابی حنیفہ، و ہم شمنی از ظہیریہ آوردہ است کہ چوں شروع کرد مصلی در تشہد پس رسید بقول اشہد ان لا الہ آیا اشارت کند بسبابہ یمنی؟ اختلاف کردہ اند مشائخ در وے، پستر چگونہ کند نزد اشارت؟ محکی از فقیہ ابو جعفر آں است کہ قبض کند خنصر و بنصر را و تحلیق کند وسطی را با بہام و اشارت کند بسبابہ، و در منیۃ المصلی گفت کہ مکروہ است اشارت، انتہی۔ و در حواشی ہدایہ از کفایہ می نویسد کہ

در محیط گفتہ است کہ بعضے گفتہ اند رفع سبابہ یمنی در تشہد از سنن ست نزد ابوحنیفہ و محمد رحمہما اللہ؛ وہم چنیں مروی ست از ابو یوسف وعلامہ نجم الدین زاہدی گفتہ کہ چوں متفق است روایت از اصحاب ما جمیعا در بودن اشارت سنت واز کوفیان ومدنیان ہمچنین آمدہ وکثیر ست اخبار وآثار در آں لا جَرم عمل بداں اولی باشد، انتہی۔ یعنی مذکورہ کیفیت کے مطابق دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا عقد باندھنا اور سبابہ سے اشارہ کرنے کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، اور جامع الاصول میں صحاح ستہ کی کتابوں سے اس بارے میں احادیث لائی گئی ہیں، بعض احادیث میں اشارے کے ساتھ عقد کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں صرف اشارے کا ذکر ہے، ائمہ حدیث اور فقہاء مجتہدین اور بہت سارے صحابہ وتابعین کا مذہب بھی یہی ہے، اور انھوں نے فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، اور متقدمین علماء حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، لیکن متاخرین علماء حنفیہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے، ہم اگر تمام احادیث ذکر کریں گے تو گفتگو طویل ہو جائے گی، الحمد للہ وہ احادیث اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں، علماء مذہب کا کلام پیش کرتے ہیں تاکہ عامۃ الناس کے لیے سود مند ہو، شمنی فرماتا ہے کہ امام ابو یوسف نے "امالی" میں ذکر فرمایا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے، امام محمد نے فرمایا ہے کہ خدا کے رسول ﷺ اشارہ فرماتے تھے اور جو عمل آنحضرت نے کیا ہم بھی وہی کریں گے، آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ یہی شمنی فتاویٰ ظہیریہ سے لائے ہیں کہ جس وقت نمازی التحیات شروع کر کے اشھد ان لا الہ پر پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی سبابہ سے اشارہ کرے؟ اس بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، پس اشارے کے قریب پہنچ کر کس طرح کرے؟ فقیہ ابوجعفر سے یوں منقول ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے اور منیۃ المصلی میں کہا ہے کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے، اور علامہ نجم الدین زاہدی نے فرمایا ہے کہ جب ہمارے تمام اصحاب کی روایات اشارے کے سنت ہونے پر متفق ہیں اور اہل کوفہ ومدینہ سے بھی اسی طرح آیا ہے اور اس بارے میں اخبار وآثار بھی بکثرت ہیں تو یقیناً اس پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا۔ شرح سفر سعادت ص: ۸۰

مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ نے شرح سفر سعادت کی اس پوری عبارت میں سے صرف

"اختلاف کردہ اند مشائخ درو ے" کے جملہ سے یا اس سے قبل شیخ علی متقی ہندی کے نقل کردہ حوالے میں شیخ صاحب کے الفاظ "از بسیارے از مشائخ آمدہ کہ اشارت نہ کند" سے استدلال کرتے ہوئے عدم اشارہ کو "لایشیر" اور "ظاہر الروایۃ" سے تعبیر فرمایا ہے، حالانکہ یہ دونوں جملے شیخ صاحب کی اصل عبارت میں موجود نہیں۔ باقی رہا مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ کا "لا یشیر بالسبابۃ عند الشھادۃ و علیہ الفتوی" کو منیہ کی طرف منسوب کرنا تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اگر "منیہ" سے ان کی مراد "منیۃ المصلی" ہے تو اس کی عبارت تیسرے باب میں نمبر ۲۳ پر آرہی ہے، وہاں دیکھ لیں کہ مفتی صاحب کے نقل کردہ یہ الفاظ موجود نہیں ہیں اور اگر "منیہ" سے ان کی مراد "منیۃ المفتی" ہے تو آپ ص: ۱۴۳۔۱۴۴ پر شیخ علی متقی ہندی کے رسالے سے پڑھ آئے ہیں کہ علامہ سروجی نے حاوی، منیۃ المفتی، اجناس اور واقعات سے نقل کیا ہے کہ عقد اور حلقہ کے ساتھ اشارۂ سبابہ کرنا امام ابوحنیفہ کا قول اور امام محمد کا ماخوذ ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علی متقی ہندی سے اسے نقل کیا ہے اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اسے شیخ عبدالحق سے نقل کیا ہے۔

۵۔ "منع اشارہ کا لفظ مشہور فی المذھب فی بسط الاصابع بدون اشارۃ" ہے سے متعلق دو گزارشات عرض ہیں: اول یہ کہ مشہور فی المذہب محض تبادرا ہے، یعنی مذہب کی کتابوں میں اس کے ذکر نہ ہونے سے یا بعض فتاووں میں اس کی منع اور کراہت کا قول دیکھ کر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مذہب میں اشارہ نہیں ہے، یا اسے امام ابوحنیفہ کا مذہب سمجھ لیا گیا ہے۔

علامہ لکھنوی لکھتے ہیں: لعلّك تتفطن من ھذا البحث انه لیس کل ما فی الفتاوی المعتبرة المختلطة كالخلاصة والظھیریة وفتاوی قاضیخان وغیرھا من الفتاوی التی لم یمیز اصحابھا بین المذھب والتخریج و غیرہ قول ابی حنیفة وصاحبیه، بل منھا ما ھو منقول عنھم ومنھا ما ھو مستنبط الفقھاء، ومنھا ما ھو مخرج الفقھاء، فیجب علی الناظر فیھا ان لا یتجاسر علی نسبة کل ما فیھا الیھم، بل یمیز بین ماھو قولھم وما ھو مخرج من بعدھم، ومن لم یتمیز بین ذالك وبین ھذا أشكل الامر علیه۔ یعنی امید ہے کہ آپ اس بحث سے یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہر وہ مسئلہ جو فتاویٰ معتبرہ مختلط، مثلاً خلاصہ، ظہیریہ اور فتاویٰ قاضی خان وغیرہ میں ہو، جن کے مصنفین مذہب اور تخریج وغیرہ کے درمیان فرق بیان نہیں کرتے، وہ مسائل امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے کچھ مسائل ائمۂ ثلاثہ سے منقول ہوتے ہیں اور کچھ

مسائل فقہاء کے استنباط کردہ اور کچھ ان کے تخریج کردہ ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کتب فتاویٰ میں دیکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ ان میں درج تمام مسائل کو ائمہ حضرات کی طرف منسوب کرنے کی جسارت نہ کرے بلکہ ائمہ حضرات کے قول اور بعد والوں کی تخریج کے درمیان فرق کرے، جو عالم ان کے درمیان فرق نہیں کریگا اس پر معاملہ مشکل ہو جائیگا۔ النافع الکبیر ص: ۲۰۔

اس سے واضح ہوا کہ کتبِ فتاویٰ میں نہ صرف ائمہ ثلاثہ کے اقوال ہوتے ہیں بلکہ بعد والے فقہاء کے تخریج کردہ یا ان کے استنباط کردہ مسائل بھی ہوتے ہیں، ان کتب فتاویٰ سے استفادہ کرنے والے کا ان اقوال اور استنباطات کے درمیان فرق کرنا فرض ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ فقہاء کے تخریج اور استنباط کردہ مسائل مذہب بھی ہوں یا ائمہ ثلاثہ کے اقوال ہوں۔ ہمارے اس مسئلہ کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہے کہ کتبِ فتاویٰ میں بعد والے فقہاء کی تخریج اور استنباط کو امام صاحب اور صاحبین کا مذہب سمجھ لیا گیا، جس کی وجہ سے اس کے عدم کو کبھی "ظاہر الروایہ" اور کبھی "ظاہر اصول اصحابنا" اور کبھی "مشہور فی المذھب" کہہ کر نا جائز، ممنوع، مکروہ اور حرام، نہ جانے کیا کیا ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے حالانکہ قطع نظر احادیث کثیرہ صحیحہ، اشارہ کرنا ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اس لیے اب اگر اسے کوئی مکروہ، ممنوع اور حرام سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی سمجھ ہے، اور کسی کے سمجھنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی کہ وہ کیا سمجھے اور کیا نہ سمجھے۔ مشہور فی المذہب تب ہوگا جب مذہب کی کتابوں میں اس کی منع موجود ہوگی۔ یہ مذہب میں عجیب مشہوری ہے کہ مذہب کی کسی ایک کتاب میں بھی مذکور نہیں ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدمِ ذِکر اشارہ مذہب میں مشہور ہے۔

علامہ لکھنوی نے لکھا ہے: وكذالك مسئلة الاشارة فى التشهد، فان كثيراً من كتب الفتاوىٰ متواردة على منعها و كراهتها، فيظن الناظرون فيها انه مذهب ابى حنيفة وصاحبيه، فيشكل عليهم الامر بورود احاديث متعددة قولية و فعلية تدلّ على جوازها و سنيتها۔ یعنی تشہد میں اشارے کا مسئلہ بھی ایسے ہی مشتبہ مسائل میں سے ہے، اکثر کتبِ فتاوی اس کی منع اور کراہت پر ہم آواز ہیں، اس وجہ سے ان کتبِ فتاوی میں نظر کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے، اور پھر ان حضرات پر یہ معاملہ اشارے کے جواز اور سنت پر دلالت کرنے والی متعدد قولی اور فعلی احادیث وارد ہونے کی وجہ سے مشکل ہو جاتا ہے۔ النافع الکبیر ص: ۲۰

اب یہاں پر دو چیزیں دیکھنا ضروری ہیں، اول یہ کہ "ظاہر اصول" کیا چیز ہے؟ بعض فقہاء نے اشارے سے منع کی تعلیل یہ بیان کی ہے کہ "نماز کی اساس وقار اور سکون پر ہے"۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوب میں فتاویٰ کبریٰ سے عدم اشارہ کے مفتیٰ بہ ہونے کی وجہ "لان مبنی الصلاۃ علی السکون والوقار" نقل کی ہے، اور نقایہ کی شرح جامع الرموز سے "لا یشیر ولا یعقد وھو ظاہر اصول اصحابنا کما فی الزاھدی و علیہ الفتویٰ کما فی المضمرات والولجی والخلاصۃ و غیرھا" کا حوالہ دیا ہے۔ دیکھیے مکتوباتِ امام ربانی مع حواشی، دفتر اول حصہ پنجم ص: ۱۶۳، یہ ہے وہ ظاہر اصول جس کے تحت مخالفینِ اشارہ یہ سمجھتے اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ اشارہ کرنا اس اصول کے خلاف ہے، گویا "ظاہر اصول" ان کے نزدیک حتمی ہے جس کے خلاف کرنا ناجائز ہے۔

شیخ علی متقی ہندی لکھتے ہیں: ولا یغرنك القول فی ظاھر الاصول والروایۃ، فان الظاھر قد یکون علی خلاف مختار الائمۃ۔ یعنی ان کا عدمِ اشارہ کو ظاہر اصول وروایۃ کے خلاف کہنا تمہیں دھوکہ نہ دے، کیونکہ کبھی "ظاہر" ائمہ کے مختار کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

دیکھیے رسالہ خواجہ علی متقی ص: ۵

حقیقت یہ ہے کہ نماز کی اساس اس اصول پر نہیں بلکہ اس کی اساس اتباعِ رسول اور آپ ﷺ کے منع کردہ امور کو ترک کرنے پر ہے، اس کے برعکس نماز تو ابتداء سے لے کر انتہاء تک مختلف قسم کی حرکات وسکنات ہی کا مجموعہ ہے۔ جس طرح ان حرکات وسکنات کو مذکورہ بالا اصول کے خلاف نہیں کہا جاسکتا اسی طرح اشارۂ سبابہ کی حرکت بھی اس اصول کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جس طرح وہ حرکات وسکنات مطلوب و مامور ہیں اسی طرح اشارۂ سبابہ کی حرکت بھی مطلوب و مامور اور اللہ کے حبیب ﷺ کا خود کردہ پسندیدہ عمل ہے۔ ہاں ان حضرات کا عدمِ اشارہ وعقد کو ظاہر اصول کہنا اس وقت درست ہوگا جب احادیثِ مبارکہ سے اس کی ممانعت اور کتبِ ظاہر الروایہ سے نہ سہی کتبِ غیر ظاہر الروایہ سے اس کی ممانعت اور مخالفت ثابت کی جائے گی لیکن نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

مذکورہ بالا حقیقت کو شیخ محمد مراد مکی نے یوں بیان کیا ہے: توھم البعض من ھذا القول ان عدم الاشارۃ مذکورۃ فی الاصل وظاھر المذھب، وھو توھم باطل، فان الاصل وظاھر المذھب لیس فیہ ذکر الاشارۃ، لا نفیاً ولا

اثباتا کما مرهنا مرتین ان محمدا لم یذکره فی الاصل. بل لاوجود لعدم الاشارة فی النوادر ایضاً کما مر. وانما معناه انه مستنبط من ظاهر اصولهم وقواعدهم، اعنی قولهم: مبنی الصلاة علی السکون. وهذا الاستنباط انما یصح اذا لم توجد الروایة فی النوادر ایضاً. وحیث وجدت لایصح استنباطهم - یعنی بعض حضرات نے اس "ظاہر اصول" کے قول سے یہ سمجھ لیا ہے کہ عدمِ اشارہ "کتبِ اصل" اور "ظاہر مذہب" میں مذکور ہے حالانکہ ان کا یہ وہم باطل ہے، کیونکہ اصل اور ظاہر مذہب میں اشارے کا ذکر ہے ہی نہیں، نفیاً خواہ اثباتاً، جیسا کہ یہاں پر دو مرتبہ ذکر ہو چکا ہے کہ امام محمد نے اسے "اصل" میں ذکر نہیں کیا، بلکہ عدمِ اشارہ کا وجود تو کتبِ نوادر میں بھی نہیں ہے جیسا کہ بیان ہو چکا، اس کا معنیٰ صرف یہ ہے کہ یہ حکم (عدمِ اشارہ) ان کے ظاہر اصول اور قواعد سے مستنبط ہے یعنی مبنی الصلاۃ علی السکون کے قول سے، حالانکہ یہ استنباط اس وقت صحیح ہوگا جب کتبِ نوادر میں بھی اشارے کی روایت نہیں ہوگی، جبکہ وہ روایت کتبِ نوادر میں موجود ہے اس لیے ان کا یہ استنباط بھی صحیح نہیں ہے۔ الدرر المکنونات النفیسۃ ۱/۳۷۶ حاشیہ نمبر ا

دوم یہ کہ کتبِ متون میں بطورِ خاص "ونشر اصابعه" "وبسط اصابعه" کا جملہ ایک خاص مقصد کے لیے لایا گیا ہے جس کی وضاحت علامہ شامی نے دیگر شارحین سے یوں نقل کی ہے: قلت: تعبیر المتون ببسط الاصابع یمکن حمله علیٰ ما فی الشروح بان یکون المراد بسط الاصابع فی ابتداء التشهد. ولا ینافی ذالک سنیةَ الاشارة والعقد عند التلفظ بالشهادة، فیکون مقصود المتون بالتصریح ببسط الاصابع الایماءُ الی خلاف سیّدنا الامام الشافعی رحمه الله تعالی کما هو العادة من التصریح بالقیود للاحتراز عن قول القائل بخلافها؛ و هُنا کذالک فان الامام الشافعی یقول بسنیة عقد الاصابع من حین الجلوس للتشهد لا عند التلفظ بالشهادة۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ متون میں "بسط اصابعه" کو شروحات میں ذکر کردہ تشریح پر محمول کرنا ممکن ہے کہ اس سے مراد ہے تشہد کے آغاز میں انگلیوں کو کھلا اور کشادہ رکھنا، جو کہ شہادت کے وقت اشارہ کرنے اور عقد باندھنے کی سنیت کے منافی نہیں ہے، "بسط اصابعه" کی تصریح سے متون کا مقصد حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہے، جیسا

کہ مخالف کے قول سے احتراز کے لیے قیودات کی تصریح کر دینا عادت ہوتی ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ التحیات کے لیے جلوس کے آغاز ہی سے انگلیوں کے عقد (بندش) کی سنیت کے قائل ہیں، اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ کے تلفظ کے وقت انگلیوں کے عقد کی سنیت کے قائل نہیں۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد ص: ۱۲۸، "مشہور فی المذہب" اور "بسط الاصابع" کے متعلق وضاحت کے بعد فاضل مصنف کا استدلال ہی باطل ہوگیا۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ "بسط اصابعه" سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ اشارے سے منع مشہور فی المذہب ہے، نہ کہ مذہب کی کتب میں منع مذکور ہونے کی وجہ سے مشہور فی المذہب ہے۔ نیز "بسط اصابعه" کا لفظ اشارے اور عقد سے منع کے لیے نہیں بلکہ اس لفظ کے ذریعے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انگلیوں کی بندش ہم احناف کے نزدیک آغازِ جلوس سے نہیں ہوگی، جلوس کے آغاز میں انگلیاں کشادہ رکھی جائیں گی۔

۶۔ لایشیر کا مختار ہونا بعض فتاویٰ میں ہے، کسی بھی شرح میں اسے مختار نہیں کہا گیا۔ آپ دوسری وجہ میں پڑھ آئے ہیں کہ شروحات اور فتاویٰ میں تعارض کی صورت میں شروحات کا قول مقدم ہوتا ہے۔ فتاویٰ کا قول اس وقت لیا جائے گا جب کوئی مسئلہ شروحات میں مذکور نہ ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت امام محمد نے اشارے کے متعلق حدیث روایت کرنے کے بعد "وبصنیع رسول اللہ ﷺ نأخذ وھو قول ابی حنیفة" فرمایا ہے، جس سے امام محمد کا "مختار" بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے اور اسکی علت "صنیع رسول اللہ ﷺ" ہے جبکہ "لایشیر" عام کتب فتاوی کا مختار ہے اور اس کی کوئی علت بھی نہیں ہے اس لیے امام محمد کا مختار فتاوی کے مختار پر راجح ہے، اور راجح کو چھوڑ کر مرجوح پر عمل کرنا ناجائز اور اسے مختار ماننا بذاتِ خود غیر مختار ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے فتاویٰ شلبی سے نقل کیا ہے کہ: الاصل ان العمل علی قول ابی حینفة، ولذا ترجح المشایخ دلیله فی الاغلب علی دلیل من خالفه من اصحابه ویجیبون عما استدل به مخالفه؛ وھذا امارة العمل بقوله وان لم یصرحوا بالفتویٰ علیه. اذ الترجیح کصریح التصحیح انتھی۔ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنا ہی اصل ہے، اسی وجہ سے مشائخ نے

اغلب مسائل میں (۱) امام صاحب کی دلیل کو ان کے شاگردوں میں سے مخالفت کرنے والے کی دلیل پر ترجیح دی ہے اور مخالف کے استدلال کا جواب دیا ہے؛ جو کہ امام صاحب کے قول پر عمل کی علامت ہے اگرچہ انھوں نے آپ کے قول پر فتویٰ کی تصریح نہیں کی، کیونکہ کسی بات کو ترجیح دینا اس کی تصحیح کی صراحت ہی کی طرح ہے۔ شرح عقود رسم المفتی ص: ۳۰

یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ جب امام صاحب کے ساتھ آپ کے کسی شاگرد نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو، اور اگر کسی مسئلہ میں آپ کے شاگرد نے آپ سے اختلاف بھی نہ کیا ہو تو پھر بطریقۂ اولیٰ ان کے قول پر عمل کرنا ایک مقلد پر زیادہ لازم ہو جاتا ہے، جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے: ان ما اتفق علیه ائمتنا لایجوز لمجتهد فی مذهبهم ان یعدل عنه برأیه لان رأیهم اصح۔ یعنی جس بات پر ہمارے ائمۂ کرام کا اتفاق ہو تو کسی مجتہد کو اپنی رائے سے اس سے روگردانی کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان ائمۂ کرام کی رائے ہی سب سے زیادہ صحیح ہے۔ شرح عقود رسم المفتی ص: ۱۹، فتاویٰ سراجیہ میں ہے: ثم الفتویٰ علی الاطلاق علی قول ابی حنیفة، ثم بقول صاحبیه، ثم بقول ابی یوسف، ثم بقول محمد بن الحسن، ثم بقول زفر بن الهزیل، ثم بقول حسن بن زیاد۔ یعنی فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول پر ہی ہوگی، اس کے بعد صاحبین کے قول پر، اس کے بعد امام ابو یوسف کے قول پر اس کے بعد امام محمد کے قول پر، اس کے بعد امام زفر کے قول پر، اس کے بعد امام حسن بن زیاد کے قول پر۔ فتاویٰ سراجیہ ص: ۱۵۷، جبکہ موضوعِ بحث اشارۂ سبابہ کے مسئلہ کے بارے میں امام صاحب کے تمام شاگردان سے متفق ہیں۔ اب حنفیوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے مقلد ہیں یا فتاویٰ غیاثیہ وبزازیہ وسراجیہ ومنیۃ المفتی وعالمگیریہ وفتاویٰ الغرائب وخلاصۂ کیدانی اور خلاصۃ الفتاویٰ کے مصنفین ومؤلفین کے؟

مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ نے لا یشیر کے مختار ہونے کی نسبت خلاصۃ الفتاویٰ، اور

---

(۱) اغلب کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ صاحبِ مذہب مجتہد کے منصوص احکامات کی بناء اس دور کے عرف اور زمانے پر تھی، جو کہ بعد میں لوگوں میں خرابیاں پیدا ہونے کے سبب زمانے کے تغیر کی وجہ سے تبدیل ہو گئے، اس لیے اس قسم کے مسائل کو چھوڑ کر باقی مسائل میں امام صاحب ہی کے قول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اسکی چند مثالیں

عالمگیری کے علاوہ برجندی، شرح ابوالمکارم، نہر الفائق، ابن امیر الحاج کی شرح منیۃ المصلی اور رفع التردد کی طرف کی ہے۔ ان میں سے خلاصۃ الفتاویٰ اور عالمگیری کے متعلق گفتگو ص: ۱۰۲ اور ۱۳۳ پر گزر چکی ہے، برجندی نے "لا یشیر" کو مختار نہیں لکھا ہے، اس نے مخالفین اشارۂ سبابہ کے ممدوح صاحبِ خلاصۃ الفتاویٰ کا اسے مختار کہنا نقل کیا ہے، برجندی کی عبارت ص: ۲۱۱ پر گزر چکی ہے، اسی طرح شرح ابوالمکارم نے بھی "لا یشیر" کو مختار نہیں لکھا، اس نے مضمرات، کفایہ اور زاہدی سے اشارۂ سبابہ کا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک سنت ہونا نیز ان کا قول ہونا، تمام احناف اور فقہاء کوفہ ومدینہ کے اتفاق سے اس کا سنت ہونا اور اس کے متعلق اخبار وآثار کثیر تعداد میں ہونا ذکر کرنے کے بعد خلاصۃ الفتاویٰ سے عدمِ اشارہ کا مختار اور صاحبِ تجنیس سے اس کا مفتیٰ بہ ہونا نقل کیا ہے۔

اگر مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ کے نزدیک شرح ابوالمکارم کا آخری حوالہ "عدمِ اشارہ" کا مختار اور مفتیٰ بہ ہونا ہی قابلِ استشہاد ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ علامہ ابوالمکارم نے نہ صرف ائمۂ احناف کے خلاف بلکہ فقہاء کوفہ ومدینہ کے اشارے کے سنت ہونے کے متفقہ فیصلے اور کثیر تعداد میں وارد اخبار وآثار کو بغیر کسی ترجیح کے رد کر دیا ہے، حالانکہ یہ بداہتاً باطل ہے۔ شرح ابوالمکارم کی مکمل عبارت ص: ۱۰۴ پر گزر چکی ہے۔

نہر الفائق میں بھی بالکل اسی طرح ہے کہ اس نے سب سے اول صاحبِ کنز الدقائق کے "و بسط اصابعه" پر لکھا ہے کہ اس کا مطلقاً ہاتھوں کو کھلا رکھنے کے ذکر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله کے وقت حلقہ بنا کر اشارہ نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اکثر مشائخ کا بھی یہی کہنا ہے اور عام کتبِ فتاویٰ میں بھی ہے کہ اسی عدمِ اشارہ پر فتویٰ ہے اور صاحبِ منیۃ المفتی نے تو اس کی کراہت پر جزم کیا ہے، جبکہ فتح القدیر میں ان حضرات کے ان اقوال کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ ان کے یہ اقوال عقل اور نقل کے خلاف ہیں، عقل کے خلاف اس لیے ہیں کہ حدیث شریف سے نبی پاک ﷺ کا اشارۂ سبابہ کرنا ثابت ہے، اور حدیث سے ثابت شدہ امر کے خلاف کرنا یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور نقل کے خلاف اس لیے ہے کہ امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ اور فقہاء احناف اشارۂ سبابہ کو سنت کہہ چکے ہیں اس لیے اسے مکروہ یا حرام کہنا یقیناً ان کی نقل کے خلاف ہے۔ صاحبِ تحفہ نے اسے مستحب کہا ہے اور علامہ عینی نے اس کے مستحب ہونے کو اصح قرار دیا ہے۔ نہر الفائق کی مکمل عبارت ص: ۲۷۴ پر بیان ہوگی اسی طرح ابن امیر الحاج حلبی کی عبارت بھی اسی باب

میں ص: ۲۸۰ پر ملاحظہ فرمائیں، رفع التردد کی عبارت اس سے قبل ص: ۲۱۴ پر بیان ہو چکی ہے۔

۷۔ "کثیر من المشایخ" سے یہ دھوکا نہ ہو کہ قلیل لوگ اس کے جواز و سنیت کے قائل ہیں۔ حالانکہ عین ممکن ہے کہ کثیر لوگ غلط بات پر عامل ہوں اور صحیح پر عمل کرنے والے کم تعداد میں ہوں، کیونکہ فقہی احکام میں اصحابِ علم کو شمار نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے علمی مرتبے اور ثقاہت و فقاہت کو تولا جاتا ہے۔ بہت ساری کتب میں "کثیر من المشایخ" سے مراد آخری طبقۂ فقہاء کے مقلدین مراد ہیں جو کہ غث و سمین اور شمال و جنوب کے درمیان تمیز بھی نہیں کر سکتے اور "اندھیری رات کے لکڑ ہارے" کہلاتے ہیں۔ ملک العلماء کاسانی نے انہی کے متعلق لکھا ہے "قال بعض مشایخنا لا یشیر "یعنی ہمارے بعض مشایخ نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے۔ اسکے مقابل "اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعاً فی کونه سنة" میں یہ صراحت ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے پر اتفاق ہے، اور ان ائمہ کے اتفاق کے بعد "کثیر من المشایخ" کا اختلاف کرنا اشارۂ سبابہ کے حق میں کوئی ایسا مضر بھی نہیں کہ ان کی وجہ سے امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے متفق علیہ مسلک کو ترک کر دیا جائے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے اتفاق کے علاوہ صحابہ و تابعین کا بھی اس پر اس طرح کا عمل ثابت ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اشارہ کرنا سیکھتے تھے۔ سلیمان بن ابی یحییٰ کی روایت ہے کہ: "کان اصحاب النبی ﷺ یأخذ بعضهم علی بعض. یعنی الاشارة بالاصبع فی الدعاء"۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۴ حدیث ۸۵۱۵ لیکن ہمارے دور کے بعض حضرات نے یأخذ بعضهم علی بعض کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ ایک دوسرے کو اشارہ کرنے سے روکتے تھے اور انگلی توڑ دیتے تھے، اس لیے بعض متشدد مخالفینِ اشارۂ سبابہ اشارہ کرنے والے کی انگلی توڑنے کو کارِ ثواب سمجھ کر اس کی انگلی توڑنے اور مروڑنے سے نہیں چوکتے۔

۸۔ اس سے قبل متعدد مرتبہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اشارۂ سبابہ سنت ہے تو پھر منیۃ المفتی والے کے قول پر اعتماد کیسا؟ اشارۂ سبابہ کو سنت کہنے والے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، شمس الائمہ حلوانی، ملک العلماء کاسانی، ابن الہمام، ابن امیر الحاج حلبی، علامہ سغناقی، علامہ نجم الدین زاہدی، علامہ بابرتی اور رضی الدین سرخسی رحمہم اللہ ہیں اور ان میں سے اکثر صاحبِ شروحات ہیں، جبکہ منیۃ المفتی فتاویٰ کی کتاب ہے، اور یہ آپ پہلے ہی پڑھ آئے ہیں کہ شروحات کو کتبِ فتاویٰ پر فوقیت حاصل ہے۔ تبیین الحقائق کا نام بھی غلط طور پر لیا گیا ہے، اس

نے محض منیۃ المفتی میں اشارۂ سبابہ کے مکروہ کہنے کو نقل کیا ہے، اس کی تصحیح نہیں کی، اور اس کے بعد اس نے الفتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ تشہد میں اشهد ان لا اله الا الله پر اشارہ کرنا عمدہ عمل ہے۔ لیکن مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ نے زیلعی کا امام ابو یوسف کی امالی سے اشارۂ سبابہ کی کیفیت کے ذکر کو گول کر دیا، اسی طرح انھوں نے امام محمد کا اس کے متعلق حدیث ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کے عمل کی متابعت کرنے اور اشارۂ سبابہ کو امام ابو حنیفہ کا قول قرار دینے اور الفتاویٰ سے اس کے حسن ہونے کو یکسر ترک کر دیا اور درمیان سے اس کے متعلق کچھ مشائخ کے اختلاف ذکر کرنے کو دلیل بنا لیا حالانکہ زیلعی نے اس اختلاف ذکر کرنے سے پہلے اشارہ سبابہ کے استحباب وسنیت پر دلائل قائم کیے ہیں اور آخر میں الفتاوی کے حوالے سے اسے حسن کہہ کر اشارۂ سبابہ کرنے کو مفتیٰ بہ ثابت کیا ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ گزشتہ یا موجودہ تمام مخالفینِ اشارۂ سبابہ کا طرزِ استدلال لاتقربوا الصلاۃ جیسا ہے، کسی اور کی بات مت سنو اپنی کیے اور کہے جاؤ، جب مخالف بات کرے تو کانوں میں انگلیاں ڈالو اور آنکھیں بند کر لو لیکن جب اپنے مطلب کی بات آئے تو سبھی مل کر اسی کا شور مچاتے رہو۔ تبیین الحقائق کا حوالہ ص:۲۱۱ پر گزر چکا ہے۔

۹۔ منع اشارہ کا سبب حکم نسخ الاشارۃ تو ہر مخالفِ اشارۂ سبابہ دعویٰ کرتا ہے، لیکن اس کا ناسخ آج تک کسی نے پیش نہیں کیا۔ مفتاح القلوب فی بیان السلوک نامی صوفیانہ کتاب، جسکا مصنف نہ معلوم کس پائے کا فقیہ یا محدث ہے، اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک جعلی مرفوع حدیث پیش کی گئی ہے، جو اس سے قبل مخالفتِ اشارہ میں لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی نقل نہیں کی۔ یہی بات اس کے جعلی ہونے کی مضبوط دلیل ہے۔ تاریخ فقہِ اسلام کا یہ انوکھا نسخ ہے جو بغیر ناسخ کے محض ساتویں طبقہ کے فقہاء کے کہنے کی وجہ سے ثابت ہو رہا ہے۔

امام کرخی یعنی عبید اللہ بن حسین بن دلال بن دلہم ابو الحسین کرخی متوفی ۱۵ شعبان ۳۴۰ھ کا اشارۂ سبابہ کے منسوخ ہونے کا قول کس نے نقل کیا ہے؟ اس کے برعکس میر سید شریف جرجانی نے خواہر زادہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام کرخی نے اشارۂ سبابہ کا سنت ہونا نقل کیا ہے، جرجانی کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ دیکھیے رسالۂ ہذا ص:۱۳۱۔

اب بھی اگر فاضل مصنف امام کرخی کے نزدیک اشارۂ سبابہ کے منسوخ ہونے پر مُصر ہیں تو پھر وہ جانیں اور امام کرخی۔ ہمیں تو علامہ جرجانی نے خواہر زادہ کے حوالے سے امام کرخی کے نزدیک اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے کا بتایا ہے، اب اسے ماننا نہ ماننا فاضل مصنف کی مرضی پر

منحصر ہے۔ مبسوط بھی بہت ہیں تاہم سب سے زیادہ مشہور مبسوط سرخسی ہے، جو کہ بہت کوشش کے باوجود مجھے نہیں مل سکا ہے، اس لیے اس کے حوالے سے کچھ کہنا نا مناسب ہے، اگر کسی صاحب کے علم میں ہو تو آگاہ فرما کر مشکور فرمائیں۔ محیط سرخسی جو کہ محیط رضوی بھی کہلاتا ہے، اور محیطِ برہانی، ان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں، ان کی عبارات ص: ۱۴۴ اور ۱۴۶ پر گزر چکی ہیں۔ رہ گئی فتاویٰ قاعدی شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن ابی القاسم بن ابی رجاء قاعدی خجندی کی، یا فتاویٰ کرمانی ابوالفضل عبدالرحمن بن محمد بن عمرویہ بن محمد الکرمانی متوفی ۵۴۳ھ کی، تو یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کتبِ فتاویٰ کا درجہ شروحاتِ متون کے بعد آتا ہے، اور سراج الھدایہ غالباً کسی مقامی عالم کا حاشیہ ہے، اگر کوئی معروف اور معتبر حاشیہ یا شرح ہوتی تو علامہ طاشکبری زادہ، حاجی خلیفہ چلپی اور اسماعیل پاشا بغدادی میں سے کوئی اس کا ضرور ذکر کرتا۔ رہ گئے حضرت امام ربانی تو ان کا اشارۂ سبابہ کرنا ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں۔

۱۰۔ مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ نے صرف اپنے مطلب کے الفاظِ عبارت منتخب کیے ہیں، جبکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف مفتی صاحب کے نقل کردہ الفاظ ہی نہیں لکھے بلکہ اس نے تو اس کے بعد بھی کچھ لکھا ہے، لکھتے ہیں: والحاصل ان کلا من الاشارۃ و عدمھا قولان مصححان فی المذھب؛ والقول بھا ھو الموافق لما صح عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلم، فلذا رجّحہ جمھور العلماء المتاخرین، و ان کان القول بعدمھا ھو الاقوی من حیث النقل عن اھل المذھب. وقد عملتَ مما قررناہ ان من قال بالاشارۃ یقول بالعقد و یدلّ علیہ قول المحقق ابن الھمام والعلامۃ البرھان الحلبی. ھذا ای العقد فرع تصحیح الاشارۃ. فقد صرحا بان القول بعقد الاصابع مفرع علی تصحیح القول بالاشارۃ مع تصریحھما قبلہ بان ذالک ھو المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ، فدلّ علی انہ لیس ثمّ اشارۃ بدونِ عقد. و یدلّ علیہ ایضا قول منیۃ المصلی: فان اشار عقد. وکذا قول البدائع: ثمّ کیف یشیر الخ وکذا قول الذخیرۃ: ثمّ کیف یصنع عند الاشارۃ الخ فکلھم جعلوا الاشارۃ علیٰ کیفیۃ خاصّۃ وھی العقد المنقول عن ابی جعفر۔ یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ اشارے کے ثبوت اور عدمِ ثبوت کے دونوں قول مذہب میں صحیح ہیں، حالانکہ اس کے ثبوت کا قول

ہی شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی صحیح احادیث کے موافق ہے اس لیے متاخرین جمہور علماء نے اسے ترجیح دی ہے اگر چہ اسے نہ کرنے کا قول اہل مذہب سے نقل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے (۱) اور آپ اس سے قبل جان چکے ہیں کہ جو حضرات اشارے کے قائل ہیں ان کے نزدیک عقد کے ساتھ اشارہ ہے، اس پر محقق ابن ہمام اور علامہ برہان حلبی کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ: عقد کو بیان کرنا اشارے کی تصحیح کی فرع ہے، انھوں نے صراحت کی ہے کہ انگلیوں کے عقد کا قول اشارے کے قول کی تصحیح پر مبنی ہے، اس کے ساتھ انھوں نے اس سے قبل صراحت کر دی ہے کہ امام صاحب سے اشارے کی کیفیت کے متعلق یہی مروی ہے، پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عقد کے بغیر اشارہ نہیں ہے، نیز اس پر منیۃ المصلی کا یہ قول: "اگر اشارہ کرے تو عقد بنائے" دلالت کر رہا ہے، اسی طرح بدائع الصنائع کا قول: "پھر کس طرح اشارہ کرے الخ" بھی دلالت کر رہا ہے، اسی طرح ذخیرۂ برہانیہ کا قول: "پھر اشارے کے وقت کس طرح کرے الخ" بھی اس پر دلالت کر رہا ہے، ان تمام حضرات نے خاص کیفیت کے ساتھ اشارہ کرنے کا کہا ہے اور وہ خاص کیفیت ہے ابو جعفر ہندوانی سے منقول شدہ کیفیت۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد ص: ۱۲۸،

مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ کے بقول "اشارہ سے منع کے قول کا اہل مذہب سے باعتبار نقل کے زیادہ قوی ہونے" کے باوجود علامہ شامی نے اشارہ کرنے کے قول کو نبی پاک ﷺ کی صحیح احادیث کے موافق قرار دے کر اُس "زیادہ قوی قول" کے ضعیف ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت فرما دی ہے اور ساتھ ہی اس "زیادہ قوی قول" کو جمہور متاخرین علماء کے نزدیک مرجوح بتا کر اس کے برعکس اشارہ کرنے کے قول کو راجح قرار دیا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ جمہور متاخرین علماء نے مرجوح اور ضعیف (یعنی قدرے کم قوی) قول پر اتفاق کر لیا، جو کہ بداہتاً باطل ہے۔

فرماتے ہیں: ولا یشیر بسبابۃ عند الشہادۃ و علیہ الفتویٰ کما فی

(۱) اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ جب عدمِ اشارہ کا قول نقل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے تو عمل بھی اسی پر ہونا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "نقل کے اعتبار سے" کسی قول کے زیادہ قوی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ قول فی نفسہ صحیح اور قابلِ عمل بھی ہو۔ غیر صحیح بات اگر کسی قائل سے لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف صحیح طور پر نقل کی جائے تو بھی غلط ہی ہوتی ہے، جیسے قرآنِ کریم کا عیسائیوں کا عقیدہ نقل کرنا ہے کہ قالت النصاری المسیح ابن اللہ، عیسائیوں کا یہ قول نقل کے اعتبار سے اقوی ہے لیکن، ہے غیر صحیح، یہاں بھی کچھ ایسا ہی ہے کیونکہ عدمِ اشارہ کا قول اگر چہ نقل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے لیکن اقوالِ ائمۂ ثلاثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر صحیح ہے، اس لیے اسے فقہی اصطلاح میں روایت کے خلاف بلکہ اسے عقل کے بھی خلاف کہا گیا ہے کیونکہ اشارے کے حق میں تواتر کی حد تک احادیث موجود ہونے کے باوجود اسے حرام یا غیر مکروہ کہنا یقینا خلافِ عقل ہی ہے۔

الولوالجية والتجنيس و عمدة المفتی و عامة الفتاوی۔۔تنویر الابصار و درّ مختار ج: ۱ ص: ۲۴۱۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۲۶

عرض کرتا ہوں: "لا یشیر و علیہ الفتوی" کے الفاظ متون کے ہیں نہ شروحات کے، یہ سب کتبِ فتاویٰ کے الفاظ ہیں، جیسا کہ خود فاضل مصنف نے ولوالجیہ، تجنیس، عمدۃ المفتی اور عام فتاویٰ کا ذکر کیا ہے۔شروحات کی صراحت کے مقابلے میں کتبِ فتاویٰ کا قول قابلِ قبول نہیں ہوتا، یہ آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔رہا "تنویر الابصار" متن کی کتاب کا حوالہ تو آپ اس کے متعلق علامہ شامی کی یہ عبارت ضرور پیشِ نظر رکھیں: بخلافِ متن الغررِ لمنلا خسرو و متن التنویر للتمرتاشی الغزی فان فیھما کثیرا من مسائل الفتاویٰ۔ یعنی ملا خسرو کی "الغرر" اور علامہ تمرتاشی کی "تنویر الابصار" میں اکثر فتاویٰ کے مسائل ہیں اس لیے وہ معتبر متون میں شمار نہیں ہوتے۔علامہ شامی کی اس صراحت کے بعد تنویر الابصار بھی کتب فتاوی ہی کی صف میں شامل ہونے کے بعد متون کی شروحات کے مقابلے میں مرجوح قرار پا گئی، یعنی اس مسئلے میں اس کا قول غیر معتبر ہے۔

اس کے باوجود بھی ہم فاضل مصنف کا پیش کردہ تنویر الابصار اور درّ مختار کا حوالہ آپ کے سامنے دوبارہ پیش کر دیتے ہیں تا کہ آپ دیکھ لیں کہ فاضل مصنف نے یہ حوالہ کس قدر دیانتداری سے مکمل پیش کیا ہے، بالکل ایسے جیسے کوئی شخص نماز کے خلاف دیانتداری کے ساتھ "لا تقربو الصلاۃ" قرآن سے نقل کر دے۔تنویر الابصار اور درّ المختار میں ہے:(ولا یشیر بسبابتہ عند الشھادۃ و علیہ الفتویٰ) کما فی الولوالجیۃ والتجنیس و عمدۃ المفتی وعامۃ الفتاویٰ لکن المعتمد ما صححہ الشرّاح ولا سیّما المتاخرون کالکمال والحلبی والبھنسی والباقانی والشیخ الاسلام الجد و غیرھم انہ یشیر لفعلہ علیہ الصلاۃ والسلام، و نسبوہ لمحمد والامام. بل فی متن درر البحار و شرحہ غرر الاذکار المفتیٰ بہ عندنا انہ یشیر باسطا اصابعہ کلھا۔ یعنی (اپنی سبابہ سے شہادت کے وقت اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے) جیسا کہ ولوالجیہ، تجنیس، عمدۃ المفتی اور عام فتاویٰ میں ہے لیکن معتمد وہ ہے جسے شارحین نے صحیح کہا، خصوصاً متاخرین علماء جیسے ابن ہمام، حلبی، بہنسی، باقانی اور شیخ الاسلام جد وغیرہم نے اشارہ کرنے کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ نبی پاک ﷺ کا عمل ہے اور انہوں نے اس قول کی نسبت امام محمد اور امام ابوحنیفہ کی طرف کی ہے، بلکہ درر

البحار کے متن اور اس کی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ ہمارے نزدیک کھلی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنا مفتیٰ بہ قول ہے۔ درالمختار شرح تنویر الابصار ۲/ ۲۱۶۔۲۱۷

دیکھا آپ نے کہ فاضل مصنف تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار کی عبارت کا ابتدائی حصہ نقل کر کے خاموش ہو گئے تا کہ عام قاری کو اپنے مؤقف کی سچائی کا یقین دلا سکیں۔ ان کا یہ انداز صرف درمختار اور تنویر الابصار کی عبارت کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ انہوں نے اپنے اس رسالے میں جتنے بھی حوالے نقل کیے ہیں ان سب میں ان کا یہی وتیرہ رہا ہے، کسی ایک بھی کتاب کا مکمل حوالہ نہیں لکھا صرف منتخب مگر اپنے نظریے کے لیے مفید جملے ہی نقل کیے ہیں۔

باب دوم

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اشارۂ سبابہ کا ثبوت

اب تک فاضل مصنف کے اٹھائے گئے اہم اعتراضات کے جوابات آپ نے ملاحظہ فرمائے اب ہم وہ احادیثِ مبارکہ لکھتے ہیں جن میں اشارۂ سبابہ کا نبی پاک ﷺ سے قولاً و فعلاً ثبوت ملتا ہے ایسی احادیث کی تعداد چھبیس ہے جو کہ مختلف کتبِ احادیث میں موجود ہیں، ذیل میں ہم اشارۂ سبابہ کے ثبوت میں مروی احادیث کی صرف ایک ایک سند پیش کرتے ہیں اور ان کی دیگر اسانید کے صرف حوالہ جات کی نشاندہی کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے:

۱۔ حدثنا یحیٰ. قال: قرأتُ علیٰ مالک عن مسلم بن أبي مریم عن علی بن عبدالرحمن المعاوی أنه قال: رأني عبدالله بن عمر وانا اعبث بالحصی فی الصلاۃ فلما انصرف نهاني. فقال: اصنع کما کان رسول الله ﷺ یصنع. قلتُ: و کیف کان رسول الله ﷺ یصنع؟ قال: کان اذا جلس فی الصلاۃ وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی و قبض اصابعه کلها و اشار باصبعه التی تلی الابهام و وضع کفه الیسری علی فخذه الیسری۔ یعنی عبدالرحمن معاوی فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمر نے نماز کے دوران پتھریوں سے کھیلتے دیکھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے تو بھی اسی طرح کر، میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح کرتے تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور تمام انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے تھے۔ دیکھیے صحیح مسلم جلد: ۱ص: ۲۱۶ باب صفة الجلوس فی الصلاۃ و کیفیة وضع الیدین

علی الفخذین میں دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے علاوہ دیکھیے مؤطا امام مالک ص:۷۰۔۷۱ فیما جاء فی العمل فی الجلوس فی الصلاۃ۔ مؤطا امام محمد بن الحسن ص: ۱۰۲ باب العبث بالحصی فی الصلاۃ و ما یکرہ من تسویتہ، مسند امام شافعی ص: ۴۱ کتاب الصلاۃ، مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۹۵ باب الاقعاء فی الصلاۃ. ایضا ۲/ ۲۴۸ باب رفع الیدین فی الدعاء میں دو سندیں سنن ابی داود ا/ ۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشھد۔ سنن النسائی ا/ ۱۷۳ باب موضع البصر فی التشھد، ایضاً ا/ ۱۸۶۔۱۸۷ باب موضع الکفین، ایضاً/ ۱۸۷ باب قبض الاصابع من الید الیمنی دون السبابۃ میں تین سندیں، صحیح ابن حبان ۳/ ۲۰۲ حدیث نمبر ۱۹۴۴ ذکر البیان بان الاشارۃ بالسبابۃ یجب ان تکون الی القبلۃ۔ سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۰ باب کیف یضع یدیہ علی فخذیہ والاشارۃ بالمسبحۃ میں دو سندیں۔ ایضاً ۲/ ۱۳۲ باب الاشارۃ بالمسبحۃ الی القبلۃ میں ایک سند، اس کے علاوہ دیکھیے معرفۃ السنن والآثار ۲/ ۲۹ حدیث نمبر ۸۸۱ باب کیف وضع الیدین فی التشھدین، صحیح ابن خزیمہ ا/ ۳۵۲۔ ۳۵۳ حدیث نمبر ۷۱۲ باب وضع الیدین علی الرکبتین فی التشھد الاول والثانی والاشارۃ بالسبابۃ من الید الیمنیٰ میں دوسندیں، ایضاً ا/ ۳۵۵۔۳۵۶ حدیث ۷۱۹ باب الاشارۃ بالسبابۃ الی القبلۃ فی التشھد میں ایک سند، شرح السنۃ ۳/ ۱۷۶ باب کیفیۃ وضع الیدین فی التشھدین میں ایک سند۔ امام ابو عوانہ نے اسے آٹھ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے مسند ابی عوانہ ۲/ ۲۲۳۔ ۲۲۴ باب صفۃ وضع الیدین علی الرکبتین میں سات سندوں کے ساتھ اور ۲/ ۲۲۶ بیان الاشارۃ بالسبابۃ الی القبلۃ میں ایک سند کے ساتھ اور مسند حمیدی ص: ۱۸۳ حدیث نمبر ۶۴۸ میں ایک سند، اس حدیث کی آخر میں امام حمیدی فرماتے ہیں کہ: قال مسلم: وحدثنی رجل انہ رای الانبیاء ممثلین فی کنیسۃ فی الشام فی صلاتھم قائلین ھکذا، ونصب الحمیدی اصبعہ۔ یعنی مسلم بن ابی مریم نے کہا کہ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ میں نے شام کے ایک گرجا گھر میں انبیاء علیہم السلام کو تصویر میں دورانِ نماز اس طرح کرتے ہوئے دیکھا، یہ کہہ کر حمیدی نے اپنی انگلی کھڑی کی۔ مسند امام احمد بن حنبل ۲/ ۷۳ نیز مسند ابی یعلی

موصلی ۱۰/ ۱۴۴، اس حدیث کی کل تیس سندیں ہیں۔اس کے علاوہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے علامہ برزنجی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث کو سعید بن منصور، طبرانی اور ابن البخار (۱) نے بھی روایت کیا ہے اور اس سے سفیان بن عیینہ کی سند بھی اس نے درج کی ہے۔
نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین ص: ۵، اور شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے ان تینوں سے مروی الفاظِ حدیث نقل کیے ہیں اور طبرانی کی حدیث کے بعد لکھا ہے کہ: و فی اسنادہ ضعف۔ بشارۃ لاہل الاشارۃ ص: ۴

حضرت عبداللہ بن عمر سے اس کے علاوہ چھ احادیث اور بھی ہیں۔جن میں سے ان کی دوسری حدیث صحیح مسلم ۱/ ۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ و کیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین میں حضرت نافع کے واسطے سے ہے۔ نیز جامع ترمذی ۱/ ۳۹ باب ماجا فی الاشارۃ۔سنن نسائی ۱/ ۱۸۷ باب بسط الیسری علی الرکبۃ۔سنن ابن ماجہ ص: ۶۶ باب الاشارۃ فی التشھد، مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۴۸، صحیح ابن خزیمہ ۲/ ۳۵۵ حدیث نمبر ۷۱۷ باب بسط ید الیسری عند وضعہ علی الرکبۃ الیسری فی الصلاۃ.
شرح السنۃ ۳/ ۱۷۴ حدیث نمبر ۶۷۳ باب کیفیۃ وضع الیدین فی التشھدین۔سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۰ باب کیف یضع یدیہ علی فخذیہ والا شارۃ بالمسبحۃ۔امام ابو عوانہ نے اسے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، مسند ابی عوانہ ۲/ ۲۲۵ باب صفۃ وضع الیدین علی الرکبتین۔امام طبرانی نے بھی اسے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ حدیث: ۶۳۴۔ ۶۳۵ باب ماجاء فی الاشارۃ بالاصبع فی الدعاء بعد التشھد۔اس حدیث کی کل بارہ سندیں ہیں۔

اور ان ہی سے تیسری حدیث بھی حضرت نافع ہی کے واسطے سے ہے، صحیح مسلم ۱/ ۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ و کیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین، سنن دارمی ۱

---

(۱) ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمن بن قدامۃ المقدسی حنبلی ۵۹۶ھ۔ ۶۹۰ھ، ان کے والد بخارا میں فقیہ رضی الدین نیشاپوری سے مناظرہ کرتے تھے جس کی وجہ سے "ابن البخار" اور "ابن البخاری" سے مشہور ہو گئے، علامہ کتانی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ان کی ایک "مشیخۃ" ہے۔فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ ص: ۴۶۱۔ ۴۶۲، نیز الرسالۃ المستطرفۃ ص: ۱۱۶۔ ۱۱۷، اس کے علاوہ ایک اور "ابن البخاری" بھی ہے جو حنفی ہے، احمد بن علی بن ھبۃ اللہ بن محمد بن علی ابن البخاری متوفی ۵۹۹ھ۔دیکھیے الجواہر المضیۃ ۔۱۔/ ۸۲

/۵۴ ۳ باب نمبر ۸۳ باب الاشارة فی التشهد حدیث نمبر ۱۳۳۹، سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۰ باب کیف یضع یدیه علی فخذیه والاشارة بالمسبحة، شرح السنة ۳/ ۱۷۴۔۱۷۵ حدیث نمبر ۶۷۴ باب کیفیة وضع الیدین فی التشهدین، امام ابوعوانہ نے اسے چار سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، مسند ابی عوانہ ۲/ ۲۲۴۔۲۲۵ باب صفة وضع الیدین علی الرکبتین۔ اس حدیث کل آٹھ سندیں ہیں۔

اور ان ہی سے چوتھی حدیث بھی حضرت نافع ہی کے واسطے سے مروی ہے، مسند امام احمد بن حنبل ۲/ ۱۱۹، اسے امام طبرانی نے بھی دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، کتاب الدعاء ص: ۲۰۵ باب فضل الاشارة بالاصبع فی الدعاء فی الصلاة حدیث نمبر ۶۴۲، ۶۴۳۔ اس حدیث کی کل تین سندیں ہیں۔

علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے حلبة المحلی ۲/ ۲۶۴ پر اور ابن عابدین شامی نے رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشهد میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام ابن سکن نے السنن الصحاح الماثورة عن رسول الله ﷺ یعنی الصحیح المنتقی میں بھی ذکر کیا ہے۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین ص: ۱۲۵

اور ان ہی عبداللہ بن عمر سے پانچویں حدیث بھی مروی ہے، جسے امام بیہقی نے سنن الکبریٰ ۲/ ۲۳۲ پر روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کو امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی نے اپنی مسند میں بھی روایت کیا ہے، دیکھیے مسند الصحابة المعروف مسند رویانی ۲/ ۲۹۰ حدیث نمبر ۱۴۳۹۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن عمر واقدی ہے جو کہ متروک الحدیث ہے۔ اس حدیث کی کل دو سندیں ہیں۔

اور چھٹی حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عمر سے نافع اور عبداللہ بن دینار کے واسطے سے ہے جسے امام طبرانی نے یوں روایت کیا ہے: حدثنا احمد بن سهل بن ایوب، قال: نا علی بن بحر قال: ناهشام بن یوسف عن معمر عن عبید الله بن عمر عن نافع وعبد الله بن دینار، عن ابن عمر، قال: کان النبی ﷺ اذا جلس فی الصلاة للتشهد نصب یدیه علیٰ رکبتیه ثم رفع اصبعه السبابة التی تلی الابهام، وباقی اصابعه علیٰ یمینه مقبوضة کما هی۔ لم یروه عن عبید الله بن عمر، عن عبد الله بن دینار الا هشام بن یوسف ـن

معمر ۔یعنی حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب نماز میں تشہد کے لیے بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر ٹکاتے پھر آپ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کھڑی کرتے اور ہاتھ کی باقی انگلیاں بند ہوتیں ۔معجم اوسط ۱/ ۵۵۰ حدیث نمبر ۲۰۲۵۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے ساتویں حدیث کی سند یوں ہے: حدثنا محمود بن محمد ثنا محمد بن حرب نا عمیر عن ابن جریج عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: اذا کان احد کم فی المسجد فلا یسمع احدا صوته ولیشر باصبعه الیٰ ربه تبارك و تعالیٰ۔ یعنی حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی بھی شخص مسجد میں ہو تو اپنی آواز کسی کو نہ سنائے، اسے چاہیے کہ اپنی انگلی سے اللہ رب العزت کی (وحدانیت کی) طرف اشارہ کرے۔ امام طبرانی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو ابن جریج سے عمیر بن عمران نے ہی روایت کیا ہے اور عمیر سے اسے روایت کرنے میں محمد بن حرب اکیلا ہے۔ معجم اوسط ۶/ ۹ حدیث ۷۸۰۲۔ اس حدیث کی ایک ہی سند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ان سات احادیث کے اسانید کی کل تعداد ستاون (۵۷) ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے دو حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے پہلی حدیث مسلم شریف میں تین سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اسکی پہلی سند کے الفاظ یوں ہیں: حدثنا محمد بن معمر بن ربعی القیسی قال: ثنا ابو هِشام المخزومی عن عبدالواحد، وهو ابن زیاد قال: ثنا عثمان بن حکیم قال: حدثنی عامر بن عبد الله بن الزبیر عن ابیه قال: کان رسول الله ﷺ اذا قعد فی الصلاة جعل قدمه الیسری بین فخذه و ساقه وفرش قدمه الیمنی ووضع یده الیسری علی رکبته الیسری ووضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی وأشار باصبعه۔ یعنی عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں پنڈلی اور ران کے درمیان میں کھڑا کرتے اور دایاں پاؤں بچھاتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھ کر (شہادت کے وقت) انگلی سے اشارہ کرتے۔ صحیح مسلم ۱/ ۲۱۶ باب صفة الجلوس فی الصلاة وکیفیة وضع الیدین علی الفخذین، نیز سنن ابی داود ۱/ ۱۴۲ باب الاشارة فی التشهد، سنن نسائی

میں اسکی دوسندیں ہیں، سنن نسائی ۱/ ۱۷۳باب الاشارة بالاصبع فی التشهد الاول- ایضاً ۱۸۷/۱باب موضع البصر عند الاشارة وتحريك السبابة، سنن دارمی ۱/ ۳۵۴حدیث نمبر ۱۳۳۸باب الاشارة فی التشهد، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۸۵فی الدعاء فی الصلاة باصبع من رخص فيه، سنن دار قطنی ۱/ ۳۴۹-۳۵۰باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه، امام بیہقی نے اس حدیث کو مختلف تین ابواب میں چھ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، جن میں سے چار سندیں باب كيف يضع يديه على فخذيه والاشارة بالمسبحة میں اور ایک سند باب السنة فی ان لایجاوز بصره اشارته میں اور ایک سند باب الدليل على ان هذا سنة اليدين فی التشهدين جميعا میں مروی ہیں۔ سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۰-۱۳۱، ۱۳۲، بیہقی نے اسے معرفۃ السنن والآثار ۲/ ۲۹حدیث نمبر ۸۸۱ کی آخر میں بھی ذکر کیا ہے۔صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۴۵حدیث نمبر ۶۹۶ باب ادخال القدم اليسرى بين الفخذ اليمنى والساق فی الجلوس فی التشهد، اور ۲/ ۳۵۵ حدیث نمبر ۷۱۸باب النظر الى السبابة عند الاشارة فی التشهد میں دوسندیں، مسند ابوعوانۃ ۲/ ۲۲۱-۲۲۲باب صفة الجلوس ایضاً ۲/ ۲۲۵باب بيان التحامل بيده اليسرى میں دوسندیں، امام طبرانی نے اس حدیث کو چار سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، جن میں سے کتاب الدعاء ص: ۲۰۴ حدیث نمبر ۶۳۹ باب ماجاء فی الاشارة بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد میں تین سندیں اور چوتھی سند معجم اوسط ۶/ ۴۷۵ حدیث ۹۴۵۶ میں، مسند احمد بن حنبل ۴/ ۳میں ایک سند۔شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیر کی اس حدیث کو حافظ ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔ بشارۃ لاہل اشارۃ ص:۱۶اس حدیث کی کل چوبیس سندیں ہیں۔

ان ہی حضرت عبداللہ بن زبیر سے دوسری حدیث بھی مروی ہے، جسے ابوداود نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔سنن ابی داود ۱/ ۱۴۲باب الاشارة فی التشهد، سنن النسائی ۱/ ۱۸۷باب بسط اليسرى على الركبة، مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۴۹باب رفع اليدين فی الدعاء، نیز سنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۱-۱۳۲باب من روى انه اشاربها ولم يحركها، اور امام بیہقی نے اسے معرفۃ السنن والآثار ۲/ ۲۹حدیث نمبر ۸۸۱ کی آخر میں بھی ذکر کیا ہے، شرح السنۃ ۳/ ۱۷۸باب كيفية وضع اليدين فی التشهدين میں دوسندوں کے ساتھ، مسند

ابی عوانہ ۲/۲۲۶۔۲۲۷ بیان الاشارۃ بالسبابۃ الی القبلۃ میں دو سندیں اور امام بزار نے اسے چار سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، البحر الزخار المعروف مسند البز ار ۶/۱۶۴ حدیث نمبر ۲۲۰۴، ایضاً ۶/۱۶۴۔۱۶۵ حدیث نمبر ۲۲۰۵، ایضاً ۶/۱۶۵ حدیث نمبر ۲۲۰۶، ایضاً ۶/۱۶۶ حدیث نمبر ۲۲۰۷، نیز امام طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۳۔۲۰۴ حدیث نمبر ۶۳۸ باب ماجاء فی الاشارۃ بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد، مسند حمیدی ص: ۲۵۰ حدیث نمبر ۸۷۹، صحیح ابن حبان ۳/۲۰۰۔۲۰۱ باب "ذکر البیان بان المصلی فی التشهد یجب ان یضع کفہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ ورکبتہ والیمنیٰ علی الیمنیٰ منہا" حدیث نمبر ۱۹۴۰، نیز ۳/۲۰۱ باب "ذکر وصف ما یجعل المرء اصابعہ عند الاشارۃ فی التشھد" حدیث نمبر ۱۹۴۱ میں دو سندیں، نیز مسند ابی یعلی الموصلی ۶/۱۹۴ حدیث ۶۷۷۴۔ اس حدیث کی کل اٹھارہ سندیں ہیں۔

۳۔ حضرت وائل بن حجر سے بھی ایک حدیث مروی ہے، جس کی کل اسانید کی تعداد اُنسٹھ (۵۹) ہے، سنن ابی داؤد میں اس کی سند یوں ہے: حدثنا مسدد نا بشر بن المفضل عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال: قلت: لا نظرن الی صلاۃ رسول اللہ ﷺ کیف یصلی؟ قال: فقام رسول اللہ ﷺ فاستقبل القلبة فکبر فرفع یدیه حتیٰ حاذتا اذنیه. ثم اخذ شماله بیمینه. فلما اراد ان یرکع رفعهما مثل ذالک ثم وضع یدیه علی رکبتیه فلما رفع راسه من الرکوع رفعهما مثل ذالک. فلما سجد وضع راسه بذالک المنزل من بین یدیه. ثمّ جلس فافترش رجله الیسری و وضع یده الیسری علی فخذه الیسری و حدّ مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی و قبض ثنتین و حلّق حلقة و رأیته یقول هکذا. و حلق بشر الابهام والوسطی و اشار بالسبابة۔ یعنی وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے تہیہ کرلیا کہ دیکھوں گا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کس طرح پڑھتے ہیں، کہتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور تکبیرِ تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھائے پھر آپ نے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا، جب آپ نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو ہاتھوں کو اسی

طرح اٹھایا، جب آپ نے سجدہ کیا تو سر مبارک کو ہاتھوں کے درمیان رکھا پھر آپ بیٹھ گئے اور بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور دائیں کہنی کو بائیں ران سے اٹھا کر رکھا اور دو انگلیاں بند فرمائیں اور آپ نے حلقہ بنایا، حدیث کے راوی بشر نے درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر اور سبابہ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وائل بن حجر نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ آپ اس طرح کر رہے تھے۔ سنن ابی داود ا / ۱۰۵ باب رفع الیدین فی الصلاۃ، نیز ا / ۱۳۸ باب کیف الجلوس فی التشھد۔ میں ایک سند، امام نسائی نے اس حدیث کو پانچ سندوں کے ساتھ چھ مختلف ابواب میں روایت کیا ہے۔ سنن نسائی ا / ۱۷۳ باب موضع الیدین عند الجلوس للتشھد الاول، ایضا ا / ۱۸۶ باب صفۃ الجلوس فی الرکعۃ التی یقضی فیھا الصلاۃ۔ اور باب موضع الذراعین اور باب موضع المرفقین، اور ا / ۱۸۷ باب قبض الثنتین من اصابع الید الیمنی و عقد الوسطی والابھام منھا۔ اور باب موضع الیمین من الشمال فی الصلاۃ، نیز سنن ابن ماجہ ص: ۶۵ باب الاشارۃ فی التشھد، نیز سنن دارمی ا / ۳۶۲ باب نمبر ۹۲ صفۃ صلاۃ رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر: ۱۳۵۷، امام طحاوی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے دیکھیے شرح معانی الآثار ا / ۱۲۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ کیف ھو، مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۵۔۴۸۶ فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیہ. میں ایک سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے اس حدیث کی سات سندیں روایت کی ہیں، جن میں سے سنن الکبریٰ ۲ / ۲۷ باب رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الرأس منہ میں ایک سند، اور ۲ / ۱۳۱ باب ماروی فی تحلیق الوسطی بالابھام میں ایک سند، اور ۲ / ۱۳۲ باب من روی انہ أشار بھا ولم یحرکھا میں تین سندیں، چوتھی اور پانچویں سند کے لیے دیکھیے معرفۃ السنن والآثار ۲ / ۲۸۔۲۹ باب کیفۃ الجلوس فی التشھد الاول والآخر حدیث ۸۷۹، ۸۸۰، مصنف عبد الرزاق ۲ / ۶۸۔۶۹ باب تکبیرۃ الافتتاح ورفع الیدین میں ایک سند، امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو سات (۷) سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، صحیح ابن خزیمہ ا / ۳۴۵۔۳۴۶ حدیث نمبر ۶۹۷، ۶۹۸ باب وضع الفخذ الیمنی علی الفخذ الیسری فی الجلوس فی التشھد میں دو سندیں، اور ص: ۳۵۳۔۳۵۴ پر باب التحلیق بالوسطی والابھام عند الاشارۃ بالسبابۃ فی التشھد میں چار سندیں، اور ۳۵۳۔۳۵۴ پر ہی باب صفۃ وضع الیدین علی الرکبتین فی

التشهد و تحریک السبابة عند الاشارة بها حدیث نمبر ۷۱۳، ۷۱۴۔ میں ایک سند۔ صحیح ابن حبان میں یہ حدیث دوسندوں کے ساتھ مروی ہے، صحیح ابن حبان ۳ / ۱۶۷۔۱۶۸ باب ذکر مایستحب للمصلی رفع الیدین عند ارادته الرکوع و عند رفع رأسه منه حدیث نمبر ۱۸۵۷ میں ایک سند، اور ۳ / ۲۰۱ باب ذکر العلة التی من أجلها کان یشیر المصطفی ﷺ بالسبابة فی الموضع الذی و صفناه، حدیث نمبر ۱۹۴۲ میں دوسری سند۔ امام احمد بن حنبل نے اسے سات اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل ۴ / ۲۱۶، ۲۱۷، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، امام طبرانی نے اس حدیث کو معجم کبیر میں سترہ (۱۷) اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے تین سندیں سفیان کے واسطے سے، ایک سند قیس بن الربیع، ایک سند ابوالاحوص سلّام بن سلیم، ایک سند امام ثوری، دو سندیں زائدة بن قدامہ، دوسندیں شعبہ بن حجاج، ایک سند زُہیر بن معاویہ، دوسندیں موسیٰ بن ابی کثیر، ایک سند غیلان بن جامع کے واسطے سے، دوسندیں ابوعوانہ کے واسطے سے، ایک سند وائل بن حجر کی گھر والی اُم یحییٰ کے واسطے سے ہے۔ دیکھیے معجم کبیر ۲۲ / ۳۳ حدیث نمبر ۷۸، ایضا ۲۲ / ۳۶ حدیث نمبر ۸۵ ایضا ۲۲ / ۳۳۔۳۴ حدیث نمبر ۷۹، ایضا ۲۲ / ۳۴ حدیث نمبر ۸۰، ۸۱، ایضا ۲۲ / ۳۵ حدیث نمبر ۸۲، ۸۳، ایضا ۲۲ / ۳۶ حدیث نمبر ۸۴، ایضا ۲۲ / ۳۷ حدیث ۸۸، ایضا ۲۲ / ۳۷۔۳۸ حدیث نمبر ۸۹، ایضا ۲۲ / ۳۸ حدیث نمبر ۹۰، ایضا ۲۲ / ۴۹۔۵۱ حدیث ۱۱۸۔ اس کے علاوہ مزید ایک ایک سند موسیٰ بن ابی عائشہ اور خلاد الصفار کے واسطے سے بھی لائے ہیں۔ کتاب الدعاء ص: ۲۰۳ باب ماجاء فی الاشارة بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد حدیث نمبر ۶۳۷، اس طرح طبرانی کی کل اسانید کی تعداد انیس ہے۔ امام طیالسی نے بھی اس کی ایک سند روایت کی ہے، دیکھیے مسند ابی داود طیالسی ص: ۱۳۷ حدیث نمبر ۱۰۲۰، ابن جارود نے بھی اس کی ایک سند روایت کی ہے، کتاب المنتقی من السنن المسندة عن رسول اللہ ﷺ ۲ / ۸۱ حدیث نمبر ۲۰۸۔ اس کے علاوہ مسند حمیدی ص: ۲۵۳ حدیث ۸۸۵ کی ایک سند، نیز سنن دارقطنی جلد اول جزء اول ص: ۲۹۰ باب کی حدیث نمبر ۱۲ میں ایک سند، اور سفیان بن عیینہ کی کتاب الصلاة کے باب ماجاء فی الجلوس فی الصلاة میں بھی یہ حدیث ایک سند کے ساتھ مروی ہے جسے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے نور العین فی اثبات الاشارة فی التشهد ین ص: ۲۴۔۲۵ پر نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی اُنسٹھ (۵۹) سندیں ہیں۔

۴۔ حضرت ابوحمید ساعدی سے اس باب میں ایک حدیث مروی ہے جو انھوں نے دس صحابہ کرام کی محفل میں بیان فرمائی اور ان میں سے کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ سنن ابی داؤد کے الفاظ یوں ہیں: حدثنا احمد بن حنبل نا عبدالملک ابن عمرو أخبرنی فُلیح حدثنی عباس بن سہل قال اجتمع أبو حمید و ابو أسید و سہل بن سعد و محمد بن مسلمة فذکروا صلوة رسول الله ﷺ فقال ابو حمید: انا أعلمکم بصلاة رسول الله ﷺ. فذکر بعض هذا. قال: ثم رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کأنه قابض علیهما و وتّر یدیه فتجافی عن جَنبَیه. قال: ثم سجد فامکن انفه و جبهته و نحّیٰ یدیه عن جنبیه. و وضع کفیه حذو منکبیه. ثم رفع رأسه حتیٰ یرجع کل عظم فی موضعه حتیٰ فرغ. ثم جلس فافترش رجله الیسریٰ و أقبل بصدر الیمنیٰ علیٰ قبلته. و وضع کفه الیمنیٰ علی رکبته الیمنیٰ و کفه الیسریٰ علی رکبته الیسریٰ و أشار باصبعه. قال ابو داود: روی هذا الحدیث عتبة بن أبی حکیم عن عبدالله بن عیسیٰ عن العباس بن سہل. لم یذکر التورّک و ذکر نحو فلیح. و ذکر الحسن بن الحر نحو جلسة حدیث فُلیح و عتبة۔ یعنی عباس بن سہل کہتے ہیں کہ ابوحمید، ابواسید، سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ ایک جگہ جمع ہوئے اور نبی پاک کی نماز کا تذکرہ کرنے لگے جس پر ابوحمید نے کہا کہ: میں تم سب سے زیادہ بہتر طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا: پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع کیا تو دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ آپ انھیں پکڑے ہوئے تھے اور دونوں بازو اپنے پہلوؤں سے جدا کیے ہوئے تھے، پھر کہا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا تو ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹکا دیا اور دونوں بازو پہلو سے الگ کیے اور ہتھیلیوں کو کاندھوں کے سامنے زمین پر رکھا پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور اس طرح سکون سے بیٹھے کہ ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر آ گیا، یہاں تک کہ آپ سجدوں سے فارغ ہو کر التحیات میں بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا اور دائیں پاؤں کا پنجہ قبلہ رخ کیا، اور دائیں ہتھیلی دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور انگلی سے اشارہ فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ اس حدیث کو عتبہ بن ابی حکیم نے عبداللہ بن عیسیٰ سے اور اس نے عباس بن سہل سے روایت کیا ہے اور اس نے تورک کا

ذکر نہیں کیا بلکہ اس نے حضرت فلیح کی طرح ذکر کیا ہے، اور حسن بن حر نے فلیح اور عتبہ کے جلسہ کے بیان کی طرح ذکر کیا ہے۔ سنن ابی داود ۱ /۱۰۷ باب افتتاح الصلوۃ، جامع ترمذی ۱ /۳۹ باب ما جاء کیف الجلوس فی التشهد۔ مصنف عبد الرزاق ۲ /۱۹۵ حدیث نمبر ۳۰۴۶ باب الاقعاء فی الصلاۃ۔ امام طحاوی نے اسے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، شرح معانی الآثار ۱ /۱۲۶۔۱۲۷ باب صفة الجلوس فی الصلاۃ کیف هو، شرح السنة ۳ /۱۷۱۔۱۷۲ باب کیفیة القعود للتشهد، امام بیہقی نے اسکی دو سندیں روایت کی ہیں، سنن الکبریٰ ۲ /۷۳ باب رفع الیدین عند الرکوع وعند الرفع عنه، نیز ۲ /۱۲۸۔۱۲۹ باب کیفیة الجلوس فی التشهد الاول والثانی۔ صحیح ابن حبان میں یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، ۳ /۱۷۰۔۱۷۱ ذکر خبر قد یوهم غیر المتبحر فی صناعة الحدیث خبر ابی حمید الذی ذکرنا مطول حدیث نمبر ۱۸۶۳، ایضاً ۳ /۱۷۴ ذکر البیان بان علی المصلی رفع الیدین عند ارادته الرکوع وبعد رفعه رأسه منه کما یرفعهما عند ابتداء الصلاۃ حدیث نمبر ۱۸۶۸، صحیح ابن خزیمہ ۱ /۳۴۳ باب سنة الجلوس فی التشهد الاول حدیث نمبر ۶۸۹۔ اس حدیث کی کل سندیں دس ہیں۔

۵۔ حضرت نمیر خزاعی سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ حدثنا عبد الله ابن محمد النُفَیْلی نا عثمان یعنی ابن عبد الرحمٰن نا عصام بن قدامة من بنی بَجِیْلة عن مالک بن نمیر الخزاعی عن ابیه قال: رأیت النبی ﷺ واضعاً ذراعه الیمنی علی فخذه الیمنی رافعاً أصبعه السبابة قد حناها شیئاً۔ یعنی مالک بن نمیر خزائی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اس نے کہا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھے ہوئے سبابہ سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا، جسے آپ نے کچھ جھکایا ہوا تھا۔ سنن ابی داود ۱ /۱۴۲ باب الاشارة فی التشهد۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ /۴۸۵ فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیه، نیز مسند ابن ابی شیبہ ۲ /۷۴ حدیث نمبر ۴۵۴۔ امام نسائی نے اس کی دو سندیں روایت کی ہیں، سنن نسائی ۱ /۱۸۷ باب الاشارة بالاصبع فی التشهد اور باب احناء السبابة فی الاشارة، سنن ابی ماجہ ص:۶۶ باب الاشارة فی التشهد، سنن الکبریٰ ۲ /۲۳۱ باب کیفیة الاشارة بالمسبحة، امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کی دو سندیں روایت کی ہیں، مسند امام احمد بن حنبل

۴/۱۷/۳، ابن خزیمہ نے اسکی تین سندیں روایت کی ہیں، صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۴۔۳۵۵ باب "حنی السبابة عند الاشارة بها فی التشهد" حدیث نمبر ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، صحیح ابن حبان ۳ /۲۰۲ باب "ذکر ما یستحب للمصلی عند الاشارة التی وصفناها ان یحنی سبابته قلیلا" حدیث نمبر ۱۹۴۳، امام ابونعیم اصفہانی نے اسکی تین سندیں روایت کی ہیں، حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۸ / ۳۷۳، امام طبرانی نے اس کی ایک سند روایت کی ہے، کتاب الدعاء ص: ۲۰۳، باب ماجاء فی الاشارة بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد' حدیث نمبر ۶۳۶، حافظ مغلطای حنفی، ابن اثیر جزری اور شیخ محمد بن یوسف دمشقی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، دیکھیے شرح سنن ابن ماجہ ۵ /۱۵۴۸ باب الاشارة فی التشهد، نیز اسد الغابة فی معرفة الصحابة ۴ / ۲۹۵، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرت خیر العباد ۸ / ۱۵۰، اس حدیث کی کل سولہ سندیں ہیں۔

۶۔ حضرت خفاف بن ایماء بن رحضة غفاری سے بھی ایک حدیث مروی ہے، جسے امام بیہقی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پہلی سند کے الفاظ یوں ہیں: أخبرنا ابو بكر احمد بن محمد بن الحارث الفقيه أنبأ ابو محمد بن حيان ثنا الفريابي حدثني أبو الأصبغ عبد العزيز ابن يحي حدثني محمد بن سلمة عن محمد بن اسحق عن عمران بن ابي أنس عن مِقسم أبي القاسم قال: حدثني رجل من أهل المدينة قال: صليت الى جنب خُفاف بن ايماء بن رحضة فرآني أشير باصبعي في الصلاة فقال: ابن أخي لم تفعل هذا؟ قلت: انی رأيت خيار الناس وفقهائهم يفعلونه. قال: قد أصبتَ. رأيتُ رسول الله ﷺ كان يشير باصبعه اذا جلس يتشهد في صلاته وكان المشركون يقولون: انما يسحرنا، وانما يريد النبي ﷺ التوحيد۔ یعنی مقسم ابی القاسم کہتے ہیں کہ: مجھے مدینہ کے ایک شخص نے بتایا کہ: میں نے خفاف بن ایماء بن رحضہ کے پہلو میں نماز پڑھی تو اس نے مجھے نماز میں انگلی سے اشارہ کرتے دیکھ کر کہا کہ بھتیجے! ایسا کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ: میں نے بہترین انسانوں اور فقہاء حضرات کو ایسا کرتے دیکھا ہے جس پر اس نے کہا کہ: تم درست کہتے ہو، میں نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھ کر التحیات پڑھتے تو آپ انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور مشرک کہتے تھے کہ یہ ہم پر جادو کرتا

ہے، حالانکہ نبی پاک ﷺ کا ارادہ توحید کی طرف اشارہ کرنا ہوتا تھا۔ سنن الکبریٰ مع الجوہر النقی ۲/ ۱۳۲-۱۳۳ باب ماینوی المشیر باشارته فی التشهد میں دو سندیں، نیز معرفۃ السنن والآثار ۲/ ۳۰ حدیث نمبر ۸۸۱ کے آخر میں بھی امام بیہقی نے اسے ذکر کیا ہے، مسند امام احمد بن حنبل ۴/ ۵۷، مسند ابی یعلی موصلی ۱/ ۴۱۷ حدیث نمبر ۹۰۴۔ معجم کبیر، ۴/ ۲۱۷ حدیث نمبر ۴۱۷۶۔ شیخ محمد بن یوسف دمشقی نے بھی حضرت خفاف کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے اسے سعید بن منصور سے نقل کیا ہے۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ۸/ ۱۵۰، بشارۃ لاھل الاشارۃ ورق ۵، اس حدیث کی کل پانچ سندیں ہیں۔

۷۔ حضرت ابوقتادہ حارث بن ربعی انصاری سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے جسکے الفاظ یوں ہیں: حدثنا أبو العُمَيس عن عامر بن عبدالله بن الزبير عن الزُرقى۔ هُوَ عمرو بن سُلَيم ـ عن ابى قتادة اَن النبى ﷺ كان اذا جلس فى الصلاة وضع يمينه على فخذه اليمنى و اَشار باصبعه۔ یعنی ابو قتادہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور انگلی سے اشارہ فرماتے۔ مسند امام احمد بن حنبل ۵/ ۲۹۷، نیز طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۴ باب ما جاء فی الاشارۃ بالاصبع فی الدعاء بعد التشهد، حدیث نمبر ۶۴۰۔ اس حدیث کی کل دو سندیں ہیں۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس باب میں دو حدیثیں مروی ہیں، پہلی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: عبدالرزاق عن عمر بن راشد عن يحيٰ بن ابى كثير عن ابى حازم مولى الانصار عن ابى هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ان جزءًا من سبعين جزءًا من النبوة تاخير السحور و تبكير الافطار و اشارة الرجل باصبعه فى الصلاة۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: (اعمالِ) نبوت کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ سحری میں تاخیر، افطار میں جلدی، اور نماز میں انگلی سے اشارہ کرنا ہے۔ مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۶۳ باب رفع اليدين فى الدعاء، حدیث نمبر ۳۲۵۲، نیز طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۲۰۴ باب فضل الاشارة بالاصبع فى الدعاء فى التشهد، حدیث نمبر ۶۴۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اسے عبدالرزاق کے علاوہ الکامل لابن عدی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ الجامع الصغیر فی احادیث

البشیر النذیرا/۹۰،اس حدیث کی کل دوسندیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ کی دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں: آخبرنا محمّد بن بشار حدثنا صفوان بن عیسیٰ قال: حدثنا ابن عجلان عن القعقاع عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ انّ رجلا کان یدعو باصبعیه فقال: رسول الله ﷺ اَحِدْ اَحِدْ۔ یعنی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کررہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔ سنن نسائی ا/۱۸۷ باب النھی عن الاشارۃ باصبعین اوبای اصبع یشیر، نیز امام احمد بن حنبل نے اسے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، مسند امام احمد بن حنبل ۲/۴۲۰، طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۸۸ باب کراھیة اشارۃ الرجل باصبعین فی الدعاء حدیث نمبر ۲۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۸۴ فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیه، ابن ابی شیبہ نے اسے ابوصالح سے بطور مرسل حدیث بھی روایت کیا ہے، دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۸۵، جامع ترمذی ۲/۱۹۵ غیر مترجم باب، "احادیث شتیٰ من ابواب الدعوات" سے پہلے والا باب۔ نیز المستدرک ا/۵۳۶، معجم الاوسط ۲/۳۶۴ حدیث نمبر ۳۵۵۰، ایضاً ا/۲۰۹ حدیث نمبر ۱۳۷ میں دوسندیں، حافظ مغلطای حنفی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، شرح سنن ابن ماجہ ۵/۱۵۵۰ باب الاشارۃ فی التشھد۔ معجم اوسط کی اس دوسری سند کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: فنھاہ و قال: ادع باحدھما بالیمنیٰ۔ یعنی آپ ﷺ نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ ایک دائیں ہاتھ سے اشارہ کر۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اس کی ابن حبان سے بھی روایت نقل کی ہے، نورالعین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین ص: ۳۸۔۳۹ لیکن صحیح ابن حبان جلد ۳۔ ۴ میں مکمل کتاب الصلاۃ دیکھنے کے باوجود مجھے یہ حدیث اس میں نہیں ملی۔ اس حدیث کی کل نوسندیں ہیں۔

۹۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے جسکے الفاظ یوں ہیں: اخبرنا محمد بن عبد الله بن المبارک المخرّمی قال: حدثنا ابو معاویة قال: حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن سعد قال: مرّ علیّ النبیُ ﷺ وانا ادعو باصابعی فقال: اَحِدْ اَحِدْ واشار بالسبابة۔ یعنی حضرت سعد فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ میرے قریب سے گزرے، اُس وقت میں دونوں انگلیوں سے اشارہ کررہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔ سنن نسائی ا

/ ۱۸۷باب النھی عن الاشارۃ بأصبعین او بایّ اصبع یشیر ۔ نیز البحر الزخار المعروف بمسند البزار ۴ / ۰ ۷ حدیث نمبر ۱۲۳۶ ،طبرانی کی کتاب الدعاء ص: ۸۸باب کراھیۃ اشارۃ الرجل باصبعین فی الدعاء حدیث نمبر ۲۱۶ ،مسند ابی یعلی الموصلی ۱ / ۳۶۹ حدیث نمبر ۷۸۹ سنن ابی داود ۱ / ۲۱۰ باب الدعاء ، شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے اس حدیث کو سنن سعید بن منصور سے اپنے رسالے میں نقل کیا ہے، دیکھیے بشارۃ لاہل الاشارۃ ورق نمبر ۴ ،اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی نے بھی شیخ عبدالرسول برزنجی کے رسالہ الاغارۃ المصبحۃ علی مانع الاشارۃ بالمسبحۃ کے حوالے سے ایسا ہی نقل کیا ہے ،نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۳۹ ۔اس حدیث کی کل پانچ سندیں ہیں۔

۱۰۔ حضرت شہاب بن المجنون الجرمی رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے جسکے الفاظ یوں ہیں: حدثنا عقبہ بن مُکْرَم حدثنا سعید بن سفیان الجَحْدری حدثنا عبد اللہ بن معدان قال: اخبر نی عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ عن جدہ قال: دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی وقد وضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ وبسط السبابۃ وھو یقول: یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ یعنی عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے،آپ نے بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا اور انگلیاں بند فرمائیں اور سبابہ کو کھڑا کیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک پڑھ رہے تھے۔ جامع ترمذی ۲ / ۱۹۸ غیر مترجم باب، "باب فی فضل لا حولَ ولا قوّۃ اِلّا با اللہ " کے بعد والے باب میں ۔ سیرت شامیہ والے نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ترمذی اور امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے، دیکھیے سبل الھدیٰ والرشاد ۸ / ۱۵، ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص: ۵۳۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی نے شیخ عبدالرسول برزنجی کے رسالہ الاغارۃ المصبحۃ علی مانع الاشارۃ بالمسبحۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بَغْوِی ، مُطَیِّن ، باوردی ،طبری اور دیگر نے بھی روایت کیا ہے۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص: ۴۰ ۔اس حدیث کی ایک سند ہے۔

۱۱۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے،
جسکے الفاظ یوں ہیں: حدثنا عبداللہ بن احمد بن حنبل ثنا صالح بن عبداللہ الترمذی ثنا محبوب بن الحسن القرشی عن خُصَیْب بن الجحدر عن النعمان بن نعیم عن عبدالرحمن بن الغنم عن معاذ بن جبل قال: کان النبیّ ﷺ اذا کان فی صلاته رفع یدیه قبَالة أذنیه فاذا کبّر أرسلهما ثم سکت ، و ربما رأیته یضع یمینه علیٰ یساره فاذا فرغ من فاتحة الکتاب سکت . فاذا ختم السورة سکت، ثم یرفع یدیه قبَالة أُذنیه و یکبرو یرکع، و کنّا لا نرکع حتی نراه راکعا. ثم یستوی قائما من رکوعه حتّی یاخذ کلُّ عظم مکانه ثم یرفع یدیه قبَالة أُذنیه ثم یکبّر فیخرّ ساجدا ، و کان یُمَکّنُ جبهتَه وانفهٗ من الارض ثم یقوم کَاَنّهُ السهم لا یعتمد علی یدیه . و کان اِذا جلس فی آخر صلاته اِعتمد علیٰ فخذه الیسریٰ ویضع الیمنیٰ علیٰ فخذه الیمنیٰ و یشیر بأُصبعه اذا دعا و کان اِذا سلّم اَسرعَ القیام ۔یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھاتے ، اور جب تکبیر کہتے تو انھیں کھلا چھوڑ دیتے اور خاموش رہتے ،اور کبھی کبھار میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ، جب سورۂ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو سکوت فرماتے جب سورت ختم کرتے تو سکوت فرماتے پھر دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے برابر تک اٹھاتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور ہم اس وقت تک رکوع میں نہیں جاتے تھے جب تک آپ کو رکوع کرتے ہوئے نہ دیکھتے ، پھر آپ رکوع سے اس طرح سیدھے کھڑے ہوتے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر قرار پکڑ لیتا ، پھر دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے برابر تک اٹھاتے اور تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے جاتے اور اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹکاتے ، اس کے بعد آپ تیر کی طرح سیدھے کھڑے ہوتے اور ہاتھوں کا سہارا نہیں لیتے تھے ، جب آپ نماز کے آخر میں بیٹھتے تو بائیں ران پر سہارا دیتے اور آپ کا دایاں ہاتھ دائیں ران پر ہوتا اور التحیات پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ فرماتے اور جب آپ سلام پھیرتے تو سرعت کے ساتھ کھڑے ہوجاتے ۔ معجم کبیر ۲۰ / ۷۴ ۔ ۷۵ حدیث نمبر ۱۳۹ ۔ اس حدیث کی ایک سند ہے ۔

۱۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی

ہے جسکے الفاظ یوں ہیں: حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن الزھری عن انس ان النبی ﷺ کان یشیر فی الصلاۃ۔ یعنی حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نماز میں اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ مسند امام احمد بن حنبل ۳ / ۱۳۸، سنن ابی داود ا / ۱۳۶ باب الاشارۃ فی الصلاۃ، سیوطی نے اسے الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ۲ / ۱۱۸ پر ذکر کیا ہے، مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے مصنف عبدالرزاق ۲ / ۲۵۸، سنن دارقطنی ۲ / ۸۴ باب الاشارۃ فی الصلاۃ حدیث الباب نمبر ۳، سنن دارقطنی کے اسی باب میں، یہ حدیث حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر ۴، صحیح ابن حبان ۴ / ۱۶ حدیث نمبر ۲۲۶۱، سنن الکبریٰ ۲ / ۲۶۲ باب الاشارۃ فیما ینوبہ فی صلاتہ یرید بھا افھاما، معجم اوسط ا / ۳۲۷ حدیث نمبر ۱۱۸۵، نیز ۳ / ۳۵۰ حدیث ۳۸۱۴ میں دو سندیں، امام طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔ سنن الکبریٰ ۲ / ۲۶۲ مذکورہ بالا باب، سنن الکبریٰ کی اس روایت کے آخر میں "بیدہ" کا اضافہ ہے۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۵ باب فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیہ۔ اس حدیث کی کل نو سندیں ہیں۔

۱۳۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے، جسے امام حاکم نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور اس سے حافظ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے، جامع کبیر میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: قال النبی ﷺ: یکتب فی کل اشارۃ یشیر الرجل فی صلاتہ عشر حسنات بکل اصبع حسنۃ۔ یعنی نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انسان نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارے کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر انگلی کے بدلے میں ایک نیکی۔ الجامع الکبیر ۹ / ۳۳۵ حدیث نمبر ۲۸۷۰۹، شیخ علی متقی ہندی اور ابوبکر ہیثمی نے بھی اسکا ذکر کیا ہے، دیکھیے کنز العمال ۷ / ۴۸۱ حدیث نمبر ۱۹۸۸۰، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۲ / ۱۰۳ باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ابوبکر ہیثمی نے اسے طبرانی کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسکی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی نے شیخ عبدالرسول برزنجی کے رسالہ الاغارۃ المصیجۃ علی مانعی الاشارۃ بالمسبحۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث کو مؤمل بن اہاب نے اپنے جزء میں ذکر کیا ہے، اور شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے بھی اسکا ذکر کیا ہے۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین ص: ۴۱ نیز بشارۃ لاہل الاشارۃ ورق نمبر ۵۔ امام

زرقانی نے بھی موطا امام مالک کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی طبرانی نے سند حسن کے ساتھ تخریج کی ہے، شرح الزرقانی علی موطاٗ الامام مالک ۱/ ۲۴۹ باب ماجاء فی افتتاح الصلاۃ۔ اس حدیث کی ایک سند ہے۔

۱۴۔ حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے جسکے الفاظ یوں ہیں: حدثنا سعید بن عبد الرحمٰن التستری ثنا محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عقیل ثنا یحی بن غیلان ثنا الهیثم بن عدی ثنا ابو ک غیلان بن عبد اللہ عن ابیه عن جدہ اسماء بن حارثة قال: رأیت النبی ﷺ واضعا یدہ، اراہ علی فخذہ، یشیر باصبعه فی التشهد۔ یعنی حضرت اسماء بن حارثہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو ران پر ہاتھ رکھے ہوئے، التحیات میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ معجم کبیر ۱/ ۲۹۶ حدیث نمبر ۸۷۰۔ اس حدیث کی ایک سند ہے۔

۱۵۔ حضرت عبدالرحمن بن ابزی خزاعی رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں: عبد الرزاق عن الثوری عن منصور عن ابی سعید الخزاعی عن ابن ابزی قال: کان النبی ﷺ یقول فی صلاته هکذا، واشار باصبعه السبابة۔ یعنی حضرت عبدالرحمن بن ابزی فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نماز میں اس طرح کیا کرتے تھے، یہ کہہ کر عبدالرحمٰن بن ابزی نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۶۱، رفع الیدین فی الدعاء حدیث نمبر ۳۲۴۳، امام احمد بن حنبل نے اس کی دو سندیں ذکر کی ہیں، مسند امام احمد بن حنبل ۳/ ۴۰۷، ابوبکر ہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ مجمع الزائد ومنبع الفوائد ۲/ ۱۴۰ باب التشهد والجلوس والاشارۃ بالاصبع فیه نیز دیکھیے کنز العمال جلد ۴ حدیث نمبر ۶۷۶۴۔ اس حدیث کی تین سندیں ہیں۔

۱۶۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے: حدثنا ابو داود قال: حدثنا قیس عن عائذ بن نصیب عن جابر بن سمرۃ قال: رأیت رسول اللہ ﷺ یشیر باصبعه فی الصلاۃ، فلما سمعته یقول: اللهم انی اسئلک من الخیر کله ماعلمت منه ومالم اعلم۔ یعنی حضرت جابر

بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں انگلی سے اشارہ کرتے دیکھا، جب میں نے آپ کی طرف کان لگا کے سنا تو آپ ﷺ اللهم انی اسئلك من الخير كله ما علمت منه ومالم اعلم پڑھ رہے تھے۔ مسند ابی داود طیالسی ص:۱۰۶ حدیث نمبر ۷۸۵۔ شیخ محمد حیات سندھی مدنی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے جابر بن سمرة کی حدیث نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: كنا اذا صلينا خلف النبى ﷺ سلمنا بايدينا فقلنا: السلام عليكم ، السلام عليكم فقال: مابال أقوام يسلمون بايديهم كأنما اذناب خَيْل شُمُس. اَمَا يكفى احدكم اذا جلس فى الصلاة ان يضع يده على فخذه ويشير باصبعه ويقول السلام۔ وهذا محتمل الاشارة المتقدمة۔ یعنی جب ہم نبی پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہاتھوں کے اشارے سے سلام کرتے ہوئے السلام علیکم السلام علیکم کہتے تھے، جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح سلام کرتے ہیں جیسے کہ سرکش گھوڑے کی دم ہلتی ہے، کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ جب تم نماز میں بیٹھو تو اپنا ہاتھ ران پر رکھ کر انگلی سے اشارہ کرو اور السلام علیکم کہو۔ اس روایت میں مذکورہ بالا اشارے کا احتمال ہے۔ بشارة لاہل الاشارة ورق نمبر ۶۔ اس حدیث کی ایک سند ہے۔

یہاں تک ذکر تھا سولہ صحابہ کی چوبیس مرفوع احادیث کی دو سو چوبیس اسانید کا، اب ذیل میں مرسل احادیث کی چار اسانید کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱۔ عبد الرحمٰن بن ابزی کے بیٹے سعید بن عبد الرحمن کی روایت ہے: حدثنا جرير عن منصور عن راشد بن سعد عن سعيد بن عبد الرحمٰن بن ابزى قال: كان رسول الله ﷺ اذا جلس فى الصلاة وضع يده على فخذه يشير باصبعه فى الدعاء۔ یعنی سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنا ہاتھ ران پر رکھتے اور اشهد ان لا اله الا الله پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۴ باب فى الدعاء فى الصلاة باصبع۔ اس حدیث کی ایک سند ہے۔

۲۔ مشہور تابعی حضرت ابو صالح ذکوان بن صالح السمان کی روایت ہے: وكيع عن الاعمش عن ابى صالح ان النبى ﷺ رأى سعدا يدعو باصبعيه

فقال احد احد۔ یعنی ابو صالح فرماتے ہیں کہ: نبی پاک ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۴۸۴ باب فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع، نیز سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۱، اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔

۳۔ صغار تابعین میں سے معروف تابعی محمد بن عجلان کی روایت ہے: عبد الرزاق عن ابن جریج قال: اخبرنی محمد بن عجلان ان النبی ﷺ مر برجل یدعو باصبعیہ فقبض احدھما وقال: احد احد، یعنی اللہ واحد۔ یعنی محمد بن عجلان فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ ایک آدمی کے ہاں سے گزرے تو وہ دونوں انگلیوں سے التحیات میں اشارہ کر رہا تھا، آپ ﷺ نے اس کی ایک انگلی پکڑ کر فرمایا کہ: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ مصنف عبد الرزاق ۲ / ۲۵۲ حدیث نمبر ۳۲۵۵، اس حدیث کی ایک سند ہے۔

اب تک چوبیس مرفوع اور تین مرسل احادیث کی دوسو اٹھائیس اسانید کا مختصر ذکر اور ان کے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو صحابہ کرام ہی میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر کے چار، حضرت عبد اللہ بن عباس کے دو، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا ایک ایک اثر، اور اجمالاً صحابہ کرام کا ایک اثر، یعنی صحابہ کرام کے دس آثار اور تابعین کرام میں سے حضرت مجاہد، محمد بن سیرین، عروہ بن الزبیر، ابراہیم نخعی، قیس بن سعد اور خیثمہ بن عبد الرحمن کے چھ آثار کی بائیس اسانید کا بھی ذکر کر دیتا۔ اہل علم کے لیے نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت تو ایک ہی صحیح السند حدیث سے ثابت ہو جاتی ہے، لیکن جو حضرات حدیثی یا فقہی حوالہ جات کی کثرت اور قلت کو مذہب کا معیار بتاتے ہیں ان کے لیے دوسو اٹھائیس (۲۲۸) اسانید معنی رکھتی ہیں۔

واضح رہے کہ صحابہ و تابعین کے آثار کی بائیس اسانید کے علاوہ مذکورہ بالا مرفوع اور مرسل احادیث کی دوسو اٹھائیس، یعنی کل دوسو پچاس اسانید میں سے چھیالیس (۴۶) اسانید یا تو ضعیف ہیں یا پھر وہ اشارۂ سبابہ سے متعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق نماز کے دوران پیش آمدہ کسی ناگزیر امر کی صورت میں فوری جواب دینے کے لیے اشارے سے متعلق ہے۔ ہم نے مذکورہ بالا مجموعہ اسانید میں ان ضعیف اور غیر متعلقہ اسانید کو شمار ہی نہیں کیا ہے اس لیے اشارۂ سبابہ کے ثبوت کے

لیے صحیح اسانید کی کل تعداد دو سو چار (۲۰۴) بنتی ہے۔ ضعیف یا اشارۂ سبابہ سے غیر متعلق اسانید کی تفصیل ہم نے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی کے عربی رسالہ "نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین" کی تحقیق وتخریج اور اس پر حواشی میں بیان کر دی ہے۔ جستجو کا شوق رکھنے والے حضرات اسے وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

آخر میں آپ کی توجہ اس بات کی طرح مبذول کرانا ضروری ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ اگر کسی صحابی سے مروی ایک حدیث کے الفاظ مختلف ہوں تو جتنے مختلف الفاظ سے وہ حدیث آئی ہوگی اسے اتنی ہی تعداد کی حدیثیں مانا جاتا ہے، اور اگر الفاظ تو سب کے ایک جیسے ہوں لیکن روایت کرنے والے صحابہ متعدد ہوں تو بھی انھیں متعدد احادیث ہی شمار کیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف وغیرہ کی احادیث مبارکہ کی تعداد میں یہی اصول کار فرما ہے۔ اس اعتبار سے ہم برملا کہتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ کو سنت ثابت کرنے کے لیے دو سو چار صحیح السند احادیث موجود ہیں جنھیں سولہ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، اب ذرا غور فرمائیں کہ حضرت فاضل مصنف کا یہ فرمان کہ "میں مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم ومقصود کائنات ﷺ سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس جگہ فرمایا ہے **وبصنع رسول اللہ ﷺ ناخذ هذا قولی وقول ابی حنیفة**۔ فاضل مصنف کا یہ فرمان کہاں تک درست ہے، کیا واقعی اشارۂ سبابہ کے ثبوت میں صرف مؤطا امام محمد ہی کی یہی ایک حدیث ہے یا اس کے علاوہ بھی، خصوصاً صحاح ستہ اور عموماً دیگر کتب احادیث کی حدیثیں بھی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حنفیت کے شوق میں صرف مؤطا امام محمد ہی کو قابل عمل گردانا جا رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی ابن ماجہ اور دیگر امہات کتب حدیث کو حنفیوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو پکا اور سچا حنفی ثابت کیا جا سکے۔ مقامِ افسوس ہے کہ حضرت فاضل مصنف اس اکلوتی حنفی روایتِ حدیث کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

باب سوم

فقہی عبارات

ذیل میں ہم منتخب مشہور فقہاء احناف اور شوافع وغیرہ علماء کرام کی کتابوں سے عبارات پیش کررہے ہیں، جن سے مذہبِ حنفی وشافعی میں اشارۂ سبابہ کا جواز، استحباب اور سنیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

۱۔محیطِ برہانی میں ہے: ثم اذا اخذ فی التشهد وانتهیٰ الی قوله اشهد ان لا اله الا الله هل یشیر باصبعه السبابة من الید الیمنی؟ لم یذکر محمد رحمه الله هذه المسئلة فی الاصلِ. وقد اختلف المشایخ رحمهم الله فیه. منهم من قال: لایشیر؛ لان مبنی الصلاة علی السکینة والوقار، ومنهم من قال: یشیر ، وذکر محمد فی غیر روایة الاصولِ حدیثاً عن النبی علیه السلام ، ثم قال: هذا قولی وقول ابی حنیفة. ثم کیف یصنع عند الاشارة؟ حکی عن الشیخ الفقیه ابی جعفر انه قال: یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطیٰ مع الابهام ویشیر بسبابته. وروی ذالک عن النبی علیه السلام۔ یعنی جب التحیات میں شروع ہو اور اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو "اصل" میں ذکر نہیں کیا اور مشائخ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے؛ کیونکہ نماز کی بناء سکون اور وقار پر ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اشارہ کرے، امام محمد نے "اصول" کے علاوہ میں نبی پاک ﷺ کی حدیث بیان کرکے فرمایا ہے کہ: یہ میرا اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔ پھر اشارے کے وقت کس طرح کرے؟ فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ: چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، ایسا کرنا نبی پاک ﷺ سے مروی ہے۔محیطِ برہانی جزء اول الفصل السادس عشر فی التغنی والالحان "فرع فی بیان ما یفعله المصلی بعد

الافتتاح "ص:۴۲۲

اس کے علاوہ ایک اور جگہ پر انھوں نے لکھا ہے: وقد قیل: رفع سبابة الید الیمنیٰ فی التشهد عند قوله اشهد ان لا اله الا الله سنة عند ابی حنیفة ومحمد والشافعی۔ یعنی کہا گیا ہے کہ التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت سبابہ انگلی کو اٹھانا امام ابو حنیفہ، امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ محیط برہانی جزء اول

الفصل السادس عشر "الخروج عن الصلاة بفعل المصلی "ص:۳۸۹

۲۔ ذخیرہ برہانیہ میں ہے: ثم اذا اخذ فی التشهد وانتهی الی قوله اشهد ان لا اله الا الله هل یشیر باصبعه السبابة من یده الیمنی؟ لم یذکر محمد هذه المسئلة فی الاصل، وقد اختلف المشایخ فیه. منهم من قال لا یشیر. لان مبنیٰ الصلاة علی السکینة والوقار ومنهم من قال: یشیر. قال محمد: یصنع بصنع النبی علیه السلام. ثم کیف یصنع عند الاشارة؟ حکی عن الفقیه ابی جعفر انه قال: یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی مع الابهام ویشیر بسبابته. و روی ذالك عن النبی علیه السلام۔ یعنی جب التحیات میں شروع ہو اور اشھد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے اس مسئلے کا "اصل" میں ذکر نہیں کیا اور مشائخ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے، کیونکہ نماز کی بناء سکون اور وقار پر ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اشارہ کرے، امام محمد نے کہا ہے کہ: نبی پاک ﷺ کے عمل کی متابعت کرے۔ پھر اشارے کے وقت کس طرح کرے؟ فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ: چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، ایسا کرنا نبی پاک ﷺ سے مروی ہے۔

ذخیرۃ البرہانیۃ جلد اول "الفصل الرابع فیما یفعله المصلی فی صلاته بعد الافتتاح" ورق نمبر ۴۳۔ ۴۴

۳۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں: وهل یشیر بالمسبحة اذا انتهی الی قوله اشهد ان لا اله الا الله؟ قال: بعض مشایخنا لا یشیر لان فیه ترک سنة الید وهی الوضع. وقال بعضهم یشیر. فان محمدا رحمه الله قال فی کتاب المشیخة: حُدِّثنا عن النبی ﷺ انه کان یشیر باصبعه. فیفعل مثل ما

فعله النبی ﷺ ویصنع ما صنعه وھو قول ابی حنیفة وقولنا. ثم کیف یشیر؟ قال اھل المدینة: یعقد ثلاثة وخمسین ویشیر بالمسبحة. وذُکر عن الفقیه ابی جعفر الھندوانی رحمه الله انه یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی مع الابھام ویشیر بالسبابة. وقال: ان النبی ﷺ ھکذا کان یفعل۔ یعنی جب اشھد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو کیا شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے کیونکہ اس طرح کرنے سے ہاتھ رکھنے کی سنت کا ترک لازم آتا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اشارہ کرے، امام محمد نے کتاب المشیخۃ میں فرمایا ہے کہ ہمیں نبی پاک ﷺ کی حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ انگلی سے اشارہ کرتے تے، تو ویسے ہی کرے جیسے نبی پاک ﷺ کرتے تھے اور آپ ﷺ کے عمل کو اپنائے، ابو حنیفہ اور ہمارا بھی یہی قول ہے۔ پھر اشارہ کس طرح کرے؟ اہلِ مدینہ کا قول ہے کہ ترپن کا عقد بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ سے مذکور ہے کہ خنصر اور بنصر کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اس نے فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد اول ص: ۲۱۴

۴۔ علامہ سغناقی لکھتے ہیں: قد نصّ محمد بن الحسن رحمه الله علی ھذا فی کتاب المشیخة حُدِّثنا عن رسول الله ﷺ بانه یشیر بالمسبحة، ونأخذ بفعله. وھذا قول ابی حنیفة وقولنا. ثم کیف یشیر؟ قال: یقبض اصبعه الخنصر والتی تلیھا ویحلق الوسطیٰ مع الابھام ویشیر بسبابته. ھکذا روی الفقیه ابو جعفر الھندوانی وقال: کان النبی ﷺ کذا یشیر۔ یعنی امام محمد رحمہ اللہ نے اس بارے میں اپنی کتاب المشیخۃ میں بتحقیق کہا ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور ہم آپکے فعل کو اپناتے ہیں، اور یہ ابو حنیفہ کا اور ہمارا قول ہے۔ پھر اشارہ کس طرح کرے؟ امام محمد نے فرمایا ہے کہ اپنی چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے اسی طرح روایت کی ہے اور کہا ہے کہ نبی پاک ﷺ اسی طرح اشارہ کرتے تھے۔ النہایہ جزء اول ص: ۱۲۹۔ ۱۳۰

۵۔ علامہ جلال الدین کرلانی خوارزمی لکھتے ہیں: ذکر محمد فی غیر روایة

الاصول حديثاً عن النبی ﷺ فی الاشارة. ثم قال: هذا قولی وقول ابی حنیفة رحمه الله. وحُکی عن الفقیه ابی جعفر انه یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطیٰ مع الابهام ویشیر بسبابته. وفی الجامع صغیر المرتب: وعن ابی یوسف رحمه الله فی املائه: یرویٰ الاشارة عن النبی ﷺ وفسّره بما فسّره به ابو جعفر رحمه الله. ثم قال: وقال غیره من اصحابنا: یشیر بثلاثة وخمسین. ثم قال: وان الاشارة بالسبابة روایة عن ابی حنیفة رحمه الله. وعن الحلوائی: یقیم السبابة عند قول "لا اله" ویضع عند قول "الا الله" لیکون النصب کالنفی والوضع کالاثبات۔ فی المحیط: وقیل رفع السبابة من الید الیمنیٰ فی التشهد عند ابی حنیفة ومحمد والشافعی رحمهم الله من السنن. وفی ظاهر الاصول لا یرفعها. وکذا روی عن ابی یوسف. قال العلامة نجم الدین الزاهدی: لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعاً فی کونه سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بها اولی۔ یعنی امام محمد نے کتبِ اصول کے علاوہ میں اشارے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ میرا اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔ فقیہ ابوجعفر سے حکایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کر کے درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے، جامع صغیر مرتب میں ہے کہ: امام ابویوسف کی امالی میں ہے کہ نبی پاک ﷺ سے اشارہ مروی ہے، اور اس کی تفسیر اس نے وہی بیان کی ہے جو کہ ابوجعفر رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، پھر فرماتے ہیں کہ ہمارے دیگر احناف نے کہا ہے کہ ترپین (۵۳) کے عقد کے ساتھ اشارہ کرے، پھر فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا امام ابوحنیفہ سے مروی ہے، اور حلوائی سے ہے کہ "لا الہ" پر شہادت کی انگلی کھڑی کرے اور "الا اللہ" پر اسے نیچے کرے تاکہ انگلی کا کھڑا کرنا نفی کی مانند اور اسے نیچے کرنا اثبات کی مانند ہو، محیط میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ التحیات میں دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کھڑی کرنا امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے، اور ظاہر اصول کی وجہ سے اسے کھڑا نہ کرے، امام ابویوسف سے بھی اسی طرح اشارہ مروی ہے، علامہ نجم الدین زاہدی فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارے تمام احناف سے اور

اسی طرح اہل کوفہ و مدینہ سے اس کے سنت ہونے پر روایات متفق ہیں اور اس کے متعلق اخبار و آثار بھی بکثرت ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ الکفایہ جلد اول ص: ۲۷۱

۶۔ علامہ بابرتی لکھتے ہیں: و هل يشير بالسبابة اذا انتهى الى الشهادة أولا؟ لم يذكره أي محمد في الاصول. فمن المشايخ من يقول: بانه لا يشير لانّ في الاشارة زيادة رفع لا يحتاج اليها فالترك أولى. لان مبنى الصلاة على السكينة والوقار، و منهم من يقول يشير بها، و قد نصّ محمد بن الحسن عن هذا في كتاب المشيخة: حدثنا عن رسول الله ﷺ أنه كان يفعل ذالك. أي يشير. ثم قال: نصنع بصنيع رسول الله ﷺ و نأخذ بفعله و هذا قول أبي حنيفة و قولنا. ثم كيف يشير؟ قال: يقبض أصبعيه الخنصر والتي تليها و يحلق الوسطى مع الابهام و يشير بسبابته۔ یعنی جب اشهد ان لا اله الاالله پر پہنچے تو کیا شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے یا نہیں؟ امام محمد نے اسے اصول میں ذکر نہیں کیا، کچھ مشائخ کہتے ہیں کہ اشارہ نہ کرے کیونکہ اشارے میں انگلی اٹھانا اضافی عمل ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے اسے ترک کرنا اولیٰ ہے کیونکہ نماز کی اساس سکون اور وقار پر ہے، اور کچھ مشائخ کہتے ہیں کہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور امام محمد نے کتاب المشیخۃ میں اس کے متعلق بتحقیق کہا ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے، یعنی اشارہ فرماتے تھے، اس کے بعد امام محمد نے فرمایا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عمل کو اپناتے ہیں اور آپ کے فعل کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ہمارا اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔ پھر اشارہ کس طرح کرے؟ فرماتے ہیں کہ دونوں انگلیاں یعنی چھنگلیا اور اسکے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ العنایہ علی الهدایہ جلد اول ص: ۲۷۱

۷۔ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: هل يشير بالمسبحة اذا انتهى الى قوله اشهدأن لااله الا الله؟ فقال بعض مشايخنا: لايشير لان في الا شارة زيادة لا يحتاج اليها؛ فيكون تركه أولى. و في المنية والواقعات: و عليه الفتوىٰ۔ و في الذخيرة: وهو ظاهر الرواية۔ و قال بعضهم: يشير و به قال الشافعي. و في الفتاوى: لا اشارة في الصلاة الا عند الشهادة

والتشهد و انه حسن. و في الذخيرة: لم يذكر محمد الاشارة في الاصل، و ذكر محمد في غير رواية ألاصول حديثا أنه عليه السلام كان يشير. قال محمد: نصنع بصنع النبي عليه السلام؛ قال: وهو قول أبي حنيفة. و مثله في المحيط. و في الفتاوى قال ابو بكر بن سعيد: الاشارة عند قوله اشهدأن لا اله الاالله حسن. واتفق الائمة الثلاثة على أصل الاشارة بالمسبحة. ثم كيف يشير؟ يقبض خنصره والتي تليها و يحلق الوسطى بالابهام ويقيم السبابة ويشير بها. هكذاروى الفقيه أبو جعفرأنه عليه السلام فعله هكذا وهو أحد وجوه قول الشافعي۔ یعنی جب اشهد ان لا اله الاالله پر پہنچے تو کیا شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے کیونکہ اشارہ اضافی عمل ہے جسکی کوئی ضرورت نہیں اس لیے اسے ترک کرنا اولیٰ ہے اور منیۃ المفتی اور واقعات میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور ذخیرہ میں ہے کہ یہ ظاہر الروایہ ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ اشارہ کرے اور امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ اور "الفتاویٰ" میں ہے کہ نماز میں التحیات کے دوران اشھد ان لا اله الاالله کہتے وقت کے علاوہ اشارہ نہیں ہے ،اوراس کا کرنا اچھا ہے، اور ذخیرہ میں ہے کہ امام محمد نے اشارے کو "اصل" میں ذکر نہیں کیا اور اس نے "اصل" کے علاوہ میں حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ اشارہ کرتے تھے، امام محمد نے فرمایا کہ ہم نبی پاک ﷺ کے عمل کو اپناتے ہیں، مزید فرمایا کہ یہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔ محیط میں بھی اسی طرح ہے، اور "الفتاویٰ" میں ہے کہ ابوبکر بن سعید نے کہا کہ اشھد ان لا اله الا الله کے وقت اشارہ کرنا اچھا ہے، اور ائمۂ ثلاثہ نے شہادت کی انگلی سے اشارے کی اصل پر اتفاق کیا ہے، پھر اشارہ کس طرح کرے؟ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی کھڑی کر کے اشارہ کرے، فقیہ ابوجعفر نے اسی طرح روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق بھی یہی طریقہ ہے۔ البنایہ فی شرح الهدایہ جزء دوم ص: ۳۱۵

اس کے بعد علامہ بدر الدین عینی نے اشارہ کی کیفیت سے متعلق تین اقوال پیش کرنے کے بعد لکھا ہے: وهذه الأخبار تدل على أن فعله عليه السلام كان يختلف. فكيف مافعل أجزأه ولو ترك لاشئ عليه. وفي المجتبى: العمل

بها أولى من الترک. ويكره أن يشير بالسبابة من اليدين لقوله عليه السلام أحد أحد. ولا يستحب تحريک الاصبع. وعن بعضهم يقيم أصبعه عند قوله لا اله ويضعها عند قوله الا الله ليكون النصب كالنفي والوضع كالاثبات. والمسبحة بكسر الباء سميت بها لأنها يشار بها الى التوحيد. ويقال لها السبابة ايضا لأنهم كانوا يشيرون بها الىٰ السب فى الخصومات ونحوها۔ یعنی یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کی کیفیت اشارہ مختلف ہوا کرتی تھی، توکسی بھی کیفیت سے اشارہ کرنا کافی ہے اور اگر اسے ترک کر دیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور "المجتبیٰ" میں ہے کہ اس پر عمل کرنا اسے ترک کرنے سے اولیٰ ہے، اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ "أحد أحد"، اور انگلی کو حرکت دینا مستحب نہیں ہے، بعض فقہاء سے منقول ہے کہ انگلی "لا اله" پر کھڑی کرے اور "الا الله" پر نیچے کرے تا کہ اسے کھڑا کرنا نفی کی مانند اور نیچے کرنا اثبات کی مانند ہو، "مسبحة" باء کی زیر کے ساتھ ہے، اسے مسبحة اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے توحید باری تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اسے "سُبابہ" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ خصومات وغیرہ میں اس سے گالی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ البنایہ فی شرح الہدایہ جزء دوم ص: ۳۱۶

۸: علامہ شمنی لکھتے ہیں: وذكر أبو يوسف فى الامالى انه يعقد الخنصر والتى تليها ويحلق بالوسطىٰ والابهام. ويشير بالسبابة. وذكر محمد أنه عليه الصلاة والسلام كان يشير. ونحن نصنع بصنعه. قال: وهو قول أبي حنيفة۔ وفى الظهيرية: ومتىٰ أخذ فى التشهد فانتهىٰ الى قوله اشهد أن لا اله الا الله هل يشير بالسبابة من يده اليمنىٰ؟ اختلف المشايخ فيه. ثم كيف يصنع عند الاشارة؟ حكى عن الفقيه أبي جعفر انه قال: يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ مع الابهام ويشير بالسبابة۔ یعنی امام ابو یوسف نے "امالی" میں ذکر کیا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، امام محمد نے ذکر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اشارہ کیا کرتے تھے اور ہم نبی پاک ﷺ کے عمل کی متابعت کرتے ہیں، مزید کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ظہیریہ میں ہے کہ جب التحیات پڑھتے ہوئے اشهد ان لا اله

الا اللہ پر پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ اس کے بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، پھر اشارے کے وقت کس طرح کرے؟ فقیہ ابو جعفر ہندوانی سے حکایت کی گئی ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ: چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کر کے درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ بحوالہ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص:۷۸۔۷۹ اس کے علاوہ شمنی سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی یوں ہی نقل کیا ہے۔ دیکھیے شرح سفر السعادت، ص:۸۰

۹: علامہ ابن کمال پاشا "الوقایہ" کی شرح میں لکھتے ہیں: (باسطا يديه على فخذيه موجها أصابعه نحو القبلة) ذكر أبو يوسف فى الامالى أنه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ والابهام ويشير بالسبابة۔ وذكر محمدأنه عليه السلام كان يشير. ونحن نصنع بصنعه عليه السلام. وقال: هو قول أبى حنيفة۔ وكثير من المشايخ لايرون الاشارة. وكرهها فى منية المفتى. وقال فى الفتاوىٰ: لااشارة فى الصلاة الا عند الشهادة فى التشهد وهو حسن۔ یعنی صاحبِ وقایہ کا یہ قول کہ (دونوں ہاتھ رانوں پر کھلی انگلیوں کے ساتھ قبلہ رخ ہوں) امام ابو یوسف نے "امالی" میں ذکر کیا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ امام محمد نے ذکر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اشارہ فرماتے تھے اور ہم بھی آپ کے عمل کی متابعت کرتے ہیں، مزید فرمایا کہ ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور بہت سے مشائخ اشارے کو جائز نہیں سمجھتے، اور منیۃ المفتی میں اسے مکروہ کہا ہے، اور "الفتاویٰ" میں ہے کہ نماز میں التحیات کے دوران اشهد ان لا اله الا الله کے علاوہ اشارہ نہیں ہے، اور وہ اچھا عمل ہے۔ الایضاح فی شرح الاصلاح جزء اول ص:۱۰۹

۱۰۔ علامہ شمس الدین قہستانی لکھتے ہیں: وفى الاكتفاء إشعار بانه لايشير ولا يعقد وهذا ظاهر اصول اصحابنا لما فى الزاهدى: وعليه الفتوىٰ كما فى المضمرات والوالجى و الخلاصة وغيرها. وعن اصحابنا جميعا أنه سنة. فيحلق إبهام اليمنىٰ ووسطاها ملصقا رأسها برأسها. ويشير بالسبابة عند اشهدأن لا اله الا الله. وعن الحلوائى: يرفع عند لا اله

ويضع عند الا الله ليكون كالنفي والاثبات. ويعقد البنصر والخنصر كما قال الفقيه ابو جعفر. وقال غيره من اصحابنا انه يعقد ثلاثة وخمسين۔ یعنی صاحب وقایہ کا یہ کہنا کہ "دونوں ہاتھ رانوں پر کھلی انگلیوں کے ساتھ رکھے" اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اشارہ نہ کرے اور عقد نہ بنائے، یہ ہمارے احناف کا ظاہر اصول ہے، کیونکہ زاہدی میں ہے کہ: فتویٰ اسی پر ہے جیسا کہ مضمرات، ولوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے، اور ہمارے تمام احناف سے ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے تو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے سر آپس میں ملا کر حلقہ بنائے اور اشهد ان لا اله الا الله پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور حلوائی سے ہے کہ لا اله پر انگلی اٹھائے اور الا الله پر نیچے کرے تا کہ اشارہ کرنا نفی اور اثبات کی مانند ہو، چھنگلیا اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے جیسا کہ فقیہ ابو جعفر نے کہا ہے، ہمارے دیگر احناف کا قول ہے کہ تریپن کا عقد بنائے۔ جامع الرموز جلد اول ص: ۱۷۱ "فصل فی صفة الصلاة"۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں جامع الرموز وغیرہ کی عبارت لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ: "ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کی منشا پر عمل کرتے ہوئے اشارہ کرنے کی جسارت کریں اور اس قدر علماء مجتہدین کی ممانعت کے باوجود حرام، مکروہ اور ممنوع کام کا ارتکاب کریں"۔ اس پر شیخ محمد مراد مکی نے لکھا ہے: و اما أرباب هذه الأقوال فليسوا بمجتهدين ولا من أصحاب الترجيح حتىٰ يلزم الفساد۔ یعنی ممانعت کرنے والے یہ حضرات مجتہد ہیں اور نہ ہی اصحابِ ترجیح، کہ ان کی ممانعت پر عمل نہ کرنے سے کوئی خرابی لازم آئے۔ الدرر المکنونات النفیسة ۱/ ۷۶ ۳ حاشیہ نمبر ۳، اور مولانا نور احمد نقشبندی مجددی نے لکھا ہے: وانت تعلم ان هٰؤلاءِ ليسوا بمجتهدين ولا من اصحاب الترجيح۔ یعنی آپ جانتے ہیں کہ اشارے سے ممانعت کرنے والے یہ حضرات نہ مجتہد ہیں اور نہ ہی اصحابِ ترجیح۔ مکتوباتِ امام ربانی مع حواشی دفتر اول حصہ پنجم ص: ۱۶۴

۱۱۔ علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: (ووضع يديه على فخذيه) وأشار الى كيفية الوضع بقوله (وبسط اصابعه) ولكن اختلف في وضع اليد اليمنىٰ. فعن أبي يوسف: أنه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ والابهام ويشير بالسبابة. وعن محمد أنه عليه الصلاة والسلام كان يشير

ونحن نصنع بصنعه. ويقال: لايشير. وفي المنية: الاشارة مكروهة. وفي التحفة: الاشارة مستحبة وهي الأصح على ما ثبت في الحديث۔ (اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے) اور ہاتھ رکھنے کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ (ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہوں) لیکن دائیں ہاتھ رکھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف سے ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے، اور امام محمد سے ہے کہ آپ ﷺ اشارہ فرماتے تھے اور ہم آپ کے عمل کی متابعت کرتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ اشارہ نہ کرے، اور "منیہ" میں ہے کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے، اور "التحفة" میں ہے کہ اشارہ مستحب ہے، اور یہی قول حدیث کی رو سے اصح ہے۔ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق باب صفۃ الصلاۃ ۱/۳۴۔۱۲

۱۲۔ سراج الدین ابن نجیم لکھتے ہیں: (وبسط أصابعه) --- وفي إطلاق البسط ايماء الى انه لا يشير بالسبابة عند شهادتين عاقدا الخنصر والتي تليها محلقا الوسطى والابهام. وهذا قول كثير من المشايخ، وعليه الفتوىٰ كما في عامة الفتاوىٰ وجزم في منية المفتي بكراهته؛ وردّه في فتح القدير بأنه خلاف الرواية والدراية ففي مسلم :كان عليه الصلاة والسلام يشير بأصبعه التي تلي الابهام۔ قال محمد: ونحن نصنع بصنعه عليه الصلاة والسلام. وهو قول الامام۔ وفي المجتبیٰ: لما اتفقت الروايات وعلم من اصحابنا جميعا في كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الأخبار والآثار كان العمل بها أولى۔ وفي التحفة: الاشارة مستحبة وهي الأصح. قاله العيني۔ ثم قال الحلواني: يقيم الاصبع عند النفي ويضعه عند الاثبات ليكون الرفع للنفي والوضع للاثبات۔ (اپنی انگلیاں کھلی رکھے) ---انگلیاں کھلی رکھنے کے اطلاق میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کر کے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے، بہت سارے مشائخ کا یہی قول ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے جیسا کہ عام کتب فتاویٰ میں ہے اور منیۃ المفتی میں تو اسے جزماً مکروہ کہا گیا ہے، جبکہ فتح القدیر میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اشارے کو مکروہ کہنا

اوراس سے منع کرنا روایت اور درایت کے خلاف ہے، مسلم شریف میں ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے عمل کی متابعت کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور "المجتبیٰ" میں ہے کہ چونکہ روایات کا اتفاق ہے اور ہمارے تمام احناف سے، اسی طرح اہلِ کوفہ ومدینہ سے بھی اس کا سنت ہونا معلوم ہو چکا ہے اور اس کے بارے میں اخبار وآثار بھی بکثرت ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ اور "التحفة" میں ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور یہی اصح قول ہے۔ یہ تمام تفصیل عینی نے ذکر کی ہے۔ پھر حلوائی نے کہا ہے کہ نفی پر انگلی کھڑی کرے اور اثبات پر اسے نیچے کرے تاکہ اسے کھڑا کرنا نفی کے لیے اور اسے نیچے کرنا اثبات کے لیے ہو۔ النہر الفائق شرح کنز الدقائق جزء اول ص: ۲۲۰

۱۳۔ علامہ ابراہیم بن موسیٰ طرابلسی لکھتے ہیں: ووضع يديه على فخذيه وبسط اصابعه وأشار بالمسبحة في الصحيح. ولا يعقد يمناه عندنا. قيل الا عند الاشارة۔ یعنی صحیح یہی ہے کہ دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر انگلیاں کشادہ رکھے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اور ہمارے نزدیک دائیں ہاتھ کا عقد نہ بنائے، مگر کہا گیا ہے کہ اشارے کے وقت۔ "مواہب الرحمٰن فی مذہب أبی حنیفۃ النعمان" کتاب الصلاۃ، "فصل فی ترتیبھا" ص: ۲۳

۱۴۔ علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: ويسن الاشارة في الصحيح بالمسبحة عند الشهادة رفعها عند النفي ويضعها عند الاثبات۔ یعنی صحیح روایت کے اعتبار سے شہادت کی انگلی سے اشهد ان لا اله الا الله پر اشارہ کرنا سنت ہے، انگلی کو نفی پر اٹھائے اور اثبات پر اسے نیچے کرے۔ نور الایضاح، "فصل في كيفية تركيب الصلاة" ص: ۴۷

۱۵۔ علامہ ابو القبول السعود الحاتمی حنفی نے کنز الدقائق کی شرح "ملا مسکین" کے حاشیہ "فتح المبین" میں اشارۂ سبابہ کے بارے میں لکھا ہے، جس سے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے یوں نقل کیا ہے: ولا يشير بسبابته عند الشهادة كما في الولوالجية. لكن المعتمد ما صححه الشراح كالكمال وغيره، أنه يشير لفعله عليه الصلاة والسلام. كذا في الدر المختار. وفي المحيط أنها سنة۔ یعنی اشهد ان لا اله

الا اللہ پر اشارہ نہ کرے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے، لیکن قابل اعتماد وہ ہے جسکی تصحیح شارحین نے کی ہے مثلاً کمال الدین ابن ہمام وغیرہ نے کہ نبی پاک ﷺ کے فعل مبارک کی وجہ سے اشارہ کرے، درمختار میں اسی طرح ہے، اور محیط میں ہے کہ اشارہ سنت ہے۔ بحوالہ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص:۸۱

۱۶۔ اسی طرح مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے ملا واجد حنفی کی "الاختیارات شرح النقایة" کی عبارت نقل کی ہے: ولو أشار بالسبابة عند قوله لا اله الا الله كان حسنا. ولا يشير في موضع آخر۔ یعنی اگر اشهد ان لا اله الا الله پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے تو اچھا ہوگا، کسی اور موقعہ پر اشارہ نہ کرے۔ بحوالہ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص:۸۱

۱۷۔ علامہ شمس قونوی کی درر البحار سے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے نقل کیا ہے: ونحن لا نشير بالسبابة عند التهليل ولكن المفتى به عندنا خلافه۔ أي خلاف عدم الاشارة۔ الذي هو فعل الاشارة. وبه قال الشافعي وأحمد۔ یعنی ہم لا اله الا الله پر اشارۂ سبابہ نہیں کرتے حالانکہ فتویٰ اس کے خلاف ہے، یعنی عدمِ اشارہ کے خلاف، وہ ہے اشارہ کرنا، امام شافعی اور امام احمد نے بھی یوں ہی کہا ہے۔ بحوالہ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین ص:۸۱

۱۸۔ حافظ مغلطای بن قلیج بکجری لکھتے ہیں: أن ثبوت الاشارة هو المعتمد عند أبي حنيفة۔ یعنی امام ابوحنیفہ کے مذہب میں اشارہ کا ثبوت ہی معتمد ہے۔ شرح سنن ابن ماجہ جلد پنجم ص:۱۵۵۰

۱۹۔ علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: الذي ذكر في منية المغني من كراهة الاشارة غير صحيح. وقال في الفتاوىٰ: لا اشارة في الصلاة الا عند الشهادة في التشهد وهو حسن، والحديث اخرجه مسلم والنسائي۔ یعنی یہ جو منیۃ المغنی میں اشارہ کی کراہت ذکر کی گئی ہے وہ غیر صحیح ہے، اور "الفتاویٰ" میں ہے کہ نماز میں التحیات کے اندر اشهد ان لا اله الا الله کے علاوہ اشارہ نہیں ہے، اور وہ اچھا عمل ہے اور اشارہ سے متعلق حدیث کی تخریج مسلم اور نسائی نے کی ہے۔ شرح سنن ابی داؤد جلد چہارم ص: ۲۷۳

۲۰۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: إعلم أن العقد والاشارة قد ورد

فی الاحادیث الصحیحة. وقد أورد فی جامع الاصول الاحادیث من الکتب الستة. فی بعضها ذکر العقد مع الاشارة. وفی بعضها ذکرت الاشارة فقط وعلیه مذهب الأئمة من المحدثین والفقهاء وکثیر من الصحابة والتابعین. وقالوا:ألحق ان مذهب الامام أبی حنیفة وصاحبیه هکذا وقد صرح به کثیر من المتقدمین، وقد ظهر فی المتأخرین منهم خلاف فی ذالک. وفی المحیط: وقیل: رفع سبابة الیمنیٰ فی التشهد عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله من السنن.وکذا روی عن أبی یوسف، وقال العلامة نجم الدین الزاهدی رحمه الله: لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعاً فی کونها سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل به أولی۔ یعنی معلوم ہونا چاہیے کہ عقد اور اشارہ صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں اور "جامع الاصول" میں صحاح ستہ کی کتابوں سے احادیث روایت کی گئی ہیں جن میں سے بعض احادیث میں اشارے کے ساتھ عقد کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں صرف اشارے کا ذکر ہے، ائمۂ محدثین وفقہاء اور اکثر صحابہ وتابعین کا یہی مذہب ہے، اور انھوں نے کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب اسی طرح ہے اور اکثر متقدمین نے اس کی صراحت کی ہے، ان میں سے متاخرین میں اس کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا، اور محیط میں ہے کہ: کہا گیا ہے کہ: التحیات میں دائیں ہاتھ کی سبابہ اٹھانا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک سنت ہے، امام ابویوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے، علامہ نجم الدین زاہدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: چونکہ ہمارے تمام احناف کی روایات اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں، اسی طرح اہلِ کوفہ ومدینہ کی روایات بھی، اور اس کے متعلق اخبار وآثار بھی بکثرت ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ لمعات التنقیح ۳/۱۷۹، نیز شرح سفر سعادت ص:۸۰

۲۱۔ ملاعلی قاری مکی حنفی لکھتے ہیں: ثم من أدلتها الاجماع؛ اذ لم یعلم من الصحابة ولا من علماء السلف خلاف فی هذه المسئلة ولا فی جواز الاشارة ولا فی تصحیح هذه العبارة. بل قال به أمامنا الأعظم وصاحباه. وکذا الامام مالک والشافعی والامام أحمد وسائر علماء

الأمصار والأعصار. رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ علی ما وردت بہ صحاح الاخبار والآثار۔ وقد نصّ علیه مشایخنا المتقدمون والمتأخرون؛ فلا اعتداد لما علیه المخالفون ولا عبرة بما ترک ھذہ السنة الاکثرون من سکان ما وراء النھر وأھل خراسان والعراق والروم وبلاد الھند. من غلب علیھم التقلید وفاتھم التحقیق والتأیید من التعلق بالقول السدید۔ یعنی اشارے کے دلائل میں سے ایک دلیل اجماع بھی ہے، کیونکہ اس مسئلے اور جواز اشارہ اور اس عبارت کی تصحیح میں صحابہ اور علمائے سلف کا اختلاف ثابت نہیں ہے بلکہ ہمارے امام اعظم اور ان کے دونوں شاگردوں نیز امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ہر زمانے اور ہر شہر کے علماء رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق صحیح اخبار وآثار وارد ہونے کی بنیاد پر اشارہ کرنے کا کہا ہے، اور اسی کو ہمارے متقدمین ومتاخرین (۱) مشائخ نے وضاحت سے بیان کیا ہے، لہذا اشارے کے مخالفین کا نظریہ کسی قطار وشمار میں نہیں، اور اس سنت کو اکثرینِ ماوراء النہر، اہلِ خراسان وعراق وروم اور ممالکِ ہندوستان میں سے مغلوب التقلید اور تحقیق کی راہ ترک کرنے والوں اور صحیح قول کی تائید سے محروم لوگوں کے چھوڑ دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ تزیین العبارة لتحسین الاشارة ص: ۶۰۔۶۱

۲۲۔ ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی لکھتے ہیں: وعن ابی نصر بن سلام قال: لیس فی الاشارة فی الصلاة اختلاف ان یفعلھا. فسّرھا ابو یوسف رحمہ اللہ. قال: یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطیٰ والابھام ویشیر بالسبابة. وکذا عن محمد بن سلمة۔ یعنی ابونصر بن سلام (۲) نے کہا ہے کہ نماز کے دوران اشارہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اشارے کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے، اور درمیانی انگلی

---

(۱) امام ابوحنیفہ سے لے کر امام محمد تک "سلف" کہلاتے ہیں، اور ان کے بعد شمس الائمہ حلوانی تک "خلف"، اور اس کے بعد سے حافظ الدین محمد بن محمد بخاری متوفی ۶۳۰ھ تک "متاخرین" کہلاتے ہیں۔ عموماً امام ابوحنیفہ اور ان کے بلاواسطہ شاگردوں کو متقدمین، اور ان کے بعد والے مجتہدین کو متاخرین کہا جاتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ "سلف" صرف ان کو کہا جاتا ہے جن کی دین میں تقلید اور پیروی کی جاتی ہے، جیسے امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد رحمہم اللہ۔ دیکھیے کلیات ابی البقاء ص: ۲۰۸ نیز النافع الکبیر ص: ۵۶۔۵۷۔

(۲) ابونصر، محمد بن سلام بلخی متوفی ۳۰۵ھ۔ دیکھیے الجواہر المضیہ ۲/ ۳۶۸

اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، محمد بن سلمہ (۱) سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ الملتقط فی الفتاویٰ الحنفیۃ ص: ۵۳ "مطلب فی الاشارۃ فی الصلاۃ"۔ اس سے قبل وہ لکھ چکے ہیں: ألإشارۃ عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسنٌ. كذا قال أبو بكر بن أبي سعيد. یعنی أشهد أن لا إله إلا الله کہتے وقت اشارہ کرنا عمدہ ہے۔ ابو بکر بن ابی سعید (۲) نے اسی طرح کہا ہے۔ الملتقط فی الفتاویٰ الحنفیۃ ص: ۳۰ "مطلب فی تقدیم الأكل على الصلاة"

۲۳۔ علامہ سدید الدین کاشغری لکھتے ہیں: ويشير بالسبابة اذا انتهىٰ الى الشهادتين. وقال فى الواقعات: لا يشير. فان اشار يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ بالابهام ويقيم السبابة. فاذا فرغ من الادعية يسلم۔ یعنی جب اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو سبابہ سے اشارہ کرے، اور واقعات میں ہے کہ اشارہ نہ کرے۔ اگر اشارہ کرے تو چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر سبابہ کھڑی کرے، اور جب دعاؤں سے فارغ ہو تو سلام پھیر دے۔ منیۃ المصلی ص: ۹۱ "صفة الصلاة" نیز اُس نے نماز کی سنتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وافتراش رجله اليسرىٰ والقعود عليها ونصبُ اليمنىٰ نصباً والصلاة على النبى ﷺ بعد التشهد فى القعدة الاخيرة والدعاء بما يشبه الفاظ القرآن والاشارة بالمسبحة عند الشهادتين فى بعض الروايات كما ذكرنا۔ یعنی بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا کرنا، قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد نبی پاک ﷺ پر درود پڑھنا، قرآنی الفاظ کے مشابہ دعا پڑھنا اور بعض روایات کے مطابق اشهد ان لا اله الا الله پر مُسَبِّحہ سے اشارہ کرنا جیسا کہ ہم

---

(۱) محمد بن سلمۃ فقیہ ابو عبد اللہ بلخی ولادت ۱۹۲ھ وفات ۲۷۸ھ شداد بن حکیم اور ابو سلیمان جوزجانی سرخسی سے فقہ حاصل کیا، امام زفر سے روایت کرتے ہیں، امام طحاوی کے دادا استاد ہیں۔ الجواہر المضیۃ ۲/۵۶. الفوائد البهيه ص: ۲۷۶

(۲) ابو بکر بن ابی سعید: عبد القادر قرشی نے لکھا ہے کہ قاضیخان نے (کتاب الطهارة میں) چھوٹے حوض میں نجاست پڑ جانے اور اس میں نئے بہتے پانی داخل ہونے کے مسئلہ میں ابو بکر بن سعید کا ذکر کیا ہے، ۳۲۸ھ میں آپ کا وصال ہے۔ الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ص: ۴۴۳ نیز فتاوی قاضیخان جلد اول ص: ۱۵ "فصل فی الماء الراكد"

ذکر کر آئے ہیں۔منیۃ المصلی ص:۹۹"فصل فی السنن"۔

۲۴: علامہ ابن امیر الحاج حلبی لکھتے ہیں:(ویشیر بالسبابة اذا انتهى الى الشهادتين) والأولى أن يقول: ويشير بالسبابة اليد اليمنى اذا انتهى الى قول اشهد ان لا اله الا الله. كما ذكره غيره على ان فى هذا إجمالاً ايضاً. سنبيّن المراد منه مع وجهه عنقريب ان شاء الله تعالى (وقال فى الواقعات لا يشير) ونصّ فى الخلاصة على انه المختار. وفى الفتاوىٰ الكبرىٰ على أن عليه الفتوىٰ. وعللوه بأن فى الاشارة زيادة رفع لايحتاج اليها فيكون الترك اولى. لان مبنى الصلاة على السكينة والوقار۔ قلتُ: والاول هو الصحيح. فقد ذكر محمد فى كتاب المشيخة حديثاً عن رسول الله ﷺ انه كان يشير باصبعه. فيفعل ما فعل النبى ﷺ ويصنع ما صنعه. وهو قول أبي حنيفة وقولنا. ذكره فى البدائع وفى الذخيرة وشرح الزاهدى. ثم قال: هذا قولى وقول أبي حنيفة. انتهى۔یعنی (جب شہادتین پر پہنچے تو سبابہ سے اشارہ کرے) بہتر یہ تھا کہ یوں کہتا: جب اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو دائیں ہاتھ کی سبابہ سے اشارہ کرے،جیسا کہ دوسروں نے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ اس میں اجمال ہے، عنقریب ہم اس کی مراد اس کے سبب کے ساتھ انشاءاللہ بیان کریں گے۔(اور واقعات میں کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے) خلاصہ میں صاف بیان کیا ہے کہ اشارہ نہ کرنا مختار ہے،اور فتاویٰ کبریٰ میں صاف کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اس کی علت انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ اشارے میں انگلی اٹھانا اضافی عمل ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے اسے ترک کرنا اولیٰ ہے کیونکہ نماز کی بناء سکون اور وقار پر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: پہلا قول ہی صحیح ہے، امام محمد نے کتاب المشیخۃ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ انگلی سے اشارہ فرماتے تھے، پس نبی پاک ﷺ کے فعل پر عمل کرے اور اُن کے عمل کی متابعت کرے۔یہی ابوحنیفہ کا اور ہمارا قول ہے، اسے بدائع ، ذخیرہ اور شرح زاہدی میں ذکر کیا ہے، پھر امام محمد نے فرمایا کہ یہ میرا اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔حلبۃ المحلی شرح منیۃ المصلی جزء دوم ص:۲۶۳

۲۵۔ علامہ ابراہیم حلبی منیۃ المصلی کی شرح میں لکھتے ہیں: وهل يشير بالمسبحة عند الشهادة؟ عندنا فيه اختلاف. صحح فى الخلاصة

والبزازی انه لا یشیر، و صحح شرّاح الهدایة انه یشیر، و کذا فی الملتقط و غیره۔ و صفتها ان یحلق من یده الیمنی عند الشهادة الابهام والوسطی و یقبض البنصر والخنصر و یشیر بالمسبحة او یعقد ثلاثة و خمسین بان یقبض الوسطی والبنصر والخنصر و یضع رأس ابهامه علیٰ حرف مفصل الوسطی الاوسط، و یرفع الاصبع عند النفی و یضعها عند الاثبات، و یکره ان یشیر بکلتا مسبحتیه۔ یعنی کیا اشھدان لا اله الا اللہ کے وقت مسبحہ انگلی سے اشارہ کرے؟ ہمارے ہاں اس میں اختلاف ہے، خلاصہ اور بزازیہ میں اشارہ نہ کرنے کو صحیح کہا گیا ہے، اور ھدایہ کے شارحین نے اشارے کرنے کو صحیح کہا ہے، ملتقط وغیرہ میں بھی ایسے ہی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ کے وقت دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگی کا حلقہ بنا کر چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور مسبحہ انگلی سے اشارہ کرے، یا ترپین (۵۳) کا عقد بنائے وہ اس طرح کہ درمیانی انگلی، چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور انگوٹھے کا سر درمیانی انگلی کے بیچ والے جوڑ کے کنارے پر رکھے اور انگلی کو نفی کے وقت اٹھائے اور اثبات کے وقت اسے رکھ دے، اور دونوں شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔ شرح صغیری ص: ۱۷۴

۲۶۔ اسی علامہ ابراہیم حلبی کی "ملتقی الابحر" کے شارح عساکرِ رومیہ کے قاضی القضاۃ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان کلیبولی، شیخ زادہ حنفی، المعروف داماد شیخ الاسلام متوفی ۱۰۷۸ھ متن کی عبارت (و بسط اصابعه موجهة نحوالقبلة) پر لکھتے ہیں: "و فیه خلاف الشافعی، فان السنة عنده ان یعقد الخنصر والبنصر، و یحلق الوسطی والابهام و یشیر بالسبابة عندالتلفظ بالشهادتین، و مثل هذا جاءَ عن علمائنا ایضا" ۔ یعنی متن کے یہ الفاظ کہ: "اور ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ کشادہ رکھے" اس میں امام شافعی کے خلاف کرنے کا بیان ہے، وہ اس طرح کہ اُس کے نزدیک (تشہد کے آغاز سے ہی) چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کا عقد باندھنا اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے وقت سبابہ سے اشارہ کرنا سنت ہے، اور ہمارے علماء

سے بھی (۱) اسی طرح آیا ہے۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر جلد اول ص:۱۵۱

۲۷۔ علامہ محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن حسن حصنی، المعروف علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ صاحب درّ مختار اسی "ملتقی الابحر" کی شرح میں متن کی عبارت (موجهة نحو القبلة) پر لکھتے ہیں: " و یشیر بالمسبحة وحدها هو الصحیح. عند النفی یرفعها، و یضعها عند الاثبات. و احترزنا: بالصحیح. عن قول کثیر من المشایخ انه لا یشیر اصلا لانه خلاف الروایة والدرایة. وبقولنا: بالمسبحة عما روی عن ابی یوسف و محمد انه یعقد یمناه عندالاشارة. کذا فی الشرنبلالیة عن البرهان. و فی التحفة: الاشارة مستحبة. و هی الاصح. قاله العینی۔ (۲) یعنی (انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے) اور صرف انگشت شہادت سے اشارہ کرے یہی صحیح ہے، نفی (لَا) پر اسے اوپر اٹھائے اور اثبات (اِلَّا) پر نیچے کرے، اور ہم نے اشارہ کرنے کو صحیح کہہ کر اکثر مشائخ کے اس قول: "بالکل اشارہ نہ کرے" سے احتراز کیا ہے، کیونکہ اُن کا یہ قول روایت اور درایت کے خلاف ہے، اور ہمارا "بالمسبحة" کہنا امام ابو یوسف اور امام محمد سے مروی (کیفیتِ اشارہ سے تعبیر) ہے کہ اشارہ کے وقت دائیں ہاتھ سے عقد باندھے (۳)، شرنبلالیہ میں برہان سے اسی طرح ہے، اور "تحفہ میں ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور یہ عمل اصح ہے، یہ بات عینی نے فرمائی ہے۔ الدر المنتقی فی شرح الملتقی، مع مجمع الانہر فی شرح الملتقی الابحر جلد ا ص:۱۵۱

۲۸۔ فتاوی صوفیہ میں ہے: ذکر فی الحاوی من الفتاوی ناقلا عن جامع الاصغر انه سئل ابو نصر بن سلام رحمه الله عن الاشارة فی التشهد، قال: روی ابو یوسف رحمه الله الاشارة عن النبی ﷺ و

---

(۱) " ومثل هذا جاء عن علمائنا ایضا " کا مطلب مصباح التحقیق ص:۱۶۸ پر گزر چکا ہے۔

(۲) علامہ حصکفی کی در المختار شرح تنویر الابصار کی عبارت مصباح التحقیق ص:۱۴۱ پر گزر چکی ہے۔

(۳) یعنی عقد اشارہ کے وقت باندھے، آغازِ التحیات سے نہیں۔ یہ ہے وہ خلاف الشافعی والا مقام، چونکہ امام شافعی آغازِ التحیات سے عقد باندھنے کا قائل ہے جبکہ ہمارے نزدیک اشارہ کے وقت عقد باندھنا ہے التحیات کے آغاز سے نہیں۔ یار لوگوں نے اسے مطلقاً اشارہ کرنے کا خلاف بتا کر اپنا اُلو سیدھا کیا ہے۔

فسرها: يعقد الخنصر والبنصر و يحلق الوسطى والابهام و يشير بالسبابة. قال الشيخ الامام رحمه الله: وفي الاخبار انه يكتب بكل اشارة عشر حسنات۔ و في الفتاوى ان ابا بكر رضي الله عنه قال: لا اشارة في الصلاة الا عند الشهادة و انه حسن۔ و ان النبي ﷺ رأى رجلا يشير باصبعين فقال عليه السلام: احّد۔ و في المحيط هل يشير باصبعه السبابة من يده اليمنى؟ لم يذكر محمد رحمه الله هذه المسئلة في الاصل، و قد اختلف المشايخ رحمهم الله فيه. منهم من قال: لا يشير، و منهم من قال: يشير. و ذكر محمد رحمه الله في غير رواية الاصول حديثا عن النبي ﷺ انه كان يشير. ثم قال: هذا قولي و قول ابي حنيفة رحمه الله و رضي الله عنه۔ هذا هو المذكور في المحيط في الفصل الثالث في باب ما يفعل المصلي۔ و ذكر ايضا في فصل الخروج من الصلاة في ذكر سنة الصلاة: و قد قيل انها سنة. يعني الاشارة بالسبابة عند ابي حنيفة و محمد و الشافعي رضي الله عنهم۔ و ذكر في الحاوي عن ابي يوسف رحمه الله انه روى في الاشارة حديثا مفسرا۔ و ذُكِرَ فيه الاختلاف، و قول اكثر المشايخ على انها تستحب. هذا كله لفظ المحيط۔ و في الملتقط: الاشارة عند قوله اشهد ان لا اله الا الله حسن. كذا قال ابو بكر بن سعيد۔ قال الجامع غفر الله له: ثم كيف يشير؟ رأيت في خلاصة الغزالي و قرأت في العوارف، و علّمني ملاذ العلماء عمادالدين تاج المشايخ رضي الله عنه ايضا انه يرفع المسبحة في الشهادة في كلمة لا اله الا الله. لا في كلمة النفي، ولا يرفعها مُنصّبَة بل مايلة برأسها الى الفخذ منطوبة۔ یعنی فتویٰ حاوی میں جامع الاصغر سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابونصر بن سلام رحمہ اللہ سے التحیات میں اشارے کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا: امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے نبی پاک ﷺ سے اشارہ روایت کیا ہے، اور اس کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کر کے درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے، الشیخ الامام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احادیث میں ہے کہ: ہر اشارے پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۔ اور الفتاوی

میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نماز میں اشهد ان لا اله الا الله کہتے وقت کے علاوہ اشارہ نہیں، اور اشارہ کرنا اچھا ہے۔ اور نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتے دیکھ کر فرمایا کہ: ایک انگلی سے اشارہ کر۔ اور محیط میں ہے کہ کیا دائیں ہاتھ کی سبابہ سے اشارہ کرے؟ امام محمد نے یہ مسئلہ "اصل" میں ذکر نہیں کیا اور مشائخ رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے، بعض نے فرمایا ہے کہ اشارہ نہ کرے، اور بعض نے فرمایا ہے کہ اشارہ کرے، اور امام محمد نے "اصول" کے علاوہ میں نبی پاک ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ اشارہ فرمایا کرتے تھے، پھر امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: یہ میرا اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ محیط کی تیسری فصل کے "باب ما يفعل المصلى" میں مذکور ہے، نیز اس کی "فصل الخروج من الصلاة" میں نماز کی سنتوں کے بیان میں مذکور ہے کہ: کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے، یعنی سبابہ سے اشارہ کرنا امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک سنت ہے۔ اور "الحاوی" میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مذکور ہے کہ اس نے اشارے کے بارے میں وضاحت سے حدیث روایت کی ہے۔ اس کے متعلق اختلاف بھی ذکر کیا گیا ہے، اور اکثر مشائخ کا قول ہے کہ یہ مستحب ہے۔ یہ تمام الفاظ محیط کے ہیں۔ اور ملتقط میں ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله پر اشارہ کرنا اچھا ہے، ابوبکر بن سعید نے اسی طرح کہا ہے۔ جامع غفر اللہ لہ (۱) کہتا ہے کہ اشارہ کس طرح کرے؟ میں نے امام غزالی کی "خلاصہ" (۲) میں دیکھا اور "عوارف" (۳) میں پڑھا، نیز مجھے ملاذ العلماء عماد الدین تاج المشائخ رضی اللہ عنہ (۴) نے سکھایا کہ شہادت میں کلمۂ لا اله الا الله کے دوران انگلی کو اٹھائے، کلمۂ نفی "لا" پر نہیں، انگلی کو سیدھا کھڑا نہ کرے بلکہ اس کا سر ران کی طرف جھکا ہوا ہو۔ فتاویٰ صوفیہ باب ۲۷ تیسری فصل "فی الاشارة بالسبابة فی التشهد" ص: ۱۱۳۔ ۱۱۴

۲۹: بحر العلوم عبد العلی لکھنوی لکھتے ہیں: وأما رفع السبابة على الوجه المذكور فمنقول عن أئمتنا فان الامام محمد روى اولا فى المؤطا برواية

(۱) فتاویٰ صوفیہ کا مصنف فضل اللہ بن محمد بن ایوب ماجو، وفات بعد ۱۰ ربیع الاول ۷۵۷ھ (۲) خلاصۃ الوسائل الی علم المسائل، امام مزنی کی المختصر کا خلاصہ ہے۔ (۳) ابو حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ شہاب الدین سہروردی متوفی ۶۳۲ھ کی تصوف میں مشہور کتاب عوارف المعارف۔ (۴) اس سے مراد شاہ رکن عالم ملتانی کے بھائی اور خلیفہ شیخ عماد الدین اسماعیل بن صدر الدین العارف محمد بن ابو محمد بہاء الدین زکریا ملتانی ہے۔

مالک أن ابن عمر افترش رجله اليسرىٰ وجلس عليها ونصب رجله اليمنىٰ. وقبض الخنصر والبنصر وحلق بين الوسطىٰ والابهام واشار بالسبابة. وقال: هكذا يصنع رسول الله ﷺ. ثم قال الامام محمد: وبصنع رسول الله ﷺ نأخذ وهو قول ابي حنيفة وعامة اصحابه۔ ونقل الشيخ ابن الهمام عن أبي يوسف فى الامالى مثله۔ فقد ثبت بهذا أن الاشارة ثابتة عن أئمتنا ولم يخالف فيه من اصحاب الامام ابى حنيفة أحد. والمتأخرون من مشايخ ماوراء النهر اضطربوا لما رأوا فى عبارة المبسوط. "وبسط أصابعه" وأن البسط ينا فى القبض والتحليق فزعم البعض منهم أن فى المسئلة روايتين. فى رواية الاشارةُ مع القبض والتحليقِ. وفى رواية البسطُ. وزعموا أن منافى البسط مكروه فقالوا فى رواية يكره الاشارة. وفى رواية: لايكره بل يندب. واختار صاحب الهداية القول بعدم الكراهة وكذا شمس الأئمة. وبعضهم شددوا وأفتوا بالكراهة بل بالحرمة لجهلهم عما فى المؤطا والامالى۔ والمحققون من المشايخ قالوا: ليس هناک روايتان والاشارة ثابتة عن ائمتنا قطعا. وليس فى المبسوط أن يبسط الأصابع فى تمام التشهد بل فيه: بسط الاصابع. واذا بلغ عند التلفظ بالشهادة يحلق ويشير. هذا هو الحق المختار. ويدل عليه رواية مسلم التى ذكرناها۔ والاشارة والتحليق سنتان. تركهما يوجب الاسائة. وهو مذهب ائمتنا بلاخلاف. ثم الاشارة على الوجه المذكور مذهبنا.و قال الامام الشافعى: يعقد عقد ثلاثة بالخنصر والبنصر والوسطى. و عقد خمسين بالابهام و يشير بالسبابة لما عن ابن عمر قال: كان رسول الله ﷺ اذا قعد فى التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ويده اليمنى على ركبته اليمنى و عقد ثلاثة و خمسين و اشار بالسبابة. رواه مسلم۔ هذا والظاهر ان رسول الله ﷺ تارة يفعل كذا و تارة يحلق و يشير. فأيهما فعل فقد اتى السنة و أيهما اختار جاز۔ والله اعلم باحكامه۔ یعنی شہادت کی انگلی مذکورہ طریقہ

پر اٹھانا ہمارے ائمہ سے منقول ہے، سب سے اول امام محمد نے موطا میں امام مالک کے ذریعے روایت بیان کی ہے کہ ابن عمر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ گئے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا اور چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کیا اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کیا اور کہا کہ: رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ اس کے بعد امام محمد نے فرمایا کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے عمل کی متابعت کرتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے عام شاگروں کا بھی یہی قول ہے۔ اور شیخ ابن ہمام نے امام ابو یوسف کی امالی سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اشارہ ہمارے ائمہ سے ثابت ہے اور اس میں امام ابو حنیفہ کے کسی بھی شاگرد نے اختلاف نہیں کیا، ماوراء النہر کے متاخرین مشائخ نے جب مبسوط کی عبارت میں "وبسط اصابعه" دیکھا تو وہ مضطرب ہو گئے کیونکہ "بسط" (انگلیوں کو کھلا رکھنا) "قبض" (انگلیاں بند رکھنے) کے منافی ہے، پس ان میں سے بعض نے گمان کیا کہ اس مسئلہ کے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک روایت کی رو سے اشارہ انگلیوں کی بندش اور حلقہ کے ساتھ ہے۔ اور دوسری روایت کی رو سے انگلیوں کو کشادہ ہی رکھنا ہے، اور انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ انگلیاں کشادہ رکھنے کے برعکس کرنا مکروہ ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے ایک روایت میں یہ کہا کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے اور دوسری روایت میں کہا کہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، اور صاحب ہدایہ نے اسکی عدم کراہت کو مختار مانا ہے، اسی طرح شمس الائمہ حلوانی نے بھی۔ ان مشائخ میں سے کچھ نے تشدد برتا اور موطا اور امالی میں اس کے مذکور ہونے سے بے خبری کی وجہ سے اسکی کراہت بلکہ حرمت کا فتویٰ دے دیا۔ حالانکہ محققین مشائخ کا کہنا ہے کہ یہاں دو روایتیں نہیں ہیں، اور ہمارے ائمہ سے اشارہ قطعی طور پر ثابت ہے، مبسوط میں یہ نہیں کہ پورے التحیات کے دوران انگلیاں کھلی ہوں، بلکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ انگلیاں کھلی رکھے، اور جب اشھد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو حلقہ بنا کر اشارہ کرے، یہی مختار حق ہے اور اسی پر ہماری ذکر کردہ مسلم شریف کی روایت دلالت کرتی ہے۔ اشارہ اور حلقہ بنانا دونوں سنت ہیں انہیں چھوڑنا برائی کا سبب ہے، یہ ہمارے ائمہ کا بلا اختلاف مذہب ہے، اور مذکورہ طریقے پر اشارہ کرنا ہمارا مذہب ہے، امام شافعی نے فرمایا ہے کہ چھنگلیا، اس کے ساتھ والی اور درمیانی انگلی بند کر کے تین کا اور انگوٹھا بند کر کے پچاس کا (یعنی ترپن کا) عقد بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے اس لیے کہ ابن عمر سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب التحیات میں بیٹھتے تھے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن کا عقد بنا کر سبابہ سے اشارہ کرتے

تھے، اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی اس طرح کرتے تھے اور کبھی آپ حلقہ بنا کر اشارہ کرتے تھے، پس ان دونوں طریقوں میں سے جس بھی طریقے کے مطابق کرے گا تو سنت ادا ہو جائیگی اور ان میں سے کسی بھی طریقے کو اختیار کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم باحکامہ۔ رسائل الارکان ص: ۸۰۔۸۲

۳۰: مخدوم محمد جعفر بوبکانی لکھتے ہیں: واما ما قیل ھنا: ان الرفضۃ لما توغّلوا فی فعلھا ترکھا السنیّون، فظنٌ فاسدٌ، وکیف یترک السنیّون السنۃ الثابتۃ بالتشبہ الطاری وانما الممنوع منہ مالم یرو فیہ عنہ ﷺ شیٔ أو یکون سابقا علی العلم بالسنۃ. ثم انی الی الآن لم اقف علی دلیل منع الاشارۃ بالمسبحۃ غیر ان مبنی امر الصلاۃ علی الوقار، والاشارۃ تنافیہ، وھذا العقلی لایقاوم حدیث مسلم، بل مبناہ علی الاتباع ثم ترک مَنَا فِیْھَا. وبعض اساتذتنا کتب الاستفتاء من مکۃ الی علماء الروم الحنفیین ھل العمل بالاشارۃ أولی أم ترکہ؟ فاجابوا بان الاشارۃ سنۃ وترکھا لا وجہ لہ۔ یعنی یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ رافضیوں نے اشارہ کرنے میں جب غلوّ سے کام لیا تو سنیوں نے اسے چھوڑ دیا، یہ فاسد گمان ہے، نقلی مشابہت کی وجہ سے سنی حضرات ثابت شدہ سنت کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں، ممنوع مشابہت تو وہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ سے کوئی روایت نہ ہو یا سنت ہونے کے علم سے پہلے کی ہو، میں نے اب تک اشارۂ مسبحہ سے منع کی کوئی دلیل نہیں دیکھی سوائے اس قول کے کہ نماز کا معاملہ وقار پر مبنی ہے اور اشارہ وقار کے منافی ہے، حالانکہ یہ عقلی دلیل مسلم شریف کی حدیث کی برابری نہیں کرسکتی، درحقیقت نماز کی بناء اتباع پر اور اتباع کے منافی امور کے ترک کرنے پر ہے، ہمارے بعض اساتذہ نے مکہ مکرمہ سے روم کے حنفی علماء کی طرف سوال بھیجا کہ کیا اشارہ کرنا اولیٰ ہے یا اسے ترک کرنا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اشارہ کرنا سنت ہے، اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ "المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" ص: ۱۷۶۔۱۷۷ "فصل فی الشروع فی الصلاۃ" نیز "البصارۃ فی العمل بالاشارۃ" ورق نمبر ۳

۳۱: صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود اپنے دادا کی کتاب "وقایۃ الروایۃ" کی شرح میں لکھتے ہیں: (واضعاً یدیہ علی فخذیہ موجھا اصابعہ نحو القبلۃ مبسوطۃ)

وفيه خلاف الشافعي فان عنده يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطیٰ والابهام ويشير بالسبابة عند التلفظ بالشهادتين. ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضاً۔ یعنی (دونوں ہاتھ رانوں پر قبلہ رخ کشادہ کر کے رکھے) اس میں امام شافعی کے خلاف کرنے کا بیان ہے کیونکہ ان کے نزدیک چھنگلیا، اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کر کے درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنانا ہے (۱) اور اشهد ان لا اله الا الله کے تلفظ کے وقت سبابہ سے اشارہ کرنا ہے، اور ہمارے علماء سے بھی اسی طرح آیا ہے۔ (۲) شرح الوقایہ ص: ۱۰۱۔

۳۲۔ شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد حدادیمنی لکھتے ہیں: وهل يشير بالمسبحة؟ من مشايخنا من قال: لا. لان مبنى الصلاة على السكينة. وقال بعضهم: نعم. لان النبي ﷺ كان يفعله؛ وكيفيته ان يقبض اصبعه الخنصر والتي تليها ويحلق الوسطى بالابهام ويشير بمسبحته۔ یعنی کیا مسبحہ کے ساتھ اشارہ کرنا چاہیے؟ ہمارے مشائخ میں سے کچھ نے کہا ہے کہ نہیں، کیونکہ نماز کی بناء سکون پر ہے، اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ہاں، کیونکہ نبی پاک ﷺ اشارہ فرمایا کرتے تھے؛ اسکی کیفیت یہ ہے کہ چھنگلیا اور اسکے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر مسبحہ سے اشارہ کرے۔ الجوہرة النیرة حصہ اول ص: ۶۴۔ ۶۵

۳۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: والسر في رفع الاصبع الاشارة الى التوحيد ليتعاضد القول والفعل ويصير المعنى متمثلاً متصوراً۔ ومن قال: ان مذهب ابي حنيفة رحمه الله ترك الاشارة بالمسبحة فقد أخطأ. ولا يعضده رواية ولا دراية. قاله ابن الهمام۔ نعم لم يذكره

(۱) یعنی امام شافعی کے نزدیک التحیات میں بیٹھتے ہی عقد اور حلقہ بنا دینا ہے، اس کے بعد اشهد ان لا اله الا الله پر اشارہ کرنا ہے۔ (۲) " ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضا " میں سنیتِ اشارہ کی مثلیت مراد ہے اور بس۔ اس کے علاوہ اور کوئی مثلیت مراد نہیں، یعنی التحیات میں بیٹھتے ہی عقد اور حلقہ بنانے کی مثلیت مراد نہیں، ورنہ "فيه خلاف الشافعي " کہنا باطل ہو جائیگا۔ لیکن ہمارے بعض مخالفینِ اشارہ نے ان دونوں امور میں شوافع کے ساتھ مثلیت ثابت کر کے عقد اور اشارے، دونوں کو امام شافعی کا مذہب قرار دے کر اسے حنفی مذہب کے منافی قرار دے دیا۔ علمائے احناف نے "وبسط اصابعه" یا "واضعاً اصابعه مبسوطة" صرف یہ بتانے کے لیے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک بیٹھتے ہی عقد اور حلقہ نہیں ہے، عقد اور حلقہ صرف اس وقت ہوگا جب اشهد ان لا اله الا الله کہا جائیگا۔ اس وضاحت کو یاد رکھنے سے بہت سارے اعتراضات [illegible]

محمد رحمه الله فی الاصل وذکره فی الموطأ. ووجدت بعضهم لا یمیز بین قولنا "لیست الاشارة فی ظاهر المذهب" وقولنا "ظاهر المذهب انها لیست" ومفاسد الجهل والتعصب اکثر من ان تحصیٰ۔ یعنی انگلی کے اٹھانے میں راز یہ ہے کہ وہ توحیدِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے تاکہ قول اور فعل باہم موافق (اور مددگار) ہوں اور توحید کا معنیٰ ہم مثل اور تصور میں رہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اشارۂ سبابہ ترک کرنا امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اس نے غلط کہا، اس کی تائید روایت کرتی ہے اور نہ ہی درایت، یہ بات ابن ہمام نے کہی ہے۔ ہاں! امام محمد رحمہ اللہ نے اسے "اصل" میں ذکر نہیں کیا البتہ اسے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ میں نے بعض حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ "لیست الاشارة فی ظاهر المذهب" (ظاہر مذہب میں اشارہ نہیں ہے) اور "ظاهر المذهب انها لیست" (ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں ہے) کے درمیان فرق ہی نہیں کرتے۔ جہالت اور تعصب کے مفاسد بے شمار ہیں۔ (۱) حجۃ اللہ البالغۃ، جزء اول ص:۱۱-۱۲ "اذکار الصلاة وهیئتها المندوب الیها"۔

۴۳۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں: امام ابن الہمام در شرح ہدایہ گفتہ منع اشارت برخلاف عقل ونقل است، ودر ملتقط مذکور است کہ نیست در اشارت اختلافِ علماء، ودر خانی گفتہ کہ اشارت در وقت لا الہ الا اللہ بلا اختلاف است، ودر کفایہ مذکور است کہ علامہ نجم الدین زاہدی گفتہ: ہرگاہ متفق شد روایت از ہمہ اصحاب ما کہ اشارت سنت است وہمچنیں از علماء کوفہ وعلماء مدینہ، وبسیار است اخبار وآثار پس عمل بآں اولیٰ باشد۔ امام ابن الہمام در شرح ہدایہ وصاحب کفایہ ومحقق چلپی در بغیۃ المہتدی وشیخ شمنی در شرح نقایہ گفت کہ امام ابو یوسف در امالی خود گفتہ کہ انگشت خُرد ودومی را بہ بندد وانگشت میانہ را بانگشت نر حلقہ کند وبانگشت سبابہ اشارہ کند۔ ودر شرح وقایہ گفتہ: ہمچنیں است نزد علماء ما، وصاحب ہدایہ در مختار النوازل گفتہ: اشارت وقت لا الہ الا اللہ نیک است، ودر منیۃ المصلی میگوید: وقتیکہ بشہادتین رسد اشارت بسبابہ کند۔ یعنی امام ابن ہمام نے ہدایہ کی شرح

---

(۱) اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ "ظاہر مذہب" یعنی کتبِ اصول جنھیں ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے، ان میں اشارے کا ذکر نہیں ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ "ظاہر مذہب" یہ ہے کہ اشارہ نہیں ہے، یہ غلط ہے۔ ظاہر مذہب میں اس کے مذکور نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اشارہ نہ کرنا ظاہر مذہب ہے، ان دونوں میں فرق محسوس نہ کرنا جہالت اور تعصب کی وجہ سے ہے جبکہ شرعی امور میں ان دونوں کی گنجائش نہیں۔

میں فرمایا ہے کہ: اشارے سے منع عقل اور نقل کے خلاف ہے، اور ملتقط میں مذکور ہے کہ: اشارے میں علماء کا اختلاف نہیں ہے۔ اور فتاویٰ خانی میں ہے کہ: لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ بلا اختلاف ہے، اور کفایہ میں مذکور ہے کہ: علامہ نجم الدین زاہدی نے فرمایا ہے کہ: جب ہمارے تمام احناف کی روایات متفق ہیں کہ اشارہ سنت ہے، اسی طرح علمائے کوفہ و مدینہ کی روایات بھی اس پر متفق ہیں اور اس کے بارے میں اخبار و آثار بھی بکثرت ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ امام ابن ہمام نے ہدایہ کی شرح میں اور صاحب کفایہ اور محقق چلپی نے بغیۃ المہتدی میں اور شیخ شمنی نے شرح نقایہ میں کہا ہے کہ: امام ابو یوسف نے اپنی امالی میں فرمایا ہے کہ چھوٹی انگلی اور (اس کے ساتھ والی) دوسری انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے۔ اور شرح وقایہ میں ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک بھی اسی طرح ہے، اور صاحبِ ہدایہ نے "مختار النوازل" میں کہا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرنا اچھا ہے اور صاحبِ منیۃ المصلی فرماتے ہیں کہ: جس وقت شہادت پر پہنچے تو سبابہ انگلی سے اشارہ کرے۔ اشارۃ المسترۃ ص: ۵۔۶

۳۵۔ علامہ ابو المکارم ابراہیم بن داؤد الوصالی اپنے رسالے میں اشارۂ سبابہ پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اشارہ در تشہدائے خردمند　　بود جزوے زاجزائے نبوت

اگر محروم گردی زیں سعادت　　گزی بسیار انگشتِ ندامت

چنیں مفتاح فتح از دست مگذار　　لان العاقل تکفیہ الاشارۃ

وقد اتفق الفقهاء من المتقدمين وجمهور المتأخرين على ان الاشارة بالسبابة في الصلاة عند قوله اشهد ان لا اله الا الله سنة؛ وانما شدد بمنعه بعض المتأخرين، وهو ضعيف جداً لانه خلاف الرواية والدراية، اذ صح عن النبي ﷺ واستفاض، بل تواترت تواتراً معنوياً ان الاشارة سنة . وكذا عن الصحابة و التابعين رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين وكذا عن الأئمة المجتهدين اصحابِ المذاهب الاربع ابي حنيفة رحمه الله ومالك رحمه الله والشافعي رحمه الله واحمد رحمه الله وابي يوسف رحمه الله ومحمد رحمه الله وزفر رحمه الله وسفيانين رحمهما الله

فانهم قد نصوا علی ان الاشارۃ فی الصلاۃ عند قولہ اشھد ان لا الہ الا اللہ سنۃ. ولا یلتفت الی من یشدد فی المنع فانہ منع بلا دلیل وحجۃ. وما قالہ بعض المتأخرین من ان الصلاۃ مبنی علی الوقار والسکینۃ. فھذا التعلیل فاسد؛ لان مدار الصلاۃ علی الاتباع. وقد صح عن النبی ﷺ انہ قال: "صلوا کما رأیتمونی أصلی"۔ صدق رسول اللہ ﷺ۔ یعنی اے خرد مند! تشہد میں اشارہ کرنا اجزائے نبوت میں سے ایک جزء ہے(۱) اگر اس سعادت سے تُو محروم رہ گیا تو ندامت سے انگلیاں کاٹ کھائے گا۔ اس طرح کی سعادت کی مفتاح کو ہاتھ سے مت جانے دے کیونکہ عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہے۔

متقدمین فقہاء اور جمہور متاخرین کا نماز میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے پر اتفاق ہے، اور بعض متاخرین نے اس سے منع میں تشدد کا راستہ اختیار کیا ہے (۲) حالانکہ اشارے سے ممانعت کا قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ وہ نقل اور عقل کے خلاف ہے ،جبکہ نبی پاک ﷺ سے صحیح اور مستفیض حدیث (۳) بلکہ معنوی طور پر متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ اشارہ سنت ہے، اسی طرح صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ائمۂ مجتہدین اصحابِ مذاہب اربع امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، امام زفر، سفیان بن سعید ثوری اور سفیان بن عیینہ ہلالی رحمہم اللہ اجمعین نے قطعی طور پر کہا ہے کہ نماز میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت اشارہ کرنا سنت ہے، اور اس سے منع

(۱) مصنف عبدالرزاق ۲ / ۱۶۳ حدیث ۳۲۵۲ نیز امام طبرانی "کتاب الدعاء" باب فضل الاشارۃ بالاصبع فی الدعاء فی الصلاۃ" ص: ۲۰۴ حدیث ۶۴۱ (۲) اس کی ہلکی سی جھلک دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو شرح صحیح مسلم ۲ / ۱۷۷ (۳) نہر کے کناروں سے جب پانی باہر بہنے لگے تو کہتے ہیں "فاض الماء" المغرب فی ترتیب المعرب ۲ / ۱۵۴، حدیث شریف ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے دو قسم ہے۔ خبر متواتر اور خبر واحد۔ خبر واحد کی تین قسمیں ہیں مشہور، عزیز اور غریب۔ جس حدیث میں خبر متواتر کی کوئی ایک شرط نہ ہو وہ خبر واحد ہے۔ مشہور خبر وہ ہے کہ ہر ایک طبقے میں اس کے راوی کم از کم تین ضروری ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک خبر مشہور اور خبر مستفیض دونوں مترادف ہیں، اور بعض نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کی ابتداء اور انتہاء میں کثرتِ طرق یکساں ہو، برخلاف مشہور کے، کہ اس میں ایسا ہونا ضروری نہیں۔ شرح نخبۃ الفکر اور سلعۃ القربۃ فی توضیح شرح النخبۃ ص: ۱۰ مشہور حدیث کی مزید کئی قسمیں ہیں جنھیں یہاں ذکر کرنا باعث طوالت۔ ہوگا۔

میں تشدد برتنے والوں کی منع نا قابل التفات ہے کیونکہ ان کی منع بلا دلیل وحجت ہے، اور یہ جو بعض متأخرین نے کہا ہے کہ نماز کی بناء وقار اور سکون واطمینان پر ہے، ان کی یہ تعلیل فاسد ہے کیونکہ نماز کا مدار اتباع پر ہے۔ اور نبی پاک ﷺ کی صحیح حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو۔ صدق رسول اللہ ﷺ۔ دیکھیے رسالہ مولانا ابوالمکارم ص: ۱۹۔ ۲۱

۳۶۔ علامہ مصطفی بن محمد بن یونس طائی حنفی متوفی ۱۱۹۲ھ کنز الدقائق کے الفاظ (و قرأ تشهد ابن مسعود) پر لکھتے ہیں: "و يشير عند الشهادة بالمسبحة على المعتمد"۔ یعنی اشهد ان لا اله الا الله پر مسبحہ (سبابہ) سے معتمد قول کے مطابق اشارہ کرے۔ مختصر شرح کنز البیان المسمی بتوفیق الرحمن، جز الاول ص: ۳۴

۳۷۔ مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی لکھتے ہیں: اخرج مسلم فی صحيحه عن سيدنا عبد الله بن عمر رضى الله تعالى عنهما قال فيه (كان اذا جلس فى الصلاة) وضع (يريد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) كفه اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ وقبض اصابعه كلها واشار باصبعه التى تلى الابهام۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے تشہد میں اپنا دہنا ہاتھ دہنی ران پر رکھا اور سب انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ واخرج ابن السكن فى صحيحه عنه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الاشارة بالاصبع اشد على الشيطن من الحديد۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر دھار دار ہتھیار سے زیادہ سخت ہے۔ وعنه رضى الله تعالىٰ عنه ايضاً عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: هى مذعرة للشيطن۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شیطان کے دل میں خوف ڈالنے والا ہے۔

امام احمد رضا خان نے اس کے بعد ابوداؤد کی حدیث ذکر کرنے کے بعد یوں لکھا ہے: اور اس باب میں احادیث وآثار بکثرت وارد، ہمارے محققین کا بھی یہی مذہب صحیح ومعتمد علیہ ہے، صغیری میں ملتقط وشرح ہدایہ سے اسکی تصحیح نقل کی اور اسی پر علامہ فہامہ محقق علی الاطلاق مولانا کمال الدین محمد بن الہمام وعلامہ ابن امیر الحاج حلبی وفاضل بہنسی وباقانی وملا خسرو وعلامہ شرنبلالی

وفاضل ابراہیم طرابلسی وغیرہم اکابر نے اعتماد فرمایا اور انہیں کا صاحب درمختار فاضل مدقق علاء الدین حصکفی وفاضل اجل سید احمد طحطاوی وفاضل ابن عابدین شامی وغیرہم اجلہ نے اتباع کیا، علامہ بدرالدین عینی نے تحفہ سے اسکا استحباب نقل فرمایا اور صاحب محیط وملا قہستانی نے سنت کہا، ففی الدر المختار (۱) لیکن معتمد وہی ہے جسے شارحین نے صحیح کہا، خصوصاً متاخرین علماء کمال، حلبی، بہنسی، باقانی اور شیخ الاسلام الجد وغیرہم نے اشارہ کرنے کو صحیح قرار دیا کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے، اور انھوں نے اس قول کی نسبت امام محمد اور امام صاحب کی طرف کی ہے، بلکہ متن درر البحار اور اس کی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ اشارہ کرنا ہمارے نزدیک مفتیٰ بہ قول ہے الخ اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی اشارہ کرے الخ۔ لفظِ صحیح کہہ کر احتراز کیا ہے اس قول سے کہ اشارہ نہ کیا جائے، کیونکہ وہ درایت وروایت دونوں کے خلاف ہے، اور عینی میں تحفہ کے حوالے سے ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور محیط میں ہے کہ سنت ہے، انتھی ملتقطاً۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمۂ کرام سے روایتیں وارد، جس نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے، اُس میں عدم روایت یا روایتِ عدم کا زعم کیا محض ناواقفی یا خطائے بشری پر مبنی تھا، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب المشیخۃ میں دربارۂ اشارہ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کر کے فرماتے ہیں: فنفعل ما فعل النبی ﷺ ونصنع ما صنعه وهو قول ابی حنیفة وقولنا. ذکره العلامة الحلبی فی الحلبة عن البدائع یعنی پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور کا فعل تھا اور وہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ کا اور ہمارا، اس کو علامہ حلبی نے حُلبہ میں بدائع سے نقل کیا ہے۔ ویروی عنه رحمه الله تعالیٰ ثم قال: هذا قولی وقول ابی حنیفة. اثره العلامة عن الذخیرة وشرح الزاهدی صاحب القنیة اور انہی سے مروی ہے، پھر امام محمد نے فرمایا اشارہ کرنا میرا قول ہے اور قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا، علامہ حلبی نے ذخیرہ اور شرح الزاہدی صاحبِ قنیہ سے اسے نقل کیا۔ حُلبہ مذکورہ اور کبیری اور ردالمحتار میں اسے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا یہاں تک کہ شامی نے اس حاشیہ میں تصریح کی: هو منقول عن ائمتنا الثلاثة (یہ ہمارے تینوں ائمہ سے منقول ہے) اور اسی میں ہے: هذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبی صلی اللہ

(۱) یہاں پر عربی عبارت ہے جسکا ترجمہ ہم فتاویٰ رضویہ ہی سے پیش کر رہے ہیں۔

تعالیٰ علیه وسلم بالاحادیث الصحیحة ولصحة نقله عن ائمتنا الثلاثة فلذا قال فی الفتح ان الاول (یعنی عدم الاشارة) خلاف الدرایة والروایة. وفیه عن القهستانی: وعن اصحابنا جمیعاً انه سنة فیحلق ابهام الیمنٰی ووسطاها ملصقاً رأسها برأسها ویشیر بالسبابة۔ اسی پر متاخرین نے اعتماد کیا کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ سے احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے اور ہمارے تینوں ائمہ سے اسکا نقول ہونا صحیح ہے اسی لئے فتح میں کہا کہ پہلا قول (یعنی اشارہ نہ کرنا) درایت وروایت کے خلاف ہے، اور اسی میں قہستانی سے ہے کہ ہمارے تمام احناف کے نزدیک یہ سنت ہے لہذا دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے سروں کو ملا کے حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے۔

کبیری میں ہے: قبض الاصابع عند الاشارة وهو المروی عن محمد فی کیفیة الاشارة وعن کثیر من المشایخ انه لا یشیر اصلاً وهو خلاف الدرایة والروایة. فعن محمد ان ما ذکره فی کیفیة الاشارة هو قوله وقول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. ملخصاً۔ یعنی اشارہ کے وقت انگلیاں بند کرلے، طریقۂ اشارہ میں امام محمد سے یہی مروی ہے، اور متعدد مشائخ کا قول ہے کہ اشارہ اصلاً نہ کیا جائے، یہ درایت وروایت کے خلاف ہے، امام محمد سے منقول ہے کہ کیفیتِ اشارہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے یہ ان کا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، ملخصاً۔

اور اسی طرح محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔ بالجملہ اشارہ مذکورہ کی خوبی میں کچھ شک نہیں، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اقوال ہمارے مجتہدین کرام کے اسی کو مفید، بعد اس کے اگر کتبِ متاخرین مثل تنویر الابصار وولوالجیہ وتجنیس وخلاصہ وبزازیہ وواقعات وعمدۃ المفتی ومنیۃ المفتی وتبیین وکبریٰ ومضمرات وہندیہ وغیرہا عامہ فتاویٰ میں عدمِ اشارہ کی ترجیح وتصحیح منقول ہو تو قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتی، علماء نے ان اقوال پر التفات نہ فرمایا اور خلافِ عقل ونقل ٹھہرایا کما سمعت مراراً. والحمد لله لیلاً ونهاراً وجهراً واسراراً والله تعالیٰ اعلم۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۱۵۰۔ ۱۵۳ مسئلہ نمبر ۴۰۱ نیز ص: ۱۸۷ مسئلہ نمبر ۴۱۸ نیز ص: ۱۸۹۔۱۹۰ مسئلہ نمبر ۴۲۲ ، اس کے علاوہ مسئلہ نمبر ۴۲۴ میں اشارے کے جواز وعدمِ جواز اور اس کے طریقہ کے بارے میں کیے جانے والے سوال کے جواب میں لکھا ہے

کہ: التحیات میں انگلی کا اشارہ سنت ہے، جب اشہد پر پہنچے چھنگلیا اور اس کے برابر کی انگلی کی گرہ باندھے اور انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنائے اور "لا" پر کلمے کی انگلی اٹھائے اور "الا" پر گرا کر ہاتھ کھول دے، محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صنعه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فنصنع كما صنع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو قول ابي حنيفة واصحابنا- یہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا تو ہم کریں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور ہمارے اصحاب کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، واللہ تعالیٰ اعلم۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۱۹۰

۳۸۔ مخدوم ہاشم سندھی ٹھٹوی فرماتے ہیں: انه مستحب اوسنة فلا ينبغي تركها لكثرة ما ورد فيها من الاحاديث النبوية الصحيحة الصريحة حتىٰ كاد ان يتواتر معناه. و وجد فيها من النصوص الفقهية المذهبية ما لا ينبغي التجاوز عن مقتضاه حتىٰ كان هو الاصح المعمول عليه في مذهب السادة الحنفية. بل قد قام الاجماع عليه من جميع مجتهدي مذاهب الامة المحمدية. وكذا من أتباعهم الّا من شذ عنهم من بعض متأخري المقلدين من الحنفية۔ یعنی اشارے کا عمل مستحب یا سنت ہے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کے متعلق کثیر تعداد میں صحیح اور صریح احادیث وارد ہوئی ہیں جو کہ معنوی طور پر متواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، اور فقہی مذہبی نصوص بھی اس قدر پائی جاتی ہیں کہ ان کے مقتضیٰ سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا، یہاں تک کہ اسکا عمل سادات حنفیہ کے مذہب میں اصح اور معمول علیہ ہے، بلکہ امتِ محمدیہ کے تمام مجتہدین کا اس پر اجماع ہے اسی طرح ان کے متبعین کا بھی اس پر اجماع ہے، سوائے ان لوگوں کے جو متأخرین مقلدین احناف میں سے ان سے الگ ہو گئے۔
نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۱

مزید فرماتے ہیں: قد حصل مما ذكرنا في جميع هذه الرسالة ان الاشارة سنة النبي ﷺ واصحابه رضي الله عنهم اجمعين وان العمل بها أولى من تركها في مذاهب الائمة الاربعة المتبوعة. وانه الصحيح المعتَمَد عليه من مذهب الامام ابي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه. فتدبر۔ اس رسالے میں ہمارے تمام بیان سے یہ ثابت ہوا کہ اشارہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ

رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت ہے، ائمۂ اربعہ متبوعہ کے مذاہب میں اس پر عمل کرنا اسے ترک کرنے سے اولیٰ ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں اشارہ کرنا صحیح اور معتمد علیہ ہے، غور وفکر کر۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۱۳۱

۳۹۔ علامہ عبد الرحمٰن جزیری لکھتے ہیں: ومنها ان يشير بسبابته فى التشهد على تفصيل فى المذاهب: الحنفية قالوا: يشير بالسبابة من يده اليمنىٰ فقط بحيث لو كانت مقطوعة أو عليلة لم يشر بغيرها من اصابع اليمنىٰ ولا اليسرىٰ عند انتهائه من التشهد بحيث يرفع سبابته عند نفى الالوهية عما سوىٰ الله تعالىٰ بقوله لا اله الا الله. ويضعها عند اثبات الالوهية لله وحده قوله الا الله. فيكون الرفع اشارة الىٰ النفى والوضع الى الاثبات۔ یعنی چاروں مذاہب میں التحیات کے دوران سبابہ سے اشارہ کرنا سنت ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ صرف دائیں ہاتھ کی سبابہ سے اشارہ کرے، اگر وہ کٹی ہوئی یا علیل ہو تو دائیں ہاتھ کی کسی دوسری انگلی سے یا بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ نہ کرے، اشارہ شہادت پر پہنچ کر اس طرح کرے کہ لا اله الا الله کے ذریعے ماسوی اللہ سے الوہیت کی نفی کے وقت سبابہ کو اٹھائے اور الا الله کے ذریعے اللہ وحدہ کے لیے الوہیت کے ثبوت کے وقت اسے نیچے کرے، اسے اٹھانا نفی کی طرف اور اسے نیچے کرنا اثبات کی طرف اشارہ ہوگا۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، جلد اول بیان "الاشارۃ بالاصبع السبابۃ فی التشہد وکیفیۃ السلام" ص: ۲۶۵

۴۰۔ مولانا گل محمد بن غلام محمد نے شیخ علی متقی ہندی کے رسالے سے اشارۂ سبابہ میں مختلف فقہی روایات واحادیث پیش کرتے ہوئے اشارے کے استحسان واستحباب اور سنت ہونے کے قول کا راجح ہونا نقل کیا ہے؛ اس کے بعد شرح سفر السعادت سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: وتطویل کلام درینمقام از جہت آں کردہ شد کہ اہلِ ایں دیار دریں باب براہ تعصب وتعسف روند و در نفی آں مبالغہ نمایند، وحق خلاف آں است۔ یعنی شیخ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس مقام پر اشارے کے حوالے سے طویل گفتگو اس وجہ سے کی گئی ہے کہ اس ملک کے باشندے تعصب اور ٹیڑھے راستے پر چل پڑے ہیں اور اشارے کی نفی میں مبالغہ کرتے ہیں، حالانکہ حق اس کے خلاف ہے۔ فتاویٰ جامع الفوائد ص: ۳۴، نیز شرح سفر السعادت ص: ۸۲

۴۱۔ مولانا شفیق الرحمٰن ندوی، نماز کی سنتوں کے بیان میں بتیسویں نمبر پر لکھتے ہیں: ان

يشير بالاصبع المسبحة فى التشهد، يرفعها عند قوله "لا اله" ويضعها عند قوله "الا الله"۔ یعنی التحیات میں مسبحہ سے اشارہ کرنا، اسے "لا الہ" پر اٹھائے اور "الا اللہ" پر نیچے کرے۔ الفقہ المیسر علی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، ص: ۸۲، اس کے علاوہ ص: ۹۵ "کیفیۃ اداء الصلاۃ" میں لکھا ہے: مشيراً بالمسبحة فى الشهادة فارفعها عند قولك "لا اله" وضعها عند قولك "الا الله"۔ یعنی کلمۂ شہادت کے وقت مسبحہ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے "لا الہ" پر انگلی کو اٹھا، اور "الا اللہ" پر اسے نیچے کر۔

۴۲۔ مولانا محمد عاشق الٰہی برنی نے بھی نماز کی سنتوں کے بیان میں بارہویں نمبر پر لکھا ہے: "والاشارة عند الشهادة" یعنی کلمۂ شہادت کے وقت اشارہ کرنا۔ نیز اس نے "كيفية اداء الصلاة من التحريمة الى السلام" میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا روایت کردہ التحیات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: واشار بالسبابة اليمنىٰ عند الشهادة محلقاً بالابهام والوسطىٰ وقابضاً الخنصر والبنصر۔ یعنی کلمۂ شہادت کے وقت دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنا کر چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کی گرہ باندھ کر سبابہ سے اشارہ کرے۔ التسہیل الضروری للمسائل القدوری، ص: ۴۴، ۴۶

۴۳۔ علامہ اسعد محمد سعید صاغرجی "وضع اليدين على الفخذين فى الجلوس الاول والاخيرة والاشارة بالمسبحة" کے زیر عنوان لکھتے ہیں: لما روىٰ عامر بن عبد الله بن الزبير عن ابيه قال: "كان رسول الله ﷺ اذا قعد يدعو وضع يده اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ، ويده اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ، واشار باصبعه السبابة" حين يتشهد، لما روىٰ خفاف بن ايماء بن رحضة الغفارى قال: رأيت رسول الله ﷺ كان يشير باصبعه اذا جلس يتشهد فى صلاته، وكان المشركون يقولون: انما يسحرنا، وانما يريد النبى ﷺ التوحيد۔ یعنی اس لیے کہ عامر بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ جب بیٹھ کر التحیات پڑھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور سبابہ سے اشارہ کرتے" یعنی تشہد پڑھتے وقت، کیونکہ خفاف بن ایماء بن رحضۃ غفاری نے فرمایا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بیٹھ کر التحیات پڑھتے تو آپ اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے، اور

مشرک کہتے تھے کہ ہم پر جادو کرتا ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ توحید کا ارادہ کرتے تھے۔ الفقہ الحنفی وأدلتہ، حصہ اول "باب سنن الصلوۃ" ص: ۱۷۰، مزید لکھتے ہیں: وعن ابی یوسف انه یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطیٰ والابھام ویشیر بالسبابة۔ یعنی ابو یوسف سے مروی ہے کہ آپ ﷺ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کا عقد باندھ کر درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرتے تھے۔ ایضاً "باب صفة الصلاۃ" ص: ۱۷۵

۴۴۔ حاجی شاہ فقیر اللہ علوی رُتاسی جلال آبادی ثم سندھی شکارپوری (۱) لکھتے ہیں:

ان العلماء قد اختلفوا فی اثبات الاشارة بالمسبحة وقت التهليل فی التشهدين. ذهب كثير منهم الى انه لا يشير اصلاً. وعللوا ذالک بالادلة الدالة علی الترک. وذهب آخرون منهم الى انه مستحب وحسن وسنة وغیر ذالک من الالفاظ الدالةعلی الرجحان. فلما رأیت بعض علماء الزمان واحباب الدوران منحرفا عن طريق الانصاف وسالكا مسلک الاعتساف غير متميز بين الغث والسمين وطريق الشمال واليمين اردت مستعيناً بالله الهادى المتين ان اكشف الخطاء عما هو الحق الحقيق فشرعت فيه و بالله التوفيق و سميت هذه الرسالة بكشف غطاء العين لرؤية الاشارة فی التشهدين۔ یعنی علماء نے تشہدَین میں تہلیل کے وقت مسبحہ سے اشارے کی اثبات میں اختلاف کیا ہے، اکثر کی رائے ہے کہ اصلاً اشارہ نہ کرے، انھوں نے اس کے ترک کرنے پر دلائل بھی پیش کیے ہیں، اور دیگر علماء کا نظریہ ہے کہ اشارہ مستحب ہے اچھا ہے اور سنت ہے، انھوں نے اس کے علاوہ بھی اشارے کے راجح ہونے پر دلالت کرنے والے الفاظ لکھے ہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ بعض علماء زمان واحباب دوران راہِ انصاف سے منحرف اور بے سوچے سمجھے مسلک پر سالک اور دبلے اور فربہ، شمال اور یمین کے درمیان فرق نہیں کر رہے تو ہادی متین اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ ثابت شدہ حق سے خطا کو ظاہر کروں، اس لیے اللہ کی توفیق سے میں نے اسے شروع کیا اور اس کا نام

---

(۱) آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے نامور محقق، صوفی عالم تھے آپ اور حضرت امام ربانی کے درمیان چار واسطے ہیں، حاجی صاحب سندھ کے خاندان راشدیہ کے مؤسس اعلیٰ سید محمد راشد "روضے دھنی" علیہ الرحمہ کے استاد بھی تھے۔

حاجی شاہ فقیر اللہ نے خاص اس موضوع پر رسالہ لکھا ہے جو "مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی" میں شامل

"کشف غطاء العین لرؤیۃ الاشارۃ فی التشھدین" رکھا۔ مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی ص: ۳۳۔۳۴
حاجی شاہ فقیر اللہ علوی نے اشارے کے بارے میں احادیث درج کرنے کے بعد حضرت امام اعظم کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: و قد صرح الامام الهمام بانی مذهب الحنفية محمد بن الحسن الشيبانی فی مؤطاه ان ثبوت الاشارة قول ابی حنيفة رحمه الله تعالى مع انه عرف من عادته فی كتابه المذكور انه لا ينقل من الامام الاعظم ابی حنيفة رحمه الله تعالى الا قولا هو المذهب المنصور المعتمد به. و صرح الحافظ مغلطای الحنفی فی شرحه علی سنن ابن ماجه ان المعتمد من قول ابی حنيفة رحمه الله تعالى ثبوت الاشارة۔ یعنی امام ہمام بانی مذہب حنفی محمد بن حسن شیبانی نے اپنی مؤطا میں صراحت کی ہے کہ اشارے کا ثبوت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، جبکہ ان کی مذکورہ کتاب میں معروف عادت ہے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ سے وہی قول نقل کرتے ہیں جو امام صاحب کا معتمد علیہ مذہبِ منصور ہوتا ہے، حافظ مغلطای حنفی نے اپنی شرح سنن ابن ماجہ (ج ۵ ص: ۱۵۷۷) میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا معتمد قول اشارے کا ثبوت ہے۔ مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی ص: ۳۴ اس کے بعد شاہ فقیر اللہ نے النوازل اور صاحبِ ہدایہ کی مختار النوازل، فتاوی خانیہ، ملتقط، فتاوی صوفیہ، تبیین الحقائق، الایضاح شرح الاصلاح، طحاوی، ابن امیر الحاج کی حلبۃ المحلی شرح منیۃ المصلی، زاہدی، بحر الرائق، سرد جی، مجتبیٰ، عینی، نقایہ کی بعض شروحات، مواہب الرحمن، نور الایضاح، شرعۃ الاسلام، فتح المبین، شرح وقایہ، اسکے حاشیۂ عصام، ذخیرہ، ہدایہ کی شرح نہایہ، وظائف النبی، غرر الاذکار، محیط برہانی، مفتاح الصلاۃ، لمعات التنقیح، سفر السعادت اور ملا علی قاری کی شرح مؤطا وغیرہ کے حوالہ جات درج کرنے کے بعد لکھا ہے: فعلى هذا لايكون القول بنفى الاشارة مرويا عن صاحب المذهب، بل عن المتاخرين فلا يعارض ثبوة الاشارة المروى عنه نصا۔ یعنی اشارے کی نفی کا قول صاحبِ مذہب سے مروی نہیں ہے بلکہ متاخرین سے مروی ہے، جو کہ صاحبِ مذہب سے ثبوتِ اشارہ کا معارض نہیں ہوسکتا۔

اکثر مانعینِ اشارہ جامع الرموز اور کفایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ان ظاهر اصول اصحابنا انه لا يشير، یعنی ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے۔ شاہ فقیر اللہ علوی نے اس پر لکھا ہے کہ: فهذا الظهور ممنوع، اذ ليس فی شئ

من کتب ظاہر الروایۃ کلھا ذکر نفی الاشارۃ اصلا ۔ و انما فیھا عدم ذکر حکمھا ۔ والسکوت لا ینافی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ انہ قال: نحن نصنع بصنع رسول اللہ ﷺ و نأخذ بفعلہ ۔ و انہ قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ اذ کم من مسایل لم تذکر فی ظاہر الروایۃ اصلا کبسط اصابع الیدین فی وقت التشھد وتوجیھھا نحو القبلۃ و غیر ذالک مما یصل الی عدد المآت بل الالوف ۔ فالحکم ببطلانھا علی کونھا خلاف ظاہر الروایۃ تحکم اذ خلافھا ما ثبت نفیہ فیھا ۔ و ھذا لیس کذالک ۔ یعنی عدم اشارہ کا ظاہر الاصول ہونا ممنوع ہے کیونکہ ظاہر الروایہ کی کسی بھی کتاب میں اشارے کی نفی کا قول اصلا مذکور نہیں، ان میں تو اشارے کے حکم کا ذکر ہی نہیں، اس کے ذکر سے خاموشی امام محمد رحمہ اللہ کے اس قول کے منافی نہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے فعل کی متابعت کرتے ہیں اور آپ کے عمل کو اپناتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے ۔ جبکہ بہت سارے ایسے مسائل بھی ہیں جو ظاہر الروایہ میں مذکور ہی نہیں جیسا کہ تشہد کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھنا اور انہیں قبلہ رخ رکھنا وغیرہ، اس قسم کے مسائل کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، اشارے کے بطلان کا حکم ظاہر الروایہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس وقت لگایا جائے گا جب ظاہر الروایہ میں اس کی نفی موجود ہوگی، حالانکہ اشارے کا یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے ۔ مکتوباتِ شاہ فقیر اللہ علوی ص: ۳۶

رسالہ کے آخر میں اس بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے: و فی الباب ادلۃ کثیرۃ غیر ذالک فقد اکتفیت علی ھذا لتنقیح القول الصحیح ۔ فمن انصف ولم یتعسف و یلاحظ قوۃ الادلۃ ۔ و یمیز الصحیح من السقیم البین عرف ان ھذا سبیل اھل التدین من السلف و الخلف ۔ و من عدل عن ذالک فھو ھالک بوصف المعاند والمکابر و ان کان عند الناس من الاکابر ۔

؎ اذا لم تکن للمرء عین صحیحۃ   فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

ھذا ما سنح لی فی ھذا الباب واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الصواب ۔ الحمد للہ علی نعمائہ والصلاۃ والسلام علی اشرف سفرائہ محمد و علی آلہ و صحبہ

فی کل لمحة و لحظة بدوام بقائه و محبیه و علینا فی جمیع احبائه۔ یعنی اس باب میں اس کے علاوہ بھی ادلۂ کثیرہ موجود ہیں لیکن میں نے صحیح قول کی درستی کے لیے اسی پر اکتفاء کی ہے، جو بھی انصاف سے کام لے گا اور بے سوچے سمجھے نہیں چلے گا اور دلائل کی قوت ملاحظہ کرے گا، ظاہر ظہور ناقص اور صحیح کے درمیان تمیز کرے گا وہ جان لے گا کہ اشارہ کرنا سلف و خلف میں سے دیندار لوگوں کا طریقہ ہے، جو بھی اس سے روگردانی کرے گا وہ معاند اور کٹ حجتی ہونے کی وجہ سے ہلاک ہونے والا ہے، خواہ وہ لوگوں کے نزدیک اکابر میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ ترجمۂ شعر: جب آدمی کی آنکھ صحیح نہ ہو اور وہ روشن صبح میں شک کرے تو کوئی تعجب نہیں۔ مکتوبات حاجی شاہ فقیر اللہ علوی ص: ۳۸۰ نیز قطب الارشاد ص: ۲۴۹۔

۴۵۔ حاجی شاہ فقیر اللہ کے پڑپوتے میر علی نواز علوی کا بھی اس بارے میں ضخیم رسالہ ہے، اس کے باب دوم میں فقہی عبارات درج کرنے کے بعد انھوں نے لکھا ہے: اقول: فعبارة جمیع هذه الکتب المعتبرات و غیرها تنادی بان نفی الاشارة قول بعض مشایخنا. لا قول ابی حنیفة؛ و ان قول ابی حنیفة هو ثبوت الاشارة کما نص علیه الامام محمد فی مؤطائه و غیره. فکن علی بصیرة من ذالک۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ ان تمام معتبر کتب کی عبارات وغیرہ واضح طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ اشارے کی نفی ہمارے بعض مشائخ کا قول ہے، امام ابوحنیفہ کا قول نہیں، امام ابوحنیفہ کا قول تو اشارے کا ثبوت ہے جیسا کہ اس پر امام محمد نے اپنی مؤطا وغیرہ میں صراحت فرمائی ہے، اس لیے اس مسئلے کے متعلق عقل و بصیرت حاصل کر۔ البشارة فی العمل بالاشارة، باب دوم ص: ۱۱۲

مزید لکھتے ہیں: ولذا قال المحقق ابن الهمام ان عدم الاشارة خلاف الروایة والدرایة. فالعجب کل العجب لمن یعدل عن مثل هذا الفعل الثابت بالاحادیث الصحیحة المفتی به فی الکتب المعتمدة للمتقدمین والمتاخرین الذی ذهب الیه ائمتنا الثلاثة. بل أئمة المذاهب کلها و یتبع هوی النفس ویعرض عن الحق الحقیق للاتباع والقبول. و یغمض العینین عن یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ یعنی اس لیے محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ عدم اشارہ روایت اور درایت کے خلاف ہے۔ بہت تعجب ہے اس پر جو صحیح

احادیث سے ثابت شدہ، متقدمین ومتاخرین کی معتمد کتب میں "مفتی بہ" قرار دیے گئے اس عمل سے روگردانی کرے، جوکہ ہمارے تینوں ائمہ بلکہ تمام مذاہب کے ائمہ کا مسلک ہے، اور وہ شخص ہوائے نفس کے پیچھے چلتے ہوئے قبول واتباع کے لائق حق سے روگردانی کرے اور رب العالمین کے روبرو لوگوں کے کھڑے ہونے والے دن سے آنکھیں بند کرلے۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ البشارۃ فی العمل بالاشارۃ ص: ۱۸۴

۴۶۔ میر علی نواز علوی نے اپنے اس رسالہ میں مخدوم عبدالخالق عباسی کھہڑائی کے رسالہ "معدن المسائل" کی عبارت نقل کی ہے کہ: حضرت مخدوم بہاؤالدین زکریا الملتانی قدس سرّہ اللہ تعالی وقتِ رخصت از خدمت شیخ الشیوخ شہاب الدین السہر وردی رحمہ اللہ تعالی التماس نمودند اگر فرمائید از مذہب ابی حنیفہ انتقال نمودہ بمذہب شافعی در آیم، اجازت ندادند وفرمودند بدو مسئلہ از شافعیہ عمل نمودہ باشی، یکے رفع سبابہ در التحیات، دوم قرأت فاتحہ پس امام، ایشاں تتبع کتب نمودند روایتے از امام ابوحنیفہ یافتند دررفع سبابہ وشکر بجا آوردند، والحق کہ مذہب امام ابوحنیفہ وصاحبیہ نیز ہمین است۔ یعنی حضرت مخدوم بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے رخصت کے وقت التماس کی کہ اگر اجازت ہو تو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے امام شافعی کے مذہب کی طرف منتقل ہوجاؤں! شیخ الشیوخ نے انہیں اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ دو مسئلوں میں شوافع کے مطابق عمل کرتے رہنا، ایک التحیات میں رفع سبابہ کے مسئلے میں، دوسرا قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں۔ شیخ بہاؤالدین زکریا نے کتابوں میں تلاش کیا تو رفع سبابہ کے بارے میں انہیں امام ابوحنیفہ کی ایک روایت مل گئی جس پر آپ شکرِ خدا بجالائے، اور حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب بھی یہی ہے۔ معدن المسائل بحوالہ البشارۃ فی العمل بالاشارۃ ص: ۱۶۶۔

۴۷۔ مولانا عبدالغفور ہمایونی متوفی ۱۱ رمضان شبِ جمعہ ۱۳۳۶ھ سے کسی نے سوال کیا کہ: اشارہ کردن بسبابہ در وقت تشہد چہ حکم دارد؟ یعنی تشہد کے وقت سبابہ انگلی سے اشارہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے لکھا کہ: مندوبست ومستحب کہ بوقتِ "لا" بردارد و بوقت "الا اللہ" فرونہد، قال فی رد المحتار فی فصل کیفیۃ الصلاۃ: وحررت فیها۔ أی الرسالة۔ ان لیس لنا سوی قولین. الاول وهو المشهور فی المذهب بسط الاصابع بدون اشارة. الثانی بسط الاصابع الیٰ حین الشهادة فیعقد عندها ویرفع السبابة عند النفی ویضعها عند الاثبات. وهذا ما اعتمده

المتأخرون لثبوته عن النبی ﷺ بالاحادیث الصحیحة ولصحة نقله عن ائمتنا الثلاثة. فلذا قال فی الفتح: ان الاول خلاف الدرایة والروایة انتهیٰ۔ وقال فی الدر المختار فی الباب المذکور: وفی العینی عن التحفة الاصح انها مستحبة. وفی المحیط سنة انتهی۔ قال فی رد المحتار: قوله: وفی المحیط سنة. یمکن التوفق بانها غیر موکدة. انتهی۔ پس اگر ایں سنت بجا آرد اہلِ ثواب گردد، واگرنہ اوراگنہگار نباید گفت، چراکہ حکم سنتِ مستحبہ ہمیں است، هذا ما ظهر لی فی هذا الباب والله اعلم بالصواب۔ یعنی مندوب ومستحب ہے کہ ”لا“ پر انگلی اٹھائے اور ”الا“ پر اسے نیچے رکھ دے، ردالمحتار کی ”فصل فی کیفیة الصلاة“ میں ابن عابدین نے لکھا ہے کہ: میں نے اس بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے، ہمارے نزدیک دوقول ہی ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ اشارے کے بغیر انگلیاں کشادہ رکھی جائیں، یہ قول مذہب میں مشہور ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ شہادت کے وقت تک انگلیاں کشادہ ہوں پھر شہادت پر عقد باندھے اور نفی پر سبابہ کو کھڑا کرے اور اثبات پر اسے رکھ دے، اسی قول پر متاخرین کا اعتماد ہے کیونکہ اس کا ثبوت نبی پاک ﷺ کی صحیح احادیث میں موجود ہے اور ہمارے تینوں ائمہ سے صحیح طور پر منقول بھی ہے، اس لیے فتح القدیر والے نے کہا ہے کہ اشارے کی نفی کا قول درایت اور روایت کے خلاف ہے انتھی۔ درمختار کے مذکورہ باب میں ہے کہ عینی میں ”تحفہ“ سے منقول ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے، اور محیط میں ہے کہ سنت ہے انتھی۔ ردالمحتار میں ہے کہ صاحبِ درمختار کا یہ قول کہ: ”محیط میں ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے“ اس کی موافقت اس طرح ممکن ہے کہ اسے غیر مؤکدہ سنت مانا جائے انتھی۔ پس اگر یہ سنت بجالائیگا تو ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر نہیں تو اسے گنہگار نہیں کہنا چاہیے کیونکہ سنتِ مستحبہ کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ فتاویٰ ہمایونی جلد اول ص: ۲۵

۴۸۔ صاحبِ صلاۃ مسعودی شیخ مسعود بن یوسف سمرقندی نے لکھا ہے: اما ایں سنت علماء متقدم است، متأخران بآخر نہی کردہ اند، ومنسوخ شد بنا برآنکہ ایں قول را رافضیان گرفتہ اند۔ یعنی اشارہ کرنا علماء متقدمین کا طریقہ ہے، متاخرین علماء نے بالآخر اس سے منع کردیا اور وہ اس بناء پر منسوخ ہوگیا کہ اس قول کو رافضیوں نے اختیار کرلیا تھا۔ صلاۃ مسعودیہ کے اس قول پر اسکے محشی مولانا ابومحمد عبدالحق لکھتے ہیں: رفع سبابہ در تشہد از احادیث نقل کردہ است، وقدمائے احناف رحمہم اللہ بر سنت بودن او متفق اند، وآنکہ مصنف فرمودہ برائے تشابہ رافضیان ترک باید کرد قول

ضعیف است چراکہ درامور مسنونہ یافرائض تشبہ ممنوع نیست وہیچ سنت از یں تشبہ گزاشتہ نمی شود، وقول محققین حنفیہ ہمین است، صاحب فتح القدیر وغیرہ ہمیں را اختیار کردہ اند۔یعنی تشہد میں انگلی اٹھانا احادیث میں منقول ہے، متقدمینِ احناف رحمہم اللہ اس کے مسنون ہونے پر متفق ہیں، مصنف کا یہ فرمان کہ "رافضیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اسے ترک کرنا چاہیے" یہ ضعیف قول ہے کیونکہ مسنون یا فرائض امور میں مشابہت ممنوع نہیں ہے، کوئی بھی سنت محض مشابہت کی وجہ سے نہیں چھوڑی جاسکتی، محققینِ احناف کا قول اشارہ کرنے ہی کا ہے، صاحبِ فتح القدیر وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔صلاۃ مسعودی، جلداول، باب ششم دربیان سنتہائے نماز، ص:۵۸

۴۹۔میر علی نواز علوی نے علامہ ابوالمعارف محمد عنایت اللہ قادری قصوری ثم لاہوری کی غایۃ الحواشی اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمہما اللہ کی مختصر الوقایہ کی شرح سے حوالے نقل کیے ہیں، جن میں سے "غایۃ الحواشی" کی عبارت یوں نقل کی ہے: "ذکر صاحب المرقاۃ فی شرح المشکوۃ الاحادیث فی رفع السبابۃ. قد ترقت عن حد الشھرۃ وحصل لھا التواتر المعنوی بسبب کثرۃ الطرق. وبثلاث طرق یصیر الحدیث مشھورا والاحادیث فی الاشارۃ قد تجاوزت عن سبعین بطرق مختلفۃ. فثبت التواتر المعنوی فمن قال: ان الاحادیث فی رفع السبابۃ لیست من المشاھیر؛ فالانکار عن شھرتھا کالانکار عن الشمس فی نصف النھار. قال صاحب المرقاۃ: فکیف یجوز لمن یؤمن باللہ ورسولہ أن یاتی بالعلل العقلیۃ فی مقابلۃ الاحادیث الصحاح. وکل من علل فی نفیھا فعلۃ منظور فیھا. فالعمل علی الروایات الفقھی ۃ التی ترجحھا الاحادیث الصحاح اولیٰ وارجح"۔یعنی صاحبِ مرقاۃ نے مشکوۃ کی شرح میں رفع سبابہ سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں جو کہ شہرت کی حد سے بڑھی ہوئی ہیں اور کثرتِ طرق کی وجہ سے انھیں معنوی تواتر کا درجہ حاصل ہے۔تین طریقوں سے حدیث مشہور ہوتی ہے جبکہ اشارے کے بارے میں احادیث ستر مختلف طریقوں سے بھی متجاوز ہوگئی ہیں جسکی وجہ سے ان احادیث میں معنوی تواتر ثابت ہوتا ہے، پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ رفع سبابہ کی احادیث مشہور احادیث نہیں ہیں، تو ان کی شہرت سے انکار، نصف النہار کے سورج سے انکار کی مانند ہے، صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں کہ: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے کے لیے کیونکر جائز ہے کہ وہ صحیح احادیث کے مقابلے میں،

عقلی علل پیش کرے، جس کسی نے بھی اس کی نفی کی علت پیش کی ہے تو وہ علت خود ہی قابلِ غور ہے، اس لیے صحیح احادیث سے ترجیح پانے والی فقہی روایات پر عمل کرنا ہی اولیٰ اور راجح ہے۔ غایۃ الحواشی بحوالہ البشارۃ فی العمل بالاشارۃ ص: ۱۲۹۔۱۳۰

۵۰۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی کے الفاظ یوں ہیں: (موجها أصابعه نحو القبلة) متوجہ ساز د انگشتان دست را بجانبِ قبلہ (مبسوطة) کشادہ کردہ شدہ، وبعضے از اصحاب ابوحنیفہ گفتہ اندکہ انگشت کلیک با آنکہ در پہلوئے اوست قبض کند، وانگشت میانگی بانگشت زریں حلقہ کند، وبانگشت شہادت اشارت بتوحید کند درکلمہ لا الہ الا اللہ، ومذہب شافعی وشارح ایں است، درحدیث وارد شدہ از پیغمبر ﷺ۔ یعنی (انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے ہوئے) ہاتھ کی انگلیوں کو قبلے کی جانب متوجہ کرے (اس حال میں کہ وہ کھلی ہوئی) کشادہ ہوں، امام ابوحنیفہ کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے اور لا الہ الا اللہ کے کلمہ پر شہادت کی انگلی کے ساتھ توحید کی طرف اشارہ کرے، امام شافعی اور شارح کا یہی مذہب ہے اور صحیح احادیث میں نبی پاک ﷺ سے یوں ہی وارد ہوا ہے۔ شرح جامی علی مختصر الوقایۃ۔ بحوالہ البشارۃ فی العمل بالاشارۃ ص: ۱۳۵

۵۱۔ علامہ ابراہیم حلبی کی منیۃ المصلی پر شرح "حلبی صغیر" کے محشی علامہ سید مصطفیٰ بن محمد بن مصطفیٰ مرادی الکوز حصاری رومی حنفی نقشبندی متوفی ۱۲۱۵ھ متن کے الفاظ (و عند الشافعي يبسط اھ) پر لکھتے ہیں: "لما روى مسلم عن ابن عمر كان رسول الله ﷺ اذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى و وضع يده اليمنى على ركبته اليمنى و عقد ثلاثة و خمسين و اشار بالسبابة - ولنا ما روى الترمذي من حديث وائل قلت لانظرن الى صلاة رسول الله ﷺ فلما جلس - يعني للتشهد افترش رجله اليسرى و وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى و نصب رجله اليمى. من غير ذكر زيادة- والمراد من العقد المذكور في رواية مسلم العقد عند الاشارة فقط لا في جميع التشهد. الا يرى ما في الرواية الاخرى لمسلم و ضع اى عليه السلام كفه اليمنى على فخذه اليمنى و قبض اصابعه كلها و اشار باصبعه التي تلي الابهام و هي السبابة و يقال لها ايضا المسبحة- ولا شك ان

وضع الکف لا یتحقق حقیقة مع قبض الاصابع فکان المراد وضع الکف اوّلًا ثم قبض الاصابع بعد ذالک عند الاشارۃ و ھو المروی عن محمد فی کیفیة الاشارۃ التی تجیٔ فی الشرح بقوله: و صفتها ان یحلق اھ۔ و کذا عن ابی یوسف فی الامالی کذا فی الکبیر (قوله انه یشیر) ای باصبعه عندالشهادۃ. نقل عن درر البحار و غرر الاذکار المفتی به عندنا انه یشیر باسطا اصابعه کلھا۔ و نقل عن العینی عن التحفة انها مستحبة هو الاصح۔ و نقل عن المحیط انها سنة. قاله الدر کذا فی الحاشیة"۔یعنی (امام شافعی کے نزدیک ہاتھ کشادہ رکھے) کیونکہ مسلم شریف میں حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تھے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپین کا عقد باندھ کر شہادت انگشت سے اشارہ کرتے۔اور ہمارے لیے ترمذی میں مروی حضرت وائل کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا پھر جب آپ ﷺ بیٹھے یعنی التحیات کے لئے تو آپ نے بایاں پاؤں بچھا دیا اور الٹا ہاتھ الٹی ران پر رکھا اور دایاں پاؤں کھڑا کیا، اس کے علاوہ اس روایت میں کوئی اور ذکر نہیں۔مسلم شریف کی مذکورہ روایت میں عقد سے مراد صرف اشارہ کے وقت عقد باندھنا ہے، پورے التحیات میں نہیں، کیا مسلم شریف کی دوسری روایت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ آپ ﷺ نے اپنی دائیں ہتھلی دائیں ران پر رکھی اور تمام انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرمایا، اور وہ ہے انگشتِ شہادت، اسے مسبحہ بھی کہا جاتا ہے۔کوئی شک نہیں کہ انگلیوں کے بند کرنے کے ساتھ ہتھیلی کا رکھنا حقیقتاً ثابت نہیں ہوسکتا اس لیے اس سے مراد ہے پہلے ہتھیلی رکھنا اس کے بعد اشارے کے وقت انگلیوں کا بند کرنا، امام محمد سے کیفیتِ اشارہ کے متعلق آئے ہوئے شرح کے الفاظ و صفتها ان یحلق میں یونہی مروی ہے، اور امام ابو یوسف سے بھی امالی میں اسی طرح مروی ہے، حلبی کبیر میں اسی طرح ہے (وہ اشارہ کرے) یعنی اپنی انگلی کے ساتھ اشھد ان لا الہ الا اللہ پر اشارہ کرے، درر البحار سے نقل کیا گیا ہے، اور غرر الاذکار میں ہے کہ ہمارے نزدیک مفتی بہ یہ ہے کہ تمام کھلی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرے۔اور تحفہ سے عینی میں منقول ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور وہ اصح ہے۔اور محیط سے منقول ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے یہ بات صاحبِ درنے فرمائی ہے، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔حلیۃ الناجی، ص: ۳۳۵۔۳۳۶

۵۲۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی صاحبِ نبراس کا سنیتِ اشارۂ سبابہ میں ایک مستقل رسالہ ہے جو تاحال نایاب ہے، لیکن انھوں نے اس موضوع پر منظوم کلام بھی کہا ہے، جسے صاحبِ نزہۃ الخواطر نے نقل کیا ہے، وہ قارئین کرام کی نذر کرتا ہوں:

حمداً لک اللّٰھم حمداً سرمداً	وَعَلٰی محمّدک السلام مؤبدا
وعلی صحابته الکرام جمیعهم	والعترة الأطهار دام مخلدا
عبد العزیز یقول نظماً فا بتغوا	حُکماً صحیحاً بالنصوص مؤیدا
ان الاشارة سنة مأثورة	قد جاء عن جمع الصحابة مسندا
بحدیث خیر الخلق صح بیانه	فاعمل بهذا الخیر حتی ترشدا
وَ بالاتفاق من الائمة کلهم	کابی حنیفة، صاحبیه و احمدا
والشافعی و مالک فاتبعهم	اذ من یخالفهم فلیس بمقتدیٰ
فالخنصر اعقد والتی اتصلت بها	والوسط بالابهام تسعین اعقدا
وارفع مسبحة اذا ما قلت لا	وعلیٰ الجلالة ضع وحل المعقدا
اما الذین یحرمون فقولهم	زور و حکم باطل لا یقتدیٰ
قدعا رضوا قول النبی برأیهم	والرأی فی المنصوص لیس مسددا
قد قیل أول مَنْ أتی بقیاسه	فی رد نص الشرع ابلیس الردیٰ
اذ قال إن النار نور زاهر	والعقل لیس بآمر أن یسجدا
فاستخلصن عن کید کید انیهم	و اترک خلاصته ولا تتقیدا
واستعظمن اهل الحدیث فإنهم	مثل الصحابة فاتخِذْهُمْ مُرْشِدا
لیس التشبهُ بالروافض باطلاً	فی کل فعل سیّماسنن الهدیٰ
کالأکل بالیمنی وحب المرتضی	وقراءة القرآن یا أهل الندیٰ
بل فی شعارهم الذی قد أبدعوا	من غیر أن یقفوا الرسولَ الأمجدا
کا للوح مِن طینِ الحسین فإنهم	أخذوه فی حینِ العبادة مسجَدا
ومَن ادعی ان السکون محتم	فإشارة التهلیل زائدة سُدیٰ
قلنا صنیع الشرع لیس بزائد	أو ما ترانا رُکّعاً أوْ سُجّدا
ویقال یحسن تَرْک ما هو دائر	فی النُّدْب والتحریم حین تَرَدَّدَا

قلنا له إن التردد باطلٌ	اذ مذهبُ التحريم ليس مؤيَّدا
وأدلة استحبابها لک قد بدت	کالشمس مشرقة فلا تترددا
هذاک تلخيص المقالة مجملا	و لنا کتاب مستقل مفردا
یااللہ تیرے لئے دائمی حمد ہے	اور تیرے محمد ﷺ پر ہمیشہ سلام ہے
اور اس کے تمام معزز صحابہ پر	اور اس کی پاک اولاد پر ہمیشہ مدام
عبدالعزیز نظم میں کہتا ہے، نصوص کے ساتھ	تائید کردہ صحیح حکم تلاش کرو
اشارہ کرنا سنت منقولہ ہے	صحابہ سے مُعتمد طریقے سے مروی ہے
خیر الخلق کی صحیح البیان حدیث میں	اس حدیث پر عمل کرتا کہ تُو صاحبِ رشد بنے
نیز تمام ائمہ کے اتفاق کے ساتھ	مثلاً ابوحنیفہ، صاحبین اور امام احمد
امام شافعی اور امام مالک کے، ان کی اتباع کر	کیونکہ ان کا مخالف مقتدیٰ نہیں ہوسکتا
چھنگلیا اور اسکے ساتھ والی انگشت بند کر	درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے نوے کا عقد بنا
جب تو "لا" کہے تو مسبحہ کو اٹھا	اور اسم جلالت پر اسے رکھ اور عقد کھول دے
اسے حرام کہنے والوں کا قول جھوٹ	اور باطل حکم ہے، اسکی اقتدا نہیں کی جاسکتی
انھوں نے نبی پاک کے ارشاد کا اپنی رائے سے معارضہ کیا	حالانکہ منصوص امور میں رائے کا استعمال نادرست ہے
کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے قیاس ابلیس مردود نے کیا	شریعت کے قطعی حکم کی تردید میں
جب اس نے کہا کہ آگ چمکتا نور ہے	اور عقل سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیتی
ان کے کیدانی کے مکروفریب سے خود کو آزاد کر	اس کے "خلاصہ" کو چھوڑ، اسے پاؤں کی بیڑی مت بنا
علماء حدیث کی تعظیم کر کہ وہ	صحابہ کی مانند ہیں انہیں اپنا مرشد بنا
روافض کے مانند کرنا باطل نہیں ہے	ہر عمل میں خصوصاً سُنن ہدیٰ میں
مثلاً دائیں ہاتھ سے کھانے اور مرتضی کی	محبت اور قرآن پڑھنے میں اے فضل وبھلائی والے
بلکہ ان کے طور طریقوں میں جنہیں انہوں نے	ایجاد کیا رسول امجد کی پیروی کے بغیر
مثلاً امام حسین کی مٹی سے بنی تختی	جسے انہوں نے عبادت میں سجدہ گاہ بنایا ہے
جس شخص نے گمان کیا کہ پُرسکون رہنا واجب ہے	لا الہ پر اشارہ کرنا زائد امر اور بے کار عمل ہے
ہم کہتے ہیں کہ شریعت کا عمل زائد امر نہیں	کیا آپ نے ہمیں رکوع اور سجدہ کرتے نہیں دیکھا

اور کہا جاتا ہے کہ جب مستحب اور حرام میں کوئی	چیز دائر سائر ہو تو اسے ترک کرنا اچھا ہے
ہم اُسے کہتے ہیں کہ اندیشہ وانکار کرنا باطل ہے	کیونکہ حرام کہنے کا مذہب تائید کردہ نہیں ہے
اس کے استحباب کے دلائل چمکتے سورج کی طرح	تجھ پر آشکار ہو گئے اس لیے متردد مت ہو
یہ آپ کے لیے اجمالا مقالے کا خلاصہ ہے	اس موضوع پر ہماری مستقل کتاب بھی ہے

نزہۃ الخواطر جزء ہفتم ص:۳۰۸۔۳۰۹

۵۳۔علامہ محمود بن الیاس رومی لکھتے ہیں: (واذا اتمها) ای الرکعة الثانية (افترش رجله اليسرى و جلس عليها) و عند مالک يتورک حال کونه (ناصبا يمناه موجها أصابعه نحو القبلة واضعا يديه على فخذيه موجها اصابعه) نحو القبلة (مبسوطة) و حكى عن بعض اصحابنا انه يعقد الخنصر والبنصر و يحلق الوسطى مع الابهام ويشير بالسبابة مقيما لها عند قوله لا اله و يضع عند قوله الا الله وهو مذهب الشافعي۔ (جب اسے پورا کرے) یعنی دوسری رکعت کو (بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے) امام مالک کے نزدیک تورّک کرے درآنحالیکہ (دایاں پاؤں کھڑا ہو اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھے ہوں کہ ان کی انگلیوں کا رخ) جانب قبلہ ہو (کھلی ہوئی ہوں) اور ہمارے بعض اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر "لا الہ" کے وقت سبابہ کو کھڑا کر کے اس سے اشارہ کرے اور "الا اللہ" پر اسے رکھ دے، اور یہ امام شافعی کا مذہب بھی ہے۔ شرح الیاس جلد اول ص:۱۲۷۔۱۲۸

شرح الیاس میں اشارۂ سبابہ سے منع کے لیے ایک لفظ بھی نہیں ہے، لیکن ہمارے دوست فاضل مصنف نے اپنے رسالہ کے ص:۸ کی آخری سطر میں لکھا ہے کہ: وہ کتابیں جن میں اشارہ سبابہ سے منع لکھا ہے وہ یہ ہیں شرح الیاس جلد ا ص:۱۲۸، نہ صرف فاضل مصنف نے بلکہ جناب پیر صاحب سیف الرحمن اخوندزادہ نے فاضل مصنف کے اس رسالے پر اپنی تقریظ میں لکھا ہے کہ شرح الیاس میں اشارے کا ذکر تک نہیں ہے۔ دیکھیے ان کا رسالہ ص:۳۲

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

۵۴۔علامہ عبدالحیؒ لکھنوی لکھتے ہیں: قوله و يشير ليدل على التوحيد،

فیکون الفعل موافقا للقول. و قد ثبتت الاشارۃ عن رسول اللہ ﷺ بروایات کثیرۃ. اکثرھا صریحۃ صحیحۃ لا مردّلھا. مخرّجۃ فی الکتب الشھیرۃ کالسنن الاربعۃ وصحیح مسلم وسنن البیھقی ومسند احمد ومؤطا مالک وشرح معانی الآثار للطحاوی ومعاجم الطبرانی وسنن سعید بن منصور ومصنف عبد الرزاق وابن ابی شیبۃ وغیرھا کما بسطہ علی القاری فی رسالۃ تزیین العبارۃ ورسالۃ الاخریٰ التھدین للتزیین۔یعنی صاحبِ شرح وقایہ کا یہ قول کہ "اور اشارہ کرے" تاکہ اشارہ توحید پر دلالت کرے، اور فعل، قول کے موافق ہو، اور اشارہ رسول اللہ ﷺ کی کثیر احادیث سے ثابت ہے جن میں سے اکثر روایات صحیح اور صریح ہیں جنھیں رد نہیں کیا جا سکتا جو کہ مشہور کتب میں تخریج کردہ ہیں جیسا کہ سنن اربعہ، صحیح مسلم، سنن بیہقی، مسند امام احمد، موطا امام مالک، طحاوی کی شرح معانی الآثار، طبرانی کی معاجم، سنن سعید بن منصور، مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ، جیسا کہ ملا علی قاری نے انھیں اپنے رسالے تزیین العبارۃ اور دوسرے رسالے التدہین للتزیین میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ، جلد اول ص: ۱۲۹ حاشیہ۔نمبر۔۱۱

نیز لکھتے ہیں: و الی اللہ المشتکیٰ من صنیع کثیر من اصحابنا من اصحاب الفتاویٰ کصاحب الخلاصۃ والبزازیۃ والکبری والعتابیۃ والغیاثیۃ والولوالجیۃ و عمدۃ المفتی والظھیریۃ و غیرھا حیث ذکروا ان المختار ھو عدم الاشارۃ. بل ذکر بعضھم انھا مکروھۃ۔ والذی حملھم علی ذالک سکوت أیمتنا عن ھذہ المسألۃ فی ظاھر الروایۃ ولم یعلموا انہ قد ثبت عنھم بروایات متعددۃ ولا انہ ورد فی احادیث متکثرۃ فالحذر الحذر من الاعتماد علی قولھم فی ھذہ المسئلۃ مع کونہ مخالفا لما ثبت عن النبی ﷺ و اصحابہ. بل و عن ائمتنا ایضا. بل لو ثبت عن ائمتنا التصریح بالنفی و ثبت عن رسول اللہ ﷺ واصحابہ الاثبات لکان فعل الرسول و اصحابہ أحق وألزم بالقبول فکیف و قد قال بہ أیمتنا ایضا۔ یعنی ہمارے اکثر اصحاب فتاوی کے خود ساختہ عمل کی شکایت اللہ تعالی ہی سے ہے، جیسے خلاصہ، بزازیہ، کبری، عتابیہ، غیاثیہ، ولوالجیہ، عمدۃ المفتی اور ظہیریہ وغیرہ کے مصنفین، جنھوں نے کہا ہے کہ

عدم اشارہ ہی مختار ہے، بلکہ بعض نے تو یہ لکھا کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے،(۱) انھیں ایسا لکھنے اور کہنے پر، ظاہر الروایہ میں اس مسئلہ کے متعلق ہمارے ائمہ کی خاموشی نے اکسایا، حالانکہ وہ جانتے ہی نہیں کہ ہمارے ائمہ کرام سے متعدد روایات کے ذریعے اشارہ ثابت ہے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اشارہ سبابہ بہت زیادہ احادیث میں وارد ہوا ہے، اس مسئلہ میں ان مانعین اشارہ کے قول پر اعتماد کرنے سے پرہیز کریں، جبکہ اُن کا یہ قول نبی پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ بلکہ ہمارے ائمہ کرام سے ثابت شدہ امر کے خلاف ہے، بلکہ اگر ہمارے ائمۂ کرام سے اس کی نفی کی تصریح بھی ثابت ہو اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے اس کی اثبات ثابت ہو تو یقیناً رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا عمل قبول کرنے کے لائق تر اور لازم تر ہوگا، تو پھر اسے مکروہ وغیرہ کیونکر کہا جا سکتا ہے جبکہ ہمارے ائمہ نے بھی اس کے متعلق فرمایا ہے۔ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص: ۱۰۶

۵۵۔ سید زوار حسین شاہ نقشبندی مجددی لکھتے ہیں: اور جب اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیا اور اس کے پاس کی انگلی کو (مٹھی کی طرح) بند کرے اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے، لا الٰہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر جھکا دے اور پھر قعدے کے آخر تک اسی طرح حلقہ باندھے رکھے، تشہد کے بعد درود شریف پڑھے الخ۔ زبدۃ الفقہ حصہ دوم ص: ۸۳

۵۶۔ شیخ محمد حیات سندھی مدنی نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے سترہ (۱۷) صحابہ کرام کی احادیثِ مبارکہ کی اکیاون (۵۱) اسانید درج کی ہیں اور اس کے بعد ثبوتِ اشارۂ سبابہ میں فقہی عبارات لکھی ہیں۔ انھوں نے صحابۂ کرام کی روایات کے بعد لکھا ہے: فهؤلاء ستة او سبعة و عشرون من الصحابة رضی الله تعالى عنهم روى عنهم هذا الحديث. قال السيوطی: ان كل حديث رواه عشرة من الصحابة فهو متواتر عند معشر اهل الحديث۔ ولو تتبع كتب الحديث لوجد من اكثر ممن ذكر من الصحابة رضی الله تعالى عنهم۔ یعنی چھبیس یا

(۱) لکھنوی صاحب کا یہ شکوہ اشارے کو مکروہ کہنے والوں اور اس کے عدم کو مختار ماننے والوں سے ہے، اگر آج وہ اسے برملا حرام کہتا سن لیتے اور اشارہ کرنے والوں کی انگلی کو توڑتا دیکھ لیتے تو ان حرام اور مکروہ کہنے والے مفتیانِ کرام اور غیر انسانی حرکت کا ارتکاب کرنے والے، حضرت امام ربانی کے نام لیواؤں پر نہ جانے کیا فتویٰ لگا دیتے۔

ستائیس صحابہ کرام سے اشارے کی حدیث مروی ہے،(۱) جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ دس صحابۂ کرام سے مروی حدیث، علمائے حدیث کے نزدیک متواتر ہوتی ہے۔ اگر کتبِ حدیث میں تلاش کیا جائے تو ان سے بھی زیادہ صحابہ کرام کی روایاتِ اشارۂ سبابہ مل جائیں گی۔ شیخ محمد حیات لکھتے ہیں: قال صاحب فتح القدیر: والمروی عن محمد فی کیفیة الاشارة.قال: یقبض خنصره والتی تلیهاویحلق الوسطیٰ والابهام ویقیم المسبحة وکذا عن ابی یوسف فی الامالی. وهذا فرع تصحیح الاشارة. وعن کثیر من المشایخ انه لا یشیر بمسبحته. وهو خلاف الروایة والدرایة. فعن محمد ما ذکره فی کیفیة الاشارة بما نقلناه قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ویکره ان یشیر بمسبحتیه. وعن الحلوانی یقیم الاصبع عند لا اله ویضعها عند الا الله لیکون الرفع للنفی والوضع للاثبات. انتهیٰ۔ قال ابن امیر الحاج فی شرح المنیة: اثبات الاشارة هو الصحیح. فقد ذکر محمد فی کتاب المشیخة حدیثاً عن رسول الله ﷺ انه کان یشیر باصبعه فنفعل ما فعل النبی ﷺ وهو قول ابی حنیفة وقولنا. ذکره فی البدائع. وفی الذخیرة وشرح الزاهدی۔ ثم قال هذا قولی وقول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. انتهیٰ۔ وقد روی عنه ابو یوسف فی الاملاء. ای ذالک. واخرج ابن السکن فی صحاحه عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: الاشارة باصبع اشد علی الشیطٰن من الحدید۔ ولاجرم ان قال الزاهدی: لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعاً فی کونها سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بها اولیٰ. فان اشار یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطیٰ والابهام ویقیم السبابة. وهو المروی عن ابی یوسف فی الاملاء والمحکی عن الفقیه ابی جعفر الهندوانی. ونقل عن البدائع وغیرها عن اهل المدینة انه یعقد ثلاثة وخمسین ویشیر بالمسبحة ونقله فی

---

(۱) یہ تعداد اس صورت میں ہے جب حضرت ابو حُمید ساعدی کی روایتِ حدیث کے وقت مجلس میں موجود دس صحابہ کرام بھی اس تعداد میں شامل سمجھے جائیں۔

الجامع الصغير المرتب عن اصحابنا. ويشهد له حديث ابن عمر عند مسلم ولعل هذا كان منه ﷺ فی وقت. وما تقدم کان منه فی وقت آخر. فکل منهما جائز حسن. وفسر عقد ثلاثة وخمسین مع الاشارة بالمسبحة بان یضع ابهامه علی حرف راحة اسفل من المسبحة. انتهیٰ ملخصاً من کلام ابن امیر الحاج۔ یعنی صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ: اشارے کی کیفیت میں امام محمد سے یوں مروی ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور مسبحہ کو کھڑا کرے، امام ابو یوسف کی امالی میں بھی اسی طرح ہے، یہ اشارے کی تصحیح کی فرع ہے، اور بہت سارے مشائخ سے ہے کہ مسبحہ سے اشارہ نہ کرے حالانکہ یہ قول روایت اور درایت کے خلاف ہے، کیونکہ امام محمد سے ہماری نقل کردہ مندرجہ بالا اشارے کی کیفیت امام ابو حنیفہ ہی کا قول ہے، دونوں ہاتھوں کی مسبحہ سے اشارہ کرنا مکروہ ہے، حلوانی سے منقول ہے کہ لا الہ پر انگلی کھڑی کرے اور الا اللہ پر اسے نیچے کرے تاکہ اسے کھڑا کرنا نفی کے لیے اور نیچے کرنا اثبات کے لیے ہو، انتھیٰ۔ ابن امیر الحاج نے منیۃ المصلی کی شرح میں لکھا ہے: اشارے کی اثبات ہی صحیح ہے، امام محمد نے کتاب المشیختہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ انگلی سے اشارہ فرماتے تھے، اس لیے ہم نبی پاک ﷺ کے فعل کی متابعت کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارا قول بھی یہی ہے، اسے بدائع والے نے ذکر کیا اور ذخیرہ اور زاہدی کی شرح میں ہے کہ پھر امام محمد نے فرمایا کہ یہ میرا اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، انتھیٰ۔ امام ابو یوسف نے امالی میں امام ابو حنیفہ سے اسے روایت کیا ہے اور ابن السکن نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر لوہے سے بھی سخت ہے۔ اور یقیناً زاہدی نے فرمایا ہے کہ چونکہ ہمارے تمام احناف اور اسی طرح اہلِ کوفہ و مدینہ کی روایات اشارے کے سنت ہونے پر متفق ہیں اور اس کے متعلق اخبار و آثار بھی بکثرت ہیں اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ اگر اشارہ کرے تو چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کا عقد بنائے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر سبابہ کو کھڑا کرے، امام ابو یوسف کی امالی میں یوں ہی مروی ہے اور ابو جعفر ہندوانی سے اسی طرح منقول ہے، بدائع وغیرہ نے اہلِ مدینہ سے نقل کیا ہے کہ ترپن کا عقد بنا کر مسبحہ سے اشارہ کرے، اور اسے "جامع الصغیر المرتب" میں ہمارے اصحاب سے نقل کیا گیا ہے اور اس کی تائید صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر

کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، شاید آپ ﷺ کبھی اس طرح (یعنی صرف عقد باندھ کر حلقہ کے بغیر) کرتے اور کبھی مذکورہ بالا (یعنی عقد اور حلقے کے) طریقے سے اشارہ فرماتے تھے، اس لیے دونوں طریقوں سے اشارہ کرنا جائز اور عمدہ ہے، مسبحہ سے اشارے کے ساتھ ترپین کے عقد کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انگوٹھے کو مسبحہ انگلی کی جڑ کے کنارے پر رکھا جائے، ابن امیر الحاج کی گفتگو کا خلاصہ مکمل ہوا۔ بشارۃ لاہل الاشارۃ ص: ۱۰۔ ۱۲

۵۷۔ مولوی محمد حسن سنبھلی اسرائیلی حنفی متوفی ۱۳ صفر ۱۳۰۵ھ خلاصۂ کیدانی کی شرح میں لطف اللہ نسفی کی عبارت " والاشارۃ بالسبابۃ کاھل الحدیث " پر لکھتے ہیں: ھذا غیر صحیح. بل خطاء فاحش. فان السنۃ قد جاءت بھا کالشمس علیٰ رابعۃ النھار. فالتحریم یرجع الیٰ فعل صاحب الشرع نعوذ باللہ منہ۔ یعنی یہ قول صحیح نہیں ہے، بلکہ قبیح خطاء ہے، اشارۂ سبابہ کا سنت ہونا روزِ روشن کی طرح احادیث میں آیا ہے، اسے حرام قرار دینے کا قول صاحبِ شریعت ﷺ کے فعل مبارک کی طرف لوٹتا ہے، نعوذ باللہ منہ۔ العلق الشمسی الثانی علی خلاصۃ الکید انیص: ۱۸۰

۵۸۔ مخدوم عبدالواحد سیوستانی سندھی المعروف نعمان ثانی متوفی ۱۲۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ: چوں در خواندن التحیات باشھد ان لا الہ برسد بانگشت اشارہ کند یانہ؟ وقال فی فتاویٰ القرآن خوانی ولا یشیر بالسبابۃ عند قولہ اشھد ان لا الہ الّا اللہ وعلیہ الفتویٰ لان مبنیٰ الصّلاۃ علی السّکوت والقرار الخ بینوا ما ھو الحق یعنی التحیات پڑھتے وقت جب اشھد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو کیا انگلی کے ساتھ اشارے کرے یا نہیں؟ فتاویٰ قرآن خوانی میں ہے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہیں کرے، اسی پر فتویٰ ہے کیوں کہ نماز کی بناء خاموشی اور قرار پر ہے۔

مخدوم صاحب نے اس کے جواب میں لکھا: اقول ذکر فی الدر المختار لکن المعتمد ما صححہ الشراح لا سیما المتأخرون کالکمال والچلپی والبھنسی والباقلانی وشیخ الاسلام وغیرھم انہ یشیر لفعلہ علیہ وآلہ الصلاۃ والسلام ونسبوہ لمحمد والامام. بل فی متن درر البحار المفتیٰ بہ عندنا انہ یشیر باسطا اصابعہ کلھا. وفی الشرنبلالیۃ عن البرھان

الصحیح انه یشیر بمسبحة وحدها. وفی العینی عن التحفة الاصحح انها مستحبة. وفی المحیط انها سنة انتھیٰ۔ قال المخدوم المرحوم محمد ھاشم التتوی: مما ینبغی ان یعلم ان الاحادیث الواردة فی اثبات الاشارة کثیرة جداً تبلغ ذالک ثمانیة وعشرین حدیثاً عن ستة وعشرین صحابیاً رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین باسانید کثیرة تقرب من نحو مائة وخمسین سنداً. بعضها مذکور فی صحیح مسلم وبعضها صحیح علی شرط مسلم وبعضها علی شرط غیرہ وبعضها حسن، سویٰ ما روی فیه من آثار الصحابة والتابعین واتباعھم. ولم یرد حدیث واحد مصرح بنفی الاشارة اصلاً. وفی فتح المبین: المعتمد انه یشیر وانها سنة. وفی مواھب الرحمٰن: المفتیٰ به عندنا انه یشیر. وفی سفر السعادة: قالوا الحق ان مذھب الامام ابی حنیفة وصاحبیه انه یشیر. وان الاختلاف نشأ من المتأخرین فلا یعارض ثبوت الاشارة المروی عنه نصا. انتھیٰ۔ واللہ اعلم ۔یعنی میں کہتا ہوں کہ درمختار میں مذکور ہے کہ: معتمد بات وہی ہے جس کی تصحیح متأخرین شارحین، بالخصوص کمال، چلپی، بہنسی، باقلانی اور شیخ الاسلام وغیرہم نے فرمائی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے فعل مبارک کی وجہ سے اشارہ کرے، اور اسے انہوں نے امام محمد اور امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ درر البحار کے متن میں ہے کہ: ہمارے نزدیک مفتیٰ بہ یہ ہے کہ ہاتھ کی تمام انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے اشارہ کرے اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ: صحیح یہ ہے کہ اکیلی مسبحہ سے اشارہ کرے، اور عینی میں تحفہ سے منقول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے، اور محیط میں ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے انتھیٰ ۔مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی مرحوم نے فرمایا ہے کہ: جاننا چاہیے کہ اثباتِ اشارہ میں بہت زیادہ احادیث وارد ہیں جن کی تعداد ۲۸ ہے، جو ۲۶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کثیر اسانید کے ساتھ مروی ہیں اُن اسانید کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب پہنچتی ہے، ان میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض صحیح مسلم کے شرائط کے مطابق صحیح ہیں اور بعض دیگر ائمۂ حدیث کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں۔ یہ

اسانید اشارے کے متعلق آثار صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے علاوہ ہیں، اور ایک بھی حدیث اشارے کی نفی کے متعلق صراحت کے ساتھ قطعاً وارد نہیں ہے، اور فتح المبین میں ہے کہ: اشارہ کرنا معتمد ہے اور وہ سنت ہے، اور مواہب الرحمٰن میں ہے کہ: اشارہ کرنا ہمارے نزدیک مفتیٰ بہ ہے، اور سفر السعادۃ میں ہے کہ: علماء نے فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ اشارہ کرنا امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین کا مذہب ہے، اختلاف متاخرین کے درمیان پیدا ہوا ہے لہذا وہ اختلاف امام ابو حنیفہ سے منصوص مروی ثبوتِ اشارہ کے معارض نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ فتاویٰ واحدی المعروف بیاضِ واحدی ص:۱۵۱۔ ۱۵۲

اس کے علاوہ مخدوم عبد الواحد سیوستانی سے مزید دو سوال کیے گئے جن میں ان سے اشارۂ سبابہ کے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے پوچھا گیا کہ اشارۂ سبابہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے ان میں اشارۂ سبابہ کو مستحب اور سنت ثابت کرتے ہوئے مختلف فقہائے احناف کے حوالہ جات درج کیے ہیں۔ دیکھیے بیاضِ واحدی ص:۱۵۲۔ ۱۵۳، ۱۶۵

۵۹۔علامہ محمد بن بیر علی، المعروف برکلی متوفی ۹۸۱ھ صاحب طریقۂ محمدیہ نے حالتِ جذب و وجد میں دورانِ ذکر سر کو دائیں بائیں ہلانے کے حوالے سے لکھا ہے: واما تحریک الرأس فقط یمنة ویسرة تحقیقاً لمعنی النفی والاثبات فی لا اله الا الله. فالظن الغالب جوازه بل استحبابه اذا کان مع النیة الصالحة فیخرج عن حد العبث واللعب فیکون فعلاً دالاً علی التوحید مقارناً للقول الدال علیه فیکون کلمة ککلمتین واصله رفع المسبحة فی الصلاة فی التشهد عند اشهد ان لا اله الا الله وقد روی فی الصحاح عن النبی ﷺ مع ان الصلاة موضع سکون ووقار حتی کره فیها الالتفات۔ یعنی صرف سر کو دائیں بائیں ہلانا لا الہ الا اللہ کے اندر نفی اور اثبات کے معنیٰ کو ثابت کرنے کے لیے ہے، گمانِ غالب اس کا جواز ہے بلکہ اس کا استحباب ہے بشرطیکہ صحیح نیت سے ہو، ایسا کرنا لہو ولعب اور بے مقصد حرکت سے خارج ہو جاتا ہے، اور وہ توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والا اور اس پر دلالت کرنے والے زبانی اقرار کے ساتھ متصل ہوگا، اس صورت میں یہ ایک کلمہ (یعنی لا اله الا الله) دو کلموں کے برابر ہو جائیگا، اس حکم کی

اصل اور بنیاد التحیات کے دوران اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی کھڑی کرنا کا مسئلہ ہے جو کہ نبی پاک ﷺ کی صحیح احادیث میں مروی ہے، باوجودیکہ نماز سکون اور وقار کی جگہ ہے یہاں تک کہ اس میں چہرہ پھیرنا بھی مکروہ ہے۔

علامہ برکلی کی اس عبارت پر علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی نقشبندی متوفی ۱۱۴۳ھ نے لکھا ہے:

بالوجه بلا فسادها و بالصدر مع فسادها قال فی شرح الدرر و كره التفاته بان يلوى عنقه لا لحاجة ولو حوّل صدره عن القبلة فسدت صلاته. ثم مسئلة الاشارة بالمسبحة فی التشهد فيها خلاف بين علمائنا. قال الوالد رحمه الله تعالىٰ فی شرحه علىٰ شرح الدرر: اعلم انه اختلف مشايخنا فی الاشارة بالسبابة حين التشهد. ففی المضمرات انه لا يشير، وفی الخلاصة انه لا يشير، وفی السراج الوهاج من مشايخنا من قال انه لا يشير لان فيه زيادة رفع لايحتاج اليه فالترك اولىٰ لان مبنى الصلاة على السكينة، وفی الولواجية والتجنيس وعليه الفتوىٰ، وفی عمدة المفتی الاشارة عند قوله اشهد ان لا اله الا الله حسن لا خلاف فيه وقال ابو يوسف: يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ ويشير بالسبابة۔ وقيل لا يشير وعليه الفتوىٰ۔ وفی منية المفتی ويكره ان يشير عند كلمة الشهادة۔ وفی فتح القدير وعن كثير من المشايخ لا يشير اصلاً وهو خلاف الدراية والرواية. ويكره ان يشير بمسبحتيه. وعن الحلوانی يقيم الاصبع عند لا اله ويضعها عند الا الله ليكون الرفع للنفی والوضع للاثبات اهـ. و تمامه هناك و تقرير اصل المسئلة فی تحويل الرأس فی الذاكر يمنة ويسرة انه مقيس على الاشارة فی التشهد بالمسبحة. الرفع للنفی والوضع للاثبات مع ان الصلاة احق بترك الحركة فيها لابتنائها على السكون والوقار۔ یعنی صرف چہرہ گھمانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں چہرہ کے ساتھ سینے کو گھمانا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، شرحِ درر میں ہے کہ اس طرح چہرہ گھمانا مکروہ ہے کہ گردن کو بغیر حاجت کے گھمادے، اور اگر نمازی نے اپنا سینہ قبلہ سے گھمادیا تو اس

کی نماز فاسد ہوگئی، التحیات میں اشارۂ مسبحہ کے متعلق ہمارے علماء کے درمیان اختلاف ہے، والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرحِ درر پر اپنی شرح میں (۱) فرمایا ہے کہ اشھد لا الہ الا اللہ کے وقت اشارۂ سبابہ کے باب میں ہمارے مشائخ نے اختلاف کیا ہے، مضمرات میں ہے کہ اشارہ نہ کرے اور خلاصہ میں ہے کہ اشارہ نہ کرے اور سراج الوہاج میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے اس لیے کہ اس میں انگلی اٹھانے کی غیر ضروری زیادت (اضافہ) ہے اس لیے اسے ترک کرنا اولیٰ ہے کیونکہ نماز کی بنیاد سکون پر ہے، اور ولوالجیہ اور تجنیس میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور عمدۃ المفتی میں ہے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرنا اچھا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کا حلقہ بنائے اور شہادۃ کی انگلی سے اشارہ کرے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشارہ نہ کرے، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور منیۃ المفتی میں ہے کہ کلمۂ شہادۃ کے وقت اشارہ کرنا مکروہ ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ یہ جو اکثر مشائخ سے آیا ہے کہ ہرگز اشارہ نہ کرے یہ درایۃ اور روایۃ کے خلاف ہے، اور شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے، اور حلوانی سے ہے کہ لا الہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر اسے نیچے کرے تاکہ انگلی کا اٹھانا نفی اور اسے نیچے کرنا اثبات کے لیے ہو۔ انتھی۔ اس (یعنی دورانِ ذکر سر کو دائیں بائیں ہلانے) کی مفصل بحث وہاں پر ہے، اصل مسئلہ کا بیان ذکر کرنے والے کے سر کو دائیں بائیں ہلانے کے متعلق ہے جو کہ التحیات میں اشارۂ مسبحہ پر قیاس کیا

---

(۱) علامہ محمد بن فراموز، ملا خسرو متوفی ۸۸۵ھ، ان کے والد اصلاً رومی النسل، فارس کے امیر تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔ ملا خسرو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد مولوی برہان الدین حیدر ہروی کے شاگرد تھے، سلطان مراد خان ثانی، (۸۲۴ھ۔ ۸۵۵ھ) کے دورِ حکومت میں ان کے بھائی کے قائم کردہ مدرسہ میں اس کی وفات کے بعد مدرس مقرر ہوئے، سلطان محمد فاتح کے عہد میں قاضی لشکر مقرر ہوئے، مولوی خضر بیگ کے وصال کے بعد سلطان محمد فاتح نے ملا خسرو کو قسطنطنیہ کا قاضی مقرر کیا، معقول و منقول کے بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ حنفی میں "غرر الاحکام" نامی کتاب لکھی اور خود ہی ۸۸۳ھ میں اس کی شرح "درر الحکام" لکھی جس پر کئی علماء نے حواشی لکھے ہیں، علامہ عبد الغنی نابلسی صاحبِ حدیقۃ الندیہ کے والد علامہ اسماعیل بن عبد الغنی بن اسماعیل بن احمد بن ابراہیم حنفی ۱۰۱۲ھ۔ ۱۰۶۳ھ نے "الاحکام فی شرح درر الحکام" کے نام سے بارہ جلدوں میں اس شرح کی شرح لکھی ہے۔ یہاں پر مصنف نے اسی "الاحکام فی شرح درر الحکام" کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دیکھیے کشف الظنون ۲/۱۵۴۴، ایضاح المکنون ۱/۳۰، ھدیۃ العارفین ۱/۱۹۸، الفوائد البہیہ ص: ۳۰۲۔ ۳۰۳، ۴۳۰، ۴۳۱۔

گیا ہے، جس میں انگلی اٹھانا نفی کے لیے اور اسے نیچے کرنا اثبات کے لیے ہے باوجود یکہ نماز اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اس میں حرکت کو ترک کر دیا جائے کیونکہ اس کی بنیاد سکون اور وقار پر ہے۔الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج:۲ ص:۵۲۷۔۵۲۸

۶۰۔پشتو زبان کے معروف عالم علامہ عبد الرشید بن سلطان حسین بن عبد الرحیم فاروقی نے اپنی منظوم تصنیف رشید البیان مصنفہ ۱۱۲۹ھ میں تشہد کا ذکر پشتو شعر میں کیا ہے، ہم اُس شعر کا اردو ترجمہ اور اس کی شرح کو اردو میں لکھتے ہیں: پشتو شعر کا ترجمہ: جب تک تشہد نہ پڑھا جائے تب تک نماز نہیں ہوگی۔ رشید البیان کے شارح علامہ رحمت اللہ بن ملا موسیٰ مندوخیل، اسکی شرح میں لکھتے ہیں: تشہد مطلق واجب ہے، اور ابن مسعود کا روایت کردہ تشہد پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ: تشہد میں سنت ہے کہ لا الہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر اسے نیچے کرے۔

مسئلہ: دو انگلیوں کا اوپر اٹھانا (یعنی دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرنا) مکروہ ہے، شہادت کی انگلی اٹھاتے وقت قبلہ رخ جھکی ہوئی ہونی چاہیے۔ سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھائی جائے۔

مسئلہ: یہ سنت صرف شہادت کی انگلی ہی سے پوری ہوتی ہے، کسی دوسری انگلی اٹھانے سے یہ سنت ہرگز ادا نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر غلطی سے اشارے کے دوران شہادت کی بجائے دوسری انگلی اٹھ جائے تو معاف ہے، اور اگر قصداً دو انگلیاں اٹھائیں، یا شہادت کی انگلی کے علاوہ دوسری انگلی اٹھائی تو مکروہ ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان رجلا کان یدعو باصبعیہ فقال رسول اللہ ﷺ احد احد۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک مرتبہ تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک، ایک۔ (یعنی ایک انگلی سے اشارہ کر) اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: شہادت کی انگلی وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کی نماز خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اس لیے کہ شہادت کی انگلی اٹھانا توحید کی سب سے بڑی نشانی ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ: سئل ابن عباس عن تحریک الرجل اصبعہ فی الصلوۃ فقال ذالک الاخلاص، رواہ عبد الرزاق۔ حضرت ابن عباس سے کسی نے پوچھا کہ آدمی نماز میں اشارہ کس لیے کرتا ہے اور اس میں کیا حکمت ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اخلاص کے لیے، اور یہ قول و فعل میں موافقت پیدا کرنا ہے۔

مسئلہ: شیطان لعین کو بھگانے کے لیے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا انتہائی کارگر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: **عن ابن عمر مرفوعا تحریک الاصبع فی الصلاۃ مذبۃ الشیطان. رواہ البیہقی۔** حضرت ابن عمر کی اس مرفوع حدیث میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ نماز میں انگلی سے اشارہ کرنا شیطان رجیم کو خوفزدہ کرنے اور مار بھگانے کا سب سے عمدہ سبب ہے۔

مسئلہ: ایک شہادت کی انگلی اٹھانے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، چونکہ ہر ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں اس لیے اشارے کے وقت تمام انگلیوں کی تعداد کے برابر نیکیاں ملتی ہیں کیونکہ تمام انگلیوں کی کیفیت مراد لی جاتی ہے، حدیث شریف ہے: **عن عقبۃ بن عامر یکتب فی کل اشارۃ یشیر الرجل فی صلوتہ عشر حسنات بکل اصبع حسنۃ. رواہ الحاکم فی تاریخہ۔** حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ دورانِ نماز نمازی کے شہادت کی انگلی سے اشارے کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر انگلی کے بدلے میں ایک نیکی۔ اسے حاکم نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ: نبوت کی ستر خصلتوں میں سے ایک خصلت اشارہ کرنا ہے، جیسا کہ حدیث شریف ہے: **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان جزءاً من سبعین جزء النبوۃ تاخیر السحور وتبکیر الافطار واشارۃ الرجل باصبعہ فی الصلوۃ، رواہ عبد الرزاق۔** حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نبوت کی ستر شاخوں میں سے ایک شاخ یہ تین چیزیں بھی ہیں سحری میں دیر کرنا، افطار میں جلدی کرنا اور نماز میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا۔ اس حدیث کو عبد الرزاق نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: انگلی کا اشارہ چاروں ائمہ حضرات کے نزدیک متفق ہے، یعنی امام اعظم، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور ہمارے مذہب کے مشائخ کبار نے واضح فرمایا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے جیسا کہ امام ابو یوسف، امام محمد، ابو جعفر ہندوانی، ابو نصر بن سلام، ملا علی قاری، امام خواہر زادہ اور امام کرخی وغیرہم غفران اللہ علیہم، اور مذہب حنفی کی اکثر کتب اس پر ناطق ہیں، مثلاً کتاب المشیخۃ، محیط، ملتقط، صاحبِ ہدایہ کی مختار النوازل (۱)، مواہب الرحمٰن،

---

(۱) صاحبِ ہدایہ نے اپنی اس کتاب میں حلقہ کے بغیر اشارۂ سبابہ پر گفتگو فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مختار النوازل اور التجنیس میں اشارۂ سبابہ سے منع کیا گیا ہے وہ کتابیں صاحبِ ہدایہ کی نہیں بلکہ کسی اور مصنف کی تصنیف ہیں۔ دیکھیے رحمت بیان شرح رشد البیان ج۱ ص۲۰۵، حاشیہ نمبر۱

سراج الہدایہ، فتح القدیر، شنذی، شرح وقایہ، درمختار، رد المحتار، طحطاوی، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حجۃ اللہ البالغہ، نوازل، ذخیرہ، غنیۃ، حلیہ، بحر الرائق، مجتبیٰ، مجمع البحرین کی شروحات، درر البحار، غرر الافکار، تحفہ، بنایہ، شمنی، کفایہ اور فتاویٰ عزیزیہ وغیرہ۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اشارہ نہ کرے تو وہ اپنے امام کا مقلد نہیں بلکہ اپنے مذہب کے امام پر معترض ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا منکر ہے، جو کہ محرومیٔ شفاعت کا سب سے بڑا سبب ہے، اس لیے مناسب ہے کہ اس حدیث پر غور کیا جائے تا کہ تسلی ہو سکے۔ عن علی بن عبدالرحمن المعاوی انه قال رأنی عبدالله بن عُمَر و انا اعبث بالحصیٰ فی الصلاۃ فلما انصرفت نهانی. فقال اصنع کما کان رسول الله ﷺ یصنع . قال کان رسول الله ﷺ اذا جلس فی الصلاۃ وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی و عقد اصابعه کلها و اشار باصبعه التی تلی الابهام و وضع کفه الیسری علی فخذه الیسری. ذکره محمد فی موطائه ثم قال محمد: و بصنع رسول الله ﷺ نأخذ وهو قول ابی حنیفة رحمه الله۔ علی بن عبدالرحمن معاوی سے روایت ہے کہ ابن عمر نے مجھے نماز میں کنکریوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا، جب میں نے نماز ختم کی تو آپ نے مجھے منع فرمایا کہ نماز میں مت کھیلو، وہی کرو جو نبی پاک ﷺ کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ جب قعدۂ نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور انگلیاں بند کرتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور آخرِ قعدہ تک اسی طرح ہتھیلی ران پر رکھے رہتے، انگلیاں اسی طرح بند رہتیں (۱) امام محمد رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی مؤطا میں لائے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سنت کام پر عمل کرتے ہیں اور ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔

اسکی کیفیت: جیسا کہ امام ابو یوسف نے امالی میں ذکر فرمایا ہے کہ انه یعقد الخنصر والبنصر و یحلق الوسطی والابهام و یشیر بالسبابة۔ یعنی جب اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو سب سے چھوٹی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ (چھلہ) بنائے اور لا الہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر نیچے کرے، سلام پھیرنے تک عقد بندھا

---

(۱) متن میں "انگلیاں اسی طرح بند رہتیں" کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں، شارح علیہ الرحمہ نے اپنی طرف سے فرمائے ہیں اس لیے حدیث سے اشارے کے بعد انگلیوں کو بدستور بند رکھنے یا کھلا رکھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

رہے۔ ملا علی قاری۔ (۱) مسئلہ: روافض سلام پھیرتے وقت رانوں پر ہاتھ مارتے ہیں، بعض جاہل سنی بھی ان کی طرح اشارہ کرنے لگے جس کی وجہ سے کچھ علماء ماوراء النہر (توران) نے اشارے سے منع فرمایا جیسا کہ ولوالجیہ، تجنیس، مضمرات، جامع الرموز، غیاثیہ وغیرہ۔ لیکن ظاہر مذہب حنفی میں اشارہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ابتدء میں ماوراء النہر والوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اشارے سے منع فرمایا، جیسا کہ مکتوبات شریف میں درج ہے، لیکن بعد میں آخر عمر میں جب آپ نے معتبر کتبِ مذہب کا مطالعہ کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور نوافل میں آپ کا اشارہ کرنا منقول ہے۔ (۲)

مسئلہ: اشارہ کرنا مرد اور عورت، بالغ اور نابالغ سب کے لیے سنت ہے، اور اگر کوئی شخص اشارہ نہیں کرتا تو ان شیطانی عذر داریوں کے لیے یہ جواب کافی ہے کہ: من رغب عن سنتی فھو لیس منی۔ تاجدارِ مدینہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔

مسئلہ: چونکہ اشارہ صحیح اخبار و آثار و اقوال سے ثابت ہے اور اس کی سنیت و حلت ثابت ہے، اس میں کسی قسم کی بدعت کا کوئی شائبہ نہیں اور نہ ہی اس سے بدعت رائج ہوتی ہے جیسا کہ بعض مبتدعین اس کا دعوی کرتے ہیں۔ ملا علی قاری۔

مسئلہ: چونکہ اشارہ قوی احادیث اور اجماعِ امتِ محمدی سے ثابت ہے اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے تاہم اس کا کرنا ضروری ہے خواہ وہ کسی بھی کیفیت پر ہو، اگر انگلیاں مٹھی (عقد یا بندش) کی صورت میں نہ کرے (۳) تو اس کیفیت کی وجہ سے بھی اشارہ کرنا منع نہیں ہے کہ اسے نہ کیا جائے اسی طرح رفع ید سے متعلق احادیث میں اضطراب کا قول جہلِ عظیم ہے۔ عین البشارۃ، ملا علی، شذی۔

پشتو اشعار کا ترجمہ:

تمام ائمہ میں اعظم جس کا لقب ہے ، جس کا مذہب ہر خاص عام نے قبول کیا ہے۔

یہ ارشاد اس عالی منصب کا ہے ، جسے تمام اہلِ مذہب نے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ سنتِ مؤکدہ

---

(۱) سلام پھیرنے تک عقد بندھے رہنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے البتہ یہ ملا علی قاری کا استدلال ہے، ان کے بقول اشارۂ انگشت کے بعد عقد کھولنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے اس لیے اسے اپنے حال (عقد) پر رکھنا چاہیے۔

(۲) حضرت امام ربانی کا نوافل میں اشارہ کرنا زبدۃ المقامات کے حوالے سے ص: ۱۱۱۔ ۱۱۲ پر بیان ہو چکا ہے۔

(۳) یعنی بغیر عقد اور حلقہ کے کھلی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے ہوئے سبابہ سے اشارہ کرے۔

ہے نماز میں اشارۂ سبابہ کا کرنا ، چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں اور تحقیق کے ساتھ اشارے کو سنت کہتے ہیں مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے ورنہ اس میں کوئی دو رائے یا اختلاف نہیں ہے برادرانِ اسلام پر سلام ہو اور اس پر عمل کر کے اسی پر اختتام کرتا ہوں

رحمت بیان شرح رشید البیان، جلد ۲،ص: ۲۰۲۔۲۰۸

۶۱۔ابو حامد محمد بن محمد الغزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں :ثم یتشهد فی الرکعة الثانیة التشهد الاول ثم یصلی علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیٰ آله ویضع یده الیمنیٰ علیٰ فخذه الیمنیٰ ویقبض اصابعه الیمنیٰ الا المسبحة . ولا باس بارسال الابهام ایضاً. ویشیر بمسبحة یمناه وحدها عند قوله "الا الله" لا عند قوله "لا اله" ویجلس فی هذا التشهد علیٰ رجله الیسریٰ کما بین السجدتین۔ یعنی دوسری رکعت کے پہلے قعدے میں التحیات پڑھے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھے اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھے اور مسبحہ کے علاوہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کر دے، اور انگوٹھے کو کھلا رکھنے میں بھی گناہ نہیں ہے، اور دائیں ہاتھ کی اکیلی مسبحہ سے "الا اللہ" کے وقت (۱) اشارہ کرے "لا الہ" کے وقت نہیں اور اس قعدے میں بائیں پاؤں پر اس طرح بیٹھے جیسے دو سجدوں کے درمیان بیٹھا جاتا ہے۔احیاء علوم الدین جلد اول ص:۱۵۵

۶۲۔شیخ شہاب الدین عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی شافعی متوفی ۶۳۲ھ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ویسلم علی النبی ﷺ. ویمثله بین عینی قلبه. ویسلم علی عباد الله الصالحین؛ فلا یبقی عبد فی السماء ولا فی الأرض من عباد الله الا ویسلم علیه بالنسبة الروحیة والخاصیة الفطریة. ویضع یده الیمنیٰ

(۱) یہ دونوں حضرات یعنی امام غزالی اور شیخ شہاب الدین سہروردی شافعی المذہب ہیں، چونکہ ان کے نزدیک اشارۂ سبابہ کا وقت کلمہ "الا اللہ" ہے اس لیے انہوں نے الا اللہ پر اشارہ کرنے کا کہا اور "لا الہ" پر اشارہ کرنے سے منع کیا ہے۔اس سے نفس اشارہ میں کوئی اختلاف ثابت نہیں ہوا، وہ احناف اور شوافع کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اس لیے ہمارا مدعیٰ بھی یہی ہے کہ اشارۂ سبابہ نہ صرف احناف کے نزدیک مسلم ہے بلکہ اس پر شوافع کا بھی اتفاق ہے نیز مالکی حضرات بھی اشارۂ سبابہ کرنے پر متفق ہیں جیسا کہ آئندہ قرطبی کے حوالے میں ذکر ہوگا۔رہا مسئلہ دورانِ اشارہ انگلی کو حرکت دینے کا تو وہ بھی ہم احناف اور مالکیوں کے درمیان مختلف فیہ ہے لیکن اس اختلاف سے نفس اشارہ کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔دورانِ اشارہ انگلی کی حرکت یا عدم حرکت کا ذکر "طریقہ اشارۂ سبابہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

على فخذه اليمنىٰ مقبوضة الأصابع الا المسبحة، ويرفع المسبحة فى الشهادة فى "الا الله" لا فى كلمة النفى۔ ولا يرفعها منتصبة بل مائلة برأسها الى الفخذ منطوية؛ فهذه هيئة خشوع المسبحة ودليل سراية خشوع القلب اليها۔ یعنی اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجے اور آپ کو اپنے قلب کی آنکھوں کے سامنے رکھے اور اس کے بعد خدا کے تمام بندوں پر سلام بھیجے۔ چنانچہ آسمان اور زمین میں اللہ کے نیک بندوں میں سے کوئی نیک بندہ ایسا باقی نہ رہے مگر اس کی طرف روحانی تعلق اور فطری خاصیت کی بناء پر سلام ضرور پہنچائے اور اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر اس طرح رکھے کہ اس کی تمام انگلیاں شہادت کی انگلی کے سوا بند ہوں۔ اور کلمۂ شہادت کے دوران الا اللہ پر شہادت کی انگلی کو اٹھائے، کلمۂ نفی (لا الٰہ) پر نہ اٹھائے۔ انگلی کو بالکل سیدھا نہ اٹھائے بلکہ اس کا سر ران کی طرف جھکا ہو۔ یہ ہیئت مسبحہ کے خشوع کی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قلب کا خشوع اس کی طرف سرایت کر گیا ہے۔ عوارف المعارف ص: ۱۶۵

۶۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی مالکی متوفی ۶۷۱ھ لکھتے ہیں: مالک عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبد الرحمٰن المعاوی انه قال: رآنی عبد الله بن عمر وأنا اعبث بالحصباء فى الصلاة؛ فلما انصرف نهانى فقال: اصنع كما كان رسول الله ﷺ يصنع؛ قلت: وكيف كان رسول الله ﷺ يصنع؟ قال: كان اذا جلس فى الصلاة وضع كفه اليمنىٰ علىٰ فخذه اليمنىٰ وقبض اصابعه كلها واشار باصبعه التى تلى الابهام، ووضع كفه اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ؛ وقال: هكذا كان يفعل۔ قال ابن عبد البر: وما وصفه ابن عمر من وضع كفه اليمنىٰ علىٰ فخذه اليمنىٰ وقبض اصابع يده تلك كلها الا السبابة منها فانه يشير بها . ووضع كفه اليسرىٰ علىٰ فخذه اليسرىٰ مفتوحة مفروجة الاصابع؛ كل ذالك سنة فى الجلوس فى الصلاة مُجمَعٌ عليه، لا خلاف علمته بين العلماء فيها، وحسبك بهذا۔ الا انهم اختلفوا فى تحريك اصبعه السبابة، فمنهم من رأى تحريكها، ومنهم من لم يره۔ وكل ذالك مروى فى الآثار الصحاح المسندة عن النبى ﷺ، وجميعه مباح، والحمد لله۔ یعنی

حضرت امام مالک مسلم بن ابی مریم سے اور وہ علی بن عبد الرحمٰن معاوی سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبد اللہ بن عمر نے نماز میں کنکریوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا؛ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے تم بھی اسی طرح کرو؛ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ جب آپ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور تمام انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے، اور اپنے بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے؛ عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ آپ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے اشارے کی جو کیفیت بیان کی ہے کہ دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھ کر تمام انگلیوں کو سبابہ کے علاوہ بند کر کے اشارہ کرتے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ رکھتے؛ یہ کیفیت نماز کے جلسہ میں متفق علیہ سنت ہے، مجھے اس بارے میں علماء کا اختلاف معلوم نہیں ہے، اور یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ ہاں انہوں نے سبابہ انگلی کو حرکت دینے کے بارے میں اختلاف فرمایا ہے، ان میں سے بعض حرکت کے قائل ہیں اور بعض حرکت کے قائل نہیں۔ اور یہ دونوں حرکت اور عدم حرکت نبی پاک ﷺ کی طرف منسوب صحیح آثار میں مروی ہیں، اور الحمد للہ یہ دونوں صورتیں مباح ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: قلت: روی أبو داود فی حدیث ابن الزبیر أنه علیه السلام کان یشیر باصبعه اذا دعا ولا یحرکها و الی هذا ذهب بعض العراقیین فمنع من تحریکها۔ و بعض علمائنا رأوا أن مدّها اشارة الی دوام التوحید۔ و ذهب اکثر العماء من اصحاب مالک و غیرهم الی تحریکها. اِلّا أنهم اختلفوا فی الموالاة بالتحریک علی قولین؛ تأوّل من والاه بأن قال: ان ذالک یذکر بموالاة الحضور فی الصلاة؛ وبأنها مقمعة و مدفعة للشیطان علی ما روی سفیان۔ و من لم یؤال رأی تحریکها عند التلفظ بکلمتی الشهادة. و تأول فی الحرکة کأنها نطق بتلک الجارحة بالتوحید، والله اعلم۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ ابو داود نے ابن زبیر کی حدیث میں روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ جب التحیات پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کرتے تھے تو اسے حرکت نہیں دیتے تھے۔ بعض اہل عراق بھی اسی نظریہ کے ہیں اور انہوں نے حرکت سے منع کیا ہے جبکہ ہمارے بعض

علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اسے حرکت دینا دوامِ توحید (التحیات کے آخر تک توحید کے عملی مظاہرہ) کی طرف اشارہ ہے۔ اور امام مالک کے اصحاب وغیرہم میں سے اکثر علماء انگلی کی حرکت کے قائل ہیں، البتہ اُن کا اختلاف مسلسل حرکت کے حوالے سے دو اقوال پر ہے؛ مسلسل حرکت کی بات کہنے والوں نے اس کی یہ تاویل پیش کی ہے کہ مسلسل حرکت سے نماز میں حضوری یاد رہتی ہے، اور وہ شیطان کو دفع کرنے اور مار بھگانے والی ہے جیسا کہ حضرت سفیان کے واسطہ سے مروی حدیث میں ہے۔ اور جو علماء مسلسل حرکت کے قائل نہیں وہ صرف کلمۂ شہادت کہتے وقت حرکت کے قائل ہیں اور وہ حضرات اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ گویا وہ (حرکت) ہاتھ سے توحید (کا اظہار) کرنا ہے، واللہ اعلم۔

الجامع لاحکام القرآن، المعروف۔ تفسیر قرطبی جلد اول ص: ۳۶۰۔۳۶۱

تشہد میں اشارہ کرنے کا طریقہ اور احتیاط

کتبِ حدیث وفقہ کے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ التحیات میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے، اس پر عمل پیرا ہونا اسے ترک کرنے سے اولیٰ ہے، چاروں فقہی مذاہب میں التحیات میں انگلی سے اشارہ کرنا متفق علیہ ہے، خاص طور پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب میں صحیح اور معتمد علیہ ہے، اس لیے اشارۂ سبابہ کے مخالفین کا قول کسی قطار و شمار میں نہیں ہے۔ حلبۃ المحلی ۲ / ۲۶۳، شرح سنن ابن ماجہ ۵ / ۱۵۵۰، تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص: ۶۰۔۶۱، لمعات التنقیح ۳ / ۱۷۹، رسالہ مولانا ابوالمکارم ص: ۲۱، مکتوبات حاجی شاہ فقیر اللہ علوی ص: ۳۸، التحیات میں اشارہ حلقہ باندھ کر کرنا سنت ہے اسے ترک کرنا موجبِ اساءت ہے۔ رسائل الارکان ص: ۸۱۔

اشارہ کب اور کس طرح کرنا چاہیے اور کن امور سے احتراز کرنا چاہیے؟ اس کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ احادیثِ مبارکہ میں اشارہ کی دو کیفیات آئی ہیں، پہلی کیفیت عقد اور حلقہ کی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے احناف کے نزدیک مختار اس کیفیت میں چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کی بندش کو نوّے کا عقد کہا ہے۔ لمعات التنقیح ۳ / ۱۷۹، دوسری کیفیت ہے ترپن کے عقد کی، اس کیفیت کا مسلم شریف کے "باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین" میں باب کی حدیث نمبر ۴ میں ذکر ہے۔ ترپن کا عقد اس طرح ہوتا ہے کہ شہادت کی انگلی اپنے حال پر کھلی ہوئی ہو باقی تینوں انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کو (سکیڑ کر) شہادت کی انگلی کے نچلے حصے کے

پاس ہتھیلی کے کنارے پر رکھا جائے، اس طرح کہ انگوٹھے کا سر شہادت کی انگلی کے نیچے والے جوڑ کے پاس ہو۔ یہ کیفیت شوافع کا مختار اور ان کے نزدیک افضل ہے تاہم اصل سنت ان کے نزدیک اس کیفیت کے علاوہ پہلے والی کیفیت سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ احناف کی کیفیت کے متعلق حضرت وائل بن حجر کی حدیث صریح ہے۔ شیخ ابراہیم حلبی نے لکھا ہے کہ انگوٹھے کا سر درمیانی انگلی کے نیچ والے جوڑ پر رکھا جائے۔ حلبی کبیر ص: ۳۲۸، نیز حلبی صغیر ص: ۱۷۴۔ تین انگلیوں کو بند کرنا تین کے عدد کو ظاہر کرتا ہے اور انگوٹھے کو شہادت کی انگلی کے نیچے رکھنا پانچ کے عدد کو ظاہر کرتا ہے، لمعات التنقیح ۳ / ۱۷۸، مرقاۃ المفاتیح ۲ / ۳۲۸، نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۵۳، ۶۱۔

۲۔ احناف کے نزدیک عقد اور حلقہ کی کیفیت کے ساتھ جبکہ شوافع کے نزدیک ترپن کے عقد کے ساتھ اشارہ کرنا افضل ہے، چونکہ یہ دونوں کیفیتیں حدیث سے ثابت ہیں، اُن کے علاوہ کسی اور کیفیت کا ذکر حدیث میں نہیں ہے اس لیے دونوں کیفیتوں پر عمل کیا جاسکتا ہے، یعنی کبھی اِس کیفیت کے ساتھ تو کبھی اُس کیفیت کے ساتھ اشارہ کرنا جائز اور اچھا ہے۔ البنایہ فی شرح الہدایہ ۲ / ۳۱۶، تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص: ۶۶، حلبۃ المحلی ۲ / ۲۶۵، الکفایہ ۱ / ۲۷۱، رسائل الارکان ص: ۸۲، اگرچہ دونوں کیفیتوں پر عمل کرنا جائز ہے تاہم کسی ایک ہی کیفیت کے ساتھ اشارہ کرتے رہنا بھی جائز ہے اور اس کے کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۵۴

۳۔ اشارہ کرتے وقت توحیدِ باری تعالیٰ کی نیت کرنی چاہیے تاکہ قول کے ساتھ فعل کی متابعت وموافقت ثابت ہو۔ حجۃ اللہ البالغہ جزء اول ص: ۱۱، حلبۃ المحلی ۲ / ۱۷۹، حلیۃ الناجی علی الشرح الحلبی ص: ۳۳۵، حضرت ابن عباس کی روایت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارۂ سبابہ کو اخلاص سے تعبیر فرمایا ہے، سنن الکبریٰ ۲ / ۱۳۳

بعض کتبِ احناف میں تیسری کیفیت بھی آئی ہے، وہ یوں کہ ہاتھ کی تمام انگلیاں قبلہ رخ کھلی ہوئی ہوں اور عقد اور حلقہ کے بغیر اشارہ کیا جائے، علامہ حصکفی نے درر البحار اور اس کی شرح غرر الاذکار سے "المفتیٰ به عندنا انه یشیر باسطاً اصابعه" یعنی "ہمارے ہاں فتویٰ اسی پر ہے کہ کھلی انگلیوں سے اشارہ کرے" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ درالمختار شرح تنویر الابصار ۲ / ۲۱۶۔ ۲۱۷، لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے اس کیفیت کا سخت انکار کیا ہے، ان کے نزدیک

حلقہ وعقد کے بغیر اشارہ کرنا احناف کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد ص: ۱۲۱، لیکن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اس کیفیت کو سب سے زیادہ آسان کیفیت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ عام لوگوں کو اسی طرح اشارہ کرنے کی تعلیم دینا مناسب ہے البتہ خواص یعنی اہلِ علم اگر چہ عقد اور حلقہ بنانے یا اسے ترک کرنے میں اختیار رکھتے ہیں لیکن انھیں عقد اور حلقہ کی کیفیت کے ساتھ اشارہ کرنا اولیٰ ہے کیونکہ اکثر احادیثِ مبارکہ کا منطوق یہی ہے۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۱۳۲

۴۔ احناف کے نزدیک عقد باندھنا اشہد کے لفظ پر ہے جبکہ شافعیوں اور مالکیوں کے نزدیک التحیات شروع کرتے ہی عقد باندھا جائے گا۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۱۳۳

۵۔ التحیات کے دوران جب اشہد لفظ پر پہنچے تو دائیں ہاتھ کی چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کی گرہ باندھے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنائے۔ ابو جعفر ہندوانی نے امام محمد سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ محیط برہانی جزء اول، فصل السادس عشر، فرع فی بیان مایفعلہ المصلی بعد الافتتاح ص: ۴۲۲، ذخیرہ برہانیہ جلد اول ورق ۴۳۔ ۴۴، الفصل الرابع فیما یفعلہ المصلی فی صلاتہ بعد الافتتاح، نیز بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱ / ۲۱۴، نیز الکفایہ ۱ / ۲۷۱، العنایہ علی الھدایہ ۱ / ۲۷۱، البنایہ فی شرح الھدایہ ۲ / ۳۱۵، الملتقط فی الفتاوی الحنفیہ ص: ۵۳، رمز الحقائق شرح کنز الدقائق ۱ / ۳۴

۶۔ "لَا" کے لفظ پر انگلی اٹھائے اور "اِلَّا" کے لفظ پر اسے نیچے رکھے۔ حضرت وائل بن حجر اور حضرت عبداللہ بن عمر کی مالک عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبدالرحمٰن المعاوی کے سلسلے سے دو سندوں کے ساتھ مروی حدیث میں ایسا ہی ہے۔ مسلم شریف ۱ / ۲۱۶ باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین، جبکہ سفیان بن عیینہ عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبد الرحمٰن المعاوی کے سلسلے سے مروی حدیث میں "عقد اصبعین وحلق الوسطیٰ واشار بالتی تلی الابہام" کے واضح الفاظ موجود ہیں۔ کتاب الصلاۃ لسفیان بن عیینہ باب ماجاء فی الجلوس فی الصلاۃ، بحوالہ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۷

۷۔ انگلی اس طرح کھڑی کرے کہ وہ قدرے جھکی ہوئی ہو، اسے تناؤ دے کر اوپر کی طرف نہ اٹھایا جائے۔ سنن ابی داؤد ا / ۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشہد میں حضرت نمیر خزاعی کے "قد حناھا

شیئا" اور سنن نسائی ۱/۱۸۷ باب احناء السبابۃ فی الاشارۃ میں "قد احناها شیئا" آیا ہے۔

۸۔ اشارہ صرف دائیں ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے کیا جائے، اس انگلی کا تعلق دل کے ساتھ ہے جو کہ دل کے حضوری کا سبب ہے۔ مرقاۃ المفاتیح ۲/۳۲۸، لمعات التنقیح ۳/۱۸۴، حلبۃ المحلی ۲/۲۶۶، اگر کلمہ کی انگلی کٹی ہوئی ہو یا اس میں خرابی کی وجہ سے اس سے اشارہ کرنا ممکن نہ ہو تو دائیں ہاتھ کی کسی اور انگلی سے یا بائیں ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے اشارہ نہ کیا جائے، معجم اوسط ۱/۲۰۹ حدیث نمبر ۱۳۷ میں حضرت ابو ہریرہ نے یوں روایت کیا ہے: وَقالَ: ادع باحدهما، بالیمنیٰ۔ یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک ہاتھ، دائیں ہاتھ سے اشارہ کر۔

۹۔ اشارہ صرف ایک ہی انگلی سے کیا جائے دونوں ہاتھوں کی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا منع ہے، اس بارے میں ترمذی شریف ۲/۱۹۵ احادیث شتیٰ من ابواب الدعوات سے پہلے والے غیر مترجم باب کی دوسری حدیث اور نسائی شریف ۱/۱۸۷ باب النهی عن الاشارۃ باصبع أو بایّ اصبع یشیر، نیز معجم اوسط ۲/۳۶۴ حدیث ۳۵۵۰ میں نبی پاک ﷺ کا فرمان "اَحِّدْ اَحِّدْ" موجود ہے۔ نیز دیکھیے حلبی کبیر ص: ۳۲۸، حلبی صغیر ص: ۱۷۴، فتح القدیر ۱/۲۷۲۔

۱۰۔ اشارہ کرتے وقت نگاہ انگلی پر رہنی چاہیے اس سلسلے میں سنن نسائی ۱/۱۸۷ موضع البصر عند الاشارۃ و تحریک السبابۃ، نیز سنن ابی داؤد ۱/۱۴۲ باب الاشارۃ فی التشهد میں حضرت ابن زبیر کی حدیث شریف میں لا یجاوز بصرُہ اشارتہ کا جملہ موجود ہے۔ سنن نسائی ۱/۱۷۳ باب موضع البصر فی التشهد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں "و رمی ببصرہ الیها" پر علامہ ابوالحسن کبیر سندھی نے لکھا ہے: "ای التفت الیها" یعنی نبی پاک ﷺ نے انگلی کی طرف دیکھا۔

۱۱۔ اشارے کے بعد عقد کھول دینا چاہیے یا بدستور عقد بندھا رہے؟ ملا علی قاری نے اس بارے میں دونوں قول لکھے ہیں لیکن انھوں نے عقد باقی رکھنے کو ترجیح دی ہے۔ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص: ۶۵، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی اور علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہما اللہ نے عقد کھولنے کا کہا ہے۔ فتاویٰ رضویہ ۶/۱۸۹ مسئلہ نمبر ۲۴۴، منظوم رسالہ پرہاروی، بحوالہ نزہۃ الخواطر ۷/۳۰۸، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے فرمایا ہے کہ عقد کھول لینا یا اسے باقی رکھنا دونوں یکساں جائز ہیں۔ نور العین فی اثبات الاشار فی التشهد ین ص: ۱۳۴

۱۲۔ دورانِ اشارہ انگلی کو حرکت نہیں دینی چاہیے، دائیں بائیں نہ اوپر نیچے، امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک ہے البتہ ایک روایت کی رو سے امام مالک کے نزدیک آغاز سے التحیات کے آخر تک انگلی کو حرکت دیتے رہنا مستحب ہے۔ نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ص: ۵۷، ۱۳۵۔ دورانِ اشارہ انگلی کو حرکت دینے یا نہ دینے سے متعلق تفصیلی گفتگو ص: ۸۶۔ ۹۳ پر گزر چکی ہے۔

ازالة الاوهام عن سنة خير الانام

ضمیمہ

مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق

جناب سید احمد علی شاہ سیفی صاحب

کی انوار التحقیق پر تبصرہ اور کچھ اعتراضات کے مختصر جوابات

مقدمہ

؎ تدبیر سے فطرت کا بدلنا نہیں ممکن
وہ آفتِ جاں راحتِ جاں ہو نہیں سکتا

میرے رسالہ "مصباح التحقیق فی ان الاشارۃ بالسبابۃ حق حقیق" کے لکھنے اور لکھنے میں ہونے والی دیر کی وجہ آپ اُس کے مقدمہ میں پڑھ چکے ہیں، چونکہ جناب سید احمد علی شاہ سیفی صاحب نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ للکارسی گونج میں فرمایا تھا کہ: "یار! اس عرصے میں تو میں نے ایک اور شادی کر ڈالی، جس سے ہونے والے بچے بھی جوان ہو گئے لیکن ابھی تک آپ کا جواب نہیں آیا"۔ گویا

؎ تیغ کھینچے ہوئے وہ ترک پھر اُس پر یہ غضب
ہم تڑپ دیتے ہیں بس آپ سے ہونا کیا ہے

میں نے جب اُن کے رسالہ کا جواب لکھ لیا تو انھیں بتا دیا کہ لو جی! میرا جواب تیار ہو گیا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ جواب مجھے دکھا دو، میں نے کہا کہ حضور! وہ تیار ضرور ہے مگر ابھی اس کی نوک پلک سنوارنا باقی ہے اور چھپا بھی نہیں ہے اس لیے آپ کو کیسے دے سکتا ہوں؟ فرمایا صرف دیکھنا چاہتا ہوں، آپ مجھے ای میل کر دیں۔ چونکہ مجھے اب تک اُن پر اعتبار تھا، سو میں نے انھیں وہ مسودہ ای میل کر دیا، محض یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اُسے صرف دیکھیں گے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس سے اُن کا اعتبار جاتا رہے گا۔

آخر ہوا یہ کہ "آب نہ دیدہ موزہ کشیدہ" کہ مطابق شاہ صاحب نے اُس غیر مطبوعہ رسالہ کا ایک عدد جواب بنام "انوار التحقیق فی ان المصباح بالاطفاء یلیق" لکھ کر میرے اسکول کے دوست محمد موسیٰ مرحوم کے توسط سے چھپوا کر مریدین و معتقدین میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

مجھے اس کا علم یوں ہوا کہ ایک دن مرحوم محمد موسیٰ مجھ سے کہنے لگے کہ "بھائی سکندری! آپ کو تو معلوم ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی شاہ صاحب کی کتاب "مفتاح السلوک" چھپوا کر دی تھی، اب انھوں نے اپنی ایک اور کتاب بھی مجھے چھپوانے کے لیے دی ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ شاہ صاحب کی وہ دوسری کتاب کونسی ہے جو انہوں نے آپ کو چھاپنے کے لیے دی ہے؟

محمد موسیٰ نے کہا کہ مجھے اُس کا نام تو یاد نہیں لیکن چھپنے کے بعد اُس کا ایک نسخہ میں آپ کو دے دوں گا۔ تقریباً ایک ماہ بعد وہ میرے پاس "انوار التحقیق" لے آئے تو مجھے علم ہوا

کہ مجھ سے محض دیکھنے کے لیے ای میل کے ذریعے لیے گئے مسودہ "مصباح التحقیق" کا شاہ صاحب نے جواب بھی چھپوا کر شائع کر دیا ہے۔

میں نے اس ضمیمہ میں حضرت شاہ صاحب کے تفصیلا جوابات نہیں لکھے، کیونکہ انھوں نے حسبِ سابق اس رسالہ میں بھی کتابوں کی عبارات کے مطلوبہ ٹوٹے ٹکڑے ہی لکھے ہیں۔ اگر احادیث لکھی بھی ہیں تو سوائے چند ایک اُن کا ترجمہ لکھا ہے نہ ہی یہ واضح کیا ہے کہ وہ اُن احادیث سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ اُنھوں نے اس رسالے میں قرآنی آیات" و قوموا الله قانتين" اور" الذين هم في صلاتهم خاشعون "نیز حضرت جابر بن سُمرہ کی حدیث "مالي أَرَاكُمْ رَافِعِيْ ايدكم الخ" اور حضرت عبداللہ کی حدیث" كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَ هُوَ فِي الصَّلَاةِ الخ "سے استدلال کیا ہے کہ یہ تمام نصوص اشارۂ سبابہ کی ناسخ ہیں۔ میں نے ان نصوص کے متعلق اس ضمیمہ کی تیسری فصل میں مختصر گفتگو کی ہے کہ نبی پاک ﷺ کا اشارہ سبابہ کرنا معترض حضرات کے نزدیک اشارہ کی ناسخ سمجھی جانے والی ان نصوص کے بعد بھی ثابت ہے، اور یہ کہ اس اشارہ سے توحید باری تعالیٰ کا ہی قصد کیا جاتا تھا۔ فی الحال آئندہ صفحات میں آپ شاہ صاحب کی جلالتِ علمی کی کچھ جھلک دیکھیں گے کہ ان کی تحریر کس قدر سنجیدہ، مدلل اور شائستہ وشستہ ہے۔ وہ اپنی ایک ایک سطر میں

تجھ کو دیکھا جو دمِ قہر وجلال مہر گردوں کی جلالت نہ رہی

کی تصویر بنے ہوئے نظر آئیں گے۔ چونکہ میرا ارادہ اُن کی اس کتاب کا تفصیلی جواب دینا نہیں، سوائے اس کے کہ کہیں کہیں "جوابِ آں غزل" ہو جائے تو مجھے یہ سمجھ کر معاف کیا جائے کہ زبان میں بھی رکھتا ہوں تاہم ایسی نہیں جیسی شاہ صاحب کی ہے، اُن کی سی رنگین زبان میرے پاس نہیں۔ شاہ صاحب تو عالمِ دین ہیں جاہلوں تک کے لیے دانا لوگوں کا قول ہے کہ:

ہے جوابِ جاہلاں باشد خموشی پندِ وعظ جنگ سے ضبطِ فسادِ مدّعی میں لطف ہے

البتہ اگر اس کے بعد بھی ضرورت پڑی تو پھر شاہ صاحب کے دیئے گئے جواب "انوار التحقیق" کا تفصیلی جواب الجواب اہلِ علم ودانش کی عدالت میں ضرور پیش کروں گا، کیونکہ مثل مشہور ہے کہ قرآن کا کسی سے نہ لکھا گیا جواب ع

اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ آپ انوار التحقیق میں شاہ صاحب کی زبانِ شیریں اور جلالتِ علمی کا انداز ذیل میں دیکھ کر ہی اندازہ پا جائیں گے کہ اُن کے علم کا اندازہ پانا دشوار ہے اس لیے کہ

؎ چین ابرو نے دکھایا الٹی سیفی کا اثر   یار کا نقشِ جمالی بھی جلالی ہو گیا

خلاصۂ کلام یہ کہ میں اس ضمیمہ "ازالۃ الاوھام عن سنۃ خیر الانام" میں فی الحال انوار التحقیق کے حوالے سے تین فصلوں میں چند اُمور پیش کروں گا، وہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب کا لب ولہجہ،، کلام میں جگت بازی یا ٹانکے لگانا، نیز ان کی پیش کردہ عبارتوں میں تضاد اور باہمی تصادم اور علماء وفقہاء احناف کو بے اعتبار و بے وقعت قرار دینا۔ اس کے علاوہ ضمناً کہیں کوئی ہلکا پھلکا جواب۔

پہلی فصل (حصہ الف)

ذیل کے حوالہ جات میں آپ جناب شاہ صاحب کا لب ولہجہ ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ صاحب نے خالص علمی بحث میں جو جوانوکھی ترکیبیں استعمال فرمائی ہیں وہ اُن سے کم از کم مجھے تو متصور نہ تھیں، انہوں نے مجھے بھی مولانا بشیر القادری، صوفی نثار الحق، مولانا پیر محمد چشتی علیہ الرحمہ اور دعوت اسلامی وغیرہ سمجھ کر جو خوب خبر لی ہے اُس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو سبھی کو تیغِ بے پناہ سے ٹھنڈا کرنا شاہ صاحب کا طرّہ ٔ امتیاز ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے — سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

اُن کی گلفشانی کو پڑھ کر آپ یقیناً عش عش کر اُٹھیں گے کہ:

کیا گلفشاں زباں ہے اس تنگ تر دہن میں — بلبل چہک رہا ہے اک غنچہ ٔ چمن میں

یہ اس لیے بھی کہ جناب شاہ صاحب سیفی ہیں!

دریائے غضب تیغ کے پانی نے دکھایا — خنجر کا مزہ سیفِ زبانی نے دکھایا

حالانکہ مشہور ہے کہ کبھی کبھی سیفی الٹ بھی جاتی ہے:

خونِ عدو سے کھیت کبھی یوں سنچا نہ تھا — سیفی اُلٹ پڑی ابھی چلہ کھنچا نہ تھا

جس طرح شاہ صاحب نے میری یادش بخیر فرمائی ہے وہ میں ذیل میں لکھتا ہوں تا کہ اُنہیں گواہ طلب نہ ہونا پڑے، ملاحظہ ہو:

ا۔ ڈاکٹر موصوف نے اس عبارت میں اپنی بے علمی، حسد اور کینہ وضد کی انتہا کر دی کیونکہ فقیر صرف ناقل ہے اور ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہوتی ہے نہ کہ نقل کردہ عبارت کو دلائل سے مدلل کرنا۔ "انوار التحقیق" ص: ۵ سطر ۱۰

تبصرہ: تصحیحِ نقل کے معنی ہی ہیں عبارت کو دلائل سے مدلل کرنا، جیسا کہ علامہ قاسم بن قُطلوبُغا حنفی مصری کی کتاب "التصحیح والترجیح" کے نام سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے ناقل کے ذمے تصحیحِ نقل نہیں بلکہ صحتِ نقل ہوتی ہے، تصحیحِ نقل کسی محقق کا ہی کام ہوتا ہے جو نقل کردہ عبارت کو کھرا یا کھوٹا ثابت کر کے رد کر دیتا ہے یا قبول کر

دیتا ہے اور صحتِ نقل میں اس اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی جیسی عبارت دیکھی، جہاں سے دیکھی نقل کر دی، اس کی صحت وعدم صحت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جاتا۔ اور شاہ صاحب نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے صرف صحتِ نقل پر زور صرف کیا ہے، تصحیح نقل پر نہیں۔

۲۔ حضرت ڈاکٹر مولا بخش سکندری نے بے جا تنقید کرتے ہوئے فقیر کے رسالے پر اعتراضات کیے۔ یہ تو ڈاکٹر صاحب نے پی ایچ ڈی کا ایک کورس کیا ہے، اگر یہ ٹرپل پی ایچ ڈیز بھی کر لیں تو بھی عالم نہیں بن سکتا کیونکہ علم کے لیے ماہر اساتذہ کرام سے مکمل درسِ نظامی پڑھنا ضروری ہے جس سے انسان کماحقہٗ عالم بن سکتا ہے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے خود کو اس مقولے کا مصداق بنایا ہے اَنْفٌ فِي الْمَاءِ وَاِسْتُهٗ فِي السَّمَاءِ جیسا کہ ہندی میں کہا جاتا ہے "رہے جھونپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کے" اور بقولِ شاعر:

؎ اتنا ہی سر اُٹھایئے کہ جس سے یہ تو ہو لوگوں کے دل میں آپ کی کچھ آبرو رہے

"انوار التحقیق" ص:۳۲

تبصرہ: حضرت شاہ صاحب نے اس مقولے میں پانی اور آسمان کا ذکر فرما کر مجھے آسمان پر چڑھا دیا ہے، اس لیے ان سے گزارش ہے کہ حضور!

؎ پانی پانی مجھ کو کرتی ہے مری تر دامنی چاہیے اشکوں کی چادر منہ چھپانے کے لیے

؎ بس بس چڑھا چکے ہمیں تم آسمان پر اس سے تو خاک ہی میں ملاتے تو خوب تھا

حضرت جی! میں خاکی پتلا خاک نشینی پر ہی خوش ہوں۔ اس علم کا آسمان آپ ہی کو مبارک ہو۔

؎ کچھ بھی مناسبت ہے یاں عجز واں تکبر وہ آسمان پر ہیں میں ناتواں زمیں پر

نیز شاہ صاحب نے میرے محلوں کے خواب دیکھنے پر بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے حالانکہ غریب غرباء تو خواب دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں اس لیے محلوں کے ذکر پر گزارش ہے کہ:

؎ مری طرف سے کوئی جائے کوہ کن سے کہے نہیں نہیں یہ محل زور آزمائی کا

اس کے علاوہ میری اُن سے یہ بھی التماس ہے کہ:

؎ بام پر چڑھ کر نہ ہر اک سے لڑاؤ آنکھ جی تن سے منظور ہیں اب سر اتروانے کئی

اس کے باوجود کہ میں آپ کی طرح آسمانِ علم کا دعویدار نہیں، یہ آپ ہی کو مبارک ہو۔ لیکن اتنی اونچائی پر رہنے والوں کو ہر کس و ناکس سے لڑنا، الجھنا اچھا نہیں، اب بھی وقت گیا نہیں۔

؎ خیر اب بھی جو رفع شر کو چاہو سر آنکھوں سے چل کے جبہ سا ہو

۳۔ کاش کہ ڈاکٹر موصوف کو علم کامل ہوتا! میں نے جو بات بحوالہ کتب لکھی ہے وہ اس سے معہود اشارہ رفع اصبعه عند قوله ان لا اله مراد لے رہا ہے۔ تو یہ ڈاکٹر موصوف امام ابو حنیفہ سے کبھی بھی ثابت نہیں کر سکے گا۔ "انوار التحقیق" ص:۴۰

تبصرہ: ہم نے امام ابو حنیفہ کا قول پیش کیا لیکن آپ نے اسے امام صاحب کا محض قول کہہ کر مذہب ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ آپ نے خود ہی "و اما المقلد فمستنده قول مجتهده لا ظنه" وغیرہ کثیر اقول علماء تحریر فرمائے ہیں۔ اس لیے ہم بھی آپ سے عرض کرتے ہیں کہ بالکل اسی طرح جناب بھی عدم رفع اصبعه عند قوله ان لا اله معہود اشارہ کے خلاف امام ابو حنیفہ سے کبھی بھی ثابت نہیں کر سکیں گے، دیدہ باید۔

۴۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ معاندانہ رویہ ہے جیسے کہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۷ پر از اول تا آخر یہ تسلیم کرنا کہ کتب ظاہر الروایہ میں اشارہ کا ثبوت اور عدمِ ثبوت یا نفی کی کوئی عبارت موجود نہیں اور پھر اس قاعدہ کا کہ "عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم نہیں" غلط فائدہ اٹھایا اور بے جا کلام کرتے ہوئے ہمیں مہلت دینے کی بات کی حالانکہ ڈاکٹر موصوف نہ میرا خدا ہے اور نہ ہی حاکم کہ مجھے مہلت دینے کی بات کرتا ہے۔ فیاللعجب، هٰذِهٖ عَادَةٌ مِنَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ وَالْجَاهِلِيْنَ۔ بقول شاعر:

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

"انوار التحقیق" ص:۴۱

تبصرہ: شکر ہے کہ جناب شاہ صاحب نے قاعدہ تو مان لیا، رہا سوال اس سے غلط فائدہ اٹھانے کا تو غلط فائدہ اٹھانے کا سوال تو تب پیدا ہوتا جب یہ قاعدہ "عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم ہوتا ہے" ہوتا حالانکہ قاعدہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں تک میری طرف سے شاہ صاحب کو مہلت دینے کی شکایت کا معاملہ ہے تو وہ مصباح التحقیق کے ص:۵۱ پر موجود ہے۔ پڑھنے والے اسے اب بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہاں! "نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے" شعر آپ ہی نے لکھا ہے، میں نے نہیں۔

۵۔ خانی کی عبارت منقولہ در شرح سفر السعادت ص:۸۱، اس طرح ہے کہ: اشارہ نزد قول لا الہ الا اللہ احسن است، مگر ڈاکٹر موصوف نے طیش میں آ کر اسے اس طرح عبارت بنا دیا۔ الاشارة عند قول لا اله الا الله لا خلاف فيه وهو حسن۔ ص:۱۹، ببیں تفاوت از کجاست تا بکجا۔ بقولِ شاعر

؎ اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں   لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

و اقول : وهذه کلها من قلة علمه و قلة دینه و قلة حیائه و کثرة جهله، والله ینتقم منه بهذا العمل القبیح الذی هو شعار اهل الضلال۔
انوار التحقیق ص:۴۶

تبصرہ: حضورِ والا! آپ اگر نظرِ غائر سے مصباح التحقیق پڑھتے تو اتنا طیش میں نہ آتے ،اور یہ نہ کہتے کہ:" اُسے اس طرح عبارت بنا دیا الاشارۃ عند قول لا الہ الّا اللہ لا خلاف فیہ وھو حسن "۔

میں نے یہ عبارت شیخ صاحب کی فارسی عبارت کا ترجمہ نہیں بتائی۔ جیسا کہ آپ نے صریح الزام تراشی کرتے ہوئے تاثر دیا ہے۔ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، آپ اس کا ص: ۵۳ دیکھیں کہ آیا میں نے یہ الفاظ شیخ صاحب کی عبارت سے لیے ہیں یا حضرت علی متقی ہندی کے مطبوعہ رسالے سے؟ اگر علی متقی ہندی کا وہ رسالہ دیکھنا آپ کو نصیب نہیں ہوا تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو اُسے اپنے رسالہ مصباح التحقیق کے مذکورہ بالا صفحے پر جلے حروف میں "علمی خیانت" کے زیرِ عنوان نقل کیا ہے، اس کے بعد میں نے شیخ صاحب کی وہ عبارت، جس کو آپ بہانہ بنا کر اس قدر بے قرار اور برہم ہوئے ہیں، تائیداً پیش کی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کی اس قدر بے قراری کی اصل وجہ شیخ علی متقی کے فتاوی قاضیخان سے منقول الفاظ" الاشارۃُ عند قولِ لَا اِلٰہ الّا اللہ لا خلاف فیہ وھو حسن " ہیں، کیونکہ آپ کو اس مسئلہ میں "لَا خِلَافَ فیہ " ہونا ایک آنکھ نہیں بھاتا، کیونکہ آپ کے آسمانِ علم پر براجماں ہونے کا مدار اس مسئلہ میں اختلاف ہی پر ہے۔ اختلاف رائے تو ہوتا ہے وہ کوئی بڑی بات نہیں لیکن کچھ لوگ اس مسئلہ میں اختلافِ طبائع بھی رکھتے ہیں، اس قدر کہ التحیات پڑھتے وقت اشھد ان لا الہ الّا اللہ کے الفاظ پر انگلی سے اشارہ کرنے والے کو حالت نماز ہی میں مسجد سے اُٹھا کر باہر پھینک دینا یا کم از کم اس کی انگلی کو توڑ مروڑ دینا باعثِ ثواب سمجھتے ہیں، جیسا آپ کے اذناب کا رویہ ہے۔

؎ اختلافِ طبائع نے جان کھائی ہے   کوئی ہے طالبِ خلعت کہیں کفن کی تلاش

چونکہ "لا خلاف فیہ " کی نوید سے آپ کو نہ صرف اختلاف ہے بلکہ اختلال بھی ہو جاتا ہے۔

؎ دل جو غم سے اداس ہونے لگا   اختلالِ ہواس ہونے لگا

بالکل اس طرح جیسے ایک مشہور پرندہ بوئے گل سے فارغ ہوتا ہے اور بلبل کی صحبت سے اسے نفرت ہوتی ہے۔ایسی صورتِ حال پر کہا جاتا ہے

زاغ چوں فارغ زبوئے گل بود نفرتش از صحبتِ بلبل بود

۶۔ہم نے اپنی کتاب کے صفحہ:۷،۸ پر جو بات لکھی باقاعدہ اس کا حوالہ دیا اور علامہ شامی کی عبارت نقل کی مگر ڈاکٹر سکندری صاحب نے اپنے رسالے میں اس کو نقل کرنے سے گریز کیا ہے اس کی وجہ ڈاکٹر کی جہالت اور علالتِ قلبی ہے یا طریقۂ تالیف وتصنیف سے لاعلمی ہے۔ انوار التحقیق ص:۴۹

تبصرہ:اسے مصباح التحقیق ص:۵۱ پر دیکھ لیا جائے کہ شاہ صاحب کتنا سچ ارشاد فرما رہے ہیں؟

۷۔ڈاکٹر موصوف نے اپنی کتاب ص:۲۱ پر احادیث وآثار کی جو لسٹ دی ہے اس میں بھی حضرت موصوف نے اپنی عمر کا وقت ہی ضائع کیا ہے۔ انوار التحقیق ص:۵۰

تبصرہ:اگر احادیث وآثار لکھنا عمر ضائع کرنا ہے تو کیا شاہ صاحب یہ نہیں کہہ رہے کہ عمر کو سودمند بنانا احادیث وآثار کو۔نقلِ کفر کفر نہ باشد ونعوذ باللہ من شر ذالک القول۔مٹانے میں ہے؟ آپ ص:۵۵ دیکھ لیں کہ میں نے احادیث وآثار کی لسٹ دی ہے یا اشارۂ سبابہ کی احادیث وآثار روایت کرنے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے اسماء مبارکہ لکھے ہیں۔کیا کسی "قدوۃ العارفین العالم النبیل فقیہ المثیل، الشیخ الاستاذ المفتی "کوراویانِ حدیث، وہ بھی صحابۂ کرام کے اسماء مبارکہ سے اتنی چڑ ہوسکتی ہے؟ حاشا وکلا، ہاں یہ کام گستاخانِ رسول اور صحابۂ رسول سے بغض وعناد رکھنے اور ان گستاخوں کے اداروں میں پڑھنے والے دریدہ دہن صفت افراد نیز خارجیوں، رافضیوں اور ناصبیوں کا ہی ہوتا ہے۔جو لوگ درِ رسول کے گداگر ہوتے ہیں وہ رسول کے پیاروں کے نام پڑھ کر بھی حظ اُٹھاتے ہیں، حدیث مبارکہ "فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم " جامع الترمذی ۲ /۲۲۶، ابواب المناقب "فی من سبّ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم " مسند احمد بن حنبل ۵ /۵۴، ۵۷۔فضائل الصحابۃ حدیث ۲، ۳، ۴، اُس پر شاہد عادل ہے۔صحابہ کرامؓ کے نام سے جلا پا رکھنے اور ان کا نام سُن کر بھوں بھوں کرنے والا جہنم کی جلتی آگ میں گرتا ہے۔

ذرا سی جان ہے پر دل جگر پروانے کا دیکھو

کہ جلتی آگ میں کس شوق سے گر گر کے جلتا ہے

۸۔ معلوم نہیں ڈاکٹر موصوف کا دعویٰ تحقیق کیسا ہے؟ اور باوجود اس دعویٰ کے صاحب نورالعین کتاب کا حوالہ دے کر اس کے مقابلے میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ اور فقہ حنفی کو چھوڑ دیا فیا للعجب:

؎ رہنمائی کا تمہیں شوق مبارک لیکن تم چلے بھی ہو کسی راہ میں دو گام کہیں

آپ کی سوچ اور عمل پر صد افسوس ہے کہ آپ قرآنی آیات کا مقابلہ کر رہے ہیں اپنی ناقص عقل و علم و تحقیق کے ساتھ، ثانیاً یہ کہ احادیثِ مرفوعہ صحیحہ ناسخہ کا مقابلہ احادیثِ موقوفہ منسوخہ سے کر رہے ہیں، جبکہ دعویٰ یہ ہے کہ مسلمان اور عالم صرف آپ ہی ہیں اور آپ سے زیادہ عالم کوئی اور ہے ہی نہیں ورنہ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز مصباح التحقیق لکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ انوار التحقیق ص: ۵۲

تبصرہ: اولاً یہ معلوم ہو کہ نورالعین کتاب کے مصنف حضرت شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی۔ (۱۱۰۴ھ۔ ۱۱۷۴ھ) ہیں، ان کا یہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوع ہے، عنقریب چھپنے والا ہے۔ شاہ صاحب کے اس ارشاد سے یہ تاثر پختہ ہوتا ہے کہ نورالعین کتاب قرآنِ کریم، احادیثِ صحیحہ اور فقہ حنفیہ کی مخالفت کرنے والوں کی تائید کرنے والی کتاب ہے۔ اس سے مجھے یقین ہو چلا ہے کہ شاہ صاحب نے وہ کتاب دیکھے بغیر ہی اندھے والی لاٹھی نہیں بلکہ لاٹھ گھمایا ہے۔
ثانیاً یہ کہ شاہ صاحب نے مجھ پر خواہ مخواہ رہنمائی کا الزام دھرا ہے، میں تو ان کی پہلی کتاب دیکھتے ہی تسلیم کر چکا تھا کہ راہ بتانا تو کوئی ان سے سیکھے:

؎ کون سنتا ہے تری جوش جنوں میں ناصح خضر بھی آئیں تو ہم راہ بتا دیتے ہیں

ثالثاً یہ کہ لگتا ہے کہ میرے اس کتاب کا حوالہ لکھنے سے صاحبِ زلفِ چلیپا کو ضربِ چلیپا لگی ہے کہ وہ اس قدر کراہ کر رہا ہے حالانکہ یہ تو ضربِ خفیف ہے، اس کے باوجود وہ زبان پر انگارا رکھے ہوئے ہیں۔

؎ میں نے کبھی جو داغ جگر کا کیا ہے ذکر انگارا رکھ دیا ہے کسی نے زبان پر

لیکن مجبوری یہ ہے کہ اب لوگ کافی لکھ پڑھ کر سمجھدار ہو گئے ہیں اور کھوکھلے دعووں کے چکر میں پڑنے والے نہیں اس لیے وہ ہر دعویٰ کو دلیل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں۔ اس خرخشہ کی اصل وجہ یہی ہے، جب کہ شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ سب لوگ ہماری مریدی کا دم بھریں، ہماری ہر تحریر کو

آنکھوں پر چڑھائے رکھیں۔ میں انھیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ:

؎ میر صاحب زمانہ نازک ہے　　دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

ضربِ خفیف کا یہ اثر ہے تو اگر ضربِ خرب پڑ گئی تو کیا ہوگا؟

؎ منہ چڑھے تیغِ غمِ عشق کے کیا منہ ہے ترا　　بوالہوس تجھ پہ کوئی ضرب پڑی خرب نہیں

۹۔ ڈاکٹر موصوف نے اضطراب کے مسئلے کو چھیڑتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو غلط اور خود کو پندرھویں صدی کا ممتاز اور ماہر مجدد ثابت کرنے کی بے جا اور بے باکانہ کوشش کی ہے۔ مگر اہلِ علم حضرات اس سے باخبر ہیں کہ القدیم یترک علی قدمہ اور متاخر کے فتوی سے متقدم کا فتوی متاثر نہیں ہوسکتا۔ "انوار التحقیق" ص: ۸۸

تبصرہ: اضطراب کی بحث مصباح التحقیق ص: ۸۲ تا ۸۵ پر ہے، آپ اسے دیکھ لیں، میرا ایسا کوئی دعوی یا گستاخانہ عبارت ہے؟

۱۰۔ مذکورہ تفصیلی و وضاحتی بیان کے بعد شریعت کے پیروکاروں کے لیے لکھنے کی ضرورت تو نہیں رہتی مگر پھر بھی بدقسمت ڈاکٹر مولا بخش سکندری کے اعتراضات کے جوابات لکھنا ضروری سمجھتا ہوں، جس کی تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ انوار التحقیق ص: ۸۹، ۹۰

تبصرہ: دیکھیے صاحب کی بد بلا! تہمت کے علاوہ کوئی کام نہیں۔

؎ پڑی رہتی ہے تھتکاری سے میری جان کے پیچھے
مجھے جانے نہیں دے گی بہن ہے بد بلا تیری

۱۱۔ مولا بخش سکندری نے مصباح التحقیق (جو درحقیقت اطفاء التحقیق ہے) کے ص: ۲۲۔ ۲۳ پر لفظ تعارض کو چھیڑا ہے۔ اگرچہ حکم الٰہی ہے ولا تقف ما لیس لك به علم مگر شاید چونکہ مولا بخش صاحب ڈاکٹر ہیں اس لیے قرآن کریم پر عمل کرنے میں اسے عار محسوس ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف ہے: عن عبد اللّٰه بن مسعود قال یا ایھا الناس من علم شیئا فلیقل به و من لم یعلم فلیقل اللّٰه اعلم فان من العلم ان تقول لما لا تعلم اللّٰه اعلم ۔ قال اللّٰه تعالیٰ لنبیّه قل ما أسئلکم علیه من اجر وما أنا من المتکلفین (متفق علیہ مشکوۃ ص: ۳۷) مگر چونکہ مولا بخش سکندری پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں عالم نہیں ہے اس لئے کیسے یہ جرأت کر سکتا ہے کہ اپنی کم علمی کو محسوس کرے۔ بقول شاعر

؎ نہ تم صدمے دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے　　نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

انوار التحقیق ص: ۹۰

تبصرہ: اولاً یہ کہ یقیناً میری یہ کتاب نام نہاد تحقیق کے مصنوعی انوار کے لئے "اطفاء" (بجھانا، ختم کرنا) ہے۔

ثانیاً یہ کہ حضور والا! ایسے امور میں چھیڑ چھاڑ تو چلتی رہتی ہے، آپ اس پر چھڑ کیوں جاتے ہیں؟ آپ نے خواہ مخواہ ہم پر چھیڑنے کا الزام دھرا ہے۔ آپ نے خود ہی "اشارہ سبابہ فی تشہد الصلوۃ" کو اپنی چھیڑ بنالیا ہے۔

؎ ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے خود مختاری کی　　چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

اسے کہتے ہیں "بدنام کنندۂ نکونامے چند"

؎ سیکھے سحر و برق سے بندش کے بند　　پھر غالب و برق نے بتائے پیوند

؎ مجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا اے قدر　　بدنام کنندۂ نکونامے چند

آپ کو اگر ایک بات پر ٹکنا نصیب ہو تو بات بھی کی جائے، آپ تو باتوں کو ٹکنا، چھینا چھانی اور چھیلنا ہی جانتے ہیں، وہ بھی ایسا کہ:

؎ دل فریبی کے بدل آتے ہیں سو رنگ ان کو　　آدمی کیا ہیں چھلاوے کو چھلا کرتے ہیں

ثالثاً یہ کہ آپ اور عار کا ذکر ریشم میں ٹاٹ کے پیوند کی طرح ہے۔

؎ ذات میں دھبا لگائے گر بُرا پیوند ہو　　جو پٹے کُوڑے سے ہو اُس غار کی مٹی خراب

عار تو اس کو آنی چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کی فعلی احادیث کو قابل عمل نہیں مانتا، جو اپنے ہی امام کے قول کو نہیں مانتا، جو اپنی خواہش کو ثابت کرنے کے لیے ائمۂ حدیث امام بخاری، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، امام بیہقی کی تصریحات پر اور نہ ہی ان تصریحات نقل کرنے والے ذہبی، نووی اور ابن حجر عسقلانی پر اعتماد کرتا ہے اور ایک ایسے شخص کا سہارا لیتا ہے جس کے متعلق ان تمام ائمہ حدیث و محدثین اور ماہرینِ جرح و تعدیل نے "اتفق المحدثون علیٰ ترك حديثه وهو خزانة العلم ومع ذالك غير محفوظ فى الحديث" اور "الكذابون المعروفون بالكذب علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم اربعة الواقدیؒ بالمدينة ومقاتل بخراسان ومحمد بن سعيد المصلوب بالشام وذكر الرابع" اور "متروكٌ مع سعة علمه" فرمایا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص: ۲۶۷ تذکرہ نمبر: ۳۳۴ تہذیب التہذیب ۶ / ۴۱۳، ۴۱۵

لسان المیزان ۷/ ۵۲۱ لیکن چونکہ آپ اس طرح کی تمام باتوں سے عاری ہیں اس لیے آپ کو عار سے کیا عار۔

رابعًا یہ کہ آپ کی پیش کردہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہمارے سر آنکھوں پر، ومع ھذا اس حدیث کی شرح میں منقول علامہ ابہری کا قول: فان تمییز المعلوم من المجھول نوع من العلم، وھو المناسب لما قیل: لا ادری نصفُ العلم اھ۔ اور اس کے بعد ملا علی قاری کا یہ قول بھی پیش نظر رہے: ویقال لمن لیس له ھٰذا التمییز جھله مرکب، ومن ثم اشتد خوفُ السلف من الافتاء فکثر امتناعھم منه حتیٰ أن مالکا سئل عن أربعین مسئلة فأجاب عن أربعة وقال فی ست وثلاثین: لا أدری۔ مرقاۃ المفاتیح ۱/ ۳۱۴

اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ معلوم بمنزلہ موجود اور مجہول بمنزلہ معدوم ہوتا ہے۔

خامسا یہ کہ حضور والا! مجھے اپنی کم علمی کا بھرپور احساس ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں واقعی عالم نہیں ہوں البتہ میں طالب علم ضرور ہوں، اور طلبِ علم میں اتنی زندگی بسر کرتے کرتے اتنی سمجھ ضرور آگئی ہے کہ کون صاحب علم کی بات کر رہا ہے اور کون استاد استادی دکھا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے جو میں آپ کی اس امر میں کی جانے والی سب استادیاں جانتا ہوں اور پھر ان استادیوں سے پردہ بھی اٹھاتا ہوں جو آپ کو گراں معلوم ہوتا ہے اور ماننے سننے سے گراں گوش ہو جاتے ہیں۔

سادسًا یہ کہ "پی ایچ ڈی" کے ساتھ "ڈاکٹر" کا لاحقہ بھی خوب جڑا ہے۔ یقیناً یہ جڑا ؤ جملہ آپ کے معتقدین و مریدین کے لیے دلنشیں ہوگا لیکن پڑھے لکھے لوگ اس سے دل کباب ہو گئے ہوں گے اور ضرور انھوں نے گنگایا ہوگا۔

؎ خیال میں جو وہ مستِ شراب رہتا ہے ۔۔۔ تو خواب میں بھی مرا دل کباب ہوتا ہے

دراصل حضرت شاہ صاحب کے سر پر "ڈاکٹر" آسیب کی صورت چڑھ گیا ہے۔

؎ عشق کا آسیب جب سر پر چڑھا ۔۔۔ کٹ گئی مت اور بھی سودا بڑھا

؎ سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا ۔۔۔ دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی

سابعًا یہ کہ بالکل اسی طرح "مگر شاید" کا بیڈھب جملہ۔ کیونکہ "مگر" فارسی زبان میں حرف استثناء ہے، جو لیکن اور غالباً کی جگہ آتا ہے۔ اور "شاید" بھی فارسی زبان کا لفظ ہے، کسی بات

کے ہونے نہ ہونے میں شک ظاہر کرنے کے لیے "غالباً" اور "ممکن" کی جگہ استعمال ہوتا ہے، جیسے اس شعر میں:

؎ باندھی ہے سب نے زیرِ فلک جھوٹ پر کمر شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کا

اور آپ کی عبارت میں بھی ماٹ کا ماٹ بگڑا ہوا ہے اور اس اگر مگر کے چکر میں ہندی والے مگر کا چہرہ بنتے جا رہے ہیں۔

آخر میں اپنی اس "تصنیفِ لطیف" انوار التحقیق فی ان المصباح بالاطفاء یلیق "کے نام کے متعلق بھی سن لیں! اس کا اردو ترجمہ ہے: "تحقیق کے انوار چراغ بجھا دینے کے مستحق ہونے کے بیان میں"۔ یعنی آپ نے یہ ساری کدوکاوش یہ بتانے اور سمجھانے، ثابت کرنے کے لیے کی ہے کہ لوگو سنو! چراغ بجھا دینا چاہیے۔ لیکن یاد رہے:

؎ جل کر اگر بجھا بھی دلِ سوختہ مگر تو پھر جلے گا جیسے کہ کوئلہ بجھا ہو

اب ذرا سنیئے! "انوار" نور کی جمع بمعنی روشنیاں اور "تحقیق" کے معنی ہیں دریافت کرنا، کھوج لگانا، نیز یہ وہ لفظ ہے جس سے یقین ہونا ظاہر کیا جاتا ہے جیسے تحقیق خدا مہربان ہے، حقیقت دریافت کرنا، پوچھ گچھ، جانچ۔ تحقیق سے وہ عمل مراد ہے جس میں غور وفکر، دلیل کے ساتھ کوئی معاملہ دریافت کر کے فیصل کیا جائے، اور مصباح کے معنی ہیں چراغ۔ اطفاء: بجھانا، آگ کو ٹھنڈا کرنا، چراغ گل کرنا۔ یلیق: لائق ہے، سزاوار ہے۔

اس لفظی وضاحت کی روشنی میں "تحقیق بجھانا" کا جملہ انتہائی بے ڈھب بلکہ صریح غلط ہے؛ ہاں کسی کی تحقیق کو مضبوط دلائل سے رد تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اسے "بجھانا" کہنا اہلِ زبان کے ہاں رائج نہیں ہے۔ اس لیے مصباح کو بالاطفاء یلیق کہنا شاہ صاحب کی ذاتی اختراع اور اُپج ہے۔ لغت کی رو سے اس کے برعکس "اطفاء انوار التحقیق" لکھنا اور بولنا درست ہے نہ کہ مصباح کا لائقِ اطفاء ہونا، اس کے بعد بھی مصباح کو لائق اطفاء لکھنے اور بولنے والا چور ہی ہو سکتا، کیونکہ چور اور چراغ کی دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، وجہ یہ کہ چراغ سے اس کے پکڑے جانے کا قوی امکان ہوتا ہے اور چور اپنے لیے کوئی خطرہ مول لینے کو آمادہ نہیں ہوتا، یا پھر مصباح سے چڑ چمگادڑ کو ہوتی ہے، کیونکہ اس سے اس کی آنکھیں چوندھ جاتی ہیں جسے عام زبان میں چندھیانا بھی کہتے ہیں، لیکن!

؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ممکن ہے کہ انھوں نے یہ نام اس لیے تجویز کیا ہو کہ آج کل چراغ کی ضرورت بہت کم ہو گئی ہے، بلبوں اور بجلی کی چکا چوند کا زمانہ ہے۔ کسی حد تک اُن کا یہ فلسفہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن غریب بھی ہر دور میں موجود ہوتے ہیں اس لیے ان کی ضرورت کی چیز مصباح کی مخالفت مناسب نہیں ہے، ویسے بھی غریب لوگ یہی شکایت کرتے سنے جاتے ہیں:

ے ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

لہٰذا حضرت شاہ صاحب سے گزارش ہے کہ مصباح کی مخالفت چھوڑ دیجیے۔

آخر میں اُن کے پیش کردہ شعر کا جواب عرض ہے:

ے آنکھ آرسی نے پہلے دکھائی کہ آپ نے — کس کی طرف سے چھیڑ یہ اے دلربا ہوئی

۱۲۔ ڈاکٹر موصوف اپنے اس عمل کی وجہ سے ص: ۱۶ سے لے کر ۲۴ تک تقریباً ۳۱ آیات قرآنی کا منکر اور ان میں مذکورہ وعیدات کا مصداق ہے اور حدیث قولی، جو کہ آپ علیہ السلام کا قول مبارک ہے، کا مخالف بھی ان وعیدات کا مصداق ہے۔ اب ڈاکٹر موصوف اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات کو غلط ثابت کرنے کے در پے ہے۔ انوار التحقیق ص: ۱۱۷

تبصرہ: اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كَلَامِكَ السَّفِيْهِ وَ عَقْلِكَ السَّخِيْفِ وَ هَمَّتِكَ الْاَرْذَلِ وَ قَصْدِكَ الرَّدِيِّ وَ نِيَّتِكَ الْخَبِيْثِ. أُفَوِّضُكَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى رَاجِياً مِّنْهُ أَن يُحَاسِبَكَ يومَ الْقِيَامَةِ حِساباً شَدِيْدًا وَّ يُذِيقكَ عذاباً أَلِيْمًا وَ يَخْزَلَكَ وَ يجْعَلَكَ مَهِيْنًا وَ يَحْشُرَكَ مَعَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ. اَلَّذِيْنَ لَا يَكُوْنَ نَاصِرًا لَّهُمْ مِنْهُ تَعَالٰى وَلَا شَفِيْعًا عِنْدَهُ۔ وَمَعَ هذا أذْكُرُكَ قَوْلَ اِبْنِ عُمَر رضى الله تعالىٰ عنهما بِاَنَّه كَانَ يَرَاهم۔ يعنى حِزْبَكَ۔ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، و قَالَ: ''اِنْطَلَقُوْا اِلىٰ آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' كَمَا فِي الصَّحِيح البخارى ۲/ ۱۰۲۴. وَ دَأْبُكَ هٰذَا دَأْبُهُمْ، كَمَا أَنَّهُمْ أَفْتَوْا بِالْكُفْرِ عَلىٰ مَن لَا يَعْتَقِدُ مُعْتَقِدِيْهِمْ فَاَنْتَ أيضًا أَفْتَيْتَ بِمُخَالِفَةِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ عَلىٰ مَن لَا يُسَلِّمُ تَأْوِيْلَكَ بَاطِلًا عَلىٰ ظَنِّكَ كَاسِدٍ، وَ تَفْسِيْرَكَ مُوَافِقاً لِرَأْيِكَ مُخَالِفاً لِآرَاءِ الْمُفَسِّرِيْنَ وَالْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُجْتَهِدِيْنَ الْمَتْبُوْعِيْنَ، وَخَالَفْتَ قَوْلَ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ أَبِيْ حنيفةَ رضى اللهُ عنه

بِتَأْوِيلٍ بَاطِلٍ وَمَرْدُودٍ عِنْدَ أَهْلِ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ۔ فَأَنْتَ جَاهِلٌ غَبِيٌّ وَعَادِلٌ عَنِ الْحَقِّ وَمَائِلٌ إِلَى الْبَاطِلِ رَاجِحٌ رَأْيًا بَاطِلاً خلاف قَوْلِ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ فَلَا عَلَاقَتَكَ بِهِمْ وَلَا بِمَذْهَبِهِمْ وَأَنْتَ زَائِغٌ وَحَاسِدٌ غَيْرُ عَادِلٍ جَرِيٌّ عَلَى الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ وَالْفِقْهِ الْمَنْصُورِ الْمَعْمُولِ بِهِ عِنْدَ أَكَابِرِ الْأُمَّةِ الْحَنِيفَةِ الْمَرْضِيَّةِ. وَاشْتَرَيْتَ بِآيَاتٍ وَأَحَادِيثٍ ثَمَناً قَلِيلاً فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُكَ۔

۱۴۔ کم علم ڈاکٹر موصوف نے خبر واحد کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مشہور، ۲۔ عزیز، ۳۔ غریب۔

مگر شاید اسے یہ علم نہیں کہ یہ تین اقسام جو اس نے کی ہیں وہ حدیث قولی کی ہیں یا فعلی کی یا دونوں کی؟ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر موصوف کو اسلامی سوچ عنایت کرے۔ انوار التحقیق ص: ۱۱۷

تبصرہ: آپ نے خبر واحد کی تقسیم کو نہ ماننے کا بہانہ یہ فرمایا ہے کہ مجھے بقول آپ کے یہ علم نہیں کہ یہ تین قسمیں خبر واحد قولی کی ہیں یا خبر واحد فعلی کی یا خبر واحد قولی و فعلی کی۔ مشہور، عزیز اور غریب قولی یا فعلی اپنے اپنے حکم میں متفاوت ضرور ہیں، یعنی یہ کہ اگر کسی فعل کا ثبوت مشہور حدیث قولی سے ہو یا فعلی سے تو ان میں قابل عمل ہونے میں قولی حدیث مقدم اور مرجح ہوگی یا فعلی؟ لیکن عددِ طرق کے اعتبار سے قولی یا فعلی حدیث کا فرق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی ماہر فن حدیث نے قولی اور فعلی حدیث کا، محض تقسیم فی اقسام الثلاثۃ۔ مشہور، عزیز، غریب۔ کوئی فرق یا اختلاف ذکر نہیں کیا ہے۔ چونکہ علماء فن حدیث کے نزدیک اصلا ایسا نہیں ہے، اس لیے آپ خود بھی قولی یا فعلی کا بہانہ بنا کر ان کا تعریف میں مختلف ہونا ذکر نہیں کر سکے ہیں۔ میری ذکر کردہ اقسام میں اگر قولی و فعلی ہونے سے فرق ہوتا تو آپ پر لازم تھا کہ آپ اسے ذکر بھی کرتے، کیونکہ کسی تعریف یا قسم کی تردید کے لئے اس کے خلاف دلیل ہونے کا یہی تقاضا ہے کہ اسے بیان بھی کر دیا جائے۔ آپ نے صرف رعب جھاڑنے پر اکتفاء کیا، اس سے آگے آپ کے پاس بھی کچھ نہیں تھا جبھی تو آپ مزید کچھ نہ بولے۔ ہاں! اگر آپ کو محض ان تین اقسام کی دلیل چاہیے تو وہ ہے اولاً شرح صحیح مسلم اردو از علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول ص: ۱۰۴، لیکن مجھے علم ہے کہ ایسے مسائل میں ان کی تحریر آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اس لیے دوسرا حوالہ ہے ظفرُ الامانی ص: ۶۷ تا ۶۹، اگر یہ بھی پسند نہ ہو تو پھر آپ تیسیر مصطلح الحدیث ص: ۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۴۔شاہ صاحب کا حسنِ کلام ملاحظہ ہو، اسی اپنے حسنِ کلام کے فوائد وفیض سے عام پڑھنے والوں کو محروم رکھنے اور اسے صرف اہلِ علم تک محدود کر دینے کے لیے عربی زبان کا سہارا لیا ہے، یا اس لیے عربی کا سہارا لیا ہے تا کہ اپنے ان پڑھ مریدین ومعتقدین کو باور کرا سکیں کہ شاہ صاحب نے اپنے اس ''قصیدہ'' میں مولا بخش سکندری کو تو قرآن، حدیث اور فقہ کا عالم، ہدایت کا حامل، اصحابِ اجتہاد کی آراء پر عامل اور مخالفینِ دین کا دشمن اور سبیل المؤمنین کا راہرو اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہے۔ لیکن اہلِ علم اسے پڑھ کر ضرور اندازہ لگا لیں گے کہ شاہ صاحب دلیل کی دنیا میں مفلسی کی وجہ سے باورا بن چکا ہے۔ لکھتے ہیں: سبحان الله لا يعرف الدكتور مولا بخش السكندري القرآنَ والحديث والفقه خاصّةَ الهداية. فهيهات ايها الدكتور، وادّعت لنفسك انت من اصحاب الاجتهاد فدعواك باطل غير حق وكذب غير صدق وعمى عن الكتاب والسنة والفقه. وحينئذ يتحكم بما ترى وان خالف الدين ويبيع وتنشر كل ما تحب وان كان على غير سبيل المؤمنين۔ انوار التحقیق ص:۱۴۶

تبصرہ: عبارت میں باطل کی صفت غیر حق اور کذب کی صفت غیر صدق لانے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بعض باطل حق بھی ہوتا ہے اور بعض کذب صدق بھی، اس لیے حضرت صاحب نے ان کی یہ صفات لکھ کر حق اور صدق سے ممیز کر دیا، یا پھر پڑھنے والوں کو پختہ یقین دلانے کے لیے معنی ومفہوم میں زور پیدا کرنے کی غرض سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح ''یتحکم بما تری'' کی بے جوڑ ترکیب میں فصاحت وقابلیتِ عربی دانی خوب جھلک رہی ہے، نحو نہ آئے تو با جرا سا بکھرنے کا کیا فائدہ، غائب اور مخاطب کا اجتماع سبحان اللہ! کیا مرج البحرین کی شان دکھا رہا ہے، یہی حال یبیع وتنشر کا ہے۔ رہا معاملہ دین کی مخالفت کا تو اس پر اتنی گزارش ضرور سنیں کہ میں ''الدین'' کا مخالف نہیں ہوں، ہاں میری مخالفت دینِ سیفیہ کی ضرور ہے جو داعی الی الدین رسول اللہ ﷺ کی فعلی احادیث کو عمل کے لیے ضروری نہیں سمجھتا، اور اس کی احادیثِ مبارکہ کی ازروئے روایت تقسیم کو قبول کرنے سے انکار کا بہانہ تلاش کرتے ہوئے قولی حدیث اور فعلی حدیث کا چکر چلا کر عام پڑھنے والوں کو چکرا دیتا ہے۔

۱۵۔ڈاکٹر موصوف کا اپنے رسالہ ص:۲۳۸ پر نہایہ کی عبارت لکھنا تو عرض یہ ہے کہ نہ تو اس کے پاس نہایہ ہے نہ ہی اس نے نہایہ دیکھی اور نہ ہی اس میں نماز کی حالت میں تشہد پڑھتے

وقت ان لا الہ پر مسبحہ انگلی اٹھانے کا ذکر ہے۔اس لیے نہ یہ ڈاکٹر موصوف کے لئے مفید وکارآمد ہے اور نہ ہی ہمارے مدعا کو مضر ہے۔انوار التحقیق ص:۱۵۹۔۱۶۰

تبصرہ: شاہ صاحب کے پہلے رسالہ کے ص:۶، نیز وہی رسالہ انوار التحقیق سے ملحق ص: ۳۶۵ پر ایک اعتراض "لیکن امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولا اور نہ فعلا" کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ "کاش! فاضل مصنف اس بحث میں پڑنے سے پہلے موطا امام محمد بن حسن الشیبانی کو ہی دیکھ لیتے تو اس تمام تکلف کی زحمت سے بچ جاتے"۔

انوار التحقیق ص: ۳۴ پر اس کے جواب میں لکھا ہے کہ: "اس میں ڈاکٹر نے علم غیب کا دعویٰ کیا ہے کہ میں نے موطا امام محمد اور اس میں منقول حدیث نہیں دیکھی۔ یہ دعویٰ ڈاکٹر صاحب کا صریحا باطل ہے"۔

شاہ صاحب کو بھی میرا ان ہی کا پڑھایا ہوا جواب پیش ہے۔ گر قبول افتدز ہے عزو شرف۔ ثانیا یہ کہ آپ حضرات خود ہی میری "مصباح التحقیق" کے آخر میں کتابیات دیکھ لیں تو آپ بھی جان جائیں گے کہ میں نے نہایہ دیکھی ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ کیا میں نے نہایہ کتاب اپنے پاس ہونے کا کوئی دعویٰ کیا ہے؟ اس کے ساتھ یہ بھی جان جائیں گے کہ نہایہ میں "تشہد پڑھتے وقت ان لا الہ پر مسبحہ انگلی اٹھانے کا ذکر ہے یا ذکر نہیں ہے۔ شاہ صاحب یہ بھول گئے ہیں کہ جس طرح میں نے ان ہی سے دو کتابیں ا۔ ابو المکارم شرح مختصر الوقایہ، اور ۲۔ العلق الشمسی الثانی علی خلاصۃ الکیدانی لے کر مصباح التحقیق میں حوالے لکھے تھے اسی طرح النہایہ شرح الھدایہ کا قلمی نسخہ اپنے ایک مہربان عالم دین سے لیکر اس کا حوالہ نقل کیا ہے۔ حوالہ کا صحیح یا غلط ہونا کتاب کے مالک ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں ہوتا۔

میری طرف سے دیئے گئے نہایہ کے حوالے کو اس بھونڈے طریقے سے رد کرنے کی وجہ کیا ہے؟ شاید بہت کم پڑھنے والوں کو علم ہے کہ علامہ شیخ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ کی مشہور عالم کتاب "الھدایہ" کی سب سے اوّلین شرح یہی "النھایہ" ہے جس کا مصنف کوئی اور نہیں بلکہ ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین علی مرغینانی کا شاگرد رشید حسام الدین حسین بن علی المعروف سغناقی حنفی ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: وقد اعتنی بہ الفقہاء قدیما وحدیثا فشرحہ تلمیذہ الامام حسام الدین حسین بن علی المعروف بالصغناقی (حاجی خلیفہ نے یونہی لکھا ہے لیکن علامہ طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادۃ ۲/ ۲۴۰ پر اور عبد

القادر قرشی نے الجواهر المضیه ص: ۱۲۹ پر سغناقی لکھا ہے)۔ الحنفی المتوفی سنة ۷۱۰ عشر
وسبعمائة وهو اول من شرحه علی ما ذکره السیوطی فی طبقات النحاة وسماه:
النهایة. فرغ منه فی شهر ربیع الاول سنة سبعمائة۔ کشف الظنون ۳/۵۴۶
یعنی زمانۂ قدیم و جدید کے فقہاء نے اس کا خیال رکھا، ان کے شاگرد۔ (آپ
صاحب هدایہ کے براہِ راست شاگرد نہیں بلکہ طاش کبریٰ زادہ اور قرشی نے لکھا ہے کہ علامہ
سغناقی حافظ الدین الکبیر محمد بن محمد بن نصر بخاری اور فخر الدین محمد بن محمد بن الیاس مایمرغی کے
شاگرد تھے جنھوں نے ہدایہ شمس الائمہ کردری سے پڑھی تھی اور ان سے سغناقی نے ہدایہ پڑھی
تھی)۔ امام حسام الدین بن علی المعروف صغناقی حنفی متوفی ۷۱۰ھ نے اس کی شرح لکھی جو علامہ
سیوطی کے "طبقات النُحاۃ" میں قول کے مطابق ہدایہ کی پہلی شرح ہے جس کا نام نہایہ ہے،
اُس کی تصنیف سے وہ ماہ ربیع الاول ۷۰۰ھ میں فارغ ہوئے۔

اب قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ خود مفتاح التحقیق ص: ۲۶۷ پر علامہ سغناقی
کے الفاظ پڑھ لیں کہ انھوں نے کیا لکھا ہے؟ دراصل ہدایہ کے اولین شارح علامہ سغناقی نے اس
بارے میں ایک ہی موقف لکھا ہے کہ اشارۂ سبابہ امام اعظم سے منقول ہے اور انھوں نے اسے
اختیار کیا/اپنایا ہوا ہے۔ اس نے اس کے علاوہ کسی بھی اختلافی قول کا ذکر نہیں کیا اس لیے شاہ
صاحب نے حیلے بہانے سے اس کے حوالے ہی کو ماننے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ انھیں اختلافی
روایات بڑی مرغوب ہیں، اشارۂ سبابہ کے جواز و استحباب کا متفق فیصلہ انھیں کچھ زیادہ پسند نہیں
آتا۔

جناب شاہ صاحب کا اتنے یقین سے یہ بات لکھنا ثابت کرتا ہے کہ گویا وہ کتاب ان
کے پاس ہے اور انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ نہایہ میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو انھیں یہ بھی
لکھنا چاہئے تھا کہ آیا نہایہ میں باب التشھد بھی ہے یا نہیں؟ اگر اس میں باب التشھد ہے تو کیا
اشارۂ سبابہ کے خلاف عبارت ہے یا سرے سے اشارۂ سبابہ سے علامہ سغناقی نے اصلا سکوت
فرمایا ہے؟ یعنی اثباتا خواہ نفیا اس کا ذکر ہی نہیں کیا؟ خیر کوئی بات نہیں، شاہ صاحب چونکہ مجھے اللہ
اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ جنگ کرنے والا کہہ چکا ہے اس
لیے اب وہ میری کسی بات پر بھی یقین نہیں کریں گے۔ یہ ان کا ایمان ہے۔ اگر مجھ پر نہیں تو منیۃ
المصلی کی شرح کبیری کے ص: ۳۲۸ پر ابراہیم حلبی کا استدلال دیکھ لیں وہ لکھتے ہیں: واما

الروایة فعن محمد ان ما ذکرہ فی کیفیة الاشارۃ ھو قولہ وقول ابی حنیفة. ذکرہ فی النھایة وغیرھا۔(یعنی" وعن کثیر من المشایخ لا یشیر اصلا وصححہ فی الخلاصة" والی بات عقل اور نقل کے خلاف ہے، وہ ایسے کہ اس بارے میں صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے۔) "رہ گیا اس عبارت کا نقل کے خلاف ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمد نے اشارہ کی کیفیت کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کا اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اس بات کو نہایہ والے نے ذکر کیا ہے"۔ اب قارئین کرام خود ہی دیکھ لیں کہ ابراہیم حلبی کیا فرماتے ہیں ، یہی کہ نہایہ والے نے اشارہ سبابہ نیز اُس کی کیفیت کا ذکر کیا ہے یا نہیں؟

بہر حال شاہ صاحب کا یہ انکاری قول نہ ان کے لیے مفید ہے نہ ہی میرے دعوی کو مضر ہے۔ ویسے بھی المثبت مقدم علی النافی کا اصول مسلم ہے، اس لیے شاہ صاحب کا محض جان چھڑانے کے لیے غیر حقیقت پسندانہ جواب مردود و باطل اور میرا دعویٰ علماء کے نزدیک مقبول و صادق ہے۔ آگے ان کی مرضی ہے مانیں یا نہ مانیں۔

اس سلسلہ میں آخری گزارش یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب اس عبارت کے ثبوت کے لیے شہر کے مقتدر علماء کا انتخاب فرمالیں میں ان کے روبرو نہایہ سے مذکورہ عبارت دکھا دیتا ہوں تو کیا وہ اس تمام خرخشے سے دستبردار ہو جائیں گے؟ اگر میں انھیں یہ الفاظ نہ دکھا سکا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس مسئلہ میں شاہ صاحب کا موقف تسلیم کرلوں گا۔ کیا خیال ہے جناب کا؟

١٦۔ جناب مولا بخش سکندری صاحب نے فقیر پر بلا تحقیق کتاب لکھنے، بددیانتی اور سرقہ کے الزامات عائد کرتے ہوئے چیلنج بھی دیا کہ ان کے موقف کے خلاف آپ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے۔ ہر چند کہ ایسے محققین کے چیلنج کا جواب دینے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ آیت کریمہ واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما پر عمل کرنا ہی بہتر ہے مگر ڈاکٹر موصوف کا جارحانہ رویہ صرف فقیر کے خلاف ہی نہیں بلکہ مجدد اعظم مجتہد فی علم الکلام، واقف متشابہات قرآنی حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی جیسی باکمال شخصیت کے بھی خلاف صادر ہوا۔ حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی بلا تحقیق بات نہیں کرتے، حضرت مجدد صاحب نے تحقیق کے بعد اپنے مکتوب شریف میں عدم اشارہ کو راجح اور مختار بتایا ہے۔ اور مزید یہ کہ ڈاکٹر موصوف نے میرے مرشد گرامی بحر العلوم مجدد عصر حاضر قطب ارشاد حضرت علامہ مولانا اخندزادہ پیر سیف الرحمٰن صاحب مبارک کا بھی عامیانہ انداز سے اور لاپرواہی سے ذکر کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ

میرے مرشد کریم بھی ایک عام مولوی ہی ہیں اور یہ بھی تاثر دیا کہ پیر صاحب کو شاید اس مسئلہ کی تحقیق معلوم نہیں اور نہ شرح الیاس اور شرح وقایہ میں موجود مسائل کا ادراک ہے۔ افسوس ڈاکٹر موصوف کی متعصّبانہ تحقیق پر صد افسوس۔ انوار التحقیق ص: ۴

تبصرہ: "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" کے طور پر کسی لمبی چوڑی وضاحت یا تاویل کی ضرورت نہیں، آپ خود ہی مصباح التحقیق کے صفحات ۵۰، ۱۰۹۔ ۱۱۸، ۱۵۸، ۱۷۶۔ ۱۷۸ نیز ۲۰۶۔ ۲۰۸ کھول کر دیکھ لیں کہ کیا شاہ صاحب کی حضرت امام ربانی کے حق میں میرے جارحانہ رویہ کی شکایت درست ہے؟ یا پھر وہ عوام الناس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے محض "زٹل قافیے اُڑانا" جانتے ہیں۔ اسی طرح جناب پیر سیف الرحمٰن صاحب کے متعلق مصباح التحقیق کے صفحات ۵۲، ۱۴۴ نیز ۳۰۹ دیکھ لیں تو میری بات کا یقین آ جائیگا کہ شاہ صاحب "زٹل قافیے" ہی اُڑا رہے ہیں۔ اور آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ:

باتیں واعظ بہت بناتا ہے کیا زٹل قافیے اُڑاتا ہے

میری شاہ صاحب سے گزارش ہے کہ ایسا نہ کیا کریں ورنہ آپ کی صفت "زٹلی" مشہور ہو جائیگی، اور لوگ کہتے پھریں گے:

کیا وعظ کو واعظ کے کریں گوش ہم اے شاد بے فائدہ سننا ہے زٹلی کی زٹل کا

جہاں تک بات ہے مجھ پر اس الزام کی کہ "میں نے تاثر دیا ہے کہ پیر صاحب کو شاید اس مسئلہ کی تحقیق معلوم نہیں اور نہ شرح الیاس اور شرح وقایہ میں موجود مسائل کا ادراک ہے"۔ تو اس کے جواب میں جناب پیر سیف الرحمٰن صاحب کی عبارت کا متعلقہ حصہ مصباح التحقیق ص: ۵۲ پر، آپ خود ہی دیکھ لیں کہ میں نے انہی کی بات دہرائی ہے، یا اپنی طرف سے اُس پر کوئی تبصرہ کیا ہے؟ ہاں میں نے یہ ضرور لکھا ہے کہ "ان دونوں حضرات کے دعویٰ میں سے کس حضرت کا دعویٰ درست ہے؟ یہ تو حضرت فاضل مصنف ہی بتائیں گے۔ لیکن ہم یہاں بتائے دیتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں اشارۂ سبابہ کا اثباتاً ذکر موجود ہے نہ کہ نفیاً جیسا کہ آپ ص: ۵۳ پر اور باب سوم میں ص: ۲۸۹ پر شاہ عبدالعزیز کی عبارت، اور ۳۰۹ پر شرح الیاس کی عبارت میں دیکھیں گے"۔ اس بارے میں قارئین کرام مصباح التحقیق کے مذکورہ صفحات ضرور دیکھیں۔ اور پھر یہ بھی فیصلہ فرمائیں کہ میری تحقیق متعصّبانہ ہے، یا شاہ صاحب کی تحریر میں تعصب ہے۔ آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی تحریر میں کتنی صداقت ہے۔

اب تک کی میری تحریر اس لیے تھی کہ جناب شاہ صاحب کو آئینہ دکھانا مقصود تھا، تا کہ ان کے مریدین ومتوسلین یہ نہ فرمائیں کہ شاہ صاحب کی زبانِ فیض ترجمان تو صرف اور صرف فیض گستر ہے اور وہ تو ہمیشہ " زباں شیریں ملک گیری " مثل پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس نظر آرہی ہے۔ ان کے ان مریدین ومتوسلین کو اب تک یہ راز معلوم نہیں تھا، میں نے اپنے ان حوالوں میں اسے آئینہ کر دیا ہے۔ اب لوہار جانے انگار جانے، شاہ صاحب خود ہی اس کی توجیہ فرمائیں، لوگ یہ نہ کہیں کہ:

؎ کہیں سکتہ نہ عاشق کو ہوا ہو　　　اُسے آئینہ دکھلایا تو ہوتا

(حصہ ب) اس حصہ میں، میں جناب شاہ صاحب کی " ٹانکا لگانے " کی خداداد صلاحیت کی کچھ مثالیں پیش کروں گا۔ عام محاورے میں اس صلاحیت کو " زبان پکڑنا " بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کو بات کہنے سے روکنا، کسی کی بات کاٹنا، اور بیچ میں بول پڑنا، بات کی گرفت کرنا، نکتہ چینی کرنا۔

؎ تاب کیا حاسد کی جو پکڑے کبھی میری زباں　　　شمع ہے لیکن اُسے گل گیر کی حاجت نہیں

ا۔ میں نے مصباح التحقیق ص: ۵۱ پر لکھا تھا: " آج تک یہ اصول مسلم تھا کہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا لیکن اب نئی تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم ہوتا ہے۔ یعنی ان کی نظر میں ظاہر الروایۃ کتب میں اشارے کا نفیاً اور اثباتاً ذکر نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ اشارے کا وجود ہی کتبِ فقہ میں نہیں اور یہی ذکر نہ ہونا غیر ظاہر الروایۃ کتب کی عبارت کے معارض ہے۔ "

اس پر جناب شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ: " آپ نے مذکورہ قاعدہ بیان کر کے تسلیم کیا ہے کہ کتبِ ظاہر الروایۃ حالتِ نماز میں تشہد پڑھتے وقت اشھد ان لا الہ کہتے وقت اشارہ کرنے کے لیے مسبحہ (شہادت والی انگلی) اٹھائی ہے۔ (کتاب میں عبارت یوں ہی بے ربط ہے۔ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں، معلوم نہیں، لیکن اگلے الفاظ سے ان کے مدعا پر کچھ روشنی پڑتی دکھائی دیتی ہے) ورنہ آپ کا دعوی بلا دلیل ہے بلکہ خلافِ دلیل ہے۔ امید کامل ہے کہ اگر مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سارے علماء وغیرہ سے مدد طلب کر لیں مگر سابقہ طبع شدہ کتابوں سے کسی بھی ظاہر الروایۃ کتاب میں سے یہ روایت پیش نہیں کر سکو گے "۔

انوار التحقیق ص: ۴۱۔ ۴۲

میرے مذکورہ بالا الفاظ شاہ صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں تھے جو انھوں

نے لکھا تھا کہ: "جو روایت ظاہر الروایۃ کی مخالف ہو تو وہ امام کے اس سے رجوع کی دلیل ہے تو اس کے لیے یہ صحیح نہیں کہ وہ اس پر فتویٰ دے الخ"۔ مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد فی الصلوۃ ص:۸ سطر ۶۔۸ نیز انوار التحقیق ص:۳۶۶ سطر ۱۰۔۱۱

شاہ صاحب نے چونکہ "جو روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہو" کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اشارۂ سبابہ کے ثبوت والی روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہے۔ ظاہر الروایت کی مخالف ہونے کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ اشارۂ سبابہ کے ثبوت کی روایت کے خلاف ظاہر الروایۃ میں اشارہ نہ کرنے کی روایت موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اس عبارت کا دوسرا کوئی اور مقصد نہیں نکلتا۔

ان کے اس مقصد و مفہوم کے پیش نظر ہی میں نے لکھا تھا کہ ظاہر الروایہ کی مخالفت تو تب ثابت ہوگی جب ظاہر الروایہ میں لکھا ہو کہ اشارۂ سبابہ نہیں کرنا چاہیے۔ جس بھی ظاہر الروایت کتاب کی روایت کے مقابلے میں غیر ظاہر الروایہ کتاب کی روایت پائی جائے گی وہ ناقابلِ اعتبار اور مرجوع عنہ تصور ہوگی، ابن عابدین نے بھی ظاہر الروایہ کے مخالف ہر روایت کو امام صاحب کی اس سے رجوع کردہ روایت قرار دیا ہے۔

شاہ صاحب کے اس استدلال پر میرا یہ کہنا تھا کہ آپ کسی بھی ظاہر الروایہ کتاب سے اشارۂ سبابہ کی مخالفت میں عبارت ثابت کر دیں، ورنہ محض کسی مسئلہ کے ظاہر الروایہ میں نفیاً خواہ اثباتاً مذکور نہ ہونے کو اُسے غیر ظاہر الروایہ کے خلاف نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ لیکن شاہ صاحب کی تقریر سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ چیز حقیقت میں بھی موجود نہیں ہوتی۔

شاہ صاحب نے اس مفروضے پر مبنی میرے انکاری سوال کو پکڑ کر مطالبہ کر دیا کہ آپ ظاہر الروایہ کی کسی بھی کتاب سے ثبوتِ اشارہ کا قول دکھا دیں۔ اور آپ کسی بھی ظاہر الروایہ کتاب میں سے یہ روایت پیش نہیں کر سکو گے۔

اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلوۃ کے حوالے سے غیر ظاہر الروایہ اور ظاہر الروایہ میں تعارض کا ڈھنڈورا تو شاہ صاحب پیٹیں لیکن ظاہر الروایہ سے اس کے اثبات کی عبارت پیش کرنے کا مطالبہ مجھ سے؟ کیسا طرفہ تماشا ہے؟ اسے کہتے ہیں کرے داڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔

۲۔ میں نے مصباح التحقیق ص:۵۳ پر لکھا ہے کہ شیخ علی متقی ہندی نے فتاویٰ خانیہ

سے اشارۂ سبابہ کا غیر اختلافی اور حسن ہونا نقل کیا ہے، ملا علی قاری نے بھی فتاویٰ خانیہ کے متعلق اسی طرح لکھا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علی متقی سے یوں ہی نقل کیا ہے۔ مگر موجودہ مطبوعہ فتاویٰ خانیہ میں اشارۂ سبابہ کا ذکر نہ پا کر ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے کہ مذکورہ تینوں حضرات کے پاس موجود فتاویٰ خانیہ میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا لیکن بعد میں چھاپنے والے حضرات نے خاص ذہنیت کی وجہ سے اس ذکر کو کتاب ہی سے نکال دیا ہے ورنہ شیخ علی متقی ہندی، ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف غلط مسئلہ لکھنے کا انتساب کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ مصباح التحقیق ص: ۵۳

شاہ صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "آپ جیسے ناقص علم والے کا یہ انتساب مبنی برحقیقت ہے کہ آپ نے ان بزرگوں کی طرف غلط انتساب کیا ہے"۔ انوار التحقیق ص: ۴۶

شاہ صاحب کے اس جواب ناصواب پر میں پڑھنے والے حضرات سے صرف یہ گزارش کرتا ہوں کہ وہ مصباح التحقیق ص: ۵۳ پر ان تینوں حضرات کی اصل عبارات دیکھ لیں اور پھر فیصلہ فرمائیں کہ میں نے ان بزرگوں کی طرف غلط انتساب کیا ہے یا پھر حضرت شاہ صاحب نے غلط بیانی کرتے ہوئے غلط انداز اپنایا ہے۔

ے کی نظر بھی تو نگاہ غلط انداز سے کی　　　　تیر بھی تم نے لگائے تو اچٹنے والے

۳۔ میں نے مصباح التحقیق کے مقدمہ میں لکھا ہے: "احادیثِ اشارہ کے متعلق ان کے دو قسم کے دعوے ہیں اول یہ کہ ان احادیث میں اضطراب ہے دوم یہ کہ وہ احادیث منسوخ ہیں" مصباح التحقیق ص: ۴۶

شاہ صاحب نے اس پر لکھا ہے: "میں نے اپنے رسالے مسئلۃ الاشارۃ بالسبابہ میں اشارہ نہ کرنے کے بارے میں جو کچھ لکھا اسے تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے مقدمہ مصباح التحقیق ص: ۱۳ پر لکھا ہے: شاہ صاحب کے دو دعوے ہیں اول یہ کہ ان احادیث میں اضطراب ہے دوم یہ کہ وہ احادیث منسوخ ہیں۔اھ"

میری اس بات کو پکڑ کر جناب شاہ صاحب نے لکھا ہے: "اور منسوخ پر عمل کرنا حرام وممنوع ہوتا ہے اس لیے میرا مدعا پھر بھی ثابت اور صحیح ہے"۔ انوار التحقیق ص: ۵۱

دراصل شاہ صاحب اپنے معتقدین و مریدین کو یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ اشارۂ سبابہ

کے ثبوت والی احادیث منسوخ ہیں یا ان میں اضطراب ہے جیسا کہ سکندری صاحب نے خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

اگر شاہ صاحب کی یہی سمجھ بوجھ ہے تو پھر ایسی ہی سمجھ کے متعلق کہا جاتا ہے: سمجھ پر پتھر پڑنا۔ اور ایسے سمجھدار کے حق میں کہا جاتا ہے: سمجھا اور پتھر ہوا۔

۴۔ میں نے مصباح التحقیق ص:۸۶ پر "اشارے کے وقت انگلی کی حرکت کے متعلق فقہاء کا نظریہ" کے زیر عنوان لکھا ہے: "حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک تحریک والی روایت پر عمل نہیں۔" اسی سلسلۂ بیان میں چوتھے امام، حضرت امام مالک کے اس حرکت سے متعلق مذہب کے بارے میں میں نے لکھا ہے: "حضرت امام مالک سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں، ا۔ حرکت دینا مستحب ہے، پھر اس میں بھی دو قول ہیں، التحیات کے آغاز سے آخر تک مسلسل حرکت دیتے رہنا چاہیے، دوم یہ کہ مسلسل حرکت نہیں دینا چاہیے۔ ۲۔ حرکت دینے نہ دینے کا نمازی کو اختیار ہے۔ ۳۔ حرکت قطعاً نہیں دینا چاہیے۔" امام مالک کے دو ابتدائی اقوال میں نے حلیۃ العلماء اور المفھم سے نقل کیے ہیں۔

شاہ صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: "ڈاکٹر صاحب کا ص:۵۱ پر یہ بیان کرنا کہ فقہاء کا نظریہ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک تحریک والی روایت پر عمل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ابطال آپ کی ص:۵۱ پر یہ عبارت خود کر رہی ہے کہ التحیات کے آغاز سے آخر تک مسلسل حرکت دیتے رہنا چاہیے، حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاھب الفقھاء ج ۲ ص:۱۲۶، یہ کہ مسلسل حرکت نہیں دینی چاہیے، یعنی صرف تشہد میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کے دوران حرکت دینی چاہیے اس کے بعد نہیں، المفھم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۲ ص:۲۰۲ لکھ کر ترجیح کے قول کو خود باطل اور پاش پاش کر دیا ہے۔ فافھم۔" انوار التحقیق ص:۱۱۲۔۱۱۳

• اسے کہتے ہیں "محمود کی پگڑی حامد کے سر باندھنا"۔ میں نے تینوں ائمہ، ابو حنیفہ، شافعی اور احمد بن حنبل رحمھم اللہ کا مذہب بتایا کہ ان کے نزدیک تحریک والی روایت پر عمل نہیں۔ اس کے بعد بتایا کہ امام مالک سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں۔۔۔۔۔ لیکن شاہ صاحب کے فہم نارسا کی رسائی کتنی اعلیٰ ہے کہ تینوں ائمہ کے متفقہ قول کو امام مالک کے انفرادی، وہ بھی باہم مختلف، قول سے رد کر رہے ہیں۔

حضرت جی! آپ کی اس دلیل سے اور بھی کئی مسائل متفرع ہو سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے بعد امام اور مقتدیوں کا آمین آہستہ کہنا، اسی طرح امام مالک کے ہاں بھی، اور امام مالک ہی کے دوسرے قول کے مطابق جہری نماز میں امام کا آواز سے آمین کہنا، اور امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں آمین بالجہر کہنا، اور سری نماز میں آمین بالسّر کہنا۔ اس اختلاف کی وجہ سے آپ ان روایات کو ایک دوسرے کا ابطال قرار دیکر سرے سے آمین کہنے سے ہی جان چھڑالیں۔

؎ کس کو سمجھاتا ہے اے ناصح مرے فہم پر قربان جائیں ہم ترے

؎ تمہیں اے ناصح مشفق فرشتہ ہم تو جانیں گے کسی انسان کا فہم و شعور ایسا نہیں ہوتا

۵۔ میں نے مصباح التحقیق ص: ۲۶۹۔ ۲۷۰ پر علامہ بابرتی کی العنایہ علی الھدایہ جلد اول ۲۷۱ نیز علامہ عینی کی البنایہ جزء دوم ص: ۳۱۵ سے عبارت لکھی ہے، عنایہ کی ابتدائی عبارت:
"وھل یشیر بالسبابۃ اذا انتھی الی الشھادۃ أولا؛ لم یذکرہ أی محمد فی الاصول۔"
میں سے صرف "لم یذکرہ أی محمد فی الاصول" کو پکڑ کر حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے: "یہ ہے ڈاکٹر موصوف کا اقرار ہمارے مدعیٰ کا، اور یہ تو بارہا معلوم ہو چکا ہے کہ کتب اصول کے خلاف نوادر پر فتویٰ جائز نہیں۔ جیسا کہ مقدمہ شامی ص: ۵۳ پر مذکور ہے۔"

اسی طرح علامہ عینی کی پیش کردہ عبارت کا نامکمل ابتدائی حصہ نقل کر کے شاہ صاحب نے لکھا ہے: "اس دلیل سے بھی ڈاکٹر موصوف نے ہمارے مدعا کو ثابت کر دیا۔ جو شخص حنفی المذہب ہونے کے باوجود امام شافعی کے مذہب پر عمل کر کے اپنے مذہب کی مخالفت کرے تو لوہار جانے اور انگار جانے"۔ انوار التحقیق ص: ۱۶۰۔ ۱۶۱

شاہ صاحب نے مجھے تکلفاً حنفی المذہب لکھا ہے، ورنہ وہ تو دو مقامات پر لکھ چکے ہیں کہ یہ حنفی المذہب نہیں۔ دیکھیں انوار التحقیق ص: ۱۵۸، نہ صرف یہ بلکہ وہ تو مجھے سُنیت سے بھی خارج قرار دے چکے ہیں۔ انوار التحقیق ص: ۱۰۲ نیز مسلمان ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ انوار التحقیق ص: ۱۱۷

شاہ صاحب نے ادھوری عبارات لکھنے کی عادت ابھی تک برقرار رکھی ہوئی ہے، ایسا کرنا ان کی نظر میں کوئی عیب نہیں، جس بھی حصۂ عبارت سے اپنا مطلب پورا ہوتا نظر آئے اسے پکڑ پکڑنا چاہیے کے اصول پر سختی سے کاربند ہیں خواہ ان کی یہ پکڑ پکڑنا انھیں ہی پکڑوادے۔ ان

کے ایسا کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے جبھی تو کہا جاتا ہے کہ العادۃ کالطبیعۃ الثانیۃ اور طبیعت بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا، اس لیے بے بسی کے عالم میں ایسا کر بیٹھتے ہیں۔

نہیں راہِ وفا میں کچھ قیام ان کی طبیعت کو یہاں بدلی وہاں بدلی وہاں بدلی یہاں بدلی

میری لکھی عبارتیں مصباح التحقیق کے مذکورہ بالا صفحات پر دیکھ لیں اس کے بعد شاہ صاحب کے اس دعویٰ کے صدق وکذب کا فیصلہ میں پڑھنے والوں پر رکھتا ہوں۔ شاہ صاحب پر فیصلہ رکھنا بے سود ہے کیونکہ:

داد چاہی تو تمنائے سبکدوشی فیصلہ یار نے شمشیر و سپر پر رکھا

منصف ہوں شیخ و گبر دل میں قصہ چک جائے فیصلہ ہو

علامہ بدر الدین عینی نے اپنی اسی کتاب البنایہ میں کیفیت اشارہ سے متعلق تین اقوال لکھ کر انھیں باہم جمع یوں کیا ہے: وهذه الاخبار تدل على ان فعله عليه السلام كان يختلف فكيف مافعل اجزاه ولو ترك لاشيء عليه۔ یعنی یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کی کیفیتِ اشارہ مختلف ہوا کرتی تھی اس لیے کسی بھی کیفیت سے اشارہ کرنا کافی ہے، اور اگر کسی کیفیت کو ترک کردیا تو کوئی گناہ نہیں۔ اسی بدر الدین عینی کی رمز الحقائق شرح کنز الدقائق سے کنز والے کے الفاظ: "ووضع يديه على فخذيه وبسط اصابعه" کی تشریح بھی ص: ۲۷۳ پر موجود ہے۔ نیز بدر الدین عینی ہی کی شرح سنن ابی داؤد میں اشارۂ سبابہ کو مکروہ کہنے والوں کی تردید مصباح التحقیق ص: ۲۷۶ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

۶۔ میں نے مصباح التحقیق ص: ۲۲۹۔۲۳۰ پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شرح صراط مستقیم کی طویل عبارت نقل کی ہے نیز ص: ۲۷۶۔۲۷۷ پر شیخ صاحب کی لمعات التنقیح سے عربی عبارت لکھی ہے، شرح صراط مستقیم کی عبارت: "ولیکن در متاخرین ایشاں خلافی درمیان آمدہ است۔" اور لمعات التنقیح کی عبارت: "وقد ظهر في المتأخرين منهم خلاف في ذالك" پر شاہ صاحب کی بعد والی عبارت سے نظر خیرہ ہوگئی۔

بجلیاں کوندیں تو آنکھیں بند کیں ہوگئی خیرہ یہ نرگس کی نظر

اور پھر نرگسِ شہلا آنکھیں موند کر نظریں چراتے ہوئے للکارا ہے کہ: "اس سے آپ نے خود اتفاق والی بات کی تردید کردی۔" انوار التحقیق ص: ۱۲۶۔ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو شاہ صاحب کی

للکار شیخ صاحب علیہ الرحمہ ہی کو ہے کیونکہ اشارۂ سبابہ کے معاملہ میں متقدمین کے اتفاق اور متاخرین میں اختلاف کی بات شیخ صاحب نے کی ہے میں توصرف اُس قول کا ناقل ہوں۔

ایسے ٹوٹے ٹکڑوں کا شاہ صاحب کی نظر پر چڑھنا ہی ان کے بچاؤ کی صورت ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بچاؤ کی صورت بن پڑنا ممکن ہی نہیں، خواہ ایسا کرتے ہوئے اہلِ علم کے آگے ان کی حالت "صورت ببیں حالش مپرس" والی ہو جائے:

؎ پھر بن نہ پڑیگی کوئی صورت　　جُز اس کے کہ ہو سکے ندامت

افسوس اس بات کا ہے کہ شاہ صاحب اشارۂ سبابہ میں متاخرین کے اختلاف کی اصل وجہ سے تجاہلِ عارفانہ کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اگر شاہ صاحب کی طبیعت میں ہیجان نہ ہو تو ان کی یاد دہانی کے لیے عرض ہے کہ انوار التحقیق کے اسی صفحہ پر آپ کی مذکورہ بالا عبارت سے دو سطر پہلے آپ ہی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح سفر سعادت ص: ۸۲ کے اول سے "ایں ترجمۂ رسالہ مذکورہ است ۔۔۔ الخ" لکھا ہے "مذکورہ است" کے بعد نقطے لگائے اور الخ لکھ کر جان چھڑالی کیونکہ اس کے بعد والی عبارت سے آپ کی آنکھ تر ہو گئی اور پھر آپ کی آنکھ ہی بند ہو گئی۔

؎ دل نہیں قابو میں رہتا آنکھیں ہو جاتی ہیں بند　　رعب نادر شاہ کا ہے یار کی تصویر میں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی وہ عبارت یوں ہے: "وتطویل کلام دریں مقام از جہت آں کردہ شد کہ اہلِ ایں دیار دریں باب براہ تعصب وتعسف روند ودر نفی آں مبالغہ نمایند وحق خلاف آن ست واللہ اعلم۔" شرح سفر سعادت ص: ۸۲ یعنی اشارۂ سبابہ کے مسئلہ پر طویل گفتگو اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان ملکوں کے لوگ اس بارے میں بے جا حمایت اور سیدھی راہ کے خلاف چلتے ہیں اور اس میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں حالانکہ حق اس (تعصب، تعسف، مبالغہ) کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح رہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس تعصب، تعسف اور مبالغہ کا ذکر کیا ہے وہ ہے بعض علماء، مثلاً صاحب ترغیب الصلوۃ، صاحبِ صلوۃ مسعودی وغیرہ۔ ایسے ہی مخالفینِ اشارۂ سبابہ کا قولِ نامرضیہ آپ نے شرح سفر سعادت میں نقل کیا ہے کہ: "وتعلیل کردہ اند ایں جماعۃ در نفی آنکہ درینجا زیادت فعلی ست کہ بداں احتیاج نیست پس ترک آں اولی باشد چہ مبنای نماز بر سکینہ ووقارست ودریں فعل موافقت رفضہ است پس اولی ترک آں باشد تحقیقا للمخالفۃ۔" شرح

سفر سعادت ص:۸۱

اور ملا علی قاری نے بھی لکھا ہے کہ: "فلا اعتداد لما علیه المخالفون، ولا عبرة بما ترک هذه السنة الاکثرون من سُکان ماوراء النهر و اهل خراسان والعراق والروم وبلاد الهند ممن غلب علیهم التقلید وفاتهم التحقیق والتایید من التعلق بالقول السدید۔" تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص:۶۰۔۶۱

بلاد سندھ میں دسویں صدی کے فقیہ شہیر مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے بھی لکھا ہے: "واما ما قیل هنا ان الرفضة لما توغلوا فی فعلها ترکها السنیون، فظن فاسد وکیف یترک السنیون السنة الثابتة بالتشبه الطاری، وانما الممنوع منه مالم یروفیه عنه صلی الله علیه وسلم شیء أو یکون سابقا علی العلم بالسنة۔" المتانة فی المرمة عن الخزانة ص:۱۷۷

حقیقت یہی ہے کہ اشارۂ سبابہ کو روافض کے سلام پھیرتے وقت رانوں پر ہاتھ مارنے، یا اس سے قبل مختلف ارکان نماز میں بار بار ہاتھوں کی حرکت کو دیکھ کر علماء ماوراء النہر وعلماء خراسان وغیرہ میں سے بعض غالی قسم کے احناف نے تشبہ بالروافض کی وجہ سے یا پھر اسے ایک غیر ضروری امر سمجھتے ہوئے اشارۂ سبابہ سے منع فرمایا، ان حضرات یا ان سے متاثر علماء افغانستان نے نہ صرف اشارہ سبابہ کے خلاف لکھا، بلکہ دیگر بعض امور میں بھی اس قدر شدت اختیار فرمائی کہ اپنے موقف کی تائید میں جعلی حدیثیں بھی لکھ ماریں، شاہ صاحب اکیلے اس میدان کے شہ سوار نہیں ان کے علاوہ معروف عالمِ دین جناب عبدالقیوم سامحہ اللہ بقولہ ہذا المعروف پیر آف مانکی شریف نے بھی ایک موضوع حدیث اپنی کتاب حل المشکلات ص:۱۰۵ پر لکھی ہے، نیز اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی ان جیسے دیگر حضرات کی ٹکسالی احادیث کا ذکر فرمایا ہے۔ فتاویٰ رضویہ ۲۵ / ۸۲۔ ۱۸۳ اگر مزید تتبع وتلاش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ محض اشارۂ سبابہ کی حمایت کرنے کی پاداش میں بعض علماء کو افغانستان سے جبراً بے دخل کر دیا گیا۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی اس مسئلہ نے صدیوں بلکہ سنتے ہیں کہ اب تک یہ اہمیت حاصل کرلی ہے کہ اگر اتفاقاً نماز میں کسی کی اُنگلی اُٹھ گئی اُسی وقت اس کی اُنگلی تراش دی جاتی تھی ، علامہ رشید رضا مصری نے مغنی کے مقدمہ میں اپنا یہ بیان درج کیا ہے کہ: سمعتهُ باذنی من

بعض طلاب الافغانین فی مسجد لاهور الجامع فی هند. وقد سألتُهمُ عَنْ صحة ما نقل عن بعض أهل بلادهم فی ذالک. فقالوا نعم، وعللوه بأنّهٗ عقاب علی مخالفة الرسول وَتَرْکِ سُنّتِهٖ۔ یعنی میں نے اپنے کانوں بعض افغانی طلبہ سے ہندوستان میں لاہور کی جامع مسجد کے اندر یہ سُنا ہے، میں نے دراصل اُن سے پوچھا تھا کہ کیا اُنگلی تراشنے کا قصہ صحیح ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، اور انہوں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے اور اس کی سنت ترک کرنے کی انہیں یہ سزا دی جاتی ہے۔

مولانا گیلانی صاحب علامہ رشید رضا مصری سے ان حضرات کی سنگین مُلایانہ حنفیت کی ایک اور مثال نقل کرتے ہیں: ومن ذالک أن بعض الحنفیة من الافغانین سمع رجلاً یقرأ الفاتحة وھو بجانبہٖ فی الصّفّ. فضربه بمجموع یدہ علی صدرہٖ ضربة وقع بھا علی ظھرہٖ فکاد یموت. وبلغنی أن بعضھم کَسَّرَ سُبَابَةَ مُصَلِّ لِرَفعه إیاہُ فی التشھد۔ یعنی ان کی سخت گیری کا ایک قصہ یہ ہے، جو بعض افغانی حنفیوں کے متعلق ہے کہ کسی نے اپنے برابر والے کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سُن لیا تو اس نے اس فاتحہ پڑھنے والے کے سینہ پر اس زور سے مُکا مارا کہ وہ پیٹھ کے بل زمین پر آ گرا، قریب تھا کہ وہ مرجائے، اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ ایک شخص نے التحیات میں انگلی سے اشارہ کیا تو ایک افغانی نے اس کی انگلی توڑ دی۔

یہی مولانا گیلانی لکھتے ہیں کہ تمباکو جیسی غیر منصوص چیز کی حُرمت وحِلت پر جو جھگڑا یہاں کے مُلایانوں میں چھڑا، کوٹہ مُلا نے تمباکو کی حِلت کا فتویٰ دے دیا تھا، پھر کیا تھا؟ اس کی وجہ سے "کوٹہ مُلا کافر ہے، جو اس کے ساتھ وہ بھی کافر ہے" کا نعرۂ مستانہ ایک عرصے تک گونجتا رہا۔ الفرقان (بریلی) کا شاہ ولی اللہ نمبر سال ۱۹۴۱ء ص: ۱۷۹، ۱۸۱

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے تو اس عاشق اور صادق حنفی سے اپنے کانوں سنا واقعہ بھی نقل فرمایا ہے جس نے اپنے مرشد مبارک کے حکم پر نماز پڑھتے شخص کو نماز کے دوران ہی سے اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیا تھا، از انسواء اشارۂ سبابہ کرنے والوں کے خلاف سختی سے نمٹنے کے فتویٰ پر علماء کا اتفاق بھی ایک تاریخی حقیقت ہے، اور آج کل بھی کچھ اشیاخ ایسے بھی ہیں جن کی شہ پا کر ان کے مریدین باصفا اشارۂ سبابہ کرنے والے نمازی کی انگلی دوران نماز ہی توڑنا یا اسے پکڑنا حنفیت کی خدمت سمجھتے ہیں۔

اس سارے قضیہ میں ایک دلچسپ حقیقت یہ بھی ہے کہ روافض سے تشبہ کا ڈھنڈورا پیٹنے والے غالی قسم کے یہ سنی حنفی یہ بھی نہیں جانتے کہ روافض کی امہاتِ کتب میں سے کسی بھی کتاب میں اشارۂ سبابہ عند قول اشهد ان لا اله الا الله کا ثبوت نہیں ہے، ان کے مذہب میں یہ چھوٹا سا اشارہ ہے ہی نہیں، وہ حضرات نماز میں بڑے بڑے اشاروں کے قائل اور ان کے فاعل ہیں۔

۷۔ میں نے مصباح التحقیق ص: ۲۷۴ پر صاحب النھر الفائق علامہ ابن نجیم حنفی کا حوالہ لکھا، حضرت شاہ صاحب نے اس کا شروع والا آدھا حصہ نقل کر کے لکھا ہے: "میں کہتا ہوں کہ یہ معترض ڈاکٹر کا ہمارے مدعا کا اقرار کرنا اور اسے ثابت کرنا ہے کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میرے مخالف کے قلم سے بھی میرا مدعا ثابت کروا دیا۔" انوار التحقیق ص: ۱۶۹

علامہ ابن نجیم کی وہ عبارت مصباح التحقیق ص: ۲۷۴ پر دوبارہ دیکھ کر ہی آپ شاہ صاحب کے ارشاد کی سچائی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم کی عبات کے ترجمہ سے جو نکات ثابت ہو رہے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ کنز الدقائق کی عبارت "وبسط اصابعه" (انگلیاں کھلی رکھے) کا اطلاق اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله پڑھتے وقت دونوں چھوٹی انگلیوں کی گرہ اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر اشارہ نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ اکثر مشائخ کا بھی یوں ہی کہنا ہے۔ عام کتبِ فتاویٰ میں اسی پر فتویٰ ہے۔ منية المفتی میں اس طرح اشارہ سبابہ کی کراہیت کو یقینی بتایا گیا ہے۔

۳۔ صاحب فتح القدیر امام ابن ہمام نے ان اقوال وفتاویٰ کو رد فرمایا ہے کیونکہ یہ اقوال اور فتاوے روایت کے بھی خلاف ہیں اور عقل کے بھی۔ عقل کے خلاف اس لیے ہیں کہ اشارۂ سبابہ کے بارے میں مسلم شریف میں حدیث شریف موجود ہے کہ آپ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے، اس حدیث کے پیش نظر امام محمد کا فرمان ہے کہ "وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ" یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے عمل کو اختیار کرتے ہیں۔ اور روایت کے خلاف اس لیے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی کہنا ہے۔

۴۔ "مجتبیٰ" میں ہے کہ اشارہ سبابہ کے بارے میں روایات متفق ہیں اور ہمارے تمام

اصحاب (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد) کا بھی اشارۂ سبابہ کے سنت ہونے پر اتفاق معلوم ہے نیز اہلِ کوفہ و مدینہ کا بھی اس پر اتفاق معلوم ہے اور اشارۂ سبابہ کے بارے میں اخبار و آثار بھی بکثرت ہیں، اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

۵۔ "تحفہ" میں ہے کہ اشارۂ سبابہ مستحب اور حدیث کی رُو سے اصح قول ہے۔ یہ بات بدر الدین عینی نے لکھی ہے۔

۶۔ امام حلوانی کا کہنا ہے کہ "لا الہ" پر انگلی اوپر اٹھائے اور "الا اللہ" پر نیچے گرا دے تا کہ اوپر اٹھانا نفی (لا الہ) اور نیچے کرنا اثبات (الا اللہ) کی طرف اشارہ ہو۔

مذکورہ بالا نکات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ "کنز الدقائق" کے لفظ "**وبسط اصابعه**" سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ اشارۂ سبابہ نہیں کرنا چاہیے۔ ان الفاظ کے ظاہری معنیٰ و مفہوم کے پیشِ نظر اکثر مشائخ اور عام کتب فتاویٰ کا بھی ایسا ہی کہنا ہے اور صاحبِ منیۃ المفتی نے تو اسے جزماً مکروہ کہا ہے۔ لیکن شارح ھدایہ امام ابن ہمام نے ان کے اس قول کو دو وجوہاتِ ترجیح یعنی احادیث مبارکہ اور ائمۂ ثلاثۂ احناف کے قول کے مقابلے میں مرجوح قرار دے کر ٹھکرا دیا ہے۔ نیز کئی اور فقہاء احناف نے اسی وجہ سے اشارۂ سبابہ کو اولیٰ اور مستحب کہا ہے۔

جس عمل کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف رحمھم اللہ رسول اللہ ﷺ کا عمل قرار دے کر اپنانے کی بات کریں اسے بعد والے مشائخ و فقہاء کے اقوال و فتاویٰ کی وجہ سے چھوڑ دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ بعد والے مشائخ و فقہاء کے اقوال و فتاویٰ کو ائمۂ ثلاثۂ احناف کے قول و مذہب کے مقابلے میں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی کثیر تعداد، اور معنوی طور پر متواتر احادیث پر ترجیح دینا کیا یہ حنفیت ہے؟ جبکہ ان حضراتِ مخالفین اشارۂ سبابہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں کہ ان اکثر مشائخ واصحابِ فتاویٰ کے پاس ضرور کوئی ایسی حدیث ہوگی۔ اگر چہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ جس کی بنیاد پر انھوں نے اشارۂ سبابہ سے منع کیا ہے، ورنہ ان مشائخ واصحابِ فتاویٰ پر بلا دلیل بات کرنے کا الزام آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض تو ائمۂ ثلاثۂ احناف اور ان اکثر مشائخ واصحابِ فتاویٰ سے متقدمین فقہاء پر وارد ہو رہا ہے کہ انھوں نے یا تو جان بوجھ کر منع والی حدیث کے خلاف عمل کیا، یا پھر انھیں منع والی حدیث کا علم نہ تھا۔ مانعین اشارہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز کی

بنا سکون اور وقار پر ہے جبکہ اشارۂ سبابہ سکون و وقار کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کی بناء متابعتِ رسول اللہ ﷺ پر ہے۔ جہاں آپ نے حرکت فرمائی ہے وہاں حرکت کی جائے گی اور جہاں آپ نے سکون فرمایا ہے وہاں سکون اختیار کیا جائیگا کیونکہ آپ کا ارشاد مبارک ہے: وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ یعنی اس طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ صحیح بخاری جلد اول ص: ۸۸

اس حدیث مبارکہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل یعنی فعل کی متابعت کی تاکید فرمائی ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد نماز میں نبی پاک ﷺ کے مطلقاً عمل کو اختیار کرنے پر دلیل ہے، اس لیے یہ کہنا کہ اشارہ سبابہ والی تمام احادیث فعلی ہیں، غلط ہے جیسا کہ جناب شاہ صاحب نے انوار التحقیق ص: ۹۴ پر لکھا ہے: ”ڈاکٹر موصوف نے جتنی احادیث جمع کی ہیں، ایک تو وہ سب کی سب فعلی احادیث ہیں، اُن میں ایک حدیث شریف بھی قولی نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس میں اشارہ مروجہ پر ایک بھی حدیث موجود نہیں۔ تیسرا یہ کہ قرآنِ کریم کے حکم نماز میں خشوع اور سکون کا حکم موجود ہوتے ہوئے اُن احادیث مبارکہ میں قوی اور غیر قوی بنانے کا کوئی فائدہ نہیں مگر ڈاکٹر موصوف نے اپنی عادت کے مطابق خوئے بد بہانہ بسیار کے تحت واقدی کو ضعیف بنانے کی سعی لا حاصل کی ہے“۔

بہر حال یہ فیصلہ پڑھنے والوں پر ہے کہ ابن نجیم کا مذکورہ حوالہ شاہ صاحب کے مدعا حرمتِ اشارۂ سبابہ یا اس کی کراہیت کا اقرار ہے یا ان کا اپنی خیانت کا اقرار نامہ؟

؎ یہ چال بھی نئی ہے کہ خود بن کے باوفا اقرار نامہ لیتے ہیں مجھ سے نباہ کا

دوسری فصل (حصہ الف)

ذیل میں شاہ صاحب کی کتاب انوار التحقیق کے وہ مقات اور عبارات پیش ہیں جو نہ صرف آپس میں متصادم ہیں بلکہ ان میں اختلاف وتضاد ہے۔

ا۔شاہ صاحب نے "مسئلة الاشارة بالسبابة فی التشهد فی الصلوة" میں مُلّا لطف اللہ نسفی کی کتاب خلاصہ کیدانی کی عبارت" والاشارة بالسبابة كاهلِ الحديث، میں اس کے حاشیہ کی عبارت کا من پسند حصہ پیوند کر کے لکھا ہے:"اشارہ سبابہ انگلی سے مذہب حنفی میں حرام ہے جیسا کہ قول خلاصہ کیدانی ہوا والاشارة بالسبابة ای حرام یعنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرنا حرام ہے كاهل الحديث الذين لا يفرقون بين الناسخ والمنسوخ والراجح والمرجوح ويغفلون من المعنى الفقهى فيقع لهم الغلط كثيرا "یعنی اہل حدیث وہ ہیں جو فرق نہیں کرتے ناسخ اور منسوخ کے درمیان یعنی اشارہ کی احادیث منسوخ ہیں یا مرجوح ہیں اور عمل مرجوح یا منسوخ پر حرام ہے"۔ان کا یہ سابقہ رسالہ انوار التحقیق کی آخر میں ص: ۳۵۹ تا ۴۰۶ پر اس کی تصدیق کنندہ مولانا سید محمد داؤد باچا خادم دربار سیفیہ منڈی کس محلہ مرشد آباد کے نام کی جگہ پر سید محمد عبدالحق شاہ کے نام کی تبدیلی کے علاوہ من وعن موجود ہے، اس عبارت کو انوار التحقیق کے ص: ۳۷۳ پر دیکھا جا سکتا۔

خلاصۂ کیدانی کی اصل عبارت وہ ہی ہے جو ہم نے اس بحث کے آغاز میں لکھی ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے کیدانی کی عبارت کو اپنی ٹکسال میں لا کر نئی عبارت میں اس لیے ڈھالا ہے تا کہ وہ یہ ظاہر کریں کہ" كاهلِ الحديث "میں کاف تشبیہ کا نہیں بلکہ کاف علت کا ہے۔کاف تشبیہ کا ماننے کی صورت میں اس کا معنی ہوگا"اہل حدیث کی طرح اشارۂ سبابہ کرنا"۔چونکہ ملا لطف اللہ نسفی کے ان الفاظ میں بظاہر محدثین کرام کی تنقیص تھی اسی لیے ملا علی قاری نے اس کی گرفت کرتے ہوئے لکھا :ان قوله: كاهل الحديث، اى: مثل اشارة جماعة يجمعهم العلم بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم۔یعنی کیدانی کے"كاهل الحديث" کہنے کا معنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ کے علم کی بنیاد پر جمع

ہونے والی جماعتِ محدثین کے اشارہ سبابہ کی طرح اشارہ کرنا حرام ہے۔

اس کے بعد کیدانی کے اسی جملہ کی وجہ سے ملا علی قاری نے لکھا: انّ هذا من الکیدانی خطأ عظیم وجرم جسیم، منشؤهُ الجِهلُ عَن قَواعد الاصولِ وَمرَاتِبِ الفروعِ مِنَ النُّقُولِ۔ یعنی یہ کیدانی کی عظیم خطا اور بہت بڑا جرم ہے، اس خطا اور جرم کی وجہ کیدانی کا قواعدِ اصول اور فروعی (فقہی) عباراتِ منقولہ کے مراتب سے جہالت ہے۔ نہ صرف ملا علی قاری بلکہ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی ملا لطف اللہ نسفی کیدانی اور اس کے دیگر ہم نواؤں کے متعلق لکھا ہے: وإلَی اللهِ المشتکیٰ من صنیع کثیر من اصحابنا من اصحاب الفتاویٰ کصاحب الخلاصة والبزازیة والکبریٰ والعتابیة والغیاثیة والولوالجیة وعمدة المفتی والظهیریة وغیرها حیث ذکروا ان المختار هو عدم الاشارة، بل ذکر بعضهم انها مکروهة۔ والذی حملهم علی ذالک سکوت أیمتنا عن هذه المسئلة فی ظاهر الروایة، ولم یعلموا انه قد ثبت عنهم بروایات متعددة ولا انه ورد فی احادیث متکثرة، فالحذر، الحذر من الاعتماد علی قولهم فی هذه المسئلة مع کونه مخالفا لما ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه، بل وعن ایمتنا ایضا۔ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص:۱۰۰ حاشیہ ۹

مانعین اشارہ سبابہ نے ملا لطف اللہ نسفی کیدانی کو علماء حنفیہ کی اس گرفت سے بچانے کے لیے اور "مٹی پاؤ" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے شارح خلاصہ کیدانی میر کی عبارت کے منتخب الفاظ کی۔ بغیر سیاق وسباق۔ پیوندکاری کر کے تاثر دیا کہ صاحبِ خلاصہ کیدانی نے تو اہلِ حدیث ان لوگوں کو کہا ہے جو ناسخ، منسوخ اور راجح ومرجوح میں فرق نہیں کرتے، نیز وہ الفاظِ حدیث کے فقہی معنیٰ سے بھی غافل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان سے بہت ساری غلطیاں بھی ہوجاتی ہیں۔ جیسا کہ شاہ صاحب نے اپنے سابقہ رسالہ کے ص:۱۸، اور انوار التحقیق کی آخر میں ص:۳۷۳ پر لکھا۔ اِن مانعین اشارہ کی دانست میں چونکہ اہل حدیث ایسا کرتے ہیں اس لیے اشارہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس لیے اس "مٹی پاؤ" والے اصول کو عمل میں لاتے ہوئے جناب شاہ صاحب نے بڑی محنت اور چابکدستی سے کام لیتے ہوئے آخر اپنا گوہرِ مقصود پا ہی لیا اور پھر برملا لکھا: "کاهل

الحدیث "یعنی کاف علت کے لیے ہے، معنی یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اس لیے کہ اہلِ حدیث اس منسوخ روایت پر عمل کرتے ہیں اور کاف تشبیہی نہیں۔ اور یہ معنی خلاصۂ کیدانی کی شروح جیسا کہ بدر یہ اور میر سید السند سے معلوم ہوتا ہے''۔ انوار التحقیق ص: ۳۷۸ نیز ان کا الگ مطبوعہ رسالہ ص: ۲۰۔

اس تفصیل کے بعد میں آپ کے سامنے خلاصۂ کیدانی کی شرح میر کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں واضح ہے کہ میر سید السند نے بھی کاھل الحدیث میں کاف تشبیہی مانا ہے نہ کہ علت کا۔ میر صاحب نے لکھا ہے: کاھل الحدیث ای کاشارۃ اھل الحدیث، وھم الذین یعملون بظو اھر الاحادیث ولا یفرقون بین الناسخ والمنسوخ وبین الظاھر و المأول ویغفلون عن المعنی الفقھی فیقع لھم الغلط کثیراً۔ خلاصہ کیدانی مع میر ص: ۳۱

اس عبارت اور شاہ صاحب کی عبارات پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شاہ صاحب نے میر سید السند کی عبارت میں سے "ای کاشارۃ اھل الحدیث وھم "کے الفاظ اپنے نظریہ کو تقویت دینے کے لیے چھپا دیئے۔ اور اس کی ذمہ داری میر سید السند اور بدر یہ والے پر ڈال دی، اور اس میں بھی انھوں نے نہایت چالاکی برتی۔ بدر یہ والے اور میر سید السند کی طرف ان الفاظ کو بلا واسطہ منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی جان بچانے کے لیے یوں لکھا۔" جیسا کہ بدر یہ اور میر سید السند سے معلوم ہوتا ہے"۔

میر سید السند نے "ای کاشارۃ اھل الحدیث "کے تشریحی جملہ میں واضح کر دیا ہے کہ اس کے نزدیک بھی "کاھل الحدیث " میں کاف تشبیہ کے لئے ہے۔ اگر بقول شاہ صاحب یہ کاف علت کے لئے ہوتا تو میر سید السند ملا لطف اللہ کے الفاظ" والا شارۃ بالسبابۃ کاھل الحدیث " کے بعد وھم الذین یعملون الخ لکھ دیتے نہ کہ "ای کاشارۃ اھل الحدیث " ۔ فافھم ولا تکن من الماکرین۔

ایک طرف تو انھوں نے " کاھل الحدیث" کے کاف کی اصلیت چھپانے کے لیے اور اپنے ممدوح فاضل کیدانی کو علماء احناف کے غیض وغضب کا نشانہ بننے سے بچانے کے لیے اتنی محنت کی دوسری طرف انوار التحقیق میں واضح لکھا ہوا ہے: " کاھل الحدیث " میں کاف تشبیہ کا ہے، کیونکہ ان مقامات پر کاھل الحدیث کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ ا۔ "یعنی اہل حدیث کے اشارہ کی

طرح۔" انوار التحقیق ص: ۳۱۲، نیز "اشارہ کرنا اہلِ حدیث کے طور پر حرام ہے۔" انوار التحقیق ص: ۱۳۰، ۲۔ اور یہ بھی لکھا ہے: "معراج المؤمنین کے مصنف نے کہا کہ خلاصہ میں جو کہا کہ اہلِ حدیث کی طرح اشارہ کرنا حرام ہے یہ اشارہ کے لیے قید نہیں بلکہ اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اشارہ حرام ہے۔" انوار التحقیق ص: ۲۲۲، ۳۔ ایک اور مقام پر لکھا ہے: "وفی المجموع خانی درکبیری میگوید درخواندن التحیات چوں بہ اشھدان لا الہ الا اللہ برسد نزدیک امام شافعی وخواہرزادہ اشارہ بانگشت شہادت کند فامافتوی براں است کہ اشارہ نہ کند انتھی وفی مسلک المتقین:

ذکر کرد آں بزرگ علامہ در تشہد کسے بسبابہ کرد

مثل اہل حدیث اشارت گفت درنزد مااست نہی اے مرد،

انوار التحقیق ص: ۳۳۹

پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ دیکھیں کہ شاہ صاحب کی کتاب کی عبارت میں اختلاف اور تضاد ہے یا نہیں؟ شاہ صاحب نے مصباح التحقیق میں اضطراب پر بحث کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر "ڈاکٹر موصوف کسی نشہ کی وجہ سے اس کی حقیقت تک نہ پہنچ پایا تو یہ ڈاکٹر موصوف کی اپنی کمزوری ہے۔" انوار التحقیق ص: ۹۴

۲۔ میں نے مصباح التحقیق میں ص: ۷۸ سے ۸۳ تک حضرت وائل بن حجر سے اشارۂ سبابہ کی حدیث روایت کرنے والے اٹھارہ راویوں کی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اشارہ کے دوران انگلی کی حرکت کو صرف زائدہ بن قدامہ نے روایت کیا ہے۔ کسی اور کی روایت میں یحرکھا کا لفظ نہیں ہے، اس لیے زائدہ بن قدامہ والی روایت شاذ ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے جھنجھلاہٹ میں آکر انوار التحقیق ص: ۱۰۳ پر لکھا ہے: "پھر ناظرین کرام خود فیصلہ کریں کہ ڈاکٹر صاحب شاید نشے میں مبتلا ہو کر یہ کام کرتے ہیں۔"

۳۔ حضرت وائل بن حجر ہی کی روایت نقل کرنے پر شاہ صاحب کا ایک اور تبصرہ انوار التحقیق ص: ۱۱۱ پر یوں درج ہے: "ڈاکٹر موصوف صرف وائل بن حجر کو دیکھ کر حدیثوں کا انبار لگاتا ہے مگر متنِ احادیث پر بالکل نظر نہیں ڈالتا، یہ تحقیق کا کونسا معیار ہے؟ یہ جہالتی طرز ڈاکٹر موصوف کو ہی مبارک ہو"۔ شاہ صاحب کا یہ تبصرہ اُن کے عالمانہ طرز پر شاہدِ عادل ہے۔

میری پیش کردہ مذکورہ بالا متضاد و باہم مخالف عبارتوں سے یقین ہوگیا ہے کہ شاہ صاحب کا بھی نشہ جوان ہے۔

؎ پیری میں بھی ہے ساقی مہوش کا یہ عروج نشہ ابھی جوانِ شرابِ کہن کے ہیں

اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقین ہے کہ اپنی ہی کتاب میں ایک دعویٰ کے متعلق باہم متضاد ومخالف عبارتیں دیکھنے کے بعد اُن کا وہ نشہ یقیناً اب ہرن ہو گیا ہو گا۔

؎ جوانی نے ہرن سب کر دیئے نشے جوانے کے ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

ان کی اسی فاقہ مستی کی مزید مثالیں درج ذیل ہیں:

(حصہ ب) ۴۔ جناب شاہ صاحب نے "نتیجہ اور ضروری وضاحت" کے زیر عنوان لکھا ہے: "درحقیقت جس طرح کتب ظاہر الروایۃ میں تشہد میں اشھد ان لا الٰہ پڑھتے وقت اشارہ کرنے کا ثبوت نہیں ایسے ہی نوادر میں بھی نہیں، اور موطا امام محمد کی عبارت سے مروجہ اشارہ ثابت نہیں ہو سکتا۔" انوار التحقیق ص: ۷۷، نیز لکھتے ہیں: "علماء حق اور اولیاء کرام کے دعوی کے بعد کہ تشھد کی حالت میں اشھد ان لا الٰہ کے وقت مسبحہ سے اشارے کا ثبوت کتب ظاہر الروایات میں نہیں، متون فقہ میں نہیں، ہدایہ اور قاضی خان وغیرہ میں نہیں، اسی طرح کتب نوادر میں بھی اشارہ عندالاحناف مذکور نہیں تو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے مزید ثبوت نہیں مانگا" انوار التحقیق ص: ۱۵۷

شاہ صاحب کی مذکورہ عبارتوں پر کچھ کہنے سے قبل اُن کی تلبیس وفریب سازی ملاحظہ ہو: "تو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے مزید ثبوت نہیں مانگا" کے جملے سے یہ تاثر دینے کی انھوں نے کوشش کی ہے کہ گویا امام اوزاعی کا امام ابوحنیفہ کے ساتھ مباحثہ اسی اشارۂ سبابہ کے متعلق تھا جس پر اوزاعی نے لاجواب ہو کر امام صاحب سے مزید ثبوت نہیں مانگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ صاحب کے معتقدین مجھ پر تو اعتبار نہیں کریں گے لیکن وہ خود ہی ان کی انوار التحقیق ص: ۱۵۵۔ ۱۵۶ دیکھیں کہ شاہ صاحب نے علامہ عبدالعلی کی رسائل الارکان میں سے علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر کے حوالہ سے امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا رفع یدین کے بارے میں ہونے والا مناظرہ ومباحثہ نقل کیا ہے، جس میں ہے کہ امام اعظمؒ نے اُسے فرمایا کہ: "لم یصح عن رسول اللہ ﷺ فیہ شئ"۔ یعنی رفع یدین کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے۔ اس پر امام اوزاعیؒ نے زہری عن سالم عن ابیہ کی سند سے رفع یدین کے اثبات کی حدیث پیش کی تو امام ابوحنیفہؒ نے حماد عن ابراھیم عن علقمۃ والاسود عن عبداللہ بن مسعود کی سند سے اس کے مخالف حدیث پیش کی

اور فرمایا کہ حماد امام زہری سے زیادہ فقیہ ہے اور ابرہیم نخعی سالم سے زیادہ سے فقیہ ہے اور علقمہ تفقہ میں حضرت ابن عمرؓ سے کم نہیں، ہر چند کہ ابن عمر کو صحابیت کا شرف حاصل ہے لیکن تفقہ میں حضرت اسود کو زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور ابن مسعود کا تو کیا کہنا، وہ ابن مسعود ہیں۔ اما اعظمؒ کے اس جواب کو سننے کے بعد اما اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

قارئین کرام! یہ ہے وہ مناظرہ ومباحثہ جس سے شاہ صاحب نے اشارۂ سبابہ کے خلاف استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ "امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے مزید ثبوت نہیں مانگا"۔ مجھے یقین ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد شاہ صاحب کے معتقدین اور مریدین حضرات بھی گنگنانے پر مجبور ہو جائیں گے:

ے چوکا فریب سے نہ کبھی وہ قمار باز ۔۔۔ چوسر کا بھی جو شغل کیا چال چل گیا

اور خود شاہ صاحب بھی گنگناتے ہونگے:

ے ہم سا بھی اس بساط پہ کم ہوگا بد قمار ۔۔۔ جو چال ہم چلے وہ بہت ہی بری چلے

۵۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ مذہب حنفی کی کتب اور مسائل کے کتنے اور کون کونسے طبقات ہیں، اس لیے کہ یہ بحث ہم مصابح التحقیق ص:۵۶۔۵۷ اور ص:۱۰۰۔۱۰۱ پر کر آئے ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت امام ربانی نے اپنی مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم مکتوب نمبر ۳۱۲ میں لکھا ہے: "و آنچہ امام محمد شیبانی گفتہ کان رسول الله صلی الله علیه و علیٰ آله وسلم یشیر ونصنع کما یصنع النبی علیه وعلیٰ آله الصلوة والسلام ثم قال هذا قولی وقول ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنهما از روایات نوادر است نہ روایاتِ اصول"۔

قارئین کرام خود اندازہ کریں کہ شاہ صاحب نے اشارۂ سبابہ کے عدم کو ثابت کرنے کی دُھن میں "نوادر میں بھی نہیں" لکھ کر حضرت امام ربانی کی عبارت کو بھی رد کر دیا ہے، کیونکہ حضرت امام ربانی تو موطا امام محمد کی اس عبارت کو "از روایاتِ نوادر است" فرما رہے ہیں لیکن ان کے مریدِ صادق ان کی بات کے خلاف لکھ کر اپنے صدق وصفا کو آشکار کر رہے ہیں۔

ے رد کر دیا ترے لبِ رنگیں نے لعل کو ۔۔۔ ٹھنڈا چراغ دامنِ کہسار ہو گیا

اس حوالے سے فاضل مصنف کا ہڑبڑانا قابل دید ہے، انوار التحقیق میں لکھا ہے:

"موطا امام محمد میں امام محمد نے اشارہ کے حوالہ سے روایت ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ہم رسول الله

کے عمل کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اِس کی وضاحت میں فرمایا: یہ اصول کی روایت نہیں بلکہ نوادر کی روایت ہے۔ اس پر ظاہر مراد حنفی کہتے ہیں۔" انوار التحقیق ص: ۲۸۳

نہ صرف یہ بلکہ انوار التحقیق ص: ۳۱۴ پر امام ربانی کا مذکورہ خط بھی نقل کیا گیا ہے، جس میں میرے سابق میں نقل کردہ امام ربانی کے الفاظ بچشم خود ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں جس کے بعد فاضل مصنف کے ہڑ ہڑانے پر یقین کرنے میں کوئی ردوقدح نہیں رہ جاتی کہ وہ خود ہی امام ربانی پر ردوقدح کر رہے ہیں۔

ہے ردوقدح کی یاں عادت خراب کسے   پسند منکرِ ناداں سے ہے خطاب کسے

(حصہ ج)

۶۔ انوار التحقیق ص: ۱۰۸ پر سورۂ بقرہ آیت ۸۵ لکھنے کے بعد مجھ پر سوالات کی بھرمار کرتے ہوئے ایک اچھوتا سوال داغا ہے: "کیا اُس کی نقل کردہ احادیث میں کوئی حدیثِ قولی بھی موجود ہے؟"۔

حضرت جی کے سوال کا طنطنہ بتا رہا ہے کہ وہ حدیثِ فعلی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ ایسے میں میرا ان سے سوال ہے کہ پھر "وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" کے حکم میں آپ ﷺ نے اپنے افعالِ نماز کو اختیار کرنے اور اپنانے کی جو تاکید فرمائی ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے فعل کو نقل کرنے والی احادیث قابل استشہاد ہیں۔ اسی قبیل سے احناف کا بھی عمل ہے کہ وہ رفع یدین کے حوالے سے دلیل لاتے ہیں کہ: "عن عبد الله بن مسعود ان النبی صلی اللہ کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوۃ ثم لا یعود بشیء من ذالک" جیسا کہ خود شاہ صاحب نے انوار التحقیق ص: ۱۵۶ پر لکھ کر فعلِ رسول کو قابلِ استشہاد تسلیم کیا ہے، تو بتایا جائے کہ اس میں نبی پاک ﷺ کی فعلی حدیث کو دلیل بنایا گیا ہے یا کسی قولی حدیث کو؟ نیز صاحبِ ہدایہ نے باب صفۃ الصلوۃ میں لکھا ہے: "و یعتمد بیدیه علی الارض" لان وائل بن حجر وصف صلوۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم فسجد ، وادّعم علیٰ راحتیه و رفع عجیزته "و وضع وجهه بین کفیه و یدیه حذاء أذنیه " لما روی أنه علیه السلام فعل كذالک۔" اور پھر یہی صاحب ہدایہ سجدہ کی بحث میں لکھتے ہیں: "فان سجد علی کور عمامته أو فاضل ثوبه جاز" لان النبی علیه السلام کان یسجد علی کو رعمامته، و یروی انه علیه السلام صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض و بُردھا. الهدایہ مع

الدرایہ ۱/ ۱۰۸، ۱۰۹۔ دیکھ لیں کہ صاحب ہدایہ ان دونوں مسائل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی حدیث ہی سے استشہاد فرماتے ہوئے حکم مستنبط کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بھی یاد کرا دوں کہ علامہ مرغینانی نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کردہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی حدیث بطورِ دلیل پیش کی ہے۔ اور حضرت وائل بن حجر ہی ہیں جن کی اشارۂ سبابہ کے بارے میں مروی حدیث کی اسانید پیش کرنے پر مجھے جناب شاہ صاحب نے نشہ میں مبتلا ہونے کا طعنہ دیا تھا، جیسا کہ اس کا حوالہ سابق میں گزر چکا ہے۔ اب یہ قارئین پر ہے کہ وہ یہ فیصلہ فرمائیں کہ ہم تینوں، علامہ مرغینانی، شاہ صاحب اور سکندری میں سے کون نشہ میں ہے۔

۷۔ میں نے مصباح التحقیق ص:۱۲۱۔ ۱۳۰ پر نسخ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے امام سرخسی کی "اصول السرخسی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ۱۔ نسخ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہوتا ہے آپ کے وصال کے بعد نہیں۔ ۲۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی رائے جانے بغیر اجماع بھی منعقد نہیں ہوتا۔ ۳۔ آپ کے وصال کے بعد صحابہ کا اجماع کسی بھی حکم شرعی کے علم کا صرف سبب ہوتا ہے، اور ۴۔ بذاتِ خود اجماع سے نسخ نہیں ہوتا۔ مصباح التحقیق ص:۱۲۶

اس پر شاہ صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور آپا دھاپی کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ڈاکٹر موصوف کی بدحواسی کا ثبوت فراہم کرتی ہے، کیونکہ بحث نماز میں تشہد کے وقت ان لا الٰہ پر انگلی اٹھانے کی ہے جس کے ثبوت سے ڈاکٹر حقیقتاً قاصر رہا ہے اور صرف ان فعلی احادیث کا سہارا لیا ہے جس میں اس مخصوص وقت بھی انگلی اٹھانے کا اور وہ بھی صرف فعلی احادیث، جب کہ ہم نے ان فعلی احادیث کی منسوخیت پر قرآن وسنتِ قولی سے ثبوت مہیا کئے ہیں۔" انوار التحقیق ص:۱۲۶، نیز ص:۸۹ پر بھی ایسا ہی دعویٰ کیا گیا ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ اشارۂ سبابہ کی اثبات والی فعلی احادیث کے منسوخ ہونے پر قرآن کریم کی سورۂ بقرہ کی آیت "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" اور سورۃ المؤمنون کی آیت "اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ"، نیز مسلم وغیرہ کی حدیثِ قولی "مَا شَانُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ. اِذَا سَلَّمَ اَحَدُ فَلْيَلْتَفِتْ اِلٰى صَاحِبِهٖ وَلَا يُوْمِئْ بِيَدِهٖ" وغیرہ احادیث سے شاہ صاحب نے استدلال فرمایا ہے۔ اس سے متعلق قدرے تفصیلی گفتگو اس ضمیمہ کی تیسری فصل میں کی جائیگی۔

۸۔ انوار التحقیق ص: ۲۲۳ پر اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں فعلی احادیث کے

بارے میں ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو: "اگر یہ مانا جائے کہ تشہد والا اشارہ ان دونوں احادیث سے خارج ہے تو بھی یہ معلوم ہے کہ اشارہ کرنا رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے تو آپ ﷺ کا فعل کے صیغے سے نقل ہونا تمام امت کے لیے عام حکم نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اسکی تصریح مسلم میں ہے۔" انوار التحقیق ص: ۲۲۳

یہاں بھی یہی عرض ہے کہ اپنے مطلب سے مطلب ہونے کی وجہ سے حنفیت کا چولا اتار کر شافعیوں کی دامن میں پناہ گیر ہونے سے کیا وہ بدستور حنفی ہی ہیں؟ لیکن ہم نے اگر کہیں کسی حدیث کی سند پر بحث کی تھی تو شاہ صاحب نے ہمیں حنفی مذہب سے خارج قرار دے دیا تھا۔ ملاحظہ ہو انوار التحقیق ص: ۱۵۸، یا میں نے روایتِ حدیث میں واقدی کے ضعف اور متروک ہونے کو واضح کیا تھا تو بھی مجھے نہ صرف حنفیت سے خارج قرار دیا گیا تھا، بلکہ شاہ صاحب نے مجھے اہل سنت ماننے سے بھی انکار کر دیا تھا، کیونکہ سنیت کی سند تو صرف جناب شاہ صاحب ہی کے ہاتھوں تقسیم ہوتی ہے، جسے چاہیں سنی بنا دیں، جسے چاہیں اہل سنت سے خارج کر دیں۔ دیکھئے انوار التحقیق ص: ۱۰۲

؎ سند ہے جو کہ ہم کہہ دیویں عارف زبان ریختہ اپنی زبان ہے

لیکن میرا دعویٰ ہے کہ شاہ صاحب کو صرف اپنے مطلب سے مطلب ہے کسی اور کے مطلب کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔

؎ غرض دن سے نہ ہے کچھ شب سے مطلب فقط ہم کو تو ہے مطلب سے مطلب

اور ایسے علمی مباحث کے موقعہ پر ان کا مشرب ہی نرالا ہوتا ہے

؎ مشرب اپنا نیا نکالا ہم نے خرقہ جُبّہ اتار ڈالا ہم نے

۹۔ طُرفہ تماشا یہ کہ اس سب کے باوجود بھی پڑھنے والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا ہے: "ہم کہیں گے کہ ہم اس قبیح قول سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس طرح کی سمجھ فسادی لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جو بھی قول یا فعل صادر ہوا وہ عبادت اور قربت خداوندی کا سبب ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل کو آپ ﷺ کے لیے غیر مشروع اور ناجائز قرار دے۔ رہی بات ہمارے بارے میں تو جس فعل کی ممانعت ظاہر ہو جائے مجتہد کی خبر دینے سے تو ہم کہتے ہیں کہ یا تو یہ منسوخ ہے یا رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہے۔ جیسے کشف کبیر میں ہے کہ ہر وہ آیت یا حدیث جو مجتہد

کے قول کے مخالف ہے تو اسے نسخ یا تاویل پر محمول کیا جائے گا"۔ انوار التحقیق ص:۲۴۹

اس عبارت میں حضور پاک ﷺ کے فعل مبارک کو عبادت اور قربِ خداوندی کا سبب تسلیم تو کیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اشارۂ سبابہ کے متعلق لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے یہ بھی لکھا ہے:

"رہی بات ہمارے بارے میں تو جس فعل کی ممانعت ظاہر ہو جائے مجتہد کی خبر دینے سے الخ۔"

شاہ صاحب کا مغالطہ دینا یوں ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل اشارۂ سبابہ اگرچہ آپ ﷺ سے فعلاً ثابت ہے لیکن چونکہ مجتہدین نے اس سے منع کیا ہے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اشارہ کرنا آپ ﷺ کے لیے خاص ہے، کوئی دوسرا شخص وہ اشارہ نہیں کر سکتا، یا پھر وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ فاضل مصنف نے اپنے دونوں رسالوں میں اس کے نسخ کو ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ: "یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابتداء اسلام میں وحدانیت کے بارے میں اعتقاد کی کمزوری کی وجہ سے اجازت تھی اور رہا آخر میں تو نبی کریم ﷺ نے منع فرما دیا۔ مراح الارواح ص: ۱۷۴ حاشیہ ۱۵"۔ انوار التحقیق ص:۳۰۵، ۳۱۱، "اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیطان اس پر خفا ہوتا ہے، تو شیطان منسوخ کام کے چھوڑنے پر خفا ہوتا ہے، نہ کہ منسوخ کام کے کرنے پر" انوار التحقیق ص:۳۷۶ "ہر اس کتاب میں جس میں اشارہ کی حرمت یا کراہت کا حکم دیا گیا ہے تو ان کی مراد اشارہ والی احادیث کی منسوخیت ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا الخ" انوار التحقیق ص:۳۸۴

۱۰۔ جب وہ اشارۂ سبابہ کی کوئی ناسخ صریح حدیث پیش نہ کر سکے تو ایک غیر معتبر و جامع رطب و یابس کتاب کے حوالے سے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے موضوع حدیث لکھ دی کہ۔ العیاذ باللہ۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے: "من اشار بالسبابة فهو من الخاطئين" بحوالہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص:۳۴ "جس نے سبابہ انگلی سے اشارہ کیا تو وہ خطا کاروں میں سے ہے"۔ انوار التحقیق ص:۲۵۰، ۳۷۵۔ ۳۷۶

اس غلیظ قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا تحقیق منسوب کرتے ہوئے ذرا بھی نہ جھجکے:

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی کچھ اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

اس اور اس قسم کی موضوع احادیث کے متعلق گفتگو مصباح التحقیق ص: ۱۵۳۔ ۱۵۶ پر گزر چکی ہے۔ اس کے باوجود انوار التحقیق ص: ۲۴۹ پر یہ الفاظ: "جیسے کشف کبیر میں ہے کہ ہر وہ

آیت یا حدیث جو مجتہد کے قول کے مخالف ہے تو اسے نسخ یا تاویل پر محمول کیا جائیگا" قابل توجہ ہیں۔ وہ اس طرح کہ یہ قول بالکل درست ہے کہ اس صورت میں اس آیت یا حدیث کو نسخ یا تاویل پر ہی محمول کیا جائیگا، لیکن کب؟ جب ان کے مخالف مجتہد کا قول موجود ہو۔ حالانکہ اشارۂ سبابہ کی حدیث اس قبیل سے نہیں ہے، بلکہ اشارۂ سبابہ کی موافقت میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے" وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ" کے الفاظ موجود ہیں۔ جس سے ثابت ہورہا ہے کہ مجتہد کا قول حدیثِ اشارۂ سبابہ کی مخالفت میں نہیں بلکہ اس کی موافقت میں موجود ہے۔ اب فاضل مصنف کے بیان کردہ مذکورہ بالا اصول کے تحت حدیثِ اشارہ نسخ اور تاویل کے درجے سے خارج ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ تمام شارحینِ ہدایہ بلکہ فقیہ ابوعبداللہ محمد بن سلمہ بلخی ۱۹۲ھ۔ ۲۷۸ھ تلمیذ ابی سلیمان جوزجانی اور فقیہ ابونصر محمد بن سلام بلخی متوفی ۳۰۵ھ اور ابوبکر بن سعید سے اشارۂ سبابہ کے حق میں ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی نے: "ليس في الاشارة في الصلوة اختلاف أن يفعلها" اور "الاشارة عند قوله: اشهد ان لااله الا الله حسن" نقل کیا ہے۔ دیکھیے الملتقط فی الفتاوی الحنفیہ ص: ۵۳، ۳۰، اس کے علاوہ فقیہ ابوجعفر ہندوانی متوفی ذی الحج ۳۶۲ھ نیز طبقۂ خامسہ تک کے فقہاء کے اقوال اشارۂ سبابہ فی التشہد کی حمایت وموافقت میں موجود ہیں۔ اور باوجودیکہ خود قاعدۂ شرعی بیان فرمایا ہے: "اما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت والوا جب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كابي حنيفة على جهة الحكاية" انوار التحقیق ص: ۱۷۶، اور پھر ص: ۳۶۱۔ ۳۶۴ پر کشف الغمہ، شرح طریقۂ محمدیہ، میزان الکبریٰ اور تفسیرات احمدیہ سے عبارات بیان کی ہیں: "واما المقلد فمستنده قول مجتهده" "ولذا كان دليل المقلد هو قول المجتهد لا النصوص اذ استخراج الاحكام منها ليس الا منصب المجتهد۔" اس کے باوجود بھی مؤطا امام محمد کے مذکورہ بالا قول کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے: "لیکن یہ روایت ظاہر الروایۃ میں مندرج نہیں ہے تو ان کی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذہب کا ہے پس لازم ہے مفتی مقلد پر کہ وہ مذہب پر فتویٰ دے نہ کہ روایت پر۔" انوار التحقیق ص: ۳۶۶

قارئین کرام! حضرت شاہ صاحب کا یہ جملہ: "ان کی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات

کے ساتھ روایت مع المذہب کا ہے" بڑا معنی خیز ہے۔ دراصل وہ شرح وقایہ کی عبارت کے اولین حصے میں" وفیه خلاف الشافعی فان عندہ" اور اس کے آخرین حصے" ومثل هذا جاء عن علمائنا ایضا" میں لفظ" عند" اور" عن" کی طرف اشارہ کررہے ہیں، جسے انھوں نے انوار التحقیق ص: ۳۴ پر" نوٹ" کے زیر عنوان اور ص: ۳۷۸ پر یوں بیان کیا ہے: "عن روایت کے لئے آتا ہے اور عند مذہب کے لئے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔"

جب امام صاحب کا قول پیش کیا گیا تو اسے" عن" اور" عند" کے چکر میں ڈال کر ایسا گھمایا کہ پڑھنے والے بھی ششدر رہ جائیں کہ شاہ صاحب گھن چکر میں آکر کیسی کارستانی کررہے ہیں۔

حالانکہ صاحب مذہب فرمارہے ہیں" و بصنیع رسول صلی الله علیه وسلم ناخذ و هو قول ابی حنیفه رحمه الله" کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اختیار کرتے ہیں، یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

یہ تو شاہ صاحب بھی جانتے ہی ہوں گے کہ ایک ہوتا ہے قول اور ایک ہوتا ہے اس کا مقولہ! اس عبارت میں بھی" قول ابی حنیفہ" کا مقولہ" و بصنیع رسول صلی الله علیه وسلم ناخذ" ہے۔ اس مقولہ کو امام محمد رحمہ اللہ نے" وھو قول ابی حنیفه رحمه الله" کہہ کر بیان کیا ہے۔ صاحب مذہب نے تو یہ نہیں کہا کہ یہ میرا قول ہے وہ تو" ناخذ" کہہ کر اسے اپنے مذہب میں معمول بھا بیان کررہا ہے۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کہ امام ابوحنیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے عملِ اشارۂ سبابہ کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔ اور جناب شاہ صاحب ہیں کہ اسے قول کہہ کر اس میں" عن" اور" عند" کی تفریق کر کے غلط فائدہ اٹھارہے ہیں، وہ بھی صاحب شرح وقایہ کے الفاظ سے۔

صاحبِ شرح وقایہ کا مقام و مرتبہ تو بہت اونچا ہے شاہ صاحب نے تو کتب فتاوی کے باہمی مختلف فیہ فتوی، مثلاً اشارہ سبابہ مکروہ ہے، اشارہ سبابہ غیر مفتیٰ بہ ہے، اشارۂ سبابہ حرام ہے وغیرہ سے نہ صرف امام اعظم کے مذہب کو مرجوح قرار دیا ہوا ہے بلکہ ۱۶ صحابہ اور تین تابعین حضرات کی مرفوع و مرسل احادیث اور ان کی ۲۰۴ دوسو چار اسانید کو بھی مرجوح سمجھ کر نا قابل عمل ٹھہرا دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جو شہنشاہ کی غلامی سے سرکشی کرتا ہے تو اسے بالآخر کسی غلام در غلام

شخص کی غلامی کا طوقِ ذلت اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ اسے کہتے ہیں آسمان کا گرا کھجور میں اٹکا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کانٹے بچھائیگا تو یقیناً وہ طویل و تیز کانٹوں پر گرایا جائیگا، نہ صرف یہ بلکہ "اَنۡکَالاً" اور "طَعَاماً ذَا غُصَّة" سے اس کی میزبانی کی جائے گی۔ العیاذ باللہ

تیسری فصل (حصہ الف)

ذیل میں شاہ صاحب کی وہ عبارات پیش ہیں جن میں انھوں نے اشارۂ سبابہ فی تشھد الصلوۃ کے قائلین فقہاء وعلماء حنفیہ کی توہین کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ یہ سب اسی لیے کرنا پڑ رہا ہے، تا کہ قارئین کرام کو علم ہو کہ داعی تصوف، مربی مریدین اور ادب واحترام کے آجکل کے مبلغ وواعظ "دیگراں را نصیحت خود را فضیحت" کی کس طرح تصویر بنے ہوئے ہیں۔ایک علمی اختلاف کو عیب جوئی، الزام تراشی اور دروغ گوئی سے رفع کرنے کا ان کا یہ طریقہ بہت پرانا ہے۔خاص طور پر کہ جو بھی ان کے موقف سے اختلاف کرے وہ اس وقت تک کسی مسلمان کے لیے دلیل نہیں بن سکتا جب تک اس کا مرتبہ حضرت امام ربانی سے بڑا ثابت نہ کیا جائے۔

یہی سوال اگراُن سے حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے متعلق کیا جائے کہ جب تک ان کا مرتبہ فقاہت زاہدی، امام ابن ہمام، ملا علی قاری وامثالھم بلکہ ابو جعفر ہندوانی، عینی اور امام ابو یوسف، امام محمد اور امام ابوحنیفہ سے بڑا ثابت نہ ہو اس وقت تک ان کا اعتراض کسی مسلمان کے لیے دلیل کیسے بن سکتا ہے تو یہ حضرات آپے سے باہر ہو کر آپا دھاپی پر اتر آئیں گے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے فروعی اختلافات پیدا ہو جانے کی صورت میں محض مقلدین کو دلیل کی قوت پر فیصلہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ دلائل کی کثرت وقلت پر یا موافقین ومخالفین کی تعداد یا کسی دور میں تدوین پانے والی کتاب پر ہونے والی خرچ رقم کے زیادہ یا کم ہونے پر۔

آج جن حضرات فقہاء وعلماء احناف کو اپنی مسلکی ومشربی خانہ جنگی میں ایک دوسرے سے متحارب دکھایا جا رہا ہے وہ حضرات ایسی سوچ سے بھی دور تھے۔حضرت امام ربانی نے اپنی دانست میں صحیح سمجھی جانے والی دلیل کی بنیاد پر اشارۂ سبابہ فی تشھد الصلوۃ پر اعتراضات وارد کیے ہیں لیکن آپ نے اپنی دانست کے خلاف کلام کرنے والے کسی بھی فقیہ کی شان میں زبان دراز نہیں فرمائی! اس لیے کہ ایسا کرنا ان کی حاصل کردہ تربیت وتعلیم اور اپنی طرف سے کی جانے والی نصائح کے یکسر خلاف ہے۔

مجھے بہت ہی افسوس سے عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی اس تالیف

انوار التحقیق میں اشارۂ سبابہ کے ثبوت میں دلائل قائم کرنے والے اساطین فقہ حنفی کے حق میں موضوع سے ہٹ کر ناشائستہ لہجہ اختیار فرمایا ہے اور ان کی طرف ایسی بات منسوب کی ہے جو انھوں نے نہیں کہی، مثلاً:

ا۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے: "ڈاکٹر موصوف کا نور العین کا حوالہ دینا کسی مسلمان کے لیے دلیل نہیں بن سکتا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ نور العین کے مصنف کا مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی سے بڑا ہے، اور حال یہ ہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی فقہی ثقہ ومعتبر ہیں اور آپ نے اشارہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اسی رسالہ میں صاحب نور العین نے دلائل معتبرہ صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ احادیث اشارہ میں کوئی بھی حدیث صحیح مرفوع غیر منسوخ موجود نہیں ہے۔ معلوم نہیں ڈاکٹر موصوف کا دعوی تحقیق کیسا ہے؟ اور باوجود اس دعوی کے صاحب نور العین کتاب کا حوالہ دے کر اس کے مقابلے میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ اور فقہ حنفی کو چھوڑ دیا"۔ انوار التحقیق ص:۵۱۔۵۲

شاہ صاحب نے بڑے رعب داب کے ساتھ نور العین کتاب کی ثقاہت کو مشکوک کرنے کے لئے اس کے مصنف علیہ الرحمہ کا موازنہ حضرت امام ربانی کے ساتھ کرتے ہوئے شروع میں تو یہ لکھا ہے کہ "نور العین کا حوالہ دینا کسی مسلمان کے لئے دلیل نہیں بن سکتا الخ" حالانکہ وہ اس کے مصنف کا نام جانتے بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے آخری الفاظ "اور اسی رسالہ میں صاحبِ نور العین نے دلائل معتبرہ صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ احادیثِ اشارہ میں کوئی بھی حدیث صحیح مرفوع غیر منسوخ موجود نہیں ہے" ان کے ابتدائی الفاظ کی تردید کر رہے ہیں۔ اب وہ خود ہی بتائیں کہ نور العین ان کے نزدیک دلیل ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ نور العین کے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ اشارۂ سُبابہ کی احادیث میں کوئی بھی صحیح غیر منسوخ حدیث موجود نہیں ہے۔ ایسے ہی مواقع پر کہا جاتا ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ یعنی جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا، آپ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

شاہ صاحب کے بقول اگر واقعی صاحبِ نور العین نے دلائل معتبرہ صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ احادیثِ اشارہ میں کوئی بھی حدیث صحیح مرفوع غیر منسوخ موجود نہیں ہے، تو پھر شاہ صاحب حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی تالیف کردہ "مقاماتِ مظہری" کی اٹھارویں فصل میں درج مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہا اللہ کے پندرہویں مکتوب میں ان کے اس ارشاد کا کیا جواب دیں گے جس میں وہ

فرماتے ہیں: "وعلماء رفع سبابہ رسائل مشتمل براحادیث صحیحہ وروایاتِ فقہ حنفیہ تصنیف کردہ تا بجائیکہ حضرت یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ کہ فرزند اصغر حضرت مجدد اند نیز دریں باب رسالہ تصنیف نمودہ اند، ودر نفی رفع یَد حدیث بثبوت نرسیدہ" اس فارسی عبارت کا ترجمہ ہم جناب محمد اقبال مجددی صاحب سے نقل کرتے ہیں تا کہ کسی کے لئے اعتراض کی گنجائش نہ رہے، نیز مجددیوں اور دیگر حضرات کے لئے سند رہے، وہ اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں: "اور علماء نے رفع سبابہ کے حق میں صحیح احادیث وفقہ حنفیہ کی روایات پر مشتمل رسائل تصنیف کئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور (انہیں) ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے رفع سبابہ کی نفی ہوتی ہو"۔ مقاماتِ مظہری ص:۵۰۱

بعض علماء کی تحریرات اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ یحییٰ کے اس رسالہ کا نام "عین الاصابہ فی رفع السبابہ" ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خیر شاہ صاحب نے اپنے اس شذرۂ عبارت میں دو اہل اللہ اور اعاظم علماء احناف کو ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے کی سعی نامشکور فرمائی ہے، ان حضرات کو خود ساختہ کج ترازو میں تول کر بتایا ہے کہ فلاں زیادہ وزن والا اور فلاں کم وزن والا ہے۔ حالانکہ وزن دلیل کا ہوتا ہے نہ کہ فرد کا۔ فرد کا وزن بھی اس کے دیئے گئے شرعی یا غیر شرعی دلائل ہی سے بڑھتا اور کم ہوتا ہے۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ اولاً تو نور العین رسالہ شاہ صاحب کے پاس ہے نہ ہی انھوں نے وہ دیکھا ہے۔ یہ رسالہ اپنے لکھے جانے کے عرصے سے آج تک زیورِ طبع سے آراستہ ہی نہیں ہوا۔ میرے پاس اس کے تین عدد مختلف قلمی نسخے موجود ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ رسالہ کچھ ہی عرصے میں چھپ کر آنے والا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بالفرض شاہ صاحب کے پاس اس کا کوئی نسخہ موجود بھی ہے تو پھر ان سے گزارش ہے کہ حضرتا! اس قدر دروغ گوئی کم از کم آپ کو زیب نہیں دیتی۔ اس رسالہ کی قلمی کاپیاں ملک بھر میں مختلف مسالک کے لوگوں کے پاس بھی ہیں، جب وہ حضرات آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلے یہ الفاظ: ''اسی رسالہ میں صاحب نور العین نے دلائل معتبرہ صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ احادیث اشارہ میں کوئی بھی حدیث صحیح مرفوع غیر منسوخ موجود نہیں ہے'' پڑھیں گے تو کم از کم یہ ضرور سوچیں گے کہ یہ صاحب جُبّہ ودستار بھی اس قدر جھوٹی سچی ہانکتے ہیں!

حضورِ والا! آپ اپنی اس تحریر سے اپنے کفش برداراور دست بوسی کرنے والوں کوتو رام کر سکتے ہیں مگر غیر یوں کہیں گے کہ جھوٹے کے منہ میں بو آتی ہے

؎ چڑھ کے ممبر پر نہ مکار دروغ اتنا بول　　　　منہ میں بو آتی ہے جھوٹے، سنا اے واعظ!

آپ کے کفش بردار خدام اور دست بوسی کرنے والے مریدین و معتقدین تو میری اس گزارش کو گستاخی یا پھر ڈینگ ہی سمجھیں گے اس لیے میری ان سے گزارش ہے کہ اس رسالہ میں کیا ہے کیا نہیں ہے کا فیصلہ اُن علماء سے کروالیں جن کے پاس کتاب کے قلمی نُسخ موجود ہیں۔

قارئین کرام کی توجہ شاہ صاحب کی اس عبارت کے آخری حصہ: "اور باوجود اس دعوی کے صاحب نور العین کتاب کا حوالہ دے کر اس کے مقابلے میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ اور فقہ حنفی کو چھوڑ دیا ہے"۔ کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ کیا اس حصۂ عبارت سے یہ عیاں نہیں ہو رہا کہ شاہ صاحب کو اس رسالہ کے متعلق اپنے لکھے گئے پہلے جھوٹ کا جب اندازہ ہوا تو انھوں نے اپنے پڑھنے والوں کی تسلی و تشفی کے لیے یہ بھی لکھ دیا کہ نور العین کا مضمون قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ اور فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ اسی لیے تو وہ مجھ پر برہم ہو رہے ہیں کہ میں نے اس حوالہ سے۔ نعوذ باللہ۔ قرآن، احادیث اور فقہ کو چھوڑ دیا ہے۔

اب آپ کو کچھ اندازہ ہوا کہ شاہ صاحب نے میرے کاندھے پر سوار ہو کر اصل حملہ کس پر کیا ہے؟ صاحبِ نور العین پر۔ آخر میں یہ عُقدہ بھی سلجھائے دیتا ہوں کہ اس رسالہ کا مصنف شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی علیہ الرحمہ ہے اور رسالہ کا پورا نام "نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین" ہے اس رسالہ کے نام سے کیا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس رسالہ میں احادیثِ اشارہ میں کوئی بھی حدیث صحیح مرفوع، غیر منسوخ موجود نہیں؟ یا یہ سمجھا جائے گا کہ اس رسالہ میں جو بھی احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ ہیں، وہ اشارۂ سبابہ فی التشہد کے ثبوت کے متعلق ہیں! لگے ہاتھوں مخدوم صاحب کا اسی رسالہ میں یہ ارشاد بھی پڑھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ شاہ صاحب نے کس جواں ہمتی اور دلیری و صفائی سے غلط بیانی فرمائی ہے، مخدوم صاحب لکھتے ہیں "قد حصل مما ذکرنا فی جمیع ھذہ الرسالۃ ان الاشارۃ سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین. و ان العمل بھا أولی من ترکھا فی مذاھب الائمۃ الاربعۃ المتبوعۃ. و انہ الصحیح المعتمد علیہ من مذھب الامام أبی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. فتدبر"۔ ترجمہ:

اس رسالے میں ہمارے تمام بیان سے یہ ثابت ہوا کہ اشارۂ سبابہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کی سنت ہے، ائمہ اربعہ متبوعہ کے مذاہب میں اس پر عمل کرنا اسے ترک کرنے سے اولیٰ ہے، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں صحیح اور معتمد علیہ ہے، غور و فکر کر۔ نورالعین فی اثبات الاشارۃ فی التشھد ین ص: ۱۳۱، قلمی نسخہ موجود کتب خانہ سندھی ادبی بورڈ، جامشورو۔ میں نے ثبوت فراہم کر دیا ہے اب اُس کا جواب دینا شاہ صاحب کا ذمہ ہے:

خط کے آنے سے دھواں دھر ہوا یہ مکھڑا آپ اب کیوں نہ بتائیں گے صفائی مجھ کو

فافھم ولا تکن من الکاذبین الماکرین۔

۲۔ شاہ صاحب کی ایک اور بے بسی ملاحظہ ہو کہ بحث ہو رہی ہے اشارۂ سبابہ فی تشھد الصلوۃ میں اور وہ اتر آئے ہیں بحثا بحثی پر، گویا بحث کھڑی کر کے اپنے نظریہ کے مخالفین کو چت کرنا چاہتے ہیں خواہ ایسا کرتے کرتے خود ہی چت ہو جائیں۔ میں نے ملا علی قاری کی "تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ" کا حوالہ لکھا ہے، اسے دیکھتے ہی شاہ صاحب اس حوالہ سے لشت پشت ہو گئے اور ملا علی قاری کے گن گنوانے پر آ گئے اور لکھ دیا: "جواباً عرض یہ ہے کہ اس رسالے کے مصنف کے بارے میں نبراس کے حاشیہ میں لکھا ہے: "علی بن سلطان القاری فقد اخطأ وزل، لا یلیق ذالک له، و نُقِل توبته عن ذالک فی القول المستحسن۔ حاشیہ نبراس ص: ۵۲۶ حاشیہ ۵ "اس عبارت کا ترجمہ لکھنے کے بعد شاہ صاحب ملا علی قاری کی ذات میں عیب نکالنے بیٹھ گئے مگر وہ بھی اس شاطرانہ چال سے کہ اول تو ان کی تعریف کے پل باندھتے ہوئے لکھا: "ملا علی قاری علمائے احناف میں سے ایک بہت بڑے عالم، مصنف اور شارح گزرے ہیں، ان کی تصانیف میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت و عقیدت جھلکتی ہے"۔ انوار التحقیق ص: ۵۴

تاہم ان کی اس پل بندی کے فوراً بعد ہی پل بھر میں پل ٹوٹ گیا اور ملا علی قاری کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت و عقیدت سے شاہ صاحب کا عقیدہ اُٹھ گیا اور لکھا کہ: لیکن چند احادیث و اقوال کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے انھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔ بلکہ گستاخانہ رویہ اپنایا جس کی سزا انھیں دنیا میں مل بھی گئی۔ انوار التحقیق ص: ۵۴ صرف اسی پر شاہ صاحب نے اکتفا نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعد پورے دو صفحات اسی حوالے سے کالے کیئے ہیں، اور ان کالے صفحات کے سہارے اپنا گوہرِ

مقصود آخر پا ہی لیا ہے، جسے انھوں نے فُسوں تاثیر فصاحت سے یوں ظاہر فرمایا ہے: ”اس اہم مسئلے میں بھی مُلا علی قاری سے خطا ہوئی ہے فافھم ولا تکن من الغافلین اور اشارۃ السبابہ کے مسئلے پر بھی ان سے خطا ہوئی ہے کہ اپنا مذہب چھوڑ دیا اور ظاہر احادیث پر چلا۔ اور نہ ہی ان کے کہنے سے قرآن وسنت اور مذہب حنفی کو چھوڑ نا جائز ہے۔“ انوار التحقیق ص:۵۶

؎ نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری ناطقہ بند ہے سُن سُن کے بلاغت میری

میر انیس کے اس شعر کے دونوں مصرعوں کا آخری لفظ ”میری“ کو اگر ”ان کی“ سے بدل دیا جائے تو پھر یہ کہنے میں کوئی شک نہیں رہیگا کہ میر انیس نے یہ شعر ہمارے محترم دوست فاضل مصنف شاہ صاحب کے حق میں کہا ہے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت افزاء بلکہ ششدر کرنے والی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کے بقول اسی سزا یافتہ ملا علی قاری کے رسالۂ ”تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ“ کی شرح ”التدھین للتزیین علی وجہ التبیین“ سے اپنی تائید میں ایک حوالہ بھی ان کے اسی رسالہ میں ص:۳۰۹ پر موجود ہے، خواہ وہ لا تقربوا الصلوۃ کے طور پر ادھورا ہی سہی۔ اسے کہتے ہیں بوٹیاں حرام شوربا حلال۔

۳۔ انوار التحقیق ہی میں ایک اور مقام پر ملا علی قاری کی لطف اللہ نسفی صاحبِ خلاصۂ کیدانی کے ”والاشارۃ بالسبابۃ کاھل الحدیث“ کے جملہ پر گرفت کا جواب شاہ صاحب نے یوں دیا گیا ہے: ”یہ ان کی اپنی غلطی اور بڑی جہالت ہے، ان کو کامل مؤمنوں اور ائمہ کی طرف ایسی نسبت نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ انوار التحقیق ص:۲۲۲

یہاں پر میں شاہ صاحب کو انہی کے لکھے الفاظ یاد دلاتا ہوں: ”وَنِعْمَ مَا قِيْلَ: مَنْ طَعَنَ فِيْ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ لَا يَلُوْ مَنَّ اِلَّا اُمَّهٗ. كَمَا فِي الْكِرْمَانِيْ“، یعنی جس شخص نے علماء اُمت پر طعن کیا وہ اپنی ماں ہی کو ملامت کرے، جیسا کہ کرمانی میں ہے۔ انوار التحقیق، ص:۳۶

ملا علی قاری نے صاحبِ خلاصۂ کیدانی ملا لطف اللہ نسفی کے مذکورہ بالا جملہ پر گرفت کرتے ہوئے اُس کی طرف مطلق جہالت کی نسبت نہیں کی تھی، اُس کے الفاظ یوں ہیں: ”وَاِنَّ هٰذا مِنْه خَطأً عظيم وجرم جسيم. منشؤهُ الجهْلُ عَنْ قَوَاعِدِ الْاُصُوْلِ وَمَرَاتِبِ الفُرُوعِ مِنَ النُّقُوْلِ وَلَوْ لَا حُسْنُ الظَّنِّ بِه وَ تَأْوِيْلُ كَلَامِه بِسَبَبِه لَكَانَ كُفْرُهٗ صَرِيْحًا وَارْتِدَادُهٗ صَحِيْحًا۔“ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ ص:۲۶ یعنی کیدانی کا اہلِ حدیث کی طرح اشارہ کرنے کو حرام کہنا اس کی عظیم غلطی اور بڑا جرم ہے، اس غلطی

اور ارتکابِ جرم کا سبب ہے فقہی روایات واقوال کے مراتب اور اصول کے قواعد سے بے علمی، اگر اس کے ساتھ حُسنِ ظن اور اس کے کلام میں تاویل کی گنجائش نہ ہوتی تو اس کا کفر صریح اور ارتداد صحیح ہوتا۔

فقہی روایات واقوال کے مراتب اور اصول کے قواعد سے بے علمی، اس معنی میں جہالت نہیں ہے جس معنی میں کسی شخص کی طرف مطلقاً جہالت کی نسبت کرنا۔ کیونکہ فقہی روایات واقوال کے مراتب اور اصول کے قواعد سے واقفیت ہر پڑھے لکھے عالم کے بس کی بات نہیں، یہ ملکہ خاص خاص علماء کے حصے میں آتا ہے، ماوشما کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔

شاہ صاحب کا دوہرا معیار ملاحظہ ہو، میں نے حضرت امام محمد کی مؤطا میں" وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ وھو قول ابی حنیفة " کے الفاظ سے تشہد میں اشارۂ سبابہ پر استدلال کیا تو انہوں نے میرے استدلال کرنے کو ناپسند کرتے ہوئے لکھا: "جواباً عرض ہے کہ کاش ڈاکٹر موصوف ان علماء کرام پر اس مسئلے میں اعتماد نہ کرتے کہ المجتھدُ قَد یُصِیبُ وَقَد یخطی کے تحت جن سے خطا ہوئی۔" اس کے بعد المجتھد قد یصیب الخ کی تائید میں علامہ لکھنوی کا حوالہ دے کر آگے لکھا ہے: " ناظرین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ گہری نظر سے حضرت امام محمد کی مؤطا امام محمد ملاحظہ کریں تو پتہ چلے گا کہ نماز میں کنکریوں سے کھیلنا اور انھیں ہموار کرنا مکروہ ہے اور امام محمد نے اسی لئے مؤطا میں یہ باب باندھا ہے باب العبث بالحصی فی الصلوة وما یکرہ من تسویتہ، اس لئے اس باب میں جو فتوی وحکم امام محمد نے بیان کیا ہے وہ کنکریوں سے نماز میں کھیلنے کے متعلق ہے نہ کہ نماز میں تشہد میں اشارے کے متعلق"۔ انوار التحقیق ص:۴۸

شاہ صاحب کا دُہرا معیار یوں ہے کہ میرے پیش کردہ حوالہ کے جواب میں ان کا مجتہد کی طرف خطا کی نسبت کرنا تو درست ہو لیکن اگر ملا علی قاری نے لُطف اللہ نسفی کے لئے "عظیم غلطی اور بڑا جرم" کے الفاظ لکھ دیئے تو اس کے عیوب نکالنا عین خدمتِ مذہبِ حنفی ٹھہرے۔ مقید طور پر ملا لطف اللہ نسفی کی طرف بے علمی کی نسبت کرنے پر شاہ صاحب نے ملا علی قاری کو اپنے تارے ایسے دکھائے کہ انھیں تارے نظر آگئے ہوں گے۔

؎ جب اس کے مقابل مرے داغِ جگر آئے خورشیدِ قیامت کو بھی تارے نظر آئے

مثلاً یہ کہ ۱۔ اشارۂ سبابہ کے مسئلے پر بھی اس سے خطا ہوئی۔ ۲۔ اپنا مذہب

چھوڑ دیا۔ ۳۔ ظاہر احادیث پر چلا۔ ۴۔ اس کے کہنے سے قرآن وسنت اور مذہب حنفی کو چھوڑنا جائز نہیں۔ انوار التحقیق ص:۵۶

جناب کے اس آخری ارشاد سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ملا علی قاری نے اشارۂ سبابہ پر اپنے استدلال کے ذریعے پڑھنے والوں کو قرآن وسنت اور مذہب حنفی کو چھوڑنے کی ترغیب دی ہے۔ نعوذ باللہ من شر فہمہ، وَعَلِیُّ القارئُ بری ءمن قولہ الزور۔

ے تمھیں اے ناصح مشفق فرشتہ ہم تو جانیں گے کسی انسان کا فہم وشعور ایسا نہیں ہوتا

شاہ صاحب نے اپنے بارے میں جو فرمایا ہے: "میں نے جان لیا کہ میں نہ زمرۂ مجتہدین سے ہوں نہ اصحاب تخریج سے اور نہ ہی اصحاب ترجیح وغیرہ سے ہوں اس لیے مستفتی مولانا زین العابدین سواتی کے جواب میں بحوالہ بریقہ وغیرہ سے تحریر کیا تھا۔ کیونکہ دلائل کا بیان کرنا مجتہد کا کام ہے اور مقلد کا کام دلیلِ مجتہد کی پیروی ہے کیونکہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے۔" انوار التحقیق ص:۶

ان سے سوال ہے کہ آپ کے اس اعتراف کے باوجود بھی۔ نعوذ باللہ۔ آپ کی طرف جہالت کی نسبت کرنا درست ہے؟ اگر درست نہیں۔ اور یقیناً درست نہیں۔ تو کیوں نہیں؟ دوسرا یہ کہ اگر یہ نسبت کرنا درست ہے تو پھر" قدوة العارفین العالم النبیل فقیه المثیل الشیخ الاستاذ المفتی " لکھنا چہ معنی دارد؟ ان سے یہ بھی سوال ہے کہ کیا ملا علی قاری میں ان مذکورہ بالا القابات وصفات میں سے کوئی صفت تھی یا نہیں؟ لگتا ہے کہ ان کے نزدیک ملا علی قاری میں ایسا کوئی وصف نہیں تھا۔ استغفر اللہ۔ اسی لیے تو اسے ایسا رگڑا ہے۔

شاہ صاحب کے یہ رگڑے صرف ملا علی قاری کے لیے خاص نہیں بلکہ انھوں نے تو اور بھی بہت ساروں کو رگڑے دیئے ہیں مثلاً:

۴۔ میں نے مصباح التحقیق ص:۲۷۲۔۲۷۳ پر النقایہ مختصر الوقایہ کی شرح جامع الرموز کا حوالہ لکھا ہے، شاہ صاحب نے اس کے مصنف شمس الدین محمد خراسانی قہستانی کے بارے میں علامہ عبد الحیٔ لکھنوی کے مقدمۂ عمدة الرعایہ کے حوالے سے لکھا ہے: "وَالقهستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصا واستناده الی کتب الزاهدی المعتزلی۔" انوار التحقیق ص:۱۶۵ یعنی علامہ قہستانی تباہی مچانے والے سیلاب اور رات میں لکڑیاں چننے والے کی طرح ہے نیز وہ زاہدی معتزلی سے سند پکڑتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اپنے شیخ هبة الله بعلی کی "شرح الاشباہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "ہمارے شیخ علامہ صالح جینینی نے فرمایا کہ: مختصر کتب سے فتویٰ دینا جائز نہیں، جیسا کہ النھر، عینی کی شرح کنز الدقائق، درمختار شرح تنویر الابصار، یا پھر ایسی کتب سے جن کے مؤلفین مستور الحال ہوں مثلاً ملا مسکین کی شرح کنز الدقائق، قہستانی کی شرح النقایہ، یا ایسی کتب سے جن میں ضعیف اقوال ہوں، جیسے زاہدی کی القنیہ۔ ایسی کتب سے فتویٰ دینا اس وقت تک ناجائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ان مؤلفین نے یہ قول کس سے نقل کیا اور کس سے لیا ہے۔ هبة الله بعلی فرماتے ہیں کہ میں نے استاد صالح جینینی سے ایسا ہی سنا ہے جب کہ وہ فقہ خوب جاننے والے ہیں اور اس قول کی تمام تر ذمہ داری ان پر ہے"۔ النافع الکبیر شرح جامع الصغیر ص: ۲۶

علامہ صالح جینینی کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کی تمام کتب سے فتویٰ دینا اس صورت میں ناجائز ہے جب ان کتب کے متعلقہ اقوال کا منقول عنہ اور ماخوذ منہ معلوم نہ ہو۔ اور اگر ان اقوال کا منقول عنہ اور ماخوذ منہ معلوم ہو تو ان کتب سے فتویٰ دینا جائز ہے۔ مثلاً ان کتب میں لکھے ہوئے مسائل کی تائید دیگر کتب اور دوسرے فقہاء سے بھی ہوتی ہو تو پھر ان کتب کا حوالہ درج کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ گویا ان کتب سے مطلق طور پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ شاہ صاحب کے مختصر، محض مطلق حوالہ لکھنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی نا کہ اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلوۃ کو انھوں نے ہر حال میں ناقابل اعتبار ٹھہرانے کا ذمہ لیا ہوا ہے!

اور اس کے باوجود ان کی ستم گری تو دیکھیے کہ اپنا مطلب نکالنے کے لیے اسی جارف سیل اور حاطب لیل کا حوالہ ان کی اپنی کتاب انوار التحقیق ص: ۳۰۴ نیز ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲ پر تواتر سے لکھا گیا ہے۔

کج ایسی نہ تھی آگے مرے یار کی رفتار
سیکھا ہے مگر چرخ ستمگار کی رفتار

شاہ صاحب ایسے متضاد بیانات شاید اس لیے دیتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پڑھنے والوں کا حافظہ کمزور ہے اس لیے انھیں یہ یاد ہی نہیں رہے گا کہ میرا پہلا بیان کیا تھا اور اب میرا بیان کیا ہے۔ یا پھر وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ خود انہی کا حافظہ کمزور ہے جس کی وجہ سے وہ بھول جاتے ہیں کہ پہلے کیا لکھا تھا اور اب کیا لکھ رہے ہیں۔

۵۔ میں نے مصباح التحقیق میں لکھا تھا کہ التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ پر

پہنچ کر "لا الٰہ" پر انگلی اوپر اٹھانا چاہیے اور "الا اللہ" پر اسے نیچے کر دینا چاہیے، کیونکہ اس اشارہ کا اصل مقصد توحید باری تعالیٰ کا جوارح سے اظہار کرنا ہوتا ہے، تاکہ قول اور فعل میں یکسانیت ومطابقت پیدا ہو۔

ایک مسلمان سب سے زیادہ اہم عبادت نماز میں تذلل، خشوع اور خضوع کا بھرپور عملی مظاہرہ کرنے کے بعد قعدہ میں بیٹھ کر اللہ کی حمد وثنا کرتے وقت توحید کی گواہی کے زبانی اعتراف پر پہنچتا ہے تو اسی اعتراف کی جوارح سے بھی گواہی دیتا ہے، یعنی زبانِ حال سے زبانِ قال کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے نفی "لا الٰہ" پر دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی اوپر اُٹھا کر یہ بتاتا ہے کہ کوئی معبود نہیں، اس نفی کے متصلاً بعد اثبات "الا اللہ" پر پہنچتے ہی وحدہٗ لا شریك لہٗ کے معبود برحق ہونے کے اعتراف میں انگلی نیچے کر دیتا ہے، گویا زبانِ حال سے اعلان کرتا ہے کہ معبود کے مطلقاً اس انکار سے اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ مستثنیٰ ہے۔ جب اس کے معبود ہونے کی بات آئیگی تو ہم اسے بصدِ دل وجان تسلیم کرتے ہیں، صرف زبانی قبول نہیں کرتے بلکہ اس مقامِ خشوع وخضوع وسکون جوارح پر انگلی کے اشارے سے بھی بتائے دیتے ہیں کہ عبادت کے لائق ایک ہی ذات باری تعالیٰ ہے۔

اشارے کا یہ مفہوم اور وجہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی پیشِ نظر تھا اور صحابہ کرام نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا ہی سمجھا تھا اور ائمہ مجتہدین نے بھی اسی مفہوم اور وجہ سے اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلوٰۃ کو اپنا مذہب مہذب بنایا اور آج تک امتِ مسلمہ اسے اپنا معمول بنائے ہوئے ہے سوائے ایک شرذمہ کے، کیونکہ ہر دور میں ہر انسان کا فہم وشعور ایک سا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فاضل دوست سید صاحب نے سنن ابی داود کی ایک حدیث شریف اس طرح لکھی ہے: مَنْ اَشَارَ اِشَارَةً فِی الصلٰوۃِ تُفهَمُ مِنهَا فَلْيُعِدْهَا۔ جبکہ سنن ابی داود میں اس طرح ہے مَنْ اَشَارَ فِی صَلٰوته اِشَارَةً تُفْهَمُ عنهُ فَلْيُعِدْ لَهَا يَعْنِیَ الصَّلٰوۃ فاضل مصنف نے اس کے تحت لکھا تھا: "اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں۔ اصل کتاب میں یوں ہی جمع انگلیوں لکھا ہوا ہے جو کاتب کی غلطی ہے، درست لفظ انگلی ہے۔ نفی کی طرف اشارہ ہے کہ لا الٰہ ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو الا اللہ ہے، تو یہ معنی سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہیے تو اس لیے حرام ہے"۔ مسئلہ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد فی الصلوٰۃ ص: ۲۱ نیز یہی رسالہ ملحق فی آخر انوار التحقیق فی

ان المصباح بالاطفاء یلیق ص: ۷۹-۳۸۰ ۳
میں نے اس استدلال پر جو کچھ مختصراً لکھا ہے وہ مصباح التحقیق ص: ۱۹۴-۲۰۵ پر موجود ہے۔ چونکہ میرے اس استدلال کی تائید میں مصباح التحقیق ص: ۲۷۴ پر ابن نجیم کی عبارت، اور ص: ۳۱۱-۳۱۳ پر شیخ محمد حیات سندھی مدنی کی عبارت میں شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح، علامہ حلوانی متوفی ۴۴۸ھ کا نام بھی تھا، جس کی وجہ سے سید صاحب نے جو اس کا جواب لکھا ہے اُسے اس باب کے حصہ "ب" میں بیان کروں گا، فی الحال میں اپنے مذکورہ بالا مفہوم اشارہ اور وجہ اشارہ کے حق میں دلائل بیان کرنا چاہتا ہوں۔ علامہ حلوانی کے بارے میں فاضل مصنف کا تبصرہ اور اس تبصرہ کا جواب ۴۰۳-۴۰۷ پر عرض کروں گا۔

مذکورہ بالا مفہوم اشارہ اور وجہ کے حوالے سے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی متوفی ۱۱۷۴ھ کے عربی رسالہ "نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہد ین" کی تحقیق وتخریج اور تحشیہ میں ہم نے کافی بحث کی ہے تاہم یہاں پر اسی مضمون کو حضرت علامہ مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی، استاد جامعہ اشرف کچھوچھ شریف، ہندوستان کے رسالہ "مزیل التردد عن عدم تحریک الاصبع فی التشہد" سے استفادہ کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں:

(ا) سن چھ ہجری میں غزوۂ حدیبیہ سے کچھ عرصہ قبل اسلام قبول کرنے والے حضرت خفاف بن ایماء بن رحضۃ غفاری کے بیٹے حضرت حارث فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت خفاف کے پہلو میں نماز پڑھی اور انھوں نے مجھے انگلی سے اشارہ کرتے دیکھا تو پوچھا کہ: بیٹے! یہ اشارہ کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے اچھے لوگوں اور فقہاء کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: تم نے ٹھیک کیا۔ میں نے دیکھا ہے، رسول اللہ ﷺ جب نماز میں تشہد پڑھتے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ مشرکین کہتے تھے کہ ہم پر جادو کرتے ہیں، حالانکہ نبی پاک ﷺ اس سے اللہ کی توحید (کی گواہی) کا ارادہ فرماتے تھے۔ سنن الکبری للبیھقی ۲/۱۹۰ باب ماینوی المشیر باشارتہ فی التشہد"

اس حدیث کو امام بیہقیؒ کے علاوہ امام طبرانی نے المعجم الکبیر ۴/۲۱۷، حدیث نمبر ۴۱۷۶، امام ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں ص: ۴۱۷ حدیث ۹۰۴، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ۴/۵۷ پر اور ہیثمی نے المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی ۱/۱۴۳ پر ذکر کیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

کہا جا سکتا ہے کہ امام بیہقی کی سند میں ایک راوی مجہول العین ہے وہ اس طرح کہ مقسم ابو القاسم کہتا ہے کہ: حدثنی رجل من اهل المدینة قال: صلیت الی جنب خفاف بن ایماء بن رحضة الخ۔ مقسم ابو القاسم کو مدینہ کے ایک شخص نے بتایا کہ میں نے خفاف بن ایماء بن رَحضَۃ کے پہلو میں نماز پڑھی الخ۔ وہ مدنی شخص کون ہے؟ اس کا کچھ اتا پتا نہیں۔

جواب: مقسم ابو القاسم نے جس مدنی شخص سے روایت کی ہے وہ حارث بن خفاف ہے، جیسا کہ اس نام کی صراحت ہیثمی نے المقصد العلی ۱/ ۱۴۳ "باب الاشارة فی التشهد" میں کی ہے۔ اس کی سند میں یوں ہے: عن ابی القاسم مولی بنی ربیعة عن الحارث قال صلیت۔ الخ۔

اعتراض: کہا جا سکتا ہے کہ بیہقی کی سنن الکبریٰ میں ہے کہ خفاف بن ایماء نے اس سے کہا: "ابن اخی لم تفعل هٰذا" اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ اشارہ کیوں کرتے ہو؟ اگر وہ شخص خفاف کا بیٹا ہوتا تو خفاف اسے "ابن اخی" نہ کہتا۔

جواب: "ابن اخی" کا جملہ قلمِ ناسخ کی بھول چوک ہے۔ ہماری اس بات کی تائید مسند امام احمد بن حنبل سے ہوتی ہے کہ اس میں "یا بُنَیّ" (اے میرے بیٹے) لکھا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت خفاف، ان کے والد حضرت ایماء اور ان کے والد حضرت رحضہ تینوں صحابی ہیں، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی "بذل القوة فی حوادث سنی النبوة" ص: ۵۳۸ پر لکھتے ہیں: وخفاف هذا. وابوه ایماء وجده رحضة ثلاثتهم صحابیون۔ یعنی خفاف، ان کے والد اور دادا تینوں صحابی ہیں۔

اور صاحب "تہذیب الکمال" نے حضرت خفاف کے اس بیٹے حارث کے متعلق لکھا ہے: "روی عن ابیه وله صحبة" اس نے اپنے والد سے روایت کی ہے، وہ صحابی ہے۔ اس بات کی تائید علامہ عینی شارح بخاری کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ: الحارث بن خفاف بن ایماء بن رحضة الغفاری روی عن ابیه وله صحبة۔ مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار ۱/ ۱۶۱، اس کے علاوہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: فی البخاری من طریق اسلم مولی عمر. قال: قال عمر: "لقد رأیت أبا

هذه۔ یعنی بنت خفاف۔ وأخاها حاصرا حصنا زمانا " انتھی۔ فعلی هذا فهو صحابی. لأنهم ذکروا الخاف ولدین: الحارث، ومخلدا، ومخلد تابعی باتفاق، فانحصر فی الحارث۔ بخاری (جلد ۲ ص:۵۹۹ پر کتاب المغازی کے باب غزوۃ الحدیبیہ) میں حضرت عمر کے غلام اسلم کی سند سے ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ: میں نے اس لڑکی کے باپ خفاف اور اس لڑکی کے بھائی کو دیکھا کہ وہ (ایک غزوہ میں) لمبے عرصے تک ایک قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اس روایت کی رُو سے حارث صحابی ہے، کیونکہ خفاف کے دو بیٹے تھے ایک حارث دوسرا مخلد، مخلد بالاتفاق تابعی ہے، تو قلعہ کا محاصرہ کرنے والا حارث ہی متعین ہوا۔ تھذیب التھذیب ۲/۱۷ اترجمہ ۱۱۹۶

خلاصۂ کلام یہ کہ دیگر احادیث و آثارِ صحابہ وتابعین کے علاوہ حضرت خفاف کی روایت کردہ اس مرفوع حدیث سے ثابت ہوا کہ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کا مقصد توحیدِ باری تعالیٰ کا عملاً اقرار ہے۔ اس پر ایک اور مضبوط شہادت صحاح ستہ کے راوی، مشہور فقیہ و مفتی صغار تابعین میں سے حضرت ابوعمران ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی بھی التحیات میں "لا الہ الا اللہ" پر انگلی سے توحید کی طرف اشارہ کرنے کو حسن فرماتے تھے۔ امام ابن ابی شیبہ نے فرمایا: حدثنا جریر عن مغیرة عن ابراهیم، قال: اذا اشار الرجل باصبعه فی الصلوٰة فهو حسن، وهو للتوحید ولکن لا یشیر باصبعیه فانه یکره۔ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ جب آدمی نماز میں ایک انگلی سے اشارہ کرے تو وہ اچھا ہے اور اس سے مقصود توحید ہے، دو انگلیوں سے اشارہ نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۰

علامہ ابن امیر حاج حلبی متوفی ۸۷۹ھ لکھتے ہیں: قلت والاول هو الصحیح. فقد ذکر محمد فی کتاب المشیخة حدیثا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان یشیر بأصبعه. فنفعل مافعل النبی صلی الله علیه وسلم ونصنع ما صنعه وهو قول ابی حنیفة وقولنا ذکره فی البدایع، وفی الذخیرة وشرح الزاهدی ثم قال هذا قولی وقول ابی حنیفة انتھی۔ وروی عن ابی یوسف فی الاملاء وقد منا روایته عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم من صحیح مسلم، واخرج ابن السکن فی صحیحه عن ابن عمر ایضا قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الاشارة

بالأصبع أشد على الشيطن من الحديد، وعنه ايضا عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "هي مذعرة للشيطن" فتضاء ل ما ذكروه من العلة۔ولا جرم ان قال الزاهدی: لما اتفقت الروايات عن اصحابنا جميعاًفی کونها سنة. وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الاخبار والآثار كان العمل بها اولی۔ ترجمہ: (یہ جو واقعات میں کہا گیا ہے کہ اشارہ نہ کرے، اور خلاصہ میں جو صاف کہا ہے کہ اشارہ نہ کرنا مختار ہے اور فتاویٰ کبری میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، انھوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اشارہ میں غیر ضروری اضافۂ حرکت ہے، اس لیے اسے چھوڑ دینا اولیٰ ہے کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ پہلا قول ہی صحیح ہے، امام محمد نے کتاب المشیخۃ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے، پس ہم وہی کرتے ہیں جو نبی پاک ﷺ کرتے تھے اور ہم وہی کام کرتے ہیں جو آپ نے کام کیا۔ یہ ابوحنیفہ اور ہمارا قول ہے، اسے بدائع والے نے ذکر کیا ہے، اور ذخیرہ اور زاہدی کی شرح میں ہے کہ پھر امام محمد نے فرمایا کہ یہ میرا قول ہے اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور ابویوسف کی امالی میں مروی ہے، اور ہم اسے عن ابن عمر عن النبی ﷺ صحیح مسلم کی حدیث سے پہلے ذکر کر چکے ہیں، اور ابن السکن نے بھی اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر لوہے (کی ضرب) سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور اسی ابن عمر کی نبی پاک ﷺ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اشارہ شیطان کو خوف زدہ کرنے والا ہے۔ پس مانعینِ اشارہ کی منع کی علت ضعیف وحقیر ہے۔ اور زاہدی کے اس قول میں کوئی شک نہیں کہ: جب ہمارے تمام ائمہ کی روایات اشارہ کے سنت ہونے پر متفق ہیں، اسی طرح اہلِ کوفہ ومدینہ کی بھی، اور اس بارے میں اخبار وآثار بھی بکثرت ہیں تو اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

اس کے بعد ابن امیر حاج حلبی نے منیۃ المصلی کے متن فَاِنْ اَشَارَ يَعْقِدُ الْخِنْصَرَ وَالْبِنْصَرَ وَيُحَلِّقُ الْوُسْطٰى وَالْاِبْهَامَ وَيُقِيْمُ السُّبَّابَةَ پر لکھا ہے۔: "وهو المروی عن ابی یوسف فی الاملاء والمحکی عن الفقیه ابی جعفر الهندوانی، وفی البدایع: وقال ان النبی صلی الله علیه وسلم هکذا کان یفعل"۔ اور یہ ابویوسف کی امالی میں مروی ہے اور فقیہ ابوجعفر ہندوانی سے نقل کردہ ہے۔

اور بدائع میں ہے: اس نے کہا کہ نبی پاک ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

اس کے بعد ابن امیر حاج حلبی نے "تکمیل" کے زیرعنوان لکھا ہے: " ثم عند الشافعية يرفعها اذا بلغ الهمزة من قوله: الا الله، ويكون قصده بها التوحيد والاخلاص عند كلمة الاثبات، وفيه حديث خفاف انه صلى الله عليه وسلم كان يشير بها للتوحيد، ذكره البيهقي۔ وقال شمس الائمة الحلواني: يقيم أصبعه عند قوله: لااله، ويضعها عند قوله: الا الله، ليكون النصب كالنفي، والوضع كالاثبات۔قلت: وهو حسن، والجواب عن الحديث المذكور أن فى سنده رجلا مجهولا على انه غير ظاهر الدلالة على ما ذكروه، بل هو ظاهر فيما ذكره الحلواني، فان التوحيد مركب من نفي واثبات، فيكون رفعها اشارة الى احد شقي التوحيد، وهو نفي الألوهية عن غير الله تعالىٰ، ووضعها اشارة الى الشق الآخر وهو اثبات الألوهية لله وحده، فتقع بها الاشارة الى مجموع التوحيد بخلاف قولهم فانه انما تقع بها الاشارة الى الشق الثاني منه فقط، ويخلو وضعها من الفائدة، وهو خلاف ظاهر اطلاق كان يشير بها الى التوحيد"۔

یعنی شوافع کے نزدیک "الا الله " کے همزہ پر پہنچ کر انگلی اوپر اٹھائے اور کلمہَ اثبات ادا کرتے وقت توحید واخلاص کی نیت کرے، اس بارے میں حضرت خفاف کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ توحید کے لیے اشارہ کرتے تھے، اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے: اپنی انگلی "لا اله " پر اٹھائے اور "الا الله " پر نیچے رکھے تاکہ اٹھانا نفی کے لیے اور رکھنا اثبات کے لئے ہو۔میں (ابن امیر حاج حلبی) کہتا ہوں کہ یہی عمدہ ہے، اور (خفاف بن ایماء والی) مذکور حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک شخص مجہول ہے، نیز وہ شوافع کے ذکر کردہ قصدِ توحید واخلاص پر دلالت کرنے میں ظاہر الدلالۃ بھی نہیں، بلکہ وہ حدیث امام حلوانی کے ذکر کردہ قصد پر ظاہر الدلالۃ ہے، اس لیے کہ توحید نفی (لا الہ) اور اثبات (الا اللہ) سے مرکب ہے۔اس کا اٹھانا توحید کی پہلی شق، غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور اس کا رکھنا توحید کی دوسری شق، اللہ وحدہ کی الوہیت کی اثبات کی طرف اشارہ ہوگا، لہٰذا اس طرح مجموعۂ توحید کی طرف اشارہ ہوجائے گا، برخلاف شوافع کے قول کے، ان کے قول کے مطابق مجموعۂ توحید کی صرف دوسری شق

کی طرف اشارہ ہوگا اور انگلی کا نیچے رکھنا بے سود ہو جائیگا اور ایسا ہونا کان یشیر بھا الی التوحید کے ظاہری اطلاق کے خلاف ہے۔حلبۃ المجلی شرح منیۃ المصلی جزءدوم، ورق:۱۷۸-۱۷۹،عکس قلمی نسخہ دارالکتب القومیہ،نوشتہ سن ۸۶۷ھ

علامہ سید احمد طحطاوی مصری حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ نے حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں علامہ شرنبلالی کے الفاظ: "ومن قال انه لایشیر اصلا فھو خلاف الروایة والدرایة "میں لفظ"الدرایۃ" کے حاشیہ پرلکھا ہے:لان الفعل یوافق القول، فکما ان القول فیه النفی والاثبات یکون الفعل کذالک. فرفع الأصبع النفی ووضعه الاثبات۔(یعنی مصنف علامہ شرنبلالی کا یہ کہنا کہ جولوگ اشارہ سے منع کرتے ہیں تو وہ روایت کے بھی خلاف ہے اور درایت کے بھی) اس لئے کہ فعل اور قول باہم موافق ہوجائیں، جس طرح قول (لا الٰہ الا اللہ) میں نفی واثبات دونوں ہیں اسی طرح فعل بھی ہو، اس لئے انگلی اٹھانا نفی ہے اور نیچے رکھنا اثبات ہے۔حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۱۴۷

علامہ زیلعی نے بھی امام حلوانی کے حوالے سے لکھا ہے:وعن الحلوانی یقیم الأصبع عند لا اله ویضعها عند الا الله لیکون الرفع للنفی والوضع للاثبات۔یعنی لا الٰہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر رکھے تا کہ اٹھانا نفی کے لئے اور رکھنا اثبات کے لئے ہو۔تبیین الحقائق ۱/۱۲۰

شیخ امیر صنعانی محمد بن اسماعیل بن صلاح متوفی ۱۱۸۲ھ لکھتے ہیں: وموضع الاشارة عند قوله: لا اله الا الله لما رواه البیهقی من فعل النبی صلی الله علیه وسلم: وینوی بالاشارة التوحید والاخلاص فیه. فیکون جامعا فی التوحید بین الفعل والقول والاعتقاد. ولذالک نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن الاشارة بالاصبعین وقال احد احد لمن راٰه یشیر باصبعیه۔یعنی اشارہ کا محل لا الٰہ الا اللہ ہے کیونکہ بیہقی نے نبی کریم ﷺ کا یہی فعل روایت کیا ہے۔اشارہ سے توحید واخلاص کی نیت کرے تا کہ فعل،قول اور اعتقاد،تینوں میں توحید ہو،یہی وجہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب ایک شخص کو دو انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تو اسے اس طرح کرنے سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک سے اشارہ،ایک سے اشارہ۔سبل السلام ج:۱/۲۸۲

ہماری مذکورہ بالا عبارات سے ثابت ہو رہا ہے کہ: (i) حضرت خفاف بن ایماء بن رحضة غفاری کا نبی پاک ﷺ کو نماز میں اشارۂ سبابہ کرتے ہوئے دیکھنا آیت مبارکہ: "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" اور "اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" کے نزول کے کم از کم چار سال کے بعد ہے، کیونکہ پہلی آیت مبارکہ رمضان المبارک سن ۲ھ میں واقع ہونے والے غزوۂ بدر سے کچھ ہی قبل نازل ہوئی تھی۔ جیسا کہ سن ۲ھ میں رونما ہونے والے واقعات کے بیان میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی نے لکھا ہے: "وفیها قبل تهيئه الى غزوة بدر نزل الامر بالسكوت عن الكلام والسلام فى الصلاة. وكان قبل ذالک مباحا ان يتكلم بعض الناس مع بعض فى الصلاة وأن يسلم بعضهم علىٰ بعض فى الصلاة فنزل قوله تعالىٰ: وقوموا الله قانتين، أى ساكتين. فانتهى الناس عن الكلام والسلام فى الصلاة كما فى صحيح البخارى"۔ دیکھیے بذل القوة فی حوادث سنی النبوة ص: ۳۳، یعنی اسی سال غزوۂ بدر کی طرف روانگی اور تیاری سے پہلے نماز میں سلام وکلام سے خاموش رہنے کا حکم نازل ہوا، اس سے قبل لوگوں کا ایک دوسرے سے سلام وکلام کرنا مباح تھا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان وقوموا اللہ قانتین نازل ہوا، قانتین، یعنی چُپ، خاموش، بعد میں لوگ نماز میں سلام وکلام سے رک گئے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

صحیح بخاری ۱/۱۶۰ پر "باب ما ينهى من الكلام فى الصلاة" میں حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں اس آیت کے نزول سے پہلے صحابہ کا نماز میں سلام وکلام کرنے کا بیان موجود ہے۔ یہی حدیث صحیح بخاری ۲/۶۵۰ پر "باب قوله: وقوموا لله قانتين أى مطيعين" میں بھی موجود ہے۔ نیز صحیح بخاری کے اسی صفحہ پر "فامرنا بالسکوت" پر محشی کا یہ قول بھی لائق توجہ ہے: "قال الخطابى اصح الاقاويل فى تفسير القانت الداعى فى حال القيام، وليس السكوت المذكور تفسير القنوت، لكنهم لما امروا بالذكر اشتغلوا عن الكلام فانقطعوا عنه، فقيل أمرنا بالسكوت. قاله الكرمانى۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری ۱/۱۶۰ پر "باب ما ينهى من الكلام فى الصلاة" ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہجرتِ حبشہ سے واپسی کے بعد دورانِ نماز نبی پاک ﷺ کا، سلام کا جواب نہ دینا مروی ہے۔

(ii) حضرت ابو ہریرہ نے سن سات ہجری میں عین ایام فتح خیبر میں اسلام قبول کیا، ان سے روایت ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان جزءًا من سبعین جزءًا من النبوۃ تاخیر السحور وتبکیر الافطار واشارۃ الرجل بأصبعہ فی الصلوۃ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سحری دیر سے کھانا، روزہ کھولنے میں جلدی کرنا اور آدمی کا نماز میں انگلی سے اشارہ کرنا نبوت کے ستر اجزاء، میں سے ایک جزء ہے۔ مصنف عبدالرزاق ۲/۲۵۰، ۴/۲۳۲ کتاب الدعاء ص: ۲۰۴ حدیث ۶۴۱، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ص: ۹۰ اور بقول علامہ سیوطی اس حدیث کو ابن عدی نے بھی اپنی "الکامل" میں روایت کیا ہے۔

(iii) حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی الخزاعی کا شمار چھوٹی عمر والے صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی صلاتہ ھکذا، واشار باصبعہ السبابۃ۔ یعنی نبی پاک ﷺ نماز میں یوں کرتے تھے، یہ کہہ کر ابن ابزی نے سبابہ سے اشارہ کیا۔ مصنف عبدالزاق ۲/۲۴۸ حدیث ۳۲۴۷، مصنف ابن اَبی شیبہ ۱۰/۳۸۱

(iv) حضرت وائل بن حجر مدنی دور کے آخری سالوں میں اسلام لائے۔ ان کی روایت کردہ حدیث کی اُنسٹھ اسانید مصباح التحقیق ص: ۶۵۔ ۶۸ پر درج ہیں، ان میں بھی اشارہ سبابہ کا بیان ہے۔

(v) حضرت ابوحمید ساعدی بھی مدنی دور کے آخری سالوں میں مشرف باسلام ہوئے، ان کی دس صحابہ کرام کی محفل میں حدیث اشارہ کتب صحاح ستہ میں سے سنن ابی داود اور جامع ترمذی کے علاوہ عبدالرزاق، طحاوی، بغوی، بیہقی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور ابن الجارود نے روایت کی ہے۔

اس حدیث کے حوالے سے ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ نے یہ حدیث حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں یا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں دس صحابہ کے روبرو پیش کی اور ان تمام صحابہ نے ان کے اس بیان کی تصدیق فرمائی۔

رہا ہمارا یہ کہنا کہ آپ نے یہ حدیث عہد عثمان غنی یا عہد مرتضوی میں بیان فرمائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ معروف تابعی حضرت عباس بن سھل بن سعد ساعدی نے اس محفل میں آپ سے یہ حدیث سنی ہے۔ اور حضرت عباس بن سھل حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت سن ۲۱ ھ کے نصف میں پیدا ہوئے، حضرت عمر کی شہادت کے وقت حضرت عباس بن سہل تین سال کے تھے اور شہادت عثمان غنی کے وقت پندرہ سال کے تھے۔ جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: ولد فی

عهد عمر وقتل عثمان وهو ابن خمس عشرة سنة۔ تهذیب التهذیب ۳ / ۵۳۷ ترجمہ ۳۶۲۶

بقول فاضل مصنف کے اگر اشارۂ سبابہ مذکورہ بالا دونوں آیات سے منسوخ ہو چکا تھا تو ان کے نزول کے کئی سال بعد بھی حضرت خفاف بن ایماء، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی، حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہم کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں اشارۂ سبابہ کرتے ہوئے دیکھنا چہ معنیٰ دارد؟ اسی طرح فاضل مصنف کا یہ کہنا بھی غلط ثابت ہوا کہ اشارۂ سبابہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی حدیث "اسكنوا في الصلوٰة" یا "امرنا بالسكوت" سے منسوخ ہوگیا۔

اس بارے میں ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ یہ زید بن اُرقم کا "امرنا بالسكوت" کہنا تو غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے لیکن اس کے بعد بھی اس واقعے کے بہت بعد ایمان لانے والے مذکورہ بالا پانچوں صحابہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارۂ سبابہ کرتے ہوئے دیکھنا روایت کرر ہے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ اشارۂ سبابہ قوموا للہ قانتین کے عمومی حکم سے خاص ہے، جبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ان صحابہ کی روایات کی رو سے اپنی حیاتی مبارک کے آخری سالوں تک اشارہ کرتے ہوئے نظر آر ہے ہیں۔

اسی طرح قولی حدیث "اسكنوا في الصلوة" بھی اشارۂ سبابہ کو شامل نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ایک خاص عمل سے نفی کے لیے وارد ہوا ہے، وہ ہے سلام پھیرتے وقت دونوں طرف ہاتھوں سے اشارہ کرنا۔ جیسا کہ تمیم بن طَرَفہ کے واسطے سے مروی حضرت جابر بن سمرۃ کی اس حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "مالي اراكم رافعي ایدیكم" سے، نیز عبیداللہ بن القبطیۃ کے واسطے سے حضرت جابر بن سمرۃ کے الفاظ "كنا اذا صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله" کے بعد عبید اللہ بن القبطیۃ کا "وأشار بيده الى الجانبين" کا تفسیری جملہ دونوں ہاتھوں کے اشارے کے ساتھ سلام کو متعین کرر ہا ہے۔ یا اسی حدیث کی ایک اور سند میں خود حضرت جابر بن سمرۃ کے الفاظ "صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكنا اذا سلمنا قلنا بايدينا السلام عليكم، السلام عليكم" وضاحت سے بتار ہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کے

اشاروں سے روکنے کے لئے'' اسکنوا فی الصلوٰۃ'' فرمایا، نہ کہ شہادت کی انگلی کے ساتھ التحیات میں اشارۂ سبابہ سے منع کے لیے فرمایا۔ اس کی مزید تصدیق خود حضور پاک ﷺ کے ارشاد" ما شانکم تشیرون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس. اذا سلم احدکم فلیلتفت الیٰ صاحبه ولا یومی بیده "سے ہورہی ہے۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قدر واضح اور بے غبار الفاظ میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ ہلا ہلا کر اشارے کرنے کی ممانعت والے حکم کو حرمتِ اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلوۃ کا حکم بتایا جارہا ہے۔

آپ حضرات کی توجہ ایک اور بات کی طرف بھی دلاتا ہوں کہ امام مسلم بن الحجاج قشیری نے حضرت جابر بن سمرۃ کی اس حدیث کو" باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والنھی عن الاشارۃ بالید ورفعھا عند السلام واتمام الصفوف والتراص فیھا والامر بالاجتماع " "یعنی سکون کے ساتھ نماز پڑھنے، سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے اور ہاتھوں سے اشارہ کرنے کی ممانعت، پہلی صف کو مکمل کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کے حکم والے باب" میں بیان فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ابتدائی الفاظ "مالی اراکم رافعی ایدیکم کأنھا اذ ناب خیل شمس" پر لکھا ہے: والمراد بالرفع المنھی عنه ھنا رفعھم ایدیھم عندالسلام مشیرین الی السلام من الجانبین کما صرح به فی الروایة الثانیة۔ یعنی یہاں پر ممنوع رفع سے مراد، سلام کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا ہے، جنھیں اٹھا کر دونوں طرف سلام کی خاطر اشارہ کرتے تھے، جیسا کہ اس کی صراحت دوسری روایت میں کر دی گئی ہے۔ صحیح مسلم ۱/۱۸۱

اب شاہ صاحب کے"قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون " آیت مبارکہ سے اشارۂ سبابہ فی تشھد الصلوۃ کے نسخ پر استدلال کے حوالے سے بھی کچھ بات ہوجائے۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قال ابن عباس: (خاشعون) خائفون ساکنون. وعن علی: الخشوع خشوع القلب، وقال الحسن البصری: کان خشوعھم فی قلوبھم. فغضوا بذالک ابصارھم، وخفضوا الجناح، وقال محمد بن سیرین: کان أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یرفعون ابصارھم الی السماء فی

الصلاة فلما نزلت هذه الآيت خفضوا أبصارهم الى موضع سجودهم. والخشوع فی الصلاة انما یحصل لمن فرغ قلبه لها. واشتغل بها عما عداها وآثرها علیٰ غیرها۔ مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص:۵۵۹

حضرت شاہ رؤف احمد مجددی علیہ الرحمہ اس آیت ۲ کا ترجمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: "نگاہ سجدہ گاہ پر رکھے دل کو درگاہ باری میں حاضر کیئے، لکھا ہے کہ اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز میں آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی نظر موضع سجود میں رکھنے لگے، لباب میں ہے کہ نماز میں سجدہ گاہ پر نگاہ رکھے مگر کعبہ شریف میں اسی کو دیکھے، بعضے کہتے ہیں کہ خشوع یہ ہے کہ مصلی نہ جانے کہ چپ وراست اس کے کون ہے، واسطی نے کہا ہے کہ خشوع ادائے صلوۃ ہے للہ فی اللہ بے ملاحظہ اعتراض اور عوارض کے، بحر الحقایق میں ہے کہ خشوع ظاہر میں یہہ ہے کہ سر جھکا کر آنکھوں کو ادھر ادھر دیکھنے سے بچا کر دست راست چپ پر دھر کر قرأت بآرزوے حضور پڑھے، اور خشوع باطن میں یہہ ہے کہ خطرے اور وسوسے کر کر متوجہ بحق ہو کہ بحر شہود میں ڈوب کر شعلہ آثار ظہور انوار جمال وجلال میں گداختہ ہو جاوے"۔ تفسیر رؤفی جلد ثانی ص:۵۱ سورۃ المؤمنون۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور شیخین کی شرائط کے مطابق اسے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز ادا فرماتے تو اس دوران اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھاتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف متوجہ ہوتے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نماز کے دوران اپنی نظریں آسمان کی طرف بلند کر لیتے پھر جب اللہ تعالیٰ نے آیت الذین هم فی صلاتهم خشعون نازل فرمائی تو انھوں نے اپنی نظروں کو سجدہ گاہوں کی جانب متوجہ کر لیا۔ ابن ابی حاتم نے ابن سیرین سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ کرام نماز کے دوران آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی"۔

تفسیر مظہری مترجم جلد ۶ ص: ۴۵۳

امام ابو جعفر محمد بن احمد بن اسماعیل الصفار المرادی، المعروف ابو جعفر النحّاس متوفی

۳۳۸ھ لکھتے ہیں: فأما(وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ)فمن الناس من يقول : القنوت القيامُ . ومنهم من يقول : القنوت بحديث عمر و بن الحارث عن دراج عن ابى الهيثم عن أبي سعيد الخدرى عن النبى ﷺ قال : كل قنوت فى القرآن فهو طاعة. وقال قوم :وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ناسخ للكلام فى الصلاة . (قال ابو جعفر) فهذا أحسن ماقيل فيه . كما قرأ عَلَيَّ احمد بن شعيب عن سويد بن نصر عن عبد الله بن المبارك عن اسماعيل بن ابى خالد عن الحارث بن شبل عن أبي عمرو الشيبانى عن زيد بن ارقم . قال: كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلاة فى عهد رسول الله ﷺ .يتكلم احد منا بحاجته حتى نزلت وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ .فَنُهِيْنَا حينئذ عن الكلام (قال ابو جعفر) وهذا اسناد صحيح وهُوَ مُوافقٌ للقول الاول ان القنوت الطاعةُ. اى قوموا مطيعين فيما امركم به من ترک الكلام فى الصلاة . فصحّ أن الآية ناسخة للكلام فى الصلاة (قال ابو جعفر) فهذا مافى هذه السورة مِن الناسخ والمنسوخ فى أمر الصلاة وهى ثلاث آيات ۔ یعنی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ کے متعلق کچھ حضرات کا قول ہے کہ قنوت کا مطلب قیام ہے،اور کچھ کا قول ہے کہ عمرو بن حارث عن دراج عن ابی الھیثم کی سند سے حضرت ابوسعید کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشادفرمایا کہ قرآن میں واردلفظ قنوت سے ہر جگہ پر مراد اطاعت ہے۔اور کچھ کا قول ہے کہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ کی آیت نماز میں کلام کی ناسخ ہے۔ابوجعفر کہتا ہے کہ اس حوالہ سے سب سے بہتر قول یہی ہے جیسا کہ احمد بن شعیب نے سوید بن نصر سے،اس نے عبداللہ بن مبارک سے،اس نے اسماعیل بن ابی خالد سے،اس نے حارث بن شبل سے،اس نے ابوعمرو شیبانی سے، اس نے زید بن ارقم سے حدیث سنائی، زید بن ارقم نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نماز میں باتیں کرتے تھے،ہم میں سے کوئی شخص اپنی حاجت کی بھی بات کرتا تھا، یہاں تک کہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ نازل ہوئی تو ہمیں اس وقت باتوں سے منع کر دیا گیا۔ابوجعفر کہتا ہے کہ یہ صحیح اسناد ہے اور قبل میں بیان کردہ قول کے موافق ہے کہ قنوت کا مطلب اطاعت ہے، یعنی تمہیں نماز میں باتیں کرنے سے منع کی گئی ہے اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے قیام کرو۔ یہ صحیح ہے کہ آیت مبارکہ نماز میں باتیں کرنے کی ناسخ ہے۔ابوجعفر کہتا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ میں نماز کے

متعلق ناسخ منسوخ احکامات پر مشتمل تین آیات میں سے یہ ایک ہے۔ کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم ص:۱۸ اباب ذکر الآیۃ الثالثۃ من ہذہ السورۃ واضح رہے کہ ابوجعفر نحاس نے جس حدیث کے حوالہ سے قنوت کا معنی اطاعت بیان کیا ہے وہ حدیث معجم الأوسط جلد اول ص:۴۸۹ پر ۱۸۰۸ نمبر پر موجود ہے۔

ان روایات واقوال کی روشنی میں ثابت ہوا کہ یہ آیت مبارکہ بھی اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلاۃ کی ناسخ نہیں ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے جبکہ آپ ﷺ کو اشارۂ سبابہ کرتے ہوئے اکثر صحابہ نے مدنی دور میں دیکھا اور اسے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے نزول کی وجہ بتانے والی روایات سے بھی ظاہر ہے۔ لہٰذا شاہ صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ایسے استعمال شدہ کارتوس استعمال کرنے کے بجائے اشارۂ سبابہ کا کوئی نیا ناسخ تلاش فرمائیں، اور اگر انھیں ایسا نیا ناسخ نہیں مل سکتا۔ اور یقیناً ملے گا بھی نہیں۔ تو خود ہی بنا ڈالیں، کیونکہ سابق میں بنائے گئے ان کے نواسخ کی قلعی کھل چکی ہے شاید کوئی ان کی ٹکسال میں دیر پا ناسخ بننے کی اہلیت رکھنے والا مضبوط خام مال موجود ہو۔

کھل گئی قلعی ترے آئینۂ رخسار کی
خط کا طوطی بولتا ہے اب کہاں وہ آب وتاب

میں نے درج بالا حوالہ جات سے ثابت کر دیا کہ شاہ صاحب کی پیش کردہ قرآن کریم کی دونوں آیتیں" و قوموا اللہ قانتین "نیز"الذین ھم فی صلاتھم خاشعون" اس کے علاوہ حضرت جابر بن سمرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حضور پاک سے مروی قولی احادیث مبارکہ اشارۂ سبابہ کی ناسخ نہیں ہیں، کیونکہ ان آیات واحادیث قولی کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ سبابہ کرنا ثابت ہے، اس لیے شاہ صاحب کا یہ کہنا اصلی بحث اور موضوع سے ہٹا ہوا بے کار قول ہے؛ کہ کہتے ہیں:" اس کے ساتھ ڈاکٹر موصوف یہ بھی لکھیں کہ توریت زبور اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے ساری آیتوں میں اشارہ کا ثبوت دیا ہے پھر بھی اس کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا جب تک آپ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے یہ ثابت نہ کردیں کہ ہماری بیان کردہ احادیث میں سے کوئی بھی حدیث منسوخ نہیں نہ قرآن کریم میں سے منسوخ آیتیں ہیں نہ ناسخ اور نہ ہی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں منسوخ احادیث ہیں اور نہ ہی ناسخ، تو پھر ڈاکٹر موصوف کے کلام پر غور کیا جائے گا"۔ انوالتحقیق ص:۵۱،

اصل بحث اس بارے میں نہیں کہ ان کی پیش کردہ احادیث منسوخ نہیں، اسی طرح

اس میں بھی کوئی بحث نہیں کہ قرآنی آیات نیز احادیث نبوی ناسخ یا منسوخ ہیں یا نہیں؟ مقام بحث یہ ہے کہ ان کی پیش کردہ قرآن کریم کی وہ دونوں آیتیں اور جابر بن سمرہ اور عبداللہ بن مسعود والی دونوں احادیث اشارۂ سبابہ کی ناسخ ہیں یا نہیں؟ اس لیے ہماری مذکورہ بالا تصریحات کے بعد یہ ذمہ بھی شاہ صاحب پر ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ ان آیات کے نزول کے بعد اور ان دونوں قولی احادیث کے بعد حضور پاک کو صحابہ نے اشارہ کرتے نہیں دیکھا، **والاّ فلا**۔

۶۔ میں نے اشارۂ سبابہ کی مختلف کیفیات پر عمل میں وسعت کی بات امام نووی، علامہ عینی، علامہ ابن امیر حاج، ملا علی قاری، بحر العلوم لکھنوی اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی کے حوالے سے کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: "یعنی یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ علیہ السلام کا یہ فعل مبارک مختلف صورتوں سے ہوتا تھا لہٰذا جس صورت سے بھی اشارہ کیا جائے اس کے لیے کافی ہے۔"

مصباح التحقیق ص: ۶۸۔۷۱

اس پر شاہ صاحب نے جو زہر اگلا ہے وہ قابل افسوس ہے، فرماتے ہیں: "جواباً عرض ہے کہ ڈاکٹر موصوف کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز کی کوئی متعین صورت نہیں تھی؟ یا نماز کو ایک کھیل سمجھا جاتا تھا؟ یہ ایک طرف تو توہین رسالت ہے جبکہ دوسری طرف امت مسلمہ کو اختلافات کی راہ پر ڈالنا ہے اور دین اسلام کی توہین بھی ہے۔" انوار التحقیق ص: ۹۲

ؔ کیا کیا غضب سے زہر اگلتے ہو تم و لے — اک حرف منہ سے کہتا نہیں یہ غلام تلخ

میری ان سے یہی گزارش ہے کہ اتنی زہر باتیں اچھی نہیں ہوتیں کیونکہ:

ؔ کیا مزہ ہے جو محبت کی حلاوت نہ رہے — زہر باتیں نہ سنا، ہو کے ترش رو ہم کو

صرف اس ایک مقام پر ہی نہیں حضرت صاحب اپنی اس کتاب کے ہر دوسرے تیسرے صفحہ پر آپ کو زہر کی پڑیا، زہر کی چھری اور زہر کی گانٹھ نظر آئیں گی۔

ؔ عدوئے نیش زن ہر دم ہے میرے در پئے ایذا
یہ موذی زہر کی ہے گانٹھ بچھو اس کو کہتے ہیں

شاہ صاحب کے بیان کے مطابق مذکورہ بالا دونوں آیاتِ مبارکہ اور دونوں احادیث مبارکہ سے اشارۂ سبابہ کے منسوخ ہو جانے کے بعد بھی۔ العیاذ باللہ۔ حضور پاک ﷺ کو سات، آٹھ ہجری تک اشارۂ سبابہ کرتے ہوئے دیکھا جانا ان کے اس خانہ ساز عقیدے کی رُو سے کس

خانے میں بیٹھتا ہے اور اُنکا اس کے بارے میں کیا حکم ناطق ہوگا؟ اپنے اسی خانہ ساز عقیدہ کی وجہ سے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے دو انگلیوں سے اشارے کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کی روایت "ان رجلا کان یدعو باصبعیه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم احد احد " مشکوۃ شریف ص:۸۵ باب التشھد، فصل دوم، مسند احمد بن حنبل ۲/۵۲۰، جامع ترمذی ۲/۱۹۵، سنن نسائی ۱/۱۸۷، حافظ مغلطائی کی شرح سنن ابن ماجہ ۵/۱۵۵۰ کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا وہ اشارہ نماز میں تھا۔

ان روایات میں تو "ان رجلا کان یدعو باصبعیه " ہے، لیکن دو انگلیاں اٹھانے والا وہ شخص کون تھا؟ وہ شخص حضرت سعد بن ابی وقاص تھا، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے باب "فی الدعاء فی الصلاۃ باصبع من رخص فیہ" میں حضرت ابو ہریرہ ہی کے الفاظ ہیں: "ابصر النبی سعدا وھو یدعو باصبعیه کلتیھما. فنھاہ وقال: باصبع واحدۃ بالیمنی " مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۸۴، طبرانی کی روایت میں یوں ہے: "ان النبی رأی سعدا رضی الله عنه یدعو باصبعین فقال احد احد۔" نیز اسی طبرانی کی دوسری سند میں خود حضرت سعد سے ہی یہ واقعہ مروی ہے: "عن ابی صالح عن سعد رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم رآہ یدعو باصبعین فقال احد احد۔" دونوں روایتوں کے لیے دیکھیے کتاب الدعاء ص:۸۸ حدیث ۲۱۵، ۲۱۶ اور سنن نسائی میں خود حضرت سعد بن ابی وقاص کے الفاظ یوں ہیں: "مَرَّ عَلَیَّ النبی وانا ادعو باصابعی، فقال: احد احد، واشار بالسبابة " سنن نسائی ۱/۱۸۷، نیز سنن ابی داؤد ۱/۲۱۰، کچھ محدثین کرام نے اس حدیث کے عنوان میں "فی الدعا" کا لفظ بھی لکھا ہے۔

لیکن شاہ صاحب اول تو اس حدیث کو نماز سے متعلق ماننے کے لیے ہی تیار نہیں، جیسا کہ لکھا ہے: "یعنی ایک شخص دعا تضرع کرتے وقت دو انگلیاں اٹھائے ہوئے تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا تضرع ایک انگلی سے کرو۔ ایک صحابی رسول جو کہ خود عربی ہیں اس سے کس طرح متوقع ہے کہ وہ کلمہ شہادت کے وقت جب اشھد ان لا الہ کہتے تو دو انگلیاں اٹھاتے ہوئے اشارہ کرتے۔ یہ ایک موحد صحابی کے بارے میں آپ کی توہین ہے۔" انوار التحقیق ص:۱۴۸

شاہ صاحب نے اپنے خانہ ساز تصور توحید کو خالص موحدانہ بنانے کے لیے " اشھد ان لا الہ " پر تو دو انگلیاں اٹھانے کو رد کر دیا لیکن ساتھ ہی اس موحد صحابی پر یہ الزام قبول کر لیا کہ

وہ "دعا تضرع" میں دو انگلیاں اٹھائے ہوئے تھا۔ تو کیا اس صحابی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جس ذات سے وہ دعا کر رہا ہے اس واحد ذات کی طرف دو انگلیوں کا اشارہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جبکہ امام ابن ابی شیبہ کے عنوانِ باب سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دعا تضرع بھی نماز ہی کے دوران تھی۔ جس کی مزید تاکیدی تائید میں حضرت خفاف بن ایماء بن رحضۃ غفاری کی حدیث سابق میں بیان ہو چکی ہے کہ "مشرک دورانِ نماز اشارۂ سبابہ کو خود پر جادو سے تعبیر کرتے تھے حالانکہ نبی پاک ﷺ اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا ارادہ فرماتے تھے"۔ اس لیے شاہ صاحب کو چاہیے کہ نماز میں اشارۂ سبابہ سے لا الہ الا اللہ کے مفہوم سمجھ میں آنے کی وجہ سے نماز فاسد ہونے اور اسے دہرانے کے گندے قول سے رجوع کریں اور بارگاہِ ایزدی سے اپنی اس دریدہ دہنی پر صدقِ دل سے معافی مانگیں، اور اشارۂ سبابہ کی مخالفت میں اس حد تک آگے نہ بڑھیں جہاں پر پہنچنے کے بعد ان کی واپسی کے سارے راستے بند ہو چکے ہوں۔

شاہ صاحب کو چونکہ اپنے اس جواب کے بودا اور بے وقعت ہونے کا احساس تھا اس لیے آگے چل کر نفی کے لئے دو انگلیاں اٹھانے سے انکار کر دیا۔ انوار التحقیق ص: ۱۵۰

ے ہم نے دیکھا ہے نہیں ناصح سا کوئی بے وقوف اوندھی پیشانی کا اوندھی کھوپڑی کا آدمی

۷۔ شاہ صاحب اسی سلسلۂ کلام میں بدر الدین عینی کی البنایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: اور سطر ۴ پر ہے: من الیدین لقوله علیه السلام احد احد۔ تو اس ڈاکٹر (جو لکیر کا فقیر ہے) نے بھی "الیدین" لکھا، یہ نہیں سوچا کہ یہ غلطی کاتب کی ہے۔ کاتب نے "یدعو باصبعیه" کی جگہ "الیدین" لکھا، ملاحظہ ہو مشکوۃ ص: ۸۵ اور ترمذی ونسائی اور بیہقی کی دعوات الکبیر اسی طرح بنایہ میں ص: ۳۱۶ سطر ۵ پر ہے یقیم اصبعیه عند قوله لا اله الا اللّٰه تو اس بے چارے کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ اصل عبارت "یقیم باصبعیه" نہیں بلکہ اصبعہ ہے۔ انوار التحقیق ص: ۱۶۲

اس میں شاہ صاحب نے انتہائی بے باکی سے مجھ پر بے بنیاد الزام لگایا ہے۔ وہ اس طرح کہ صاحب بنایہ نے آغاز میں "و یکره ان یشیر بالسبابة من الیدین لقوله علیه السلام اَحِّد اَحِد" لکھ کر یہ بتایا ہے کہ دو انگلیاں دونوں ہاتھوں کی اٹھائی گئی تھیں تو آپ نے اس پر احد احد فرمایا، جس سے دو انگلیوں سے اشارہ کرنا ممنوع ثابت ہوا۔ مشکوۃ، ترمذی، نسائی اور بیہقی، ان سب میں بھی "باصبعیه" تثنیہ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے

"اپنی دوانگلیوں سے"۔اس طرح سعد بن ابی وقاص کے دوانگلیوں سے اشارہ کرنے کی دلیل اسی حدیث میں حضور کا ارشاد احد احد بھی ہے۔اگر وہ اشارہ باصبعیہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کے احد احد فرمانے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت اس میں سب سے زیادہ واضح ہے جسمیں ہے کہ: ابصر النبی سعدا وھو یدعو باصبعیہ کلتیھما فنھاہ وقال: باصبع واحدۃ من الیمنی یعنی نبی پاک نے سعد کواس کے دونوں ہاتھوں کی دونوں انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے دیکھ کر منع فرمایا، اور اس سے فرمایا: دائیں ہاتھ کی ایک انگلی سے اشارہ کرو۔لہٰذا شاہ صاحب کا "الیدین" پر اعتراض کرنا ابن ابی شیبہ کی روایت سے ھباءً منثورا ہوگیا۔

شاہ صاحب نے خود بھی انوارالتحقیق ص:۱۹۷ پر ابو ہریرہ کی اسی روایت کو ذکر کیا ہے اور اس کی عبارت میں لکھا تو"باصبعہ" واحد کے ساتھ ہے۔تاہم"سچ منہہ سے نکل ہی جاتا ہے" کے مصداق لکھا ہے:"کیونکہ دعائے اخلاص ایک انگلی سے کرنا ہوتی ہے نہ کہ دوانگلیوں سے"ان کا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ انھوں نے عربی متن میں"باصبعہ"غلط لکھا ہے۔اور بنایہ میں "یقیم اصبعیہ عند قولہ لا الٰہ الا اللہ" نہیں ہے، بلکہ اس میں"ویکرہ ان یشیر بالسبابۃ من الیدین لقولہ علیہ السلام اَحِّد اَحِّد" کے بعد"یقیم اصبعہ عند قولہ لا الٰہ ویضعھا عند قولہ الا اللہ" ہی لکھا ہے۔نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد والی عبارت میں نفی پر انگلی اٹھانے اور اثبات پر اسے نیچے رکھنے کی علت بھی ذکر کی ہے، جس سے شاہ صاحب کا خود ساختہ عقیدہ:"یہ طریقہ دعا کرنے کا ہے جس کو دعا تضرع اور دعائے اخلاص کہا گیا ہے، مگر اب حالتِ نماز میں منسوخ ہے"انوارالتحقیق،ص:۱۴۷، نیز"تحقیق مذکورہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ رفع سبابہ تشہد میں دعا کے لیے تھا نہ کہ نفی اثبات کے لیے"انوارالتحقیق ص:۱۸۵، دھڑام سے زمین بوس ہوگیا ہے۔

میرا وجدان تو یہ کہتا ہے کہ میری اس صراحت کو شاہ صاحب نے دیکھی ان دیکھی کرتے ہوئے مجھ پر بلا وجہ اعتراض کیا ہے، کیونکہ وہ ایسے بے سروپا اعتراضات کرنے کے عادی ہیں، جس کی گواہی ان کے اسی رسالہ انوارالتحقیق کے کئی مقامات سے ملتی ہے۔بطور خاص ان کا یہ لکھنا کہ:"کاش ڈاکٹر صاحب میرے رسالہ کا بغور مطالعہ کرتے یا میرے مقصد تک اس کی عقل کی رسائی ہوتی تو کیونکر اپنے ۱۵ سال کی طویل مدت مصباح التحقیق میں صرف کرتے۔"انوارالتحقیق

ص: ۳۴۳، شاہ صاحب کے اس صریح اور سفید جھوٹ کے جواب میں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مصباح التحقیق کا مقدمہ دوبارہ کھول کر دیکھ لیں کہ اس حوالہ سے میں نے کیا لکھا ہے؟ میری کتاب مصباح التحقیق کا اگر شاہ صاحب واقعی کھلی آنکھوں سے مطالعہ فرماتے تو یقیناً وہ "مصباح التحقیق کے مقدمہ میں پندرہ سال صرف کرنے" یا "پندرہ سال بعد جواب لکھنے کے لیے مستعد ہوا" میں فرق بھی جانتے۔ لگتا ہے کہ انھوں نے میرے رسالہ کا مطالعہ مدہوشی کے عالم میں کیا ہے، اور باہوش لوگ مدہوش لوگوں کی بے تکی ہانک پر کان دبالیتے ہیں اس لیے ہم نے بھی ان کی اس گزاف سے درگزر کرلیا ہے۔

کمی کی نہ تھی شوق نے قتل میں ادھر ہی سے کچھ درگزر ہوگئی

شاہ صاحب کی اس لشتم پشتم عبارت کا اصل مقصد حضرت سعد بن ابی وقاص کے دونوں ہاتھوں کی دونوں انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنے سے قطعاً انکار ہی کرنا ہے۔

تا حشر منکرین قیامت نہ مانتے تجھ کو بنا کے اس کا نمونہ دکھا دیا

(حصہ ب) ہمارے دیئے گئے حوالہ جات میں امام حلوانی کا قول پڑھتے ہی شاہ صاحب ہتھے سے اکھڑ گئے اور ایسی اوچھی بات لکھ ڈالی جو کسی ذی فہم عالم کے نزدیک درخورِ اعتنا نہیں ہوسکتی، لکھتے ہیں: "اور علامہ حلوانی کے قول۔ وعن الحلوانی یقیم اصبعه عند قوله لا اله ویضع عند قوله الا اللّٰہ لیکون النصب کالنفی والوضع کالاثبات۔ کے لئے قرآن وسنت، اجماع وقیاس میں سے کوئی اصل نہیں بلکہ مخالف قرآن و سنت ہے، کما مر۔ امام حلوانی عقیدتاً حنفی نہیں اس لیے ان کا قول احناف کے لیے حجت نہیں۔" انوار التحقیق ص: ۱۹۳

شاہ صاحب نے اپنے اس دعوائے بے دلیل کو علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کی علامہ ابو محمد عبد العزیز بن محمد نخشبی کی "معجم الشیوخ" سے پیش کردہ عبارت سے ثبوت بہم پہنچانے کے بعد جو اس سے نتیجہ اخذ کیا ہے اس کی بیہودگی اور سڑاند سے پڑھنے والے علماء کا ناک میں دم آجائے گا۔ لکھتے ہیں: "مطلب یہ کہ امام حلوانی عقیدتاً غیر مقلد اہلِ حدیث تھے اس لئے ان کا قول جو احناف کے مخالف ہو احناف کے لئے حجت نہیں"۔ اور اس کے متصلاً ہی شیخ الطائفہ "البانی کی عبارت سے امام حلوانی کے مذکورہ قول کو رد کر کے بڑی بغلیں بجاتے ہوئے لکھا ہے: "علامہ حلوانی کے ہم مسلک شیخ البانی نے ان کے قول کو رد کیا ہے" انوار التحقیق ص: ۱۹۳، اسے کہتے ہیں دور کی کوڑی لانا،

دور کی لاتا ہے کوڑی روز یہ میرا بیا ۔۔۔ پھبتیاں تم پر کہے گی یہ اجی شیطان روز

شاہ صاحب کو یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ علماء احناف پر بھبکنے اور بک بک کرنے سے آخر بھبکنے اور بک بک کرنے والے کو بغلیں جھانکنا پڑتی ہیں۔

وہ بغلیں جھانکیں جو سایہ میانِ راہ ملے ۔۔۔ چرائیں آنکھ اگر عکس سے نگاہ ملے

لیکن ایسے لوگ پھر بھی "ناک کٹی مبارک کان کٹے سلامت" ہی رہتے ہیں۔ ابو محمد عبد العزیز نخشبی کے حوالے سے علامہ عبد الحیٔ لکھنوی کی تحریر کردہ عبارت جو شاہ صاحب نے پیش کی ہے وہ یوں ہے:" ومنهم شمس الائمة ابو محمد الحلوانی شيخ عالم بانواع العلوم معظم للحديث واهله. ولم اشك انه صاحب حديث فى الباطن ان شاء الله تعالىٰ من تعظيمه للحديث غير انه يفتي على مذهب الكوفيين۔" انوار التحقیق ص: ۱۹۳ یعنی نخشبی کے شیوخ میں سے ایک ابو محمد حلوانی بھی ہے جو انواعِ علوم کے عالم، حدیث اور علماء حدیث کی تعظیم کرنے والے تھے، مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حدیث کی تعظیم کی وجہ سے باطن میں حدیث کا ساتھی (اس کے ساتھ زندگی گزارنے والا اسے ترجیح دینے والا) تھا انشاء اللہ تعالیٰ، سوائے اس کے کہ وہ کوفے والوں کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ اس حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو لکھنوی صاحب کی الفوائد البہیہ ص: ۱۶۳

یہ ہے وہ نخشبی کی عبارت جس سے استدلال کرتے ہوئے شاہ صاحب نے حلوانی کو "عقیدتاً غیر مقلد اہلِ حدیث" بنا ڈالا ہے۔ لیکن وہ "غير انه يفتي على مذهب الكوفيين" سے صرفِ نظر کر گئے ہیں۔ شاہ صاحب اگر ان کے صرف اہلِ حدیث ہونے کا نتیجہ اخذ کرتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی، مگر عقیدتاً "غیر مقلد" اور اس کے ساتھ "اہلِ حدیث" کے لاحقہ لگانے کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ امام حلوانی کو موجودہ دور کے غیر مقلدین اہلِ حدیث ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے بعد والی عبارت: "علامہ حلوانی کے ہم مسلک شیخ البانی نے ان کے قول کو رد کیا ہے" اور پھر ص: ۱۹۴ پر اُن کے یہ الفاظ: "اس میں ایک اہل حدیث غیر مقلد نے دوسرے کا قول "هباءًا منثورا" کر دیا" اس پر گواہ ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ موجودہ غیر مقلدین اہلِ حدیث کسی بھی مسئلہ میں کسی بھی فقہی امام کی تقلید کے قائل وفاعل نہیں۔ وہ تو "قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھے کب کا ترک اسلام کیا" کے بقول ائمہ فقہاء کی تقلید کا اپنی گردن سے پٹا نکال کر کبھی کے تقلید ائمہ اور ان کے اقوال و مذہب کے موافق

فتویٰ دینے سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر شاہ صاحب کو یقین نہ آئے تو فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۳۷۹۔ ۶۴۶ میں باب الامامۃ کے اندر مسئلہ نمبر ۵۶۴، ۵۷۹، ۶۲۵، ۶۲۹، ۷۹۲، ۸۱۶، ۸۲۴، ۸۲۵ اور بالخصوص اس جلد میں ص: ۶۴۷۔۷۲۱ پر رسالہ "النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید" یا پھر فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ میں رسالہ "الکوکبۃ الشھابیہ" اور رسالہ "سل السیوف الھندیہ" اور خاص طور پر صحیح بخاری جلد ۲ ص: ۷۵۶ پر "باب من رایا بقراءۃ القرآن أوتأكّل به أو فجر به" میں حضرت علیؓ سے مروی حدیث دیکھ لیتے تو کبھی ایسی خطا نہ کھاتے نہ ہی امام حلوانی پر بہتان باندھنے کی قبیح حرکت کرنے کی ہمت کرتے۔ مگر "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کے مصداق وہ کہیں سے بھی اور کسی سے بھی استدلال کرنے سے نہیں چوکتے، جیسا کہ انھوں نے اپنے پہلے رسالہ اور انوار التحقیق میں ایسا کر کے ثابت کو دیا ہے۔

یہاں عام پڑھنے والوں کی معلومات کی خاطر گزارش ہے کہ آج کے غیر مقلدین اہلِ حدیث کی تاریخ کوئی پرانی نہیں ہے۔ یہی کوئی ایک سو انتیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حجاز مقدس میں مسٹر "ہمفرے" کے شاگردان رشید جب برسر اقتدار آئے تو انھوں نے سب سے پہلے مقابر اصحاب واہلِ بیت اور ائمۂ اجلہ واولیاء کرام پر ہاتھ صاف کیا، ہندوستانی غیر مقلدین نے ان کی دادو تحسین فرمائی، جس کی وجہ سے ہندوستانی غیر مقلدین بھی سوادِ اعظم اہلِ سنت کی نگاہوں سے گر گئے اور ان کی تائید وحمایت کی وجہ سے وہ غیر مقلدین بھی "وہابی" کے نام سے پہچانے جانے لگے۔ مسلمانوں کا یہ غیض وغضب دیکھ کر انھوں نے اپنی ولی نعمت سرکار کی دربار میں عرض گزاری کہ ہمیں وہابی لفظ سے چھٹکارا دلا کر "اہلِ حدیث" کا پرکشش نام دیا جائے۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی لکھتے ہیں: "مگر ان دونوں فرقوں کے نظریات میں بڑی مماثلت موجود ہے، اسی مماثلت کے باعث ہندوستانی مسلمانوں کے بہت سے طبقوں نے بھی غیر مقلدوں کو وہابی کہنا شروع کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہابیوں اور غیر مقلدوں کے دو دبستانوں نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ بڑی حد تک یکساں ہیں"۔ برعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ ص: ۲۶۶
معروف قلمکار محمد ایوب قادری مرتب "تواریخ عجیب" اس کے ص: ۸۷ پر حاشیہ ۸۶ میں لکھتے ہیں: "سن ۱۸۸۸ء میں غیر مقلدین کی درخواست پر انھیں وہابی کہنے پر پابندی عائد کی اور اہلِ

حدیث کا نام استعمال کرنے کا حکم دیا گیا"۔

ہندوستانی وہابیوں کا مشہور اخبار "زمیندار" لاہور ۲۵ رمضان ۱۳۳۸ھ کے پرچہ میں "واقعہ ہائلہ" کے زیر عنوان ترکوں کے مشہور علمبردار امیر ابن رشید کے نجدی وہابیوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے خونی کارنامہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "حکومت ہند کے وہ برطانوی مدبر جن کی آنکھوں میں لفظ وہابی سنتے ہی خون اُتر آتا ہے اِسے بغور پڑھیں، تو تب اس خاکدانِ ہند میں تفرّنج کا دشمن سمجھا جاتا رہا ہے اور وہابی سے انگریزوں کو ایسی چڑ ہے کہ خود بیچارے وہابیوں نے اپنی خیر اسی میں دیکھی کہ جب انگریزوں سے ملیں تو اپنے آپ کو اہل حدیث ظاہر کریں، انگریزوں نے بھی اُن کی اشک شوئی اس حکم کے اجراسے کردی کہ کسی بھلے آدمی کو وہابی کہہ کر اس کی دل آزاری نہ کی جائے، اس لئے کہ یہ لفظ تمرّد اور بغاوت کا مُرادف ہے۔ مقام شکر ہے کہ جناب شیخ نجد (امیر ابن سعود) نے جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دے کر اُن تمام پرانے کینوں کو، جو وہابیوں کی طرف سے انگریزوں کے سینوں میں تڑپ رہے تھے، مٹا دیا اور انگریزوں پر ثابت کر دیا وہابی ہِلال کا جہاد ہی نہیں کرتے بلکہ صَلیب کا جہاد بھی کر سکتے ہیں اور اس لئے ان سے بدگمان ہونا درست نہیں"۔

اخبار "زمیندار" کی یہ گواہی کہ "خود بے چارے وہابیوں نے اپنی خیر اسی میں دیکھیں کہ جب انگریزوں سے ملیں تو اپنے آپ کو اہلِ حدیث حضرات ظاہر کریں" قابلِ توجہ! اس کا یہی مطلب ہے کہ آج کل کہلائے جانے والے اہلِ حدیث حضرات در حقیقت وہابی ہی تھے لیکن انہوں نے "وہابیت" کی رسوائی سئ بچنے کے لئے سیاستاً خود کو "اہلِ حدیث" ظاہر کیا۔

اس کے باوجود بھی امام حلوانی کو "غیر مقلد اہلِ حدیث" قرار دینا ان پر کم اور خود اپنے آپ پر زیادہ ظلم کرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ شاہ صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ وہ جس "ہدایہ" کے مصنف حضرت امام علی بن ابی بکر المرغینانی ۵۱۱ھ۔ ۵۹۳ھ کے سابق میں گن بیان کر آئے ہیں وہ اسی امام حلوانی کے فیض یافتہ شاگردوں کے شاگردوں سے پڑھے ہوئے ہیں۔

امام حلوانی متوفی ۴۴۸ھ کے شاگرد محمد بن احمد بن ابی سھل ابوبکر امام سرخسی متوفی ۴۹۰ھ، ان کے شاگرد مفتی الثقلین نجم الدین ابوحفص عمر النسفی متوفی ۵۳۷ھ، نیز صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز بن مازہ بخاری متوفی ۵۳۶ھ، اور اسکا بھائی صدر السعید تاج الدین احمد بن عبد العزیز بن مازہ بخاری ہیں۔ صاحب ہدایہ نے دیگر اعاظم فقہاء کے علاہ ان تینوں

اصحاب سے علم حاصل کیا ہے۔اور صاحبِ ہدایہ کو خاص طور پر امام محمد کی کتاب "السیر الکبیر" امام سرخسی اور شمس الائمہ ابوبکر زریری کے توسط سے امام حلوانی ہی سے روایت کرنے کی اجازت نصیب ہوئی۔ جیسا کہ علامہ عبدالقادر قرشی متوفی ۷۷۵ھ نے احمد بن عبدالعزیز بن عمر کے احوال میں لکھا ہے: "قال الامام برهان الدین ابوالحسن علی صاحب الهدایة اجازنی روایة مسموعاته و مستجازاته مشافهة ببخاریٰ و شرّفنی بخط یده فی جملة ما حصل لصاحب الهدایة من کتاب السیر الکبیر من طریقة شمس الائمة السرخسی، قال: تلقینا زمن قلوفیة ببخاریٰ عن الشیخ القاضی شمس الائمة ابی بکر الزریری حدثنا شمس الائمة محمد بن عبد العزیز الحلوانی. انبأنا القاضی الاستاذ ابو علی الحسین بن ابی محمد الخضر النسفی. قال: أنا الخطیب ابو ابراهیم اسحاق بن محمد بن حمد ان المهلبی الحنفی قال: أنا ابو محمّد عبد الله بن محمد بن یعقوب الخازن الاستاذ. قال: أنا ابو محمّد عبد الرحیم السمعانی، قال: أنا اسمٰعیل بن توبة القزوینی عن ابی عبد الله محمد بن الحسن الشیبانی"۔ الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة ص: ۵۲۔ ۵۳

اس کے باوجود بھی امام حلوانی کو "غیر مقلد اہلِ حدیث" کہنے والا جانے اور صاحب ہدایہ جانے، بلکہ صاف الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ لوہار جانے انگار جانے۔

۲۔ شاہ صاحب کی اس نیش زنی نے اور بھی بہت سارے فقہاء کو زخم دیئے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ جس فقیہ کی بھی عبارت اپنے ٹکسالی عقیدے اور عمل کے خلاف پائی اسے ڈنک مارنا بھولے نہیں۔ مثال کے طور پر واقدی کو ہر میدانِ علم میں ثقہ وقابلِ اعتماد واستشہاد ثابت کرنے کے لئے امام ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر کا سہارا لیتے ہوئے لکھا ہے: "یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ہمام نے متعدد مقامات پر امام واقدی کے قول کو قبول کیا ہے، مثلاً فتح القدیر ج ۲ ص: ۸۱، ۹۵، ۲۷۳۔ هلم جراً" انوار التحقیق ص: ۹۶ نیز ایک اور مقام پر اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلوٰۃ" کی حرمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم چند کتابیں بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ص: ۳۴۔ برجندی ج ا ص: ۵۸۔ زیلعی ج ا ص: ۱۲۱۔ فتح القدیر ج ا ص: ۱۲۹" انوار التحقیق ص: ۱۳۱، ۳۸۰

اسی انوار التحقیق میں ایک مقام پر لکھا ہوا ہے: "حضرت سیدنا علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اور علامہ قاضی شہیر ملا خسرو حنفی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں: عن قول کثیر من المشایخ انه لا یشیر اصلا۔ ترجمہ: کثیر مشائخ سے روایت ہے کہ اشارہ بالکل نہ کرے۔ فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ ج ۱ ص: ۳۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت، درر الحکام شرح غرر الاحکام، باب صفۃ الصلاۃ، ج ۱ ص: ۷۵۔" انوار التحقیق ص: ۳۰۴

امام ابن ہمام کے ساتھ شاہ صاحب اس اظہارِ عقیدت واحترام اور ان سے استدلال کے باوجود جب ابن ہمام کی طرف سے اشارۂ سبابہ سے منع کرنے والے مشائخ کی، فتح القدیر "باب صفۃ الصلاۃ" میں تردید "وهو خلاف الدراية والرواية" کا موقع آیا تو شاہ صاحب کا لہجہ تلخ ہوگیا، تیور بدل گئے اور ترش روئی سے امام ابن ہمام کی بات انہی پر پلٹ دی۔

امام ربانی نے تو صرف علامہ ابن ہمام رحمھما اللہ پر اظہار تعجب فرمایا تھا، لیکن "شاہ سے بڑھ کر شاہ کے مصاحب" کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ابن ہمام کے کہے ہوئے الفاظ ان ہی پر اُلٹا دیئے ہیں، لکھتے ہیں: "یہ سب دلائل اس اشارہ کے نہ کرنے پر دلالت کرنے کا ثبوت ہیں جو ذی عقل وفہم عالم پر مخفی نہیں۔ اس لئے کہ اشارہ نہ کرنے کا ثبوت روایت اور درایت سے ہوا تو صاحب فتح القدیر اور دیگر شراح ہدایہ وغیرہ کی اس عبارت "بہت سے مشائخ فرماتے ہیں کہ اصلا اشارہ نہ کرے" کو خلاف روایت ودرایت کہنا، یہ درحقیقت خود خلاف روایت ودرایت ہے، اور عقل کے خلاف ہے۔ انوار التحقیق ص: ۱۴۸۔ اس سے بھی ایک قدم آگے ہو کر لکھا ہے: "اور حضرت امام ابن ہمام کی مخالفت ان کی اجتہادی غلطی ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ نے اس کی عقلی ونقلی دلیل بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ میرے رسالے۔ (مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ) میں گزرا کہ ابن الھمام کی بات درایت وروایت کے مخالف ہے، جسے صاحبِ ہدایہ نے بھی ذکر کیا ہے اور میں نے بھی تفصیلا ہدیہ ناظرین کیا ہے۔" انوار التحقیق ص: ۱۶۹ نیز انوار التحقیق کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں: "اس لئے امام ابن ہمام کا اس کے خلاف لکھنا ایک مقلد مسلمان کے لئے فائدہ مند نہیں ہے"۔

؎ شیریں زبانیوں میں سنیں تلخ گوئیاں وہ زہر گھول دیتے ہیں باتوں میں قند سے۔

تعجب ہے کہ اس کے باوجود شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: "پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطا کی نسبت کی تو اس نے شارع علیہ السلام کی طرف خطا کی نسبت کی کیونکہ شارع علیہ السلام نے

اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔"مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ،ملحق بانوار التحقیق،ص: ۳۶۴

۳۔ میں نے مصباح التحقیق ص: ۲۷۸ پر امام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ کی الملتقط فی الفتاویٰ الحنفیۃ سے حوالہ پیش کیا تھا،جس میں انھوں نے محمد بن سلام ابونصر بلخی متوفی ۳۰۵ھ کا قول لکھا ہے: عن ابی نصر بن سلام قال: لیس فی الاشارۃ فی الصلاۃ اختلاف ان یفعلها. فسرها ابو یوسف رحمه الله قال: یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابهام، ویشیر بالسبابة. وکذا عن محمد بن سلمة۔ یعنی ابونصر بن سلام نے کہا ہے کہ دورانِ نماز اشارہ کرنے میں اختلاف نہیں ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ خنصر اور بنصر کا عقد بنا کر، درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سبابہ کے ساتھ اشارہ کرے، اور امام محمد بن سلمہ رحمہ اللہ۔ ابوعبداللہ بلخی ۱۹۲ھ۔۲۷۸ھ، شاگردِ رشید شداد بن حکیم اور ابی سلیمان جوزجانی۔ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ الملتقط ص: ۵۳، اس کے علاوہ اسی ملتقط میں یہ بھی ہے: "الاشارۃ عند قوله: اشهد ان لا اله الا الله حَسَن کذا قال ابو بکر بن ابی ابی سعید "الملتقط ص: ۳۰

(نوٹ: ملتقط میں قلم ناسخ کی سہو سے "ابوبکر بن ابی سعید" ہوا ہے، صحیح لفظ "ابوبکر بن سعید" ہے۔ جیسا کہ عینی کی البنایہ فی شرح الہدایہ ۲/ ۳۱۵ پر نیز فتاوی صوفیہ باب نمبر ۲۷ کی تیسری فصل "فی الاشارۃ بالسبابۃ فی التشهد "میں صراحتاً لکھا ہوا ہے۔ نیز فتاوی قاضی خان "فصل فی الماء الراکد "میں بھی یہ نام "ابوبکر بن سعید" آیا ہے۔ اور عبدالقادر قریشی نے الجواہر المضیہ ص: ۴۳۳ پر قاضی خان کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے۔ ابوبکر بن سعید کا وصال ۳۲۸ھ ہے۔ مذکورہ بالا حوالہ جات کے لیے مصباح التحقیق ص: ۲۷۰، ۲۸۳۔۲۸۴ دیکھیں)

شاہ صاحب نے ملتقط کے اس حوالہ کے متعلق بھی لکھا ہے: "یہ دعویٰ بھی خلاف الاصل وخلاف حقیقت ہے، جیسے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے، اس لئے صاحب برجندی علامہ عبد العلی البرجندی مذکورہ اقوال کو باطل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والمضمرات والخلاصة. والمختار انه لایشیر۔ اھ۔ برجندی ج ۱ ص: ۱۰۹"انوار التحقیق ص: ۱۵۳

شاہ صاحب نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کی بلکہ ابونصر بلخی کے اس قول کو باطل قرار دینے والوں میں برجندی کے ساتھ علامہ ابراہیم حلبی حنفی صاحب کبیری وصغیری کو بھی گھسیٹ لیا

ہے۔اور پھر آخر میں لکھتے ہیں: "تحقیق مذکور تفصیل سے گزری یہ دعویٰ ہی خلاف الدرایۃ والروایۃ ہے۔اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔" انوار التحقیق ص: ۱۵۳

علامہ عبد العلی برجندی اور علامہ ابراہیم حلبی دونوں کی عبارات مصباح التحقیق ص: ۲۱۱، ۲۸۰۔۲۸۱ پر موجود ہیں، انھیں وہاں دیکھ لیں تو آپ کو مصباح التحقیق کے مقدمہ میں میری لکھی ہوئی بات پر عین الیقین کے بعد حق الیقین ہو جائے گا کہ "جناب شاہ صاحب نے مخالفین اشارۂ سبابہ کے روایتی انداز میں اسے ناجائز، مکروہ اور حرام قرار دیتے ہوئے محض دعاوی پر اقتصار کیا ہے، کسی دعوے کی تصدیق کے لئے حدیث وفقہ کا کوئی حوالہ درج نہیں کیا۔"

علامہ برجندی اور حلبی کی روح پر فتوح شاہ صاحب کی اس تحریر کے بعد استاد جلیل کے اس شعر کی تصویر بن گئی ہوگی۔

؎ دل کو سمجھاؤ یہ کیا سوجھی ہے دیوانے کو
مجھ کو بھی ساتھ گھسیٹا طرف کوچۂ زلف

اگرچہ شاہ صاحب نے علامہ برجندی اور علامہ حلبی کی عبارات میں جرم کی حد تک غفلت برتی ہے لیکن چونکہ اس ضمیمہ میں ان کے پیدا کردہ نت نئے نکات کا جواب دینا مقصود نہیں، محض انھیں آئینہ دکھانا مقصود ہے، اس لیے ان عبارات میں کتر وبیونت اور پیوند کاری پر بات میں کسی اور موقع کے واسطے اٹھا رکھتا ہوں۔ اگر کسی اہل علم کو شاہ صاحب کی "کبیری" سے پیش کردہ عبارت کی اصلیت دیکھنی تو وہ کبیری مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، طبع ثالث کا ص: ۳۲۸ دیکھ لے، اسی طرح علامہ برجندی کی شرح نقایہ مختصر الوقایہ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ کوئٹہ، جلد اول ص: ۱۰۹ ادیکھ لے۔

اس کے باوجود بھی جناب کا دعویٰ یہ ہے کہ: "افسوس ڈاکٹر موصوف کی متعصبانہ تحقیق پر صد افسوس! حضرت مبارک صاحب کے تو مریدین اور خلفاء میں وہ علماء ہیں جن کی گرد راہ تک بھی ڈاکٹر موصوف کی رسائی ممکن نہیں۔" انوار التحقیق ص: ۴، اس کے علاوہ یہ بھی لکھ مارا ہے کہ: "اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے۔" نیز: "تو میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بہت بسط اور تفصیل کی ضرورت ہے لیکن میں اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔" مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ، ملحق با نوار التحقیق ص: ۳۶۷، ۳۷۸

؎ لوگوں کے دل میں آپ کی کچھ آبرو رہے
اتنا ہی سر اٹھائیے کہ جس سے یہ تو ہو

ایسی ہوتی ہے حضرت مبارک کے خلیفہ کی تحقیق! جو تحقیق سے بڑھ کر تدقیق کا ماہر ہے۔

؎ تم چلے بھی ہو کسی راہ میں دو گام کہیں؟
رہنمائی کا تمہیں شوق مبارک لیکن

۴۔ شاہ صاحب کا جوش جنون ابھی ختم نہیں ہوا، میرے حوالے میں علامہ زاہدی اور محیط برہانی کا نام دیکھ کر بگڑ کر فرمانے لگے ہیں: "اب دونوں کے بارے میں سنو! علامہ عبدالحیٔ لکھنوی مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص: ۱۱ پر لکھتے ہیں محیط البرهانی لم یجز الافتاء منه ولا النقل منه کما صرح به فی فتح القدیر فی کتاب القضاء۔ انتهی۔" مزید لکھتے ہیں: "مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص: ۱۱ پر ہی ہے: الذی یجب علی المقلد اتباع مذهب امامه۔ یعنی مقلد پر اپنے امام کے مذہب کا اتباع کرنا لازم ہے۔ اور محمود زاہدی کی کتاب قنیہ مشہور بضعف الروایۃ ہے۔ شامی ج ۱ ص: ۵۹، اسی طرح شامی میں یہ بھی ہے: فلا یجوز الافتاء لنقل الاقوال الضعیفة فیها کالقنیة للزاهدی فلا یجوز الافتاء عن هذا۔ مقدمہ شامی ص: ۵۲، اور فوائد بھیہ ثم متانہ ص: ۱۰۵ میں ہے: صرح ابن وهبان وغیره ان الزاهدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع وتصانیفه غیر معتبرة۔" انوار التحقیق ص: ۱۶۰

ان دونوں کتابوں کے حوالے سے شاہ صاحب نے حقیقت سے آنکھیں چُراتے ہوئے اپنے مفاد کی بات کی ہے، جس جملہ سے ان کے اس دعویٰ کا ثبوت کمزور پڑتا دکھائی دیا وہ جملہ ہی ہضم کر گئے، اس لیے کہ اس طرح کی عبارات سے ناپسندیدہ اور اپنے مسلک کے خلاف الفاظ ہضم کرنے میں ان کا ہاضمہ بڑا تیز واقع ہوا ہے۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی ہی نے نہیں بلکہ تمام علماء نے ضعیف اقوال و روایات کی حامل کتب، یا انتہائی مختصر کتب، چاہے وہ معتمد ہی کیوں نہ ہوں جب تک ان کے حواشی و شروحات سے مدد نہ لی جائے تب تک ان سے فتویٰ دینے سے منع کیا ہے۔ اس پہلی قسم کی کتب میں شمار سمجھی جانے والی کتاب "محیط برہانی" کے بارے میں علامہ لکھنوی کی یہ تصریح شاہ صاحب کی نظر سے شاید نہیں گزری، جس میں وہ لکھتے ہیں: "فقد وفقنی الله بعد کتابة هذه الرسالة بمطالعة "المحیط البرهانی" فرأیته لیس جامعا للرطب والیابس، بل فیه مسائل منقحة وتفاریع مرصعة. ثم تأملت فی عبارة "فتح القدیر" وعبارة ابن نجیم. فعلمت ان المنع من الافتاء منه لیس لکونه جامعا للغث والسمین، بل لکونه مفقوداً نادر الوجود فی ذالک العصر. وهذا أمر یختلف بحسب اختلاف الزمان فلیحفظ هذا۔" یعنی اس شرح جامع

الصغیر لکھ لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق "محیط برہانی" کے مطالعہ کرنے میں میرے شامل حال ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ وہ رطب ویابس کی جامع نہیں ہے، بلکہ اس میں صاف مسائل اور اصول سے متفرع ہونے والی مُرَصَّع جزئیات ہیں۔ پھر میں نے فتح القدیر اور ابن نجیم کی عبارت میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان حضرات کی محیط برہانی سے فتویٰ دینے کی منع اس لئے نہیں تھی کہ وہ کوئی واقع میں بیکار اور مضبوط (مطلب ہر قسم کی) روایات کی جامع کتاب ہے، بلکہ ان کی منع اس لئے تھی کہ اس دور میں وہ کتاب نادر الوجود اور مفقود تھی، اور کسی بھی کتاب کا معاملہ زمانے کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس قاعدہ کو یاد رکھنا چاہئے۔ النافع الکبیر، الفصل الاول فی ذکر طبقات الفقہاء والکتب، ص:۲۸

شاہ صاحب سے میری درخواست ہے کہ وہ علامہ عبدالحئی لکھنوی کی اسی النافع الکبیر کی پہلی فصل پڑھ کر دیکھ لیں، انھوں نے ملا لطف اللہ نسفی کی خلاصۂ کیدانی کے متعلق ملا علی قاری کی اشارۂ سبابہ کے متعلق طویل عبارت نقل کرنے کے بعد، اشارۂ سبابہ کی مخالفت کرنے والی کتب فتاویٰ کے متعلق جو اپنا فیصلہ دیا ہے وہ یوں ہے: "فظهر منه ان قول النهى المذكور فى الفتاوىٰ انما هو من مخرجات المشايخ. لا من مذهب صاحب المذهب، وقس عليه أمثاله. وهى كثيرة لاتخفى على المحقق۔" النافع الکبیر ص:۲۱ یعنی اس سے ظاہر ہوا کہ کتب فتاویٰ میں اشارۂ سبابہ سے منع، مشائخ کی تخریجات میں سے ہے، صاحبِ مذہب کا مذہب نہیں ہے، اسی پر اور بھی کئی مثالیں قیاس کر لو جو کہ بہت ساری ہیں اور محقق حضرات سے مخفی نہیں۔

اسی علامہ لکھنوی نے، کتب مختصرہ سے فتویٰ نہ دینے کی بات کرتے ہوئے، علامہ ابن عابدین شامی کی رد المحتار (فتاویٰ شامی) کے حوالے سے علامہ ھبۃ اللہ بعلی شارح اشباہ کی عبارت نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد علامہ صالح جینینی سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ جن مختصر کتب فقہ سے فتویٰ دینا ناجائز ہے ان میں "نہر" عینی کی شرح کنز اور در مختار شامل ہے۔ النافع الکبیر ص:۲۶ یہی بات علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی کتاب عقود رسم المفتی میں بھی لکھی ہے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے "محیط برہانی" کے بارے میں اڑایا جانے والا غبار یقیناً صاحب فہم لوگوں کے نزدیک چھٹ گیا ہوگا۔ باقی رہ گئی زاہدی کے حوالے سے مقدمۂ شامی اور المتانۃ فی

مرمۃ الخزانہ کی عبارت۔ تو یہی علامہ لکھنوی ابن عابدین شامی کی "تنقیح الفتاوی الحامدیہ" کی "کتاب الاجارۃ" سے نقل کرتے ہیں: الحاوی للزاھدی مشھور بنقل الروایات الضعیفۃ. ولذا قال ابن وھبان وغیرہ: انہ لا عبرۃ بما یقولہ الزاھدی مخالفا لغیرہ انتھی۔ وقال ایضا فی موضع آخر منہ: قد ذکر ابن وھبان وغیرہ بانہ لاعبرۃ لما یقولہ الزاھدی اذا خالف غیرہ انتھی۔ یعنی زاہدی کی "الحاوی" ضعیف روایات نقل کرنے میں مشہور ہے، اس لئے ابن وہبان وغیرہ نے کہا ہے کہ زاہدی کا کوئی قول دیگر فقہاء کے قول کے مخالف ہوتو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ نیز تنقیح الفتاوی الحامدیہ ہی میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ابن وہبان وغیرہ نے کہا ہے کہ زاہدی کا کوئی بھی قول اس وقت غیر معتبر ہوگا جب دوسروں کے قول کے مخالف ہوگا۔ النافع الکبیر ص:۲۸

شاہ صاحب نے جس عبارت کو "متانہ" کی عبارت لکھا ہے، وہ متانہ کی نہیں بلکہ متانہ پر علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی کے متانہ پر لکھے گئے مقدمہ کی ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے اس کا بھی صرف اپنے مقصد کے لئے مفید حصہ ہی نقل کیا ہے، اس کے بعد والے الفاظ چھوڑ دیئے ہیں یا انھیں نظر ہی نہیں آئے۔ "وتصانیفہ غیر معتبرۃ" کے بعد علامہ قاسمی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں: مالم یوجد مطابقتھا لغیرھا لکونھا جامعۃ للرطب والیابس۔ یعنی (زاہدی کی تصانیف غیر معتبر ہیں) جب تک ان کی دوسروں کی تصانیف کے ساتھ مطابقت ثابت نہ ہو، کیونکہ اس کی تصانیف رطب ویابس کی جامع ہیں۔

تصریحات بالا سے ثابت ہوا کہ کسی بھی مصنف کی تصنیف اگر دیگر مصنفین فقہاء کے اقوال وروایات کے موافق ہوتو پھر اس جامع رطب ویابس کتاب سے حوالہ دینا جائز ہے۔ اور ہمارے اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہے کہ اشارۂ سبابہ فی تشہد الصلاۃ کے جواز واستحباب کا مدار ان جامع رطب ویابس کتب کی عبارات پر قطعاً نہیں ہے، جیسا کہ آپ اس سے قبل مصباح التحقیق میں پڑھ چکے ہیں۔

شاہ صاحب نے مقدمۂ عمدۃ الرعایہ سے صاحبِ محیط برہانی اور زاہدی کے متعلق علامہ لکھنوی کی عبارات تو انتہائی باریک بینی سے تلاشی کر کے لکھ دیں، مگر افسوس ہے کہ اس کے ص:۱۱ سے آگے انھیں کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ عمدۃ الرعایہ کے مقدمہ ص: ۱۲ سطر نمبر ۴ تا آخر صفحہ پر

لکھا ہوا ہے، اسے وہاں پڑھ کر قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ شاہ صاحب بقولِ خود کس قدر تصحیح نقل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔

شاہ صاحب کی اس طرح کی بے باکانہ عبارات میں سے مزید چار عبارات پیش ہیں،

لکھتے ہیں:

۵۔ "باب دوم: اس باب میں ہم پہلے ان احادیث میں کچھ ذکر کریں گے جن سے استدلال کرتے وقت پتہ نہیں کسی مجتہد سے غلطی ہوئی ہے جس کی وجہ سے آئندہ آنے والوں نے بلا تحقیق اُن کے قدم پر قدم رکھا اور اُس سے مروجہ اشارۂ قعدہ ثابت کیا"۔ انوار التحقیق ص۹۲

۶۔ "یہ بھی ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، یا امام محمد بن حسن الشیبانی رحمھم اللہ کے کسی قول یا تحریر سے اشارہ ثابت کرنے والے بھی لاعلمی کا شکار ہیں، اللہ ہمیں امان عطا فرمائے۔" انوار التحقیق ص:۱۱۷

۷۔ مزید لکھا ہے: "پھر جن علمائے کرام نے اشارہ نہ کرنے کا فتوی دیا ہے درحقیقت وہ قرآن وسنت ومذہب کے صحیح ماننے والے اور صواب پر ہیں، اور جو علمائے کرام اشارہ کے قائل ہیں مذکورہ تفصیلی بیان سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے اجتہاد میں خطا پر ہیں"۔ انوار التحقیق ص:۱۱۷

۸۔ "جیسا کہ ڈاکٹر موصوف نے شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک عالم سے غلطی ہوجائے پھر بعد میں آنے والے بغیر تحقیق اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی بات علامہ عبدالحئ لکھنوی نے بھی لکھی ہے کہ ایک عالم مجتہد سے غلطی ہوجائے تو بیں یکے بعد دیگرے وہی بات دہراتے ہیں۔ کوئی تحقیق نہیں کرتے، اور یہی معاملہ مسئلہ اشارہ مروجہ کا بھی ہے کہ کوئی واضح ناسخ کی دلالت کے ہوتے ہوئے قرآن وسنت کو نظر انداز کرکے اشارہ کے جواز پر مصر ہے۔" انوار التحقیق ص:۱۶۷

قارئین کرام بخوبی اندازہ کرلیں گے کہ شاہ جی کے یہ کیسے کیسے چھینٹے ہیں جو نہ جانے کس کس پر پڑے ہوں گے؟ ان کا یہ انداز ایسا ہے کہ:

ہائے انداز تیرے بسمل کا
روديا جس نے لُوٹتے دیکھا

اعتـ ار: میں نے مصباح التحقیق کے مقدمہ میں اس کے لکھنے کی وجہ بتادی تھی کہ میرا مقصود اس سے اق حق ہے۔ نیز اس ضمیمے کا بھی، مقصد اثبات واحیاء سنت اور اشارۂ سبابہ کے خلاف پیدا

کیے جانے والے بے سروپا اوہام کا ازالہ کرنا ہے، نہ کہ کسی سے مناظرہ کرنا۔ کیونکہ یکطرفہ عبارات وحوالہ جات اور ان کی من مانی تشریح وتاویل اور بغیر دلیلِ عباراتِ فقہاء متقدمین ومتاخرین کی وجہ سے بعض جائز ومباح اور سنتِ غیر مؤکدہ امور بھی پردۂ کراہیت وحرمت میں بالکل مستور ومتروک ہوجاتے ہیں۔ اس ضمیمہ سے میرا مقصد خدانخواستہ کسی کی گستاخی کرنا، کسی سے مناظرہ کرنا یا کسی کی دل آزاری کرنا نہیں ہے۔ باقی کسی شخص کے دل میں پیدا ہوجانے والی بدگمانی، یا کسی کے الفاظ کا من پسند مفہوم اخذ کرنا یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ میں یا آپ اسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتے۔ شاہ صاحب کے لب ولہجہ کا میں کوئی مداوا نہیں چاہتا بلکہ اسے داورِ محشر کی بارگاہ پر رکھتا ہوں، کیونکہ اس دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ اس داورِ محشر کو روزِ حشر کس کی کیا ادا اور عمل پسند آجائے۔

؎ مداوا ترے کشتگانِ ستم کا خدا جانے عقبیٰ میں کیا ہو رہا ہے

اسی وجہ سے میں نے جناب شاہ صاحب کی پیش کردہ عبارات اور دیئے گئے جوابات سے تعرض نہیں کیا، کیونکہ ان کی پیش کردہ عبارات ان کے حسبِ سابق من پسند ٹوٹوں ٹکڑوں پر ہی مشتمل ہیں۔ اور دیئے گئے جوابات جواب کم "صلواتیں سنانا" زیادہ ہیں۔

؎ پڑھتا تھا میں تو سُبحہ لیے ہاتھ میں درود صلواتیں مجھ کو آ کے وہ ناحق سنا گیا

شاہ صاحب نے ان صلواتوں پر مشتمل جواب نامہ لکھنے کی وجہ یوں بیان فرمائی ہے: "فقیر نے اپنے مرشد گرامی کی غیرت کی وجہ سے اور مسئلہ کی صحیح تفہیم کے لئے ڈاکٹر موصوف کے رسالہ کا جواب لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصب وجہالت سے محفوظ فرماتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ النبی الحبیب الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم" انوار التحقیق ص:۵

بظاہر انھوں نے اس "صلوات نامہ" لکھنے کی وجہ تو یہی لکھی ہے، تاہم ایک اور وجہ بھی ہے، جس کا اظہار ان کے ان الفاظ سے ہو رہا ہے: "اگرچہ درحقیقت میں نے اپنا رسالہ تشہد میں اشارہ کے مسئلے پر جو لکھا تھا وہ ڈاکٹر موصوف کے خلاف نہیں لکھا تھا مگر معلوم نہیں کہ اس رسالے کو دیکھ کر ڈاکٹر موصوف کیوں اتنا سیخ پا ہوا کہ اس کے اوسان بھی خطا ہوگئے کبھی مجتہد بن کر احادیث کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور کبھی مقلد بن کر فقہاء وعلماء کے اقوال کے درپے ہوتا ہے، اور خاص کر ان فقہاء وعلماء جنھوں نے اشارہ فی التشہد ثابت کرنے کی کوشش کی"۔ انوار التحقیق، ص:۱۲۹۔۱۳۰

یقین جانیے جس طرح شاہ صاحب نے اپنے مرشد کی غیرت کی وجہ سے میرے رسالہ

کا جواب لکھا ہے، میں نے بھی محض رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے ننگ وناموس کی خاطر ہی یہ چند سطور تحریر کی ہیں تاکہ احادیث وآثارِ صحابہ وتابعین، ائمہ ثلاثہ کے اقوال اور فقہاء کی عبارات سے ثابت شدہ سنت کے خلاف اُڑایا جانے والا گردوغبار صاف ہو اور محض چند علماء ومشائخ کرام کے ذاتی فہم واقوال سے اس سنت کو ترک کرنے سے بچا جاسکے۔ اللہ رب العزت میری ان سطور کو قبول اور میری نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

والسلام علی من اتبع الهدی۔

اللهم ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ط كان اختتام هذه الرسالة المسماة "بازالة الاوهام عن سنة خير الانام" ليلة الاحد فى الساعة الثالثة ،الخامس عشر من سبتمبر سنة ٢٠١٧م ،الرابع والعشرين من محرم الحرام من شهور السنة التاسع والثلاثين بعد الالف واربع مائة من الهجرة النبوية على صاحبها أفضل الصلوة والتحية۔

والحمد لله أوّلاً وآخراً۔

۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ۔ ۱۵ ستمبر ۲۰۱۷ء

کتابیات

۱۔ قرآنِ مجید — کتاب منزل من اللہ تعالیٰ

۲۔ ابوالمکارم شرح للمختصر الوقایہ — مطبع منشی نولکشور، ہند ۱۳۰۲ھ۔۱۸۸۵ء

۳۔ احیاء علوم الدین — دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، س۔ن

۴۔ اخبار "زمیندار" — لاہور ۲۵ رمضان ۱۳۳۸ھ

۵۔ اختلاف الحدیث — دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء

۶۔ الاختیار لتعلیل المختار — دارالحدیث، قاہرہ ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹۔

۷۔ اشارۃ المستمرۃ — مطبع خادم الاسلام، دہلی ۱۳۰۹ھ

۸۔ اصول السرخسی — دارالمعارف النعمانیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۱ء

۹۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم — دارالوفاء، طبع اول ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء

۱۰۔ انوار التحقیق فی ان المصباح بالاطفاء یلیق — جامع امام ربانی مجدد الف ثانی فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن ۲۰۱۶ء

۱۱۔ انوارِ شریعت المعروف جامع الفتاویٰ — مکتبہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، بجکوٹ روڈ فیصل آباد

۱۲۔ الایضاح فی شرح الاصلاح — دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۸ھ

۱۳۔ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون — دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸ء

۱۴۔ البحرالرائق شرح کنزالدقائق — مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ س۔ن

۱۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع — دارالکتب العربی، بیروت ۱۳۹۳ھ۔۱۹۷۴ء

۱۶۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد — مکتبہ علمیہ، لاہور ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴ء

۱۷۔ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ — دارالفتح للدراسات والنشر ۱۴۳۷ھ۔۲۰۱۶

۱۸۔ البرجندی شرح النقایہ مختصر الوقایہ — مکتبہ حقانیہ کوئٹہ عکس طبع منشی نولکشور ۱۳۲۴ھ

۱۹۔ برِعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ — شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی ۱۹۸۳ء

۲۰۔ البشارۃ فی العمل بالاشارۃ — مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس، لاہور، ۱۳۲۳ھ

۲۱۔ بشارۃ لاہل الاشارۃ — قلمی نسخہ، لائبریری جامعہ پنجاب، لاہور داخلہ نمبر ۱۰۱۶

۲۲۔ البصارۃ فی العمل بالاشارۃ — قلمی نسخہ، بیت الحکمت لائبریری جامعہ ہمدرد، کراچی

۲۳۔ البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر — مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول، ترکی ۱۴۳۱ھ۔ ۲۰۱۰ء

۲۴۔ بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام — جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت ۱۴۲۰ھ

۲۵۔ البنایہ فی شرح الہدایہ — دارالفکر، بیروت ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء

۲۶۔ تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ — شرکۃ دارارقم بن ابی الارقم، بیروت س۔ ن

۲۷۔ تبیین الحقائق — دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ء

۲۸۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی — میر محمد کتب خانہ، کراچی عکس طبع ثانی ۱۳۹۲ھ۔ ۱۹۷۲ء

۲۹۔ تذکرۃ الحفاظ — اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱ء

۳۰۔ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ — دارالفاروق، طائف ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ء

۳۱۔ التسہیل الضروری للمسائل القدوری — المصباح اردو بازار لاہور س۔ ن

۳۲۔ التصحیح الترجیح علی مختصر القدوری — صدیقی پبلشرز، پاکستان ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء

۳۳۔ التعریف والاخبار بتخریج احادیث الاختیار — جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ء

۳۴۔ التعلیق المجد علی مؤطا محمد — قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ ن

۳۵۔ تفسیراتِ احمدیہ — مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی پشاور س۔ ن

۳۶۔ تفسیر جلالین — دارالمعرفت، بیروت س۔ ن

۳۷۔ تفسیر روح المعانی — انتشاراتِ جہان، طہران س۔ ن

۳۸۔ تفسیر رؤفی — الحقائق فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۱۲ء

۳۹۔ تفسیرِ قرطبی — داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵

۴۰۔ تفسیرِ کبیر — ایران، طبع سادس

۴۱۔ تفسیرِ مظہری، اردو ترجمہ — ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء

۴۲۔ التقریب والتیسیر مع تدریب الراوی میر محمد کتب خانہ کراچی عکس طبع ثانی ۱۳۹۲ھ۔۱۹۷۲

۴۳۔ التلویح فی کشف حقائق التنقیح قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ن

۴۴۔ التمہید لمافی المؤطا من المعانی والاسانید مکتبۃ التجاریۃ، مکہ مکرمہ، س۔ن

۴۵۔ تواریخ عجیب سلمان اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۲

۴۶۔ تہذیب التہذیب دارالحدیث، قاہرہ ۱۴۳۱ھ۔۲۰۱۰ء

۴۷۔ تہذیب الکمال مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۸۰ء

۴۸۔ تیسیر مصطلح الحدیث فاروقی کتب خانہ، لاہور س۔ن

۴۹۔ جامع بیان العلم وفضلہ دارالکتب الحدیثۃ، قاہرہ س۔ن

۵۰۔ جامع الرموز منشی نول کشور لکھنو ۱۲۹۱ھ۔۱۸۷۴ء

۵۱۔ الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر

۵۲۔ الجامع الصغیر مع النافع الکبیر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۰

۵۳۔ الجامع الکبیر دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴ء

۵۴۔ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میر محمد کتب خانہ، کراچی عکس طبع ۱۳۳۲

الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ دارالکتب العلمیہ، بیروت طبع اول ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۰ء

۵۵۔ الجوہرۃ النیرۃ مطبع محمود بک ۱۳۱۰ھ

۵۶۔ حاشیۃ البیجوری علی شرح ابن قاسم الغزی دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع س۔ن

۵۷۔ حاشیۃ سنن النسائی قدیمی کتب خانہ، کراچی

۵۸۔ حاشیہ شیخ شلبی علی تبیین الحقائق مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء

۵۹۔ حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین مطبع ازہریہ، مصر ۱۳۴۵ھ۔۱۹۲۶ء

۶۰۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱۴۰۳ھ

۶۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، شارع الازہر ۱۳۵۲ھ

۶۲۔ الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ عکس طبع مطبعہ عامرہ علیہ شعبان ۱۲۹۰ھ

۶۳۔ الحرز الثمین للحصن الحصین عکس قلمی نسخہ، لائبریری جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی داخلہ نمبر ۱۰۷۹۷

۶۴۔ حل المشکلات مطبع فرانٹیر ایڈوکیٹ، پشاور س۔ن

۶۵۔ حلبۃ المحلی شرح منیۃ المصلی — عکس قلمی نسخۂ مدرسہ احمدیہ حلب، دار اہل السنۃ، الماس مسجد عزیز آباد، کراچی

۶۶۔ حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء دار الباز مکتبۃ الرسالۃ الحدیثۃ س۔ن

۶۷۔ حلیۃ الناجی علی الشرح الحلبی، — مطبعۃ العثمانیہ، ۱۳۰۶ھ

۶۸۔ خلاصۂ کیدانی — قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

خلاصۂ کیدانی — نورانی کتب خانہ، قصہ خوانی بازار پشاور س۔

۶۹۔ خلاصۂ کیدانی مع میر — مطبع فاروقی میر محمد معظم

۷۰۔ الدرایۃ فی منتخب تخریج احادیث الہدایۃ — مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان س۔ن

۷۱۔ الدرر المکنونات النفیسۃ — مطبعۃ المیریۃ، مکہ مکرمہ ۱۳۱۶ھ

۷۲۔ الدر المنتقی فی شرح الملتقی مع مجمع الانہر — مکتبۃ المنار، کانسی روڈ، کوئٹہ

۷۳۔ درر البحار (عکس قلمی نسخۂ) مدرسہ احمدیہ حلب، دار اہل السنۃ، الماس مسجد عزیز آباد، کراچی

۷۴۔ در المختار شرح تنویر الابصار — دار الکتب العلمیہ، بیروت س۔ن

۷۵۔ ذخیرۂ برہانیہ (عکس قلمی نسخۂ) مدرسہ احمدیہ حلب، دار اہل السنۃ، الماس مسجد عزیز آباد، کراچی

۷۶۔ رحمت بیان شرح رشید البیان — مطبع منظورِ عام، پشاور ۱۳۷۸ھ۔ ۱۹۵۹ء

۷۷۔ رد المحتار علی الدر المختار — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۴ء۔ دار الثقافت والتراث،

رد المحتار علی الدر المختار — دار الثقافت والتراث دمشق ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء

۷۸۔ رسالہ خواجہ علی متقی — مطبع خادم الاسلام، دہلی ۱۳۰۹ھ

۷۹۔ رسالہ فی اصول الحدیث — مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء

۸۰۔ الرسالۃ المستطرفۃ — نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۹ھ۔ ۱۹۶۰ء

۸۱۔ رسالہ مولانا ابو المکارم — مطبع خادم الاسلام، دہلی ۱۳۰۹ھ

۸۲۔ رسائل الارکان — مکتبہ اسلامیہ، میزان مارکیٹ، کوئٹہ س۔ن

۸۳۔ رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد — سہیل اکیڈیمی، لاہور ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء

۸۴۔ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی س۔ن

۸۵۔ زاد المسیر فی علم التفسیر — المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۴ء

۸۶۔ زبدۃ الفقہ — زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء

۸۷۔ زبدۃ المقامات مطبع نامی منشی نولکشور، کانپور ۱۳۰۷ھ

۸۸۔ سبل السلام دارالحدیث

۸۹۔ سلعۃ القُربہ فی توضیح شرح النخبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی س۔ن

۹۰۔ سُنن ابن ماجہ مکتبہ فاروقیہ، ملتان، عکس اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۵ھ

۹۱۔ سنن ابی داؤد مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور س۔ن

۹۲۔ سنن دار قطنی دارنشر الکتب الاسلامیہ، شارع شیش محل، لاہور، س۔ن

۹۳۔ سنن دارمی تحقیق وتخریج فواز احمد زمرلی خالد السبع العلیمی
قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۹۴۔ سنن الکبریٰ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۴۶ھ

۹۵۔ سنن النسائی قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن

۹۶۔ شرح الیاس نورانی کتب خانہ، بازار قصہ خوانی، پشاور ۱۳۵۶ھ

۹۷۔ شرح رمضان افندی علیٰ شرح العقائد شرکۃ الصحافیۃ العثمانیہ، استنبول ۱۳۱۵ھ

۹۸۔ شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک دارالاحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء

۹۹۔ شرح سفر سعادت مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر ۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸ء

۱۰۰۔ شرح السنۃ مکتبۂ اسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء

۱۰۱۔ شرح سنن ابن ماجہ مکتبۂ نزار مصطفیٰ، ریاض ۱۴۱۹ھ

۱۰۲۔ شرح سنن ابی داؤد مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء

۱۰۳۔ شرح صحیح مسلم (اردو) فرید بک اسٹال، لاہور ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء

۱۰۴۔ شرح عقائد النسفیہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ س۔ن

۱۰۵۔ شرح عقود رسم المفتی قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ن

۱۰۶ شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱۳۷۵ھ۔۱۹۵۶ء

۱۰۷۔ شرح معانی الآثار میر محمد کتب خانہ، کراچی س۔ن

۱۰۸۔ شرح منیۃ المصلی (حلبی صغیر) میر محمد کتب خانہ، کراچی س۔ن

۱۰۹۔ شرح منیۃ المصلی (حلبی کبیر) سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۱ء

۱۱۰۔ شرح نخبۃ الفکر — نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی س۔ن

۱۱۱۔ شرح الوقایہ — میر محمد کتب خانہ، کراچی، س۔ن

۱۱۲۔ الصحیح المسلم — قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱۳۷۵ھ۔۱۹۵۶ء

۱۱۳۔ صحیح ابن حبان — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء

۱۱۴۔ صحیح ابن خزیمہ — مکتب الاسلامیہ، بیروت ۱۳۹۰ھ۔۱۹۷۰ء

۱۱۵۔ صحیح البخاری — قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱۳۸۱ھ۔۱۹۶۱ء

۱۱۶۔ الصحیح المسند مما لیس فی الصحیحین — مکتبہ دار القدس، صنعاء، یمن ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۱ء

۱۱۷۔ صلاۃ مسعودی — مطبع محمدی، لاہور س۔ن

۱۱۸۔ طبقات المدلسین — دار البیان العربی ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء

۱۱۹۔ عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی — مکتبۃ المعارف، بیروت س۔ن

۱۲۰۔ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ — رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ء

۱۲۱۔ العلق الشمسی الثانی علی خلاصۃ الکیدانی — مطبع منشی نول کشور، ہند ۱۳۰۲ھ۔۱۸۸۵ء

۱۲۲۔ العلل لابن ابی حاتم — دار صادر، بیروت س۔ن

۱۲۳۔ العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواہیۃ — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۰ء

۱۲۴۔ العمدۃ — المکتبۃ الفیصلیۃ، مکہ مکرمہ س۔ن

۱۲۵۔ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ — مکتبۃ الرشیدیہ، دہلی ۱۳۷۴ھ۔۱۹۵۵ء

۱۲۶۔ العنایہ علی الہدایہ — مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر، گجرات ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء

۱۲۷۔ عوارف المعارف مع احیاء علوم الدین، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت س۔ن

۱۲۸۔ فتاویٰ بزازیہ — مکتبہ حقانیہ پشاور، عکس طبع مطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، مصر ۱۳۱۰ھ

۱۲۹۔ فتاویٰ تاتارخانیہ — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۱ھ

۱۳۰۔ فتاویٰ جامع الفوائد — میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی س۔ن

۱۳۱۔ فتاویٰ خیریہ — مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ س۔ن

۱۳۲۔ فتاویٰ سراجیہ — ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی س۔ن

۱۳۳۔ فتاویٰ صوفیہ — عکس قلمی نسخہ، لائبریری مولانا کریم بخش، میہڑ ضلع دادو

۱۳۴۔ الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیۃ — دار صادر، بیروت س۔ن

۱۳۵۔ فتاویٰ قاضیخان دارالکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۹ء
فتاویٰ قاضیخان حافظ کتب خانہ، مسجد روڈ کوئٹہ س۔ن
۱۳۶۔ فتاویٰ النوازل میر محمد کتب خانہ، کراچی س۔ن
۱۳۷۔ فتاوی واحدی، المعروف بیاض واحدی، مکتبہ حقانیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۱۴۱۸ھ۔۱۹۷۷ء
فتاویٰ واحدی مکتبہ حقانیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۷ء
۱۳۸۔ فتاویٰ ہمایونی مطبع رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور ۱۳۳۴ھ
۱۳۹۔ فتح العزیز شرح الوجیز دار الفکر، بیروت س۔ن
۱۴۰۔ فتح القدیر مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء
۱۴۱۔ الفرقان، بریلی کا "شاہ ولی اللہ نمبر" ۱۹۴۱ء
۱۴۲۔ الفقہ الحنفی وادلتہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۲۱ھ
۱۴۳۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء۔
۱۴۴۔ الفقہ المیسر علی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان
زم زم پبلشرز، اردو بازار کراچی ۱۴۱۹ھ
۱۴۵۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۸ء
۱۴۶۔ فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی ۱۳۸۳ھ۔ ۱۹۶۴
۱۴۷۔ قطب الارشاد مطبع گلزار الحسنی، بمبئی ۱۳۱۹ھ
۱۴۸۔ الکاشف عن حقائق السنن (شرح طیبی) ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۳ھ
۱۴۹۔ کتاب الام دارِقتیبہ، بیروت طبع ثانی ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء
۱۵۰۔ کتاب الدعاء دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۴۱۳ھ۔ ۱۹۹۳ء
۱۵۱۔ کتاب المبسوط مکتبہ غفاریہ، کانسی روڈ کوئٹہ ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۱ء
۱۵۲۔ کتاب معرفۃ علوم الحدیث جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۹۷ھ۔۱۹۷۷ء
۱۵۳۔ کتاب المنتقی من السنن المسندۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مکتبۃ الاثریہ، جامع مسجد اہلِ حدیث باغ والی سانگلہ ہل
۱۵۴۔ کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ،
بیروت طبع ثانی ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶ء

۱۵۵۔ کشف الحقائق شرح کنز الدقائق مطبعۃ الادبیۃ بسوق الخضار القدیم، مصر ۱۳۱۸ھ

۱۵۶۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸ء

۱۵۷۔ کشف غطاء العین لرؤیۃ الاشارۃ فی التشہد ین مع مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی

مطبع اسلامیہ، اسٹیم پریس، لاہور ۱۳۲۳ھ

۱۵۸۔ الکفایہ فی شرح الہدایہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء

۱۵۹۔ کلیات ابی البقاء دارالاشاعت العربیہ، چوک گوالمنڈی کوئٹہ، عکس طبع مصر ۱۲۵۳ھ

۱۶۰۔ کنز الدقائق وشرحہ العینی، عکس طبع مطبع الحیدری، بمبئی ۱۲۸۸ھ مکتبہ حبیبیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۱۶۱۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۳۹۹ھ

۱۶۲۔ اللباب شرح ادب الکتاب صدیقی پبلشرز، ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء

۱۶۳۔ لباب النقول فی اسباب النزول دارالمعرفۃ، بیروت س۔ن

۱۶۴۔ لسان المیزان ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور ۱۳۳۰ھ

۱۶۵۔ لمعات التنقیح مکتبۃ المعارف العلمیہ، شارع شیش محل لاہور ۱۳۹۰ھ۔۱۹۷۰ء

۱۶۶۔ مالابدمنہ قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ن

۱۶۷۔ المتانۃ فی المرمۃ عن الخزانۃ سندھی ادبی بورڈ، کراچی ۱۳۸۱ھ۔۱۹۶۲ء

۱۶۸۔ مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر مکتبۃ المنار، کانسی روڈ کوئٹہ

۱۶۹۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۸ھ

۱۷۰۔ المجموع شرح المہذب دارالفکر، بیروت س۔ن

۱۷۱۔ محیط برہانی داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء

۱۷۲۔ محیط سرخسی قلمی نسخہ، مکتبہ جامعۃ المدینہ، سبزی منڈی کراچی

۱۷۳۔ المختار للفتویٰ دارالحدیث، قاہرہ ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹ء

۱۷۴۔ مختار النوازل مکتبہ ظاہریہ، دمشق س۔ن

۱۷۵۔ مختصر تفسیر ابن کثیر دارالقرآن الکریم، بیروت طبع سابع ۱۴۰۲ھ

۱۷۶۔ مختصر شرح کنز البیان، مطبوع علی ھامش رمز الحقائق،

نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹ء

۱۷۷۔ المختصر فی علم الاثر — مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، الریاض ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء

۱۷۸۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل — مطبع امیریہ، بولاق، مصر ۱۲۹۸ھ

۱۷۹۔ مرقاۃ المفاتیح — مکتبہ امدادیہ، ملتان ۱۳۸۶

۱۸۰۔ مزیل التردد عن عدم تحریک الاصبع فی التشھد — جمیعت اشاعت اہلسنت، کراچی ۲۰۱۷ء

۱۸۱۔ المستدرک علی الصحیحین — دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء

المستدرک علی الصحیحین — قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ن

۱۸۲۔ مسند ابی داؤد طیالسی — دار المعرفۃ، بیروت ۱۳۲۱ھ

مسند ابی داؤد طیالسی — دار ابن حزم، بیروت، طبع اول ۱۴۳۴ھ۔ ۲۰۱۳ء

۱۸۳۔ مسند ابی سعید الہیثم — مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ ۱۴۱۰ھ

۱۸۴۔ مسند ابی عوانہ — دار المعرفۃ، بیروت س۔ن

۱۸۵۔ مسند ابی یعلی الموصلی — دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ جدہ سعودی عرب طبع اول ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸ء

۱۸۶۔ مسند امام احمد بن حنبل — دار الفکر س۔ن

۱۸۷۔ مسند امام شافعی — شرکۃ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء

۱۸۸۔ مسند بزار — مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء

۱۸۹۔ مسند حمیدی — اہلِ حدیث ٹرسٹ، کورٹ روڈ کراچی س۔ن

۱۹۰۔ مسند رویانی — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۷ء

۱۹۱۔ مسئلۃ الاشارۃ بالسبابۃ فی التشھد فی الصلاۃ — جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

۱۹۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۹۸۶

مصنف ابن ابی شیبہ — مکتبۃ الرشد، ریاض

۱۹۳۔ مصنف عبد الرزاق — مجلس علم، بیروت ۱۹۷۰ء۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت س۔ن

۱۹۴۔ معارف السنن شرح جامع الترمذی — ایچ۔ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۸ھ

۱۹۵۔ معجم الاوسط — دار الفکر، عمان، اردن ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء

۱۹۶۔ معجم الکبیر — مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ ۱۴۰۴ھ

۱۹۷۔ معرفۃ السنن والآثار — مجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیہ، مصر ۱۹۷۰ء

۱۹۸۔ مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۶ء

۱۹۹۔ المغرب فی ترتیب المعرب — ادارہ دعوۃ الاسلام، کراچی ۱۴۰۲ھ۔۱۹۸۲ء

۲۰۰۔ المغنی لابن قدامہ — مطبوعہ قاہرہ ۱۳۷۷ھ

۲۰۱۔ مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج
شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۳۷۷ھ۔۱۹۵۸

۲۰۲۔ مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۲ء

۲۰۳۔ المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم — دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹

۲۰۴۔ مقاماتِ مظہری — اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳

۲۰۵۔ مقدمۂ ابن الصلاح — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۷ھ۔۲۰۰۶ء

۲۰۶۔ مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ — مکتبۃ الرشیدیہ، دہلی ۱۳۷۴ھ۔۱۹۵۵ء

۲۰۷۔ مقدمۃ فی الحدیث النبوی وعلومہ — قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن

۲۰۸۔ المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی — دار الکتب العلمیہ، بیروت س۔ن

۲۰۹۔ مکتوباتِ امام ربانی مع شرح — مکتبہ سعیدیہ، پشاور، عکس طبع مطبع نامی، امرتسر ۱۳۳۴ھ

۲۱۰۔ الملتقط فی الفتاوی الحنفیۃ — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء

۲۱۱۔ منیۃ المصلی — قرآن محل، کراچی ۱۳۷۴ھ

۲۱۲۔ مواہب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل — دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۱۳۔ مواہب الرحمٰن — عکس قلمی نسخہ مدرسہ احمدیہ حلب،
دار اہلِ السنۃ، الماس مسجد عزیز آباد، کراچی

۲۱۴۔ مؤطا امام مالک — میر محمد کتب خانہ، کراچی س۔ن

۲۱۵۔ مؤطا امام محمد بن الحسن — قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ن

۲۱۶۔ منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین — مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۳۳۸ھ

۲۱۷۔ مونس المخلصین — عباسی لیتھو پریس، کراچی س۔ن

۲۱۸۔ النافع الکبیر مقدمۃ جامع الصغیر — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۰

۲۱۹۔ النبراس شرح شرحِ العقائد — مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۳۹۷ھ۔۱۹۷۷ء

۲۲۰۔ النتف فی الفتاویٰ — مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور س۔ن

۲۲۱۔ نزہۃ الخواطر — طیب اکادمی، ملتان ۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۱ء

۲۲۲۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ — مجلس علمی، ڈابھیل ۱۳۵۷ھ۔۱۹۳۸ء، دارالحدیث، قاہرہ

۲۲۳۔ نورالایضاح — محمد سعید اینڈ سنز، قرآن محل، کراچی س۔ن

۲۲۴۔ نورالعین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین — قلمی نسخہ، لائبریری سندھی ادبی بورڈ، جامشورو

۲۲۵۔ النہایہ شرح الہدایہ — قلمی نسخہ جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر، کراچی

۲۲۶۔ النہرالفائق شرح کنزالدقائق — قدیمی کتب خانہ، کراچی س۔ن

۲۲۷۔ الوجیز فی فقہ مذہب الامام الشافعی — دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۵ھ۔۲۰۰۴ء

۲۲۸۔ وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ — داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۱ء

۲۲۹۔ ہدایہ — مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان س۔ن

سوانح حیات و خدمات

حضرت سلطان الواعظین، عمدۃ المناظرین
فنا فی الرسول شیرِ مصطفیٰ علامہ

ابو الفضل

مفتی عبد الرحیم سکندری

نور اللہ مرقدہ

ترتیب

مفتی حق النبی سکندری ازہری

ناشر

صبغۃ الہدیٰ دار العلوم

شاد نشسته ز صدر و سما باغ العالی بکمال
[illegible] الدر جمال
صفی [illegible]
[illegible]
[illegible] عنایت [illegible]
صدق [illegible]

نماز میں التحیات پڑھتے ہوئے اشھد ان لا الہ الا اللہ پر توحید باری تعالیٰ کی عملاً گواہی کی نیت سے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا نبی پاک ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ جس کے سنت ہونے پر سولہ (۱۶) صحابہ کرام، تین (۳) تابعین، چھ (۶) تبع تابعین حضرات کی مرویات موجود ہیں۔ ان مرفوع و مرسل احادیث کی ۲۰۴ صحیح اسانید اُمہاتِ کتب حدیث میں بکھری ہوئی ہیں۔ نیز اشارۂ سبابہ کے مسنون ہونے پر چاروں ائمہ فقہ علیہم الرضوان کا اجماع ہے، اس کے علاوہ فقہاء احناف کے اوّلین پانچ طبقات کے فقیہ حضرات کا اتفاق ہے۔ لیکن بعد کے فقہاء نے اُسے نماز میں زائد عمل سمجھتے ہوئے، یا نماز میں وقار اور سکون کے منافی قرار دیتے ہوئے اس سے گریز اختیار کی، اور کچھ حضرات نے روافض کے ساتھ مشابہت قرار دے کر اسے ترک کرنے کا حکم لگایا، اور پھر رفتہ رفتہ اس عمل کو فریق مخالف نے ناجائز، مکروہ کہہ دیا، اور کچھ حضرات نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر حرام کہہ دیا۔ اور بعد والے کچھ حضرات نے تو اسے منسوخ قرار دے دیا، اور اس کے نسخ کے لئے احادیث تک گھڑ ڈالیں اور مکی دورِ نبوت میں نازل ہونے والی آیات مبارکہ اور اعلانِ نبوت کے مکی سالوں میں آپ ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو بغیر سیاق و سباق جانے اشارۂ سُبابہ کا ناسخ لکھ دیا۔ اس مسئلہ پر شدتِ مخالفت اس حد کو پہنچ گئی کہ بعض جہلاء نے اشارۂ سُبابہ کرنے والے کو نماز کے دوران ہی سے اُٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دینے یا ایسے نمازی کی اُنگلی توڑنے کو کارِ ثواب سمجھ لیا۔

اس کتاب میں اس قسم کے تقریباً تمام اعتراضات کا جواب احادیث و آثار اور عباراتِ فقہاء احناف سے دیا گیا ہے۔ اسی موضوع پر شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی معرکۃ الآراء عربی تصنیف "نور العین فی اثبات الاشارۃ فی التشھدین" بھی مکمل حواشی کے ساتھ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین اپنی گرانقدر آراء سے آگاہ فرمائیں، خاص طور پر اگر کتاب میں کوئی غلطی، سخیف کلمہ یا ناشائستہ بات ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔ ادارہ مشکور ہوگا۔

mbsikandari@gmail.com

کراچی
معلم پبلشر